مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (ہفتم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

کتاب الرقاق

دل کو نرم کردینے والی باتوں کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ رقاق جمع ہے رقیق کی بمعنی نرمی و پتلی چیز جیسے صغیر کی جمع صغار،کبیر کی جمع کبار اور کریم کی جمع کرام اور رقیقه کی جمع رقائق آتی ہے جیسے دقیقة اور حقیقة کی جمع دقائق اور حقائق ہے،اسی کا مقابل ہے غلیظ۔یہاں رقاق سے مراد حضور کے وہ کلمات طیبہ جو تاقیامت مسلمانوں کے دل نرم کردیں جیسے لوہانرم ہوکر اوزار اور سونا نرم ہوکر زیور اور مٹی نرم ہوکر کھیت یا باغ،آٹا نرم ہوکر روٹی وغیرہ بنتے ہیں ایسے ہی انسان دل کا نرم ہوکر ولی،صوفی،عارف وغیرہ بنتا ہے۔دل کی نرمی اللہ کی بڑی نعمت ہے،یہ نرمی دل بزرگوں کی صحبت اوران کے پاک کلمات سے نصیب ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو[۲] نعمتیں ہیں جن میں بہت لوگ گھاٹے میں ہیں تندرستی اور فراغت ۱(بخاری)	

۱یعنی تندرستی اور عبادت کے لیے موقعہ مل جانا اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں مگر تھوڑے لوگ ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اکثر لوگ انہیں دنیا کمانے میں صرف کرتے ہیں حالانکہ دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ محنت سے جوڑنا،مشقت سے اس کی حفاظت کرنا،حسرت سے چھوڑنا۔خیال رہے کہ فراغت اور بیکاری میں فرق ہے۔فراغت اچھی چیز ہے،بیکاری بری چیز۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی لوگ کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے سوائے ان ساعتوں کے جوانہوں نے دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر صرف کردیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے ۱فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی قسم نہیں ہے دنیاآخرت کے مقابل مگر ایسی جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے پھر دیکھے کہ انگلی کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے ۲(مسلم)	

۱ آپ بہت کم سن صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بالکل نو عمر تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام شریف یاد رکھا،روایت کیا،مصر میں قیام رہا۔(اکمال،اشعہ)

۲یہ بھی فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ فانی اور متناہی کو باقی غیر فانی غیر متناہی سے وجہ نسبت بھی نہیں جو بھیگی انگلی کی تری کو سمندر سے ہے۔خیال رہے کہ دنیا وہ ہے جو اللہ سے غافل کردے۔عاقل عارف کی دنیاتو آخرت کی کھیتی ہے اس کی دنیا بہت ہی عظیم ہے۔غافل کی نماز بھی دنیا ہے جو وہ نام نمود کے لیے کرتا ہے۔عاقل کا کھانا پینا،سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا بھی دین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔مسلمان اس لیے

کھائے پیئے سوئے جاگے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں۔حیاۃالدنیااور چیز ہے، حیوۃ فی الدنیا اور، حیاۃللدنیا کچھ اور یعنی دنیا کی زندگی، دنیا میں زندگی، دنیا کے لیے زندگی، جو زندگی دنیا میں ہو مگر آخرت کے لیے ہو دنیا کے لیے نہ ہو وہ مبارک ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

کشتی دریا میں رہے تو نجات ہے اور اگر دریا کشتی میں آجاوے تو ہلاک ہے۔مؤمن کا دل مال و اولاد میں رہنا چاہیے مگر دل میں اللہ و رسول کے سوا کچھ نہ رہنا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ کے مرے بچے پر گزرے تو فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ یہ اسے ایک درہم کے عوض ملے؟ ۱؎ صحابہ نے عرض کیا ہم نہیں چاہتے کہ یہ ہمیں کسی بھی چیز کے عوض ملے تو فرمایا اللہ کی قسم! دنیا اللہ کو اس سے زیادہ ذلیل ہے جیسی یہ تمہارے نزدیک ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی بکری کا مردار بچہ کوئی چار آنے میں بھی نہیں خریدتا کہ اس کی کھال بے کار اور گوشت وغیرہ حرام ہے اسے کون خریدے۔

۲؎ دنیا کے معنی ابھی عرض کردیئے گئے وہ یاد رکھے جاویں۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیادار کو تمام جہان کے مرشد ہدایت نہیں دے سکتے، تارک الدنیا دیندار کو سارے شیاطین مل کر گمراہ نہیں کرسکتے، دنیادار دینی کام بھی کرتا ہے تو دنیا کے لیے اور دیندار دنیاوی کام بھی کرتا ہے تو دین کے لیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی مؤمن دنیا میں کتنا ہی آرام میں ہو مگر اس کے لیے آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا جیل خانہ ہے جس میں وہ دل نہیں لگاتا۔جیل اگرچہ اے کلاس ہو پھر بھی جیل ہے اور کافر خواہ کتنے ہی تکالیف میں ہوں مگر آخرت کے عذاب کے مقابلہ اسکے لیے دنیا باغ اور جنت ہے وہ یہاں دل لگا کر رہتا ہے، لہذا حدیث شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض مؤمن دنیا میں آرام سے رہتے ہیں اور بعض کافر تکلیف میں۔ایک روایت میں ہے کہ حضور انور نے فرمایا اے ابوذر! دنیا مؤمن کی جیل ہے اور قبر اس کے چھٹکارے کی جگہ، جنت اس کے رہنے کا مقام ہے اور دنیا کافر کے لیے جنت ہے، موت اس کی پکڑ کا دن اور دوزخ اس کا ٹھکانا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کسی مؤمن پر کسی نیکی میں ظلم نہیں کرتا ہے اس کا عوض دنیا میں دیا جاتا ہے اور اس کے عوض آخرت میں جزا دیا جاوے گا ۱؎ رہا کافر تو وہ دنیا میں اپنے نیکیوں کے عوض جو وہ کرے کھلا دیا جاتا ہے حتی کہ جب آخرت تک پہنچتا ہے تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوتی جس کی جزا اسے دی جاوے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی مؤمن کو اس کی نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی ملتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًاۙ وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ" تقویٰ کی برکت سے ہر آفت سے نجات، رزق میں فراخی، عزت و عظمت سب ملتی ہے مگر یہاں کی چیزوں سے اس کی آخرت کی جزا کم نہیں ہوتی جیسے سرکاری ملازم کا بھتہ تنخواہ میں نہیں کٹتا اور کافر کی دنیاوی تکالیف آخرت کے عذاب کو کم نہیں کرتیں جیسے ملزم کی حوالات کا زمانہ جیل کی مدت میں نہیں کٹتا۔

۲؎ یعنی کافر جو دنیا میں ہوا، دھوپ، غذا پانی وغیرہ کھاپی لیتا ہے وہ اس کی نیکیوں کے حساب میں آجاتا ہے۔ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کا حساب صاف ہوچکا ہوگا وہاں کچھ نہ پائے گا۔ مؤمن دنیا میں قانون سے کھاتا پیتا ہے، آخرت میں محبت سے اجر پائے گا۔ قانون میں حساب ہے، محبت میں بے حسابی۔ ہوٹل میں کھانا حساب سے ملتا ہے دعوت میں بغیر حساب کے کہ ہوٹل قانون کی جگہ، دعوت محبت کا ظہور "یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ" مؤمن کی دنیاوی تکالیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں حتی کہ بیماریاں، فکریں، رزق کی تنگی سب کفارات ہیں "مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ" کا یہ ہی مطلب ہے۔ (مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ خواہشات سے گھیر دی گئی ہے اور جنت تکالیف سے ۱؎ گھیر دی گئی ہے ۲؎ (مسلم، بخاری) مگر مسلم کے نزدیک بجائے **حجبت** کے **حفت** ہے۔	

۱؎ یعنی دوزخ خود خطرناک ہے مگر اس کے راستہ میں بہت سے بناوٹی پھول و باغات ہیں۔ دنیا کے گناہ، بدکاریاں جو بظاہر بڑی خوشنما ہیں یہ دوزخ کا راستہ ہی تو ہیں۔

۲؎ یعنی جنت بڑا باردار باغ ہے مگر اس کا راستہ خاردار ہے جسے طے کرنا نفس پر گراں ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد، شہادت جنت کا راستہ ہی تو ہیں۔ طاعات پر ہمیشگی، شہوت سے علیحدگی واقعی مشقت کی چیزیں ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں **شہوات** سے مراد حرام خواہشیں ہیں جیسے شراب، زنا، سرود، حرام کھیل، تماشے اس میں جائز شہوات داخل نہیں اور **مکارہ** سے مراد عبادات کی اطاعات کی مشقتیں ہیں لہذا اس میں خودکشی ومال برباد کرنا داخل نہیں۔ (مرقاۃ)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہلاک ہوجاوے دنیا کا بندہ روپے پیسے کا بندہ اور اعلیٰ کپڑوں کا بندہ ۱؎ کہ اگر اسے دیا جاوے تو راضی رہے اور اگر نہ دیا جاوے تو ناراض ہوجاوے ۲؎ وہ ہلاک ہوجاوے برباد ہوجاوے اور جب کانٹا لگے تو نہ نکلے ۳؎ خوشخبری ہو اس بندے کو جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہو، اس کے بال پراگندہ ہوں، اس کے قدم گرد آلود اگر پہرے میں ہو تو پہرے میں رہے اور اگر لشکر کے پیچھے ہو تو پیچھے رہے ۴؎ اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ دی جاوے اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی	

	جاوے ۵؎ (بخاری)

۱؎ روپیہ پیسہ سے مراد عام مال ہے،چونکہ نقد سکہ عمومًا پیارا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہر قسم کا مال حاصل کیا جاتا ہے اس لیے دینار و درہم کا ذکر فرمایا۔**خمیصه** یا تو نقشیں چادر ہے یا فاخرہ لباس یعنی جو ان چیزوں کی محبت میں گرفتار ہو کہ اس کی نظر ان میں ایسی لگی ہو کہ اسے کبھی آخرت یاد نہ آوے۔

۲؎ یعنی اگر اسے اللہ تعالٰی دنیا دے دے تو خوش رہے اگر کبھی اس پر تنگی آجاوے تو رب سے ناراض ہو جاوے،کفریات بکنے لگے یا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا سلطان اسلام یا کوئی بھی اسے دنیا دے دے تو ان سے راضی رہے ورنہ ان سے ناراض ہو جاوے،اس بندۂ نفس کا کوئی اعتبار نہیں اسے جو چاہے دنیا کی عوض خرید لے،اس کی تائید اس آیت سے ہے"فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَ اِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ"۔

۳؎ یہ کلمات بددعا کے ہیں کہ ایسا بندہ خدا کرے ہلاک نگوں سار ذلیل و خوار ہو جاوے اور جب کسی مصیبت میں پھنسے تو کوئی اسے نکالنے والا نہ ہو پھنسا ہی رہے۔(اشعہ)ممکن ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہو یعنی ایسا آدمی ذلیل و خوار رہتا ہے مصیبت میں اس کا کوئی غمخوار نہیں ہوتا۔

۴؎ یعنی ایسا غازی فی سبیل اللہ بے نفس ہمیشہ خوش و خرم رہے کہ اس کا حاکم اسے جہاں ڈیوٹی دے دے بخوشی منظور کرے کبھی عذر نہ کرے،اس کے دل میں دنیاوی عزت و جاہ کی طلب نہ ہو۔خیال رہے کہ اس جملہ میں شرط و جزا بظاہر یکساں معلوم ہوتی ہیں مگر ہماری اس شرح سے معلوم ہو گیا کہ دونوں میں فرق موجود ہے لہذا اس پر اعتراض نہیں ہے۔

۵؎ یعنی اس بے نفس غازی مجاہد کے پاس نہ مال کی فراوانی ہو نہ عزت و جاہ دنیاوی کی،لوگ اس کی غربت کی وجہ سے اسے اپنے گھر نہیں بلاتے بلکہ نہیں آنے دیتے،اس کی سادہ معمولی زندگی کی وجہ سے اس کی سفارش نہیں قبول کرتے،اس کے پاس بجز دل کے اخلاص اور اطاعت الٰہی کے جذبے کے اور کچھ نہیں وہ گدڑی میں لعل ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بعد جن چیزوں سے تم پر خوف کرتا ہوں وہ دنیا کی تر و تازگی دنیا کی زینت ہے جو تم پر کھول دی جاوے گی ۱؎ تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا خیر بھی شر لاتی ہے ۲؎ تو حضور خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے ۳؎ فرماتے ہیں پھر حضور نے اپنے سے پسینہ پونچھا اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ غالبًا حضور نے اس کی تعریف فرمائی پھر فرمایا کہ خیر شر کو نہیں لاتی ہے ۴؎ جیسے بہار اگاتی ہے اس میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ پھلا کر ہلاک کر دیتی ہے یا بیمار کر دیتی ہے ۵؎ سوائے اس جانور کے جو سبزی کھائے حتی کہ اس کی کوکھیں تن جاویں ۶؎ تو دھوپ میں آجاوے تو لوٹے پوٹے پیشاب کرے پھر لوٹ جاوے اور کھائے ۷؎ اور یقینًا یہ مال ہرا بھرا میٹھا ہے ۸؎ تو جو اسے اس کے حق سے لے اور اس کے حق میں خرچ کرے ۹؎ تو وہ اچھا مددگار ہے

	۱۰؎ اور جو ناحق لے ۱۱؎ وہ اس کی طرح ہوگا جو کھالے اور سیر نہ ہو ۱۲؎ یہ مال اس کے خلاف قیامت کے دن گواہ ہوگا ۱۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یعنی میری وفات کے بعد تم پر دنیا کی دولت، فتوحات، عزت و جاہ کے دروازے کھل جاویں گے ان کا مجھے خطرہ ہے کہ کبھی تم ان میں پھنس کر اللہ تعالٰی سے غافل نہ ہو جاؤ، غریبی میں خدا یاد رہتاہے اور امیری میں بھول جاتاہے۔ شعر

بادہ نوشیدن دہش زشستن سہل است　　　　گر بدولت رسی ہشیار نشینی مردی

۲؎ یہ سوال بہت ہی گہرا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مال و دولت، جاہ و حشمت شر ہوگی یا خیر، اگر شر ہوگی تو رب تعالٰی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کیوں دے گا آپ کی امت تو مرحومہ ہے اور اگر خیر ہوگی تو اس سے یہ شر کیسے پیدا ہوگی، خیر تو خیر ہی کا ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ شر کا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اندیشہ کیوں فرماتے ہیں۔

۳؎ اس سائل کا سوال اتنا عمدہ تھا کہ اس کا جواب رب تعالٰی نے دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمایا، سوال بھی اعلٰی سوال کرنے والا بھی شاندار۔

۴؎ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ غنیمتیں دولت وعزت وغیرہ خیر ہی ہوں گی مگر اندیشہ یہ ہے کہ تم اس خیر کو غلط استعمال کرکے اپنے لیے وبال بنالو۔ خیر ہمیشہ خیر ہی لاتی ہے مگر اس کا غلط استعمال شر کا باعث ہو جاتاہے، جب حضور انور پر وحی آتی تھی تو پسینہ آجاتا تھا اگرچہ سردی کا موسم ہوتا۔

۵؎ یہ نہایت نفیس مثال ہے کہ جنگل کا سبزہ اللہ کی نعمت ہے مگر جو گائے اسے ہوس کے ساتھ کھائے جائے بس ہی نہ کرے تو بیمار پڑ جاتی ہے، اسے اس سبزہ نے بیمار نہ کیا بلکہ اس کی ہوس نے اسے مصیبت میں ڈال دیا، یوں ہی جو شخص دنیا سے کبھی سیر نہ ہو، حرام وحلال میں تمیز نہ کرے، جو ملے قبضہ کرلے، اللہ کی عبادت کے لیے فارغ نہ ہو، ہر وقت دنیا طلبی میں سرگرداں رہے ظاہر ہے کہ وہ ہلاک ہوگا۔

۶؎ پیٹ کی دو کروٹوں کا تن جانا پیٹ بھر جانے کی علامت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس کا پیٹ خوب بھر گیا۔

۷؎ یعنی جب پہلا چارہ ہضم ہو جاوے تب دوبارہ کھائے، یوں ہی مسلمان کو چاہیے کہ حلال روزی حاصل کرے وہ بھی صبر و قناعت کے ساتھ کہ کچھ وقت روزی کمانے کے لیے رکھے، کچھ وقت اللہ کی عبادت کے لیے، کمایا ہوا مال کچھ خود کھائے کچھ غرباء فقراء کو کھلائے اسی لیے اسلام میں روزانہ پانچ نمازیں فرض فرمائیں اور مال میں زکوۃ، فطرہ، قربانی وغیرہ کا حکم دیا۔ نیز جو مسلمان گناہ کرے تو فورًا عنایت الٰہی کی دھوپ میں آئے توبہ کرے معافی چاہے، آئندہ زندگی احتیاط سے گزارے یہ مثال بہت پہلو رکھتی ہے۔

۸؎ کہ دیکھنے میں بھی اچھا لگتاہے برتنے میں بھی آرام دہ ہوتاہے اس لیے لوگ اس میں جلد پھنس جاتے ہیں، تم احتیاط رکھو۔

۹؎ یعنی مال اچھے راستے سے آئے، اچھے راستہ جائے۔ اگر چھت کا پانی پرنالے سے نہ نکالا جائے تو چھت پھاڑ کر گھر گرا دیتاہے۔

۱۰؎ یعنی ایسی دنیا دین کی مددگار ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان غنی کی دولت کہ اس سے ان بزرگوں نے جنت خرید لی ایسی دولت اللہ کی رحمت ہے۔

۱۱؎ اس طرح کہ حرام ذریعہ سے کمائے جوا، سود، رشوت چوری وغیرہ سے، حرام طرح سے جمع رکھے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے، نہ کھائے نہ کھانے دے نہ کسی کو کھلائے، جمع کرکے چھوڑ جائے یہ جمع حرام ہے۔ مشہور ہے کہ کنجوس کا مال اس کے مرے بعد صندوق سے نکلتاہے۔

۱۲؎ یعنی جیسے جوع البقر بیماری والا آدمی کھائے جاتاہے سیر نہیں ہوتا حتی کہ کھاتے کھاتے مرجاتاہے یہ ہی حال اس دنیا دار کا ہے۔

۱۳؎ یعنی اس کا یہ مال اس کے لیے وبال ہوگا، اس کی حرص وہوس کی گواہی دے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دولت سانپ ہے اور دین اس کا تریاق۔ جس کے پاس دین ہو اس کے لیے دولت مفید ہے، بے دین کی دولت ہلاکت کا سبب ہے۔ اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہورہاہے کہ متقی مؤمن کا مال قیامت میں اس کے ایمان تقویٰ اور سخاوت کا گواہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عوف سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم ! میں تم پر فقیری سے خوف نہیں کرتا لیکن میں تم پر اس سے خوف کرتا ہوں کہ تم پر دنیا پھیلادی جاوے جیسے تم سے پہلے والوں پر پھیلادی گئی تھی ۲؎ تو تم اس میں رغبت کر جاؤ جیسے وہ لوگ رغبت کر گئے اور تمہیں ویسے ہی ہلاک کردے جیسے انہیں ہلاک کردیا ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں، بدر میں شریک ہوئے، مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

۲؎ یہ فرمان ایک بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی مسکینیت دیکھ کر ارشاد فرمائی، یعنی تمہاری یہ فقیری عارضی ہے عنقریب تم بہت غنی ہو جاؤ گے مگر فقیری خطرناک نہیں امیری سے خطرہ ہے کہ اس میں فتنے بہت ہیں۔

۳؎ حضور انور کا یہ فرمان حضرات صحابہ کو ڈرانے اور احتیاط برتنے کے لیے ہے۔اللہ تعالٰی نے حضور کے صحابہ کو دنیاوی ناجائز رغبت اور ہلاکت یعنی کفر و طغیان سے محفوظ رکھا، وہ حضرات بادشاہ و امیر ہو کر بھی دنیا میں پھنسے نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک ہی کرتہ تھا جسے دھو دھو کر پہنتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کفن کے لیے گھر میں کپڑا نہ تھا، پہنے ہوئے کپڑے دھو کر انہیں میں آپ کو کفن کردیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا کہ میں اپنی تلوار فروخت کرنا چاہتا ہوں کہ آج گھر کا خرچ چلا سکوں وہ حضرات امیری میں فقیری کر گئے۔رہیں ان کی آپس کی جنگیں، وہ دنیا کے لیے نہ تھیں، دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر۔لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا وہ حضرات بہک گئے ہوں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی روزی بقدر ضرورت مقرر فرما ۱؎ ایک روایت میں ہے کہ بقدر کفایت۔(مسلم، بخاری)

۱؎ یہاں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص امتی ہیں جو قیامت تک ہوتے رہیں گے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ان کے حق میں قبول ہوئی، یہ نہیں کہا جاسکتا بہت سید بڑے امیر ہوتے ہیں۔**جمیع آل محمد** نہیں فرمایا دیکھو مرقاۃ میں شرح اس حدیث کی۔**کفاف** بنا ہے کف سے بمعنی روکنا، اس سے مراد وہ مال ہے جو انسان کو سوال کرنے سے بچائے، بھیک سے روک لے یعنی بقدر ضرورت مالی ضرورت ہر شخص کی مختلف ہے لہذا **کفاف** بھی ہر شخص کا علیحدہ۔اس فرمان عالی میں امت کو تعلیم ہے کہ بقدر ضرورت مال پر قناعت کریں زیادتی کی ہوس میں ذلیل و خوار نہ ہو۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ کامیاب ہو گیا جو مسلمان ہوا اور بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے دیئے ہوئے پر قناعت دی ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی جسے ایمان و تقویٰ بقدر ضرورت مال اور تھوڑے مال پر صبر یہ چار نعمتیں مل گئیں اس پر اللہ کا بڑا ہی کرم و فضل ہو گیا، وہ کامیاب رہا اور دنیا سے کامیاب گیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال ۱؎حالانکہ اس کے مال صرف تین ہیں ۲؎جو کھا کر ختم کردے یا پہن کر گلادے یا دے تو جمع کردے ۳؎جو ان کے علاوہ ہے وہ تو جانے والا ہے اور وہ اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے ۴؎(مسلم)	

۱؎یعنی فخر و تکبر کے انداز میں لوگوں سے کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مکان ہے،یہ میری جائیداد ہے،یہ میرا کنواں ہے،یہ میرا فلاں مال ہے یہ برا ہے۔انسان کو چاہیے کہ یقین رکھے کہ میں اور میرا مال سب اللہ تعالٰی کی ملک ہے میرے پاس چند روزہ ہے عارضی ہے۔خیال رہے کہ جسے انسان اپنا مال کہے اس کا مال یعنی انجام نرا وبال ہے اور جو مال ذریعہ عبادت ہے وہ ذریعہ آمال ہے جس سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔

۲؎یعنی جو مال انسان کے کام آویں وہ صرف تین ہیں ان کے علاوہ سب دوسروں کے کام آتے ہیں۔خیال رہے کہ انّ ماله میں ما موصولہ ہے اور له اس کا صلہ اور من ماله میں من بعضیت کا ہے یعنی اس کے مال میں سے وہ جو اسے مفید ہو صرف تین ہیں۔

۳؎اللہ تعالٰی کے بینک ہیں جہاں جمع کرنے سے بے شمار نفع ملتا ہے۔سبحان اللہ ! کیسی نفیس تعلیم ہے۔دینے سے مراد راہِ خدا میں دینا ہے خواہ بال بچوں کو دے یا عزیزوں یا غریبوں کو بشرطیکہ یہ دینا ناموری کے لیے نہ ہو اللہ رسول کی خوشنودی کے لیے ہو۔

۴؎ھو ذاھب میں ھو ضمیر بندے کی طرف لوٹتی ہے۔ذاھب سے مراد مرنے والا یعنی ان تین مالوں کے سوا اور مالوں کا یہ حال ہے کہ بندہ مرجاتا ہے اور وہ مال دوسروں کے لیے رہ جاتا ہے جیسے زمین باغات،مکانات،نقدی،بنک بیلنس وغیرہ۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ مال میں سے اللہ رسول کا حصہ ضرور نکالتا رہے،یہ مقصد نہیں کہ مکان جائیداد بنائے ہی نہیں،اپنے بچوں کو فقیر کرکے چھوڑے یا یہ مقصد ہے کہ مال کی محبت دل میں نہ ہو دل خاص اللہ رسول کے لیے ہو۔شعر

دل میں ہو یاد تیری گوشۂ تنہائی ہو پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو
سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں ۱؎دو تو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے اس کے ساتھ اس کے گھر والے ہیں اس کا مال اس کے اعمال جاتے ہیں ۲؎تو اس کے گھر والے اور مال لوٹ جاتے ہیں اور اس کے عمل ساتھ رہ جاتے ہیں ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی بعد مرے قبر تک تین چیزیں ساتھ جاتی ہیں: دو بے وفا جو مردے کو چھوڑ کر لوٹ آتی ہیں ایک وفادار جو ساتھ رہتی ہے۔

۲؎گھر والوں سے مراد بال بچے،عزیز و اقارب،دوست آشنا جو دفن و نماز میں شرکت کرنے جاتے ہیں۔مال سے مراد اس کے غلام باندیاں ہیں۔اعمال سے مراد سارے اچھے برے عمل ہیں جو میت نے اپنی زندگی میں کیے۔اعمال کے ساتھ جانے سے مراد ان کا میت کے ساتھ تعلق ہے جو مرے بعد قائم رہتا ہے لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

۳؎ نیک اعمال جو قبول ہوگئے ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں.برے اعمال شفاعت بخشش یا سزا بھگتنے تک چمٹے رہتے ہیں،ان چیزوں کے بعد پیچھا چھوڑتے ہیں۔جس پر مولیٰ رحم کرے حضور جسے سنبھال لیں اس کا بیڑا پار ہے۔قبر اعمال کا صندوق ہے یا دوزخ کی بھٹی ہے یا جنت کی کیاری اس لیے.بزرگوں کی قبر کو روضہ کہتے ہیں یعنی جنت کا باغ۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو ۱؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں سے کوئی نہیں مگر اسے اپنا مال ہی زیادہ پیارا ہے اپنے وارث کے مال سے،فرمایا تو اس کا مال وہ ہے جو آگے بھیج دے اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو چھوڑ جاوے ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی کون چاہتا ہے کہ میرے پاس مال نہ ہو، میرے عزیزوں کے پاس مال ہو،وہ سب امیر ہوں میں فقیر کنگال ہوں اس فرمان کا یہ مقصد ہے۔(اشعہ) لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض لوگوں کو دوسروں کا مال.بڑا پسند ہوتا ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایسا کون ہے جو دوسروں کا مال ان کے لیے سنبھال کر رکھے اپنا مال.برباد کردے یا برباد ہونے دے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ مال دوسروں کا ہے اعمال اپنے ہیں جو مال خیرات کردیا جاوے وہ اعمال بن گیا اور جو جمع کر کے چھوڑ گیا وہ نرا مال رہا اور جس مال کی زکوۃ نہ دی وہ اپنے لیے وبال وارثوں کے لیے مال ہوا۔خیال رہے کہ مال سے صدقات و خیرات کرتے رہنا پھر اللہ ورسول کی رضا کے لیے وارثوں کو غنی کرنے کے لیے مال چھوڑنا یہ بھی عبادت ہے۔

	روایت ہے حضرت مطرف سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم **الھکم التکاثر** تلاوت کررہے تھے ۲؎ فرمایا کہ انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال،فرمایا اے انسان تیرا مال نہیں ہے مگر جو تو کھا کر ختم کردے یا پہن کر گلادے ۳؎ یا خیرات کر کے آگے بڑھادے ۴؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر ہے،آپ تابعی ہیں،آپ کے والد صحابی اہل بصرہ سے ہیں،بڑے متقی عالم فقیہ تھے۔

۲؎ نماز کے علاوہ تلاوت تھی۔آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگوں کو مال.بڑھانے کی ہوس نے غافل کردیا اسی فکر میں زندگی گزاری کہ ایک کے دو ہوں اور دو کے چار۔

۳؎ اس طرح کہ کھانا کھا کر ہضم کرے کپڑا پہن کر اسے گلادے اگر بہت سے جوڑے بنا کر رکھے اور مرے بعد چھوڑ گیا تو کپڑے بھی تیرے نہیں دوسروں کے ہیں اس لیے جب اللہ نیا کپڑا اور نیا جوتہ دے تو فورًا استعمال شروع کردے ختم ہوجانے پر اللہ اور دے گا۔

۴؎ تصدقت فرما کر اشارۃً ارشاد ہوا کہ اپنی زندگی تندرستی میں اپنے ہاتھ سے خیرات کرجائے،یہ.برا ہے کہ زندگی میں کنجوس رہے مرتے وقت وصیت کرے یا امید کرے کہ میرے وارث میری طرف سے صدقہ وخیرات کیا کریں گے یہ شیطانی دھوکہ ہے۔شعر

توشہ اعمال اپنے ساتھ لے جاؤ جی ۔۔۔ کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ۔۔۔ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے (اعلیٰ حضرت)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امیری زیادہ مال واسباب سے نہیں لیکن امیری دل کی غنا سے ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ دل کی غنا سے مراد قناعت و صبر رضابر قضا ہے۔حریص مالدار فقیر ہے قناعت والا غریب امیر ہے۔شعر

توانگری نہ بمال است نزد اہل کمال کہ مال تالب گور است بعد ازاں اعمال

ہو سکتا ہے کہ غنی نفس سے مراد کمالات روحانیہ ہوں کہ اس کی برکت سے دولت منداس کے دروازہ کی خاک چاٹتے ہیں،دیکھ لو داتا گنج بخش اور خواجہ اجمیری کے آستانے رضی اللہ عنہما۔مطلب یہ ہے کہ غنی وہ ہے جس کو نفس غنا نفس کا کمال حاصل ہو۔حضرت علی فرماتے ہیں شعر

رضينا قسمة الجبار فينا لنا علم وللجهال مال

فان المال يفنى عن قريب وان العلم باق لا يزال

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون ہے جو مجھ سے یہ چند باتیں لے لے پھر ان پر عمل کرے یا اسے سکھادے جو ان پر عمل کرے ۱؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں ہوں تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا پھر پانچ چیزیں گنیں ۲؎ فرمایا حرام چیزوں سے بچو تمام لوگوں میں بڑے عابد ہو جاؤ گے ۳؎ اور اللہ نے جو تمہاری قسمت کردیا اس پر راضی رہو لوگوں سے غنی ہو جاؤ گے ۴؎ اور اپنے پڑوس سے اچھا سلوک کرو کہ مؤمن ہو جاؤ گے ۵؎ اور لوگوں کے لیے وہ ہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو مسلمان ہو جاؤ گے ۶؎ اور زیادہ ہنسو نہیں کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کردیتی ہے ۷؎ (احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۸؎

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ علم دین بہر حال اعلیٰ نعمت ہے اگر عمل بھی نصیب ہو جائے تو سبحان اللہ!،بغیر عمل بھی علم نعمت ضرور ہے،نیز بے عمل عالم پر تبلیغ ضروری ہے اور اسے تبلیغ کا ثواب ضرور ملے گا کیونکہ فرمایا گیا کہ ان باتوں پر یا عمل کرلے یا عاملین کو پہنچائے۔(اشعہ)ہو سکتا ہے کہ او بمعنی بل ہو یعنی خود عمل کرے بلکہ عمل کرنے والوں کو پہنچا بھی دے۔(مرقات)

۲؎ یا میری انگلیاں شمار فرمائیں یا انگلیوں پر یہ باتیں شمار فرمائیں،چونکہ یہ پانچوں باتیں ترتیب وار ہیں کہ بعض بعض سے پہلے ہیں اس لیے ترتیب وار انگلیوں پر گنائیں۔

۳؎ حرام چیزوں حرام کاموں سے بچنا تقویٰ کا پہلا درجہ ہے اس لیے حضور انور نے اسے پہلے بیان فرمایا۔آج کل لوگ بہت ورد وظیفے نوافل کو ہی تقویٰ سمجھتے ہیں،ان پر عامل ہوتے ہیں مگر جھوٹ،غیبت،دوسروں کا حق دبانے سے پرہیز نہیں کرتے سخت غلطی کرتے ہیں۔پہلے جسم و کپڑے ناپاکیوں سے پاک کرو پھر نماز پڑھو،برائیوں سے بچنا بڑی عبادت ہے۔

۴؎ اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ ترقی کی کوشش نہ کرو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو بلکہ مقصد یہ ہے نہ تو دوسروں پر حسد کرو نہ دنیاوی عروج نہ ملنے پر کف افسوس ملا کرو،نہ رب تعالٰی کی شکایت کرو کہ فلاں کو اتنا دیا ہم کو کم۔حضور غوث الثقلین سید شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں تیری بھاگ دوڑ سے مقسوم سے زیادہ نہ ملے گا اور تیری قناعت کی وجہ سے کم نہ ملے گا اس لیے راضی بہ رضا رہ۔(مرقات)امام ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ دو چیزوں سے مایوس ہو جاؤ آرام سے رہو گے:ایک یہ کہ تم کو دوسروں کے نصیب کی چیزیں مل جاوے گی،دوسرے یہ کہ تمہیں تمہارے نصیب سے زیادہ مل جاوے گا۔(مرقات)

۵؎ یعنی اگر تمہارا پڑوسی تم سے برائی بھی کرے مگر تم اس سے بھلائی کرو تو مؤمن کامل ہو جاؤ گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی شرارت و فتنوں سے محفوظ نہ ہو جاوے اسے امان نہ ہو جائے۔

۶؎ یہاں اسلام علاوہ ایمان کے اور صفت ہے یعنی تم جیسے اپنا بھلا چاہتے ہو ویسے ہی دوسروں کا بھلا چاہو اور جیسے برتاوا اپنے ساتھ چاہتے ہو ویسا ہی برتاوا تم دوسروں کے ساتھ کرو،جو بات اپنے لیے ناپسند کرتے ہو وہ دوسروں کے ساتھ نہ کرو تو تم مسلم یعنی سلامتی والے مسلمان بن جاؤ گے۔

۷؎ یہاں ہنسنے سے مراد ٹھٹھہ مار کر ہنسنا ہے اور دل کی موت سے مراد غفلت ہے یعنی زیادہ وقت ہنسی قہقہہ میں گزارنا دل میں غفلت پیدا کرتا ہے۔خیال رہے کہ مسکرانا اچھی چیز ہے قہقہہ بری چیز،تبسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب کسی سے ملو مسکرا کر ملو۔شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑے اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

۸؎ اس کی اسناد عن حسن عن ابی ہریرہ ہے اور خواجہ حسن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پایا نہیں مگر ایک اسناد عن مکحول عن واثلہ ابن اسقع ہے وہ اسناد متصل قوی،نیز یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے لہذا یہ حدیث حسن ہے اور اگر ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اے انسان تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیری غریبی دور کر دوں گا۱؎ اور اگر تو یہ نہ کرے گا۲؎ تو تیرا ہاتھ کام کاج سے بھر دوں گا اور تیری فقیری بند نہ کروں گا ۳؎(احمد،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی تو اپنا دل میری عبادت و اطاعت کے لیے خالی رکھ دست بکار دل بیار پر عمل کر،فراغت دل کے یہ ہی معنی ہیں،یہ مطلب نہیں کہ دنیا کا کاروبار نہ کر خود بھی بھوکے مرو بچوں کو بھی مارو۔دل کی دنیا دوسری ہے اگر اس پر عمل نصیب ہو گا تو ان شاء اللہ کمائی میں برکت دل میں فراغت حاصل ہو گی۔

۲؎ اس طرح کہ اپنا دل دنیا میں لگادے گا کبھی آخرت کی طرف مائل نہ ہو گا تو اس کا انجام وہ ہے جو حضور فرما رہے ہیں۔

۳؎ یعنی اگر تو نے اپنے کو دنیا کی فکروں میں ہی لگا دیا تیرے دل میں دنیا اتر گئی تو تو کام کرے گا زیادہ فکر کرے گا زیادہ،ملے گا وہ ہی جو تیرے مقدر میں ہے تو مالدار ہو کر بھی فقیر ہی رہے گا دل کا چین اللہ کی بڑی نعمت ہے،یہ اس کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے۔حضرت ابن عباس سے مرفوعًا روایت

ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ملک،مال،علم پیش فرمائے گئے تو آپ نے علم اختیار فرمایا رب نے علم کی برکت سے انہیں ملک و دولت بھی عطا فرمائے۔(مرقات)اللہ سے آخرت مانگو دنیا خود بخود مل جاوے گی،کسان دانہ کے لیے کاشت کرتا ہے بھوسا خود ہی مل جاتا ہے بندہ مؤمن کو روزی بے گمان ملتی ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کی عبادت و مشقت کا ذکر ہوا اور دوسرے کے تقوی کا ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت تقوی کے برابر نہیں ہوسکتی یعنی پرہیزگاری کے ۲؎(ترمذی)

۱؎ تقوی سے مراد گناہوں سے بچنا ہے یعنی عرض کیا گیا کہ فلاں شخص نفلی عبادات بہت کرتا ہے مگر گناہوں میں احتیاط کم کرتا ہے اور دوسرا آدمی نوافل کم ادا کرتا ہے مگر گناہوں سے بہت بچتا ہے حتی کہ شبہات سے بھی بھاگتا ہے ان میں افضل کون ہے۔

۲؎ لا تعدل یا تو نہی مخاطب ہے یا نفی مؤنث غائب یعنی نوافل کو تقوی کے برابر نہ کرو یا نوافل تقوی کے برابر نہیں ہوسکتے۔خیال رہے کہ تقوی کے تین درجے ہیں: تقوی عوام محرمات شرعیہ سے بچنا،تقوی خواص کا یعنی شبہات سے بچنا اور تقوی خاص الخاص کا بقدر ضرورت حلال چیزیں رکھنا زیادہ سے بچنا،یہ آخری تقوی حضرات انبیاء شہداء صالحین کا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عمرو ابن میمون اودی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے نصیحت کرتے ہوئے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت ۲؎ جانو:بڑھاپے سے پہلے جوانی کو،بیماری سے پہلے تندرستی کو، فقیری سے پہلے غنا کو اور مشغولیت سے پہلے فرصت کو اور اپنی موت سے پہلے زندگی کو ۳؎(ترمذی)

۱؎ اود ایک قبیلہ ہے جو اود ابن صعب کی طرف منسوب ہے،عمرو ابن میمون کو بعض لوگوں نے صحابی کہا ہے مگر قوی یہ ہے کہ آپ حضور کے زمانہ میں اسلام لائے مگر زیارت نہ کرسکے،جلیل القدر تابعی ہیں لہذا یہ حدیث مرسل ہے۔(اشعہ)

۲؎ اغتنام کے معنی ہیں غنیمت حاصل کرلینا یعنی ان پانچ چیزوں سے کچھ کمائی کرلو بار بار یہ موقعہ نہیں ملتے۔

۳؎ لہذا صحت،جوانی،مالداری،فراعت اور زندگی کو رائیگاں نہ جانے دو،اس میں نیک اعمال کرلو کہ یہ نعمتیں بار بار نہیں ملتیں۔میاں محمد صاحب فرماتے ہیں شعر

سدا نہ حسن جوانی رہندی سدا نہ صحبت یاراں   سدا نہ بلبل باغاں بولے سدا نہ باغ بہاراں

باغ میں بہار اور بہار میں بلبل کی شور و پکار ہمیشہ نہیں رہتے کبھی آتے ہیں اسے غنیمت جانو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک نہیں انتظار کرتا مگر سرکشی کرنے والی غنا کا یا بھلا دینے والی فقیری کا ۱؎ یا بگاڑ دینے والی بیماری کا یا بے عقل کردینے والے بڑھاپے کا یا اچانک موت کا ۲؎ یا دجال کا تو دجال مصیبت ہے جس کا انتظار ہے یا قیامت کا اور قیامت بہت ڈراؤنی اور بہت

کڑوی ہے ۳؎ (ترمذی، نسائی)	

۱؎ یعنی اگر تمہیں نیکیوں کا موقعہ ملا ہے اور تم کرتے نہیں، کہتے ہو کہ آئندہ کرلیں گے تو کس چیز کا انتظار کررہے ہو یا ایسی امیری کا جو سرکش بنادے یا ایسی فقیری کا جب تمہیں کچھ نہ بن پڑے لوگ تمہیں بھول جاویں۔ہم نے دیکھا کہ بعض لوگوں کو حج کا موقعہ ملتا ہے مگر نہیں کرتے یہ ہی کہتے رہتے ہیں کہ اچھا آئندہ دیکھا جائے گا وہ آئندہ آئندہ کرتے ہی دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔

۲؎ یعنی جوانی کھیل کود سے گما کر بڑھاپے میں جب کہ ہاتھ پاؤں قابو میں نہ رہیں عبادت کرنے کی خواہش کرنا بے وقوفی ہے جو کرنا ہے جوانی میں کرو جوان صالح کا بہت بڑا درجہ ہے۔

۳؎ یعنی اگر ابھی اعمال نہیں کرتے تو کیا دجال کی آمد یا قیامت آنے کے منتظر ہو اس وقت تم نیکیوں کی تمنا کروگے مگر نہ کرسکو گے یہ فرمان اظہار عتاب کے لیے ہے،مقصد یہ ہے کہ نیک اعمال میں جلدی کرے۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوشیار رہو دنیا لعنتی چیز ہے اور جو دنیا میں ہے وہ لعنتی ہے ۱؎ سوائے اللہ تعالٰی کے ذکر کے اور اس کے جو رب کے قریب کردے اور عالم کے اور طالب علم کے ۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ جو چیز اللہ ورسول سے غافل کردے وہ دنیا ہے یا جو اللہ ورسول کی ناراضی کا سبب ہو وہ دنیا ہے، بال بچوں کی پرورش، غذا لباس، گھر وغیرہ حاصل کرنا سنت انبیاء کرام ہے یہ دنیا نہیں۔اس معنی سے واقعی دنیا اور دنیا والی چیزیں لعنتی ہیں۔

۲؎ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں۔اللہ کے ذکر سے مراد ساری عبادات ہیں۔والا بنا ہے ولی سے بمعنی قرب یا محبت یا تابع ہونا یا سبب لہذا اس جملہ کے چار معنی ہیں: وہ حضرات انبیاء واولیاء جو اللہ سے قریب کردیں یا اللہ تعالٰی ان سے محبت کرتا ہے، یا جو ذکر الٰہی سے قریب کردے، یا جو ذکر اللہ کے تابع ہے، یا جو ذکر اللہ کا سبب ہے۔(اشعہ) یعنی اللہ کا ذکر اللہ کے محبوب بندے علماء طلباء اگرچہ دنیا میں ہیں مگر دنیا نہیں ہیں یہ تو اللہ کے محبوب ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کا ذکر ہر عبادت ہر سعادت کا سر ہے جیسے بدن کے لیے جان ضروری ہے ایسے ہی مؤمن کے لیے ذکر اللہ لازمی ہے۔ذکر اللہ سے دنیا کا بقاء آسمان وزمین کا قیام ہے۔(مرقات) جب ذاکرین فنا ہوجائیں گے تو قیامت آجاوے گی۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ پلاتا ۱؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اگر دنیا کی قدرومنزلت مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو کافر کو نہ دی جاتی کیونکہ کفار اللہ کے دشمن ہیں اور دشمن کو پیاری چیز نہیں دی جاتی۔دنیا کے معنی ہم بارہا عرض کرچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ باغات وکھیت نہ اختیار کرو ۱؎ ورنہ تم دنیا میں راغب ہوجاؤ گے ۲؎ (ترمذی، بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ضیعة لفظ مشترک ہے اس کے بہت معانی ہیں: تجارات وکسب مال، باغات واراضی۔دنیا مشاغل یہاں بمعنی باغات اراضی ہیں۔(اشعہ)

۲؎یعنی یہ زمانہ جہاد اور سپاہیانہ زندگی کا ہے اس زمانہ میں باغات وکاشت میں مشغول نہ ہو ورنہ کفار تم کو ہلاک کردیں گے۔یہ فرمان عالی ہنگامی حالات کے ہیں جب کہ مسلمانان مدینہ ہر چہار طرف سے کفار میں گھرے تھے،اس وقت عیش وآرام کی زندگی،پختہ مکانات بنانے،دنیاوی کاروبار میں مصروف ہونے سے منع فرمادیا گیا تھا جیساکہ زمانہ جنگ میں رات کو روشنی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی بم باری کے خوف سے لیکن جب حالات بدل گئے یہ احکام بھی نہ رہے۔چنانچہ خلافت عثمانیہ میں مسلمانوں نے اپنے گھر پختہ،مسجد نبوی شریف شاندار بنائی اور باغات وکھیتی باڑیاں خوب کیں۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں جیسے مکانات پختہ کرنا ممنوع تھے ویسے ہی قبور پر عمارات سے منع کردیا گیا تھا،جب سکون کا زمانہ آیا تو حضرات صحابہ نے مکانات بھی پختہ بنائے اور بزرگوں کے مزارات پر عمارات بھی بنائیں تاکہ زائرین کو زیارت اور تلاوت اور عبادت وغیرہ میں سہولت ہو۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو باغات کھیتی باڑی میں ایسا مشغول ہو کہ دین کو بھول جاوے،اس صورت میں یہ حکم دائمی ہے کھیتی باڑی ہی کیا جو چیز رب سے غافل کرے وہ ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچالیتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچالیتا ہے تو باقی کو فنا ہونے والی پر اختیار کرو ۱؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ دنیاوآخرت دونوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی دنیاآخرت کی ضد ہے،ہاں دنیا سے محبت کرنا آخرت اور رضاالٰہی کے لیے بہت ہی بہتر ہے۔مال سے محبت،بچوں کی پرورش،عزیزوں کے حقوق ادا کرنے،حج وقربانی اور زکوۃ ادا کرنے کے لیے بہرحال اچھا ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم عقل وایمان کا ادنی درجہ یہ ہے کہ انسان جان لے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی،اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرے دنیا میں منہمک نہ ہوجائے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں لعنتی ہے دنیا کا بندہ اور لعنتی ہے درہم دینار کا بندہ ۱؎(ترمذی)

۱؎ دنیایا درہم ودینار روپیہ پیسہ کا پجاری وہ ہے جو ہر کام ان چیزوں کے لیے کرے حتی کہ نماز بھی پڑھے تو دنیا کے لیے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جاوئیں وہ ان بکریوں کو اس سے زیادہ خراب نہیں کرتے جتنے انسان کے حرص کرنے سے مال وعزت پر اس کے دین کو ۱؎ (ترمذی،دارمی)

۱؎نہایت نفیس تشبیہ ہے۔مقصد یہ ہے کہ مؤمن کا دین گویا بکری ہے اور اس کی حرص مال،حرص عزت گویا دو بھوکے بھیڑیئے ہیں مگر یہ دونوں بھیڑیئے مؤمن کے دین کو اس سے زیادہ برباد کرتے ہیں جیسے ظاہری بھوکے بھیڑیئے بکریوں کو تباہ کرتے ہیں کہ انسان مال کی حرص میں حرام و حلال کی تمیز نہیں کرتا،اپنے عزیز اوقات کو مال حاصل کرنے میں ہی خرچ کرتا ہے،پھر عزت حاصل کرنے کے لیے ایسے جتن کرتے ہیں جو بالکل

خلاف اسلام ہیں جیسا آج ممبری وزارت چاہنے والوں کو دیکھا جارہا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ریاکار مرے بعد بھی ریا نہیں چھوڑتا،کسی نے پوچھاوہ کیسے،فرمایاوہ چاہتاہے کہ میرے جنازہ میں بہت لوگ ہوں تاکہ میری عزت ہو،ریا مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت خباب سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں مسلمان کوئی خرچ نہیں کرتا مگر اس میں اسے ثواب دیا جاتاہے سوائے اس کے خرچ کے اس مٹی میں ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی کھانے پینے لباس وغیرہ پر خرچ کرنے میں ثواب ملتاہے کہ یہ چیزیں عبادات کا ذریعہ ہیں مگر بلاضرورت مکانات بنانے میں کوئی ثواب نہیں لہذا عمارات سازی کا شوق نہ کرو اس میں وقت اور مال دونوں کی بربادی ہے۔خیال رہے کہ یہاں دنیاوی عمارتیں وہ بھی بلاضرورت بنانا مراد ہیں،مسجد مدرسہ،خانقاہ مسافر خانے بنانے تو عبادات ہیں کہ یہ توصدقات جاریہ ہیں،یوں ہی بقدر ضرورت مکان بنانا بھی ثواب ہے کہ اس میں سکون سے رہ کر اللہ کی عبادت کرے گا۔بعض لوگ دیکھے گئے وہ ہمیشہ مکان کی توڑ پھوڑ ہر سال نئے نمونے کے مکانات بنانے ہی میں مشغول رہتے ہیں یہاں یہ ہی مراد ہے۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سارے خرچہ اللہ کی راہ میں ہیں سوائے عمارات کی تعمیر کے کہ ان میں بھلائی نہیں ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎اس کی تفسیر ابھی گزر چکی کہ یہاں بنانے سے مراد دنیاوی غیر ضروری عمارتیں ہیں مسجدیں وغیرہ،یوں ہی دنیاوی ضروری عمارتیں اس سے خارج ہیں بلکہ دنیاوی غیر ضروری عمارتیں بناتے رہنا اسراف ہے یعنی فضول خرچی،اسراف گناہ ہے۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لے گئے ۱؎ہم حضور کے ساتھ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند عمارت دیکھی تو فرمایا یہ کیا ہے؟ ۲؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری صاحب کا ہے ۳؎تو حضور خاموش ہوگئے اور یہ بات دل شریف میں رکھ لی ۴؎حتی کہ جب اس عمارت کا مالک حاضر ہوا تو آپ کو بھرے مجمع میں سلام کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا ۵؎انہوں نے یہ کئی بار کیا حتی کہ ان صاحب نے حضور انور میں اپنے سے غصہ محسوس کرلیا ۶؎تو حضور کے صحابہ رضی اللہ عنھم سے اس کی شکایت کی ۷؎اور کہا کہ خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر پاتا ہوں لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے تو تمہاری عمارت دیکھی تھی تو وہ شخص عمارات کی طرف گیا اور اسے ڈھاکر زمین کے برابر کردیا ۸؎ایک بار پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو وہ عمارت نہ دیکھی ۹؎فرمایا اس گنبد کا کیا ہوا ۱۰؎ لوگوں	

	نے عرض کیا کہ اس کے مالک نے آپ کی بے توجہی کی شکایت کی ہم نے اسے خبر دی تو اس نے وہ ڈھا دیا تو فرمایا کہ ہر تعمیر اس کے بانی پر وبال ہے ۱۱ سوائے اس کے یعنی سوائے اس کے جس کی اسے ضرورت ہو ۱۲ (ابوداؤد)

۱ حضور انور یا تو مدینہ منورہ سے باہر بستی میں تشریف لے گئے تھے یا اپنے دولت خانہ سے مدینہ پاک کے کسی محلّہ میں تشریف لے گئے وہاں یہ واقعہ پیش آیا، دوسرا احتمال قوی ہے۔

۲ یہ سوال اظہار ناراضی کے لیے ہے یعنی یہ کیا حرکت ہے حضرات صحابہ نے جو جواب دیا وہ اس سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے متعلقات میں سے یعنی یہ حرکت فلاں شخص کی ہے۔

۳ یہ عرض کرنا غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ معلوم ہوا کہ مرید کی شکایت شیخ سے کرنا یا شاگرد کی شکایت استاد سے کرنا اصلاح کے لیے بالکل درست ہے غیبت نہیں۔

۴ حضور ناراض ہوئے مگر ناراضی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ دل میں رکھ لی۔

۵ ان کے سلام کا جواب یا تو حضور نے دیا ہی نہیں یا دیا مگر دل میں جس کی انہیں خبر نہ ہوئی۔ معلوم ہوا اظہار غضب اور اصلاح کے لیے سلام کا جواب نہ دینا جائز، ہر سلام کا جواب دینا فرض نہیں ہوتا، بعض صورتوں میں جواب دینا ممنوع بھی ہوتا ہے لہذا اس عمل شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ حکم قرآن سلام کا جواب دینا فرض ہے تو حضور نے فرض کیوں ترک کیا یہ نکتہ یاد رکھا جائے۔

۶ ان صاحب نے پہلے تو سمجھا کہ حضور انور نے اتفاقًا جواب نہ دیا یا حضور کسی فکر میں ہیں میرا سلام سنا نہیں مگر جب بار بار سلام کہا اور جواب نہ پایا تو وہ سمجھے کہ مجھ پر ناراضی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ حاضرین میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ جس سلام کو حضور رد فرمادیں اسے قبول کون کرے، حضرت کعب ابن مالک کا جب بائیکاٹ ہوا ہے تو پچاس دن تک کسی نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

۷ حضور کی شکایت نہیں کی بلکہ اپنی محرومی کی شکایت مع حکایت کی کہ لوگو میں تو لٹ گیا آج حضور مجھ سے ناراض ہوگئے۔

۸ یعنی ہمارا اندازہ یہ ہے کہ حضور انور نے اس بلند عمارت کو ناپسند فرمایا یہ ہی وجہ ہے تم سے بے توجہی فرمانے کی اور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

۹ یہ ہے حضرات صحابہ کا عشق رسول کہ حضور انور نے انہیں نہ توڑھانے کا حکم دیا نہ یہ فرمایا کہ عمارتیں بنانا جائز نہیں ان حضرات کو صرف اندازہ ہی ہوا ہے کہ شاید حضور اس عمارت کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوگئے تو سوچا کہ یہ عمارت میرے اور محبوب کے درمیان آڑ بن گئی ڈھادی۔اس ڈھانے میں مال کا برباد کرنا نہیں اور فضول خرچی نہیں بلکہ یار کو منایا ہے، اگر عمارت ڈھانے سے حضور راضی ہو جائیں تو ان شاء اللہ سودا سستا ہے۔ جناب خلیل رضاء الٰہی کے لیے فرزند کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ یہاں ظاہری فتویٰ نہیں چلتے یہ دل جلوں کے معاملے ہیں۔ شعر

عقل می گوید کہ خود را پیش کن　　　عشق می گوید کہ ترک خویش کن

ان حضرات نے اس عمارت کا بالائی حصہ نہ گرایا بلکہ جڑ بنیاد سے مٹا دیا تاکہ اس حجاب کی پوری طرح بیخ کنی ہو جائے۔

۱۰ یعنی وہ گنبد بالکل ہی غائب ہو گیا یہ کیسے ہوا۔ حضور انور کا یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید کے لیے ہے ورنہ حضور ہر ایک کے عمل دل حال سے خبردار ہیں۔

۱۱ اگر وبال سے مراد گناہ ہے تو عمارات سے مراد وہ عمارتیں ہیں جو بلاضرورت فخر و تکبر کے لیے بنائی جائے کہ یہ عمل ناجائز ہے، فخر و تکبر کا ہر کام حرام ہے اور اگر وبال سے مراد آخرت کا بوجھ ہے تب بلاضرورت کی ہر عمارت اس میں داخل ہے خواہ فخریہ ہو یا نہیں حتی کہ بلاضرورت مسجد بنانا بھی

ثواب نہیں بلکہ کبھی گناہ ہے۔ غیر آباد جگہ کوئی نماز واذان ادا کرنے والا نہ ہو مسجد بنا دینا محض بیکار ہے،ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنا دینا کہ نہ وہ آباد رہے نہ یہ آباد ہو گناہ ہے، بہر حال یہ فرمان عالی وسیع ہے عمارت کے وبال ہونے کی بہت صورتیں ہیں۔

۱۲ضرورت خواہ دینی ہو یا دنیاوی مگر دنیاوی ضرورت کے لیے عمارت بنانا مباح ہے جیسے اپنے مکان دوکانیں اور دینی ضرورت کے لیے بنانا ثواب جیسے مسجدیں مدرسے،خانقاہیں،بزرگان دین کے مزارات پر قبے جب کہ وہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہو ان کی آسائش،تلاوت قرآن مجید وغیرہ کے لیے وہاں عمارت بنانا ثواب ہے۔اس ما لابد منه میں بھی بڑی گنجائش ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہاشم ابن عتبہ سے ۱فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا فرمایا کہ تمہیں مال جمع کرنے کے لیے ایک خادم اور اللہ کی راہ میں ایک سواری کافی ہے ۲ (احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)اور مصابیح کے بعض نسخوں میں بجائے ت کے ہاشم ابن عتبد دال سے ہے اور یہ غلط ہے ۳

۱آپ کا نام شبیبہ ابن عتبہ ہے،کنیت ابوہاشم ہند بنت عتبہ کے بھائی،حضرت امیر معاویہ کے ماموں ہیں کیونکہ ہند امیر معاویہ کی والدہ ہیں،آپ فتح مکہ کے دن ایمان لائے،شام میں قیام رہا،خلافت عثمانی میں آپ کی وفات ہوئی،بڑے عالم فقیہ و صالح تھے،آپ سے حضرت ابوہریرہ وغیرہ صحابہ نے احادیث کی روایات لیں۔(مرقات وغیرہ)

۲یعنی یہ غلام اور گھوڑا بھی اللہ کے لیے ہوں محض خواہش نفسانی کے لیے نہ ہوں ان سے دینی کام جہاد یا تبلیغ حج یا طلب علم مقصود بالذات ہو دنیاوی کام مقصود بالتبع لہٰذا اگر بادشاہ اور امراء نیت سے غلام یا گھوڑے رکھیں اس نیت سے کہ ضرورت پڑنے پر یہ مجاہدین غازیوں میں تقسیم کرکے ان سے جہاد کرایا جائے گا تو بالکل درست ہے نیت خیر ہے۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ نہیں کہ ان دو چیزوں کے سواء اور کچھ پاس رکھو ہی نہیں،مقصد یہ ہے کہ بلاضرورت چیزیں نہ رکھو آج بھی حکومتیں زور دیتی ہیں کہ بلاضرورت سامان نہ خریدو۔

۳یہ غلطی مشکوۃ شریف کے نسخوں میں بھی ہے اور بعض حواشی میں بھی کہ عتبہ کو عتبد لکھا ہے بجائے ہ کے دال۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا سوائے ان اشیاء کے اور چیز میں حق نہیں ہے ۱وہ گھر جس میں رہتا ہو اور وہ کپڑا جو اس کا ستر چھپائے اور روٹی کا ٹکڑا اور پانی ۲ (ترمذی)

۱یعنی ان تین چیزوں کے سواء اور کسی چیز کی ضرورت نہیں قیامت میں ان تین کا حساب نہ ہوگا ان کے سواء اور چیزوں کا حساب دینا ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ"وہاں نعیم سے مراد عیش و عشرت کی چیزیں ہیں۔خیال رہے کہ شخصی زندگی فانی ہے قومی اور دینی زندگی باقی ہے لہٰذا مسلمان اپنی شخصی زندگی کے لیے معمولی سامان اختیار کرے،قومی و دینی زندگی کے لیے قیامت تک کا انتظام کرے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اور قوم کے لیے ممالک فتح کیے مگر اپنی ذات کے لیے آرام دہ مکان بھی نہ بنایا یہاں شخصی زندگی اور شخصی حالتوں کا ذکر ہے۔

۲؎ گھر میں بقدر ضرورت گھر کا سامان داخل ہے،روٹی میں سالن شامل ہے،پانی میں دودھ لسی وغیرہ داخل ہیں جن کی کبھی ضرورت پڑتی ہے،حضور انور نے دودھ لسی وغیرہ ملاحظہ فرمائی ہیں۔حضرت ابراہیم ابن ادھم فرماتے ہیں شعر

و ما ھی الا جوعۃ ان سددتھا　　　فکل طعام بین جنبیك واحد

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا تو بولا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسے کام پر رہبری کریں کہ جب میں وہ کروں تو مجھ سے اللہ بھی محبت کرے اور لوگ بھی محبت کریں ۱؎ فرمایا دنیامیں بے رغبت رہو تم سے اللہ محبت کرے گا۲؎اور لوگوں کی پاس کی چیزوں سے بے رغبت رہو تم سے لوگ محبت کریں گے ۳؎ (ترمذی، ابن ماجہ) ۴؎

۱؎ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی محبت جو قدرتی طور سے ہو اللہ کی رحمت ہے،محبت خلق محبت خالق کی علامت ہے انتم شھداء اللہ فی الارض لہٰذا لوگوں کی محبت حاصل کرنے کی کوشش کرنا ممنوع نہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ مولیٰ واجعل لی لسان صدق فی الاخرین آئندہ نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری فرما لہٰذا ان صاحب کا یہ سوال بالکل برحق ہے۔

۲؎ دنیا سے بے رغبتی کے رکن تین ہیں: محبت دنیا سے علیحدگی،زائد دنیا سے پرہیز،آخرت کی تیاری،ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ محبت اس لیے کرتا ہے کہ وہ اللہ کے دشمن سے محبت نہیں کرتا دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے۔(مرقات) صوفیاء فرماتے ہیں کہ آگ کے ڈر سے دنیا میں رہتے ہوئے اس سے الگ رہنا زہد ہے۔کسی صوفی نے کیا خواب کہا شعر

وما الزھد الا فی انقطاع الخلائق　　　وما الحق الا فی وجود الحقائق

وما الحب الاحب من کان قلبه　　　عن الخلق مشغولا برب الخلائق

نیز جو دنیا سے بے رغبت ہوگا وہ گناہ کم کرے گا نیکیاں زیادہ اور ایسا بندہ ضرور اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے۔

۳؎ دنیا کا دستور ہے کہ جو اس کی طرف دوڑتا ہے تو وہ اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بے نیاز ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف آتی ہے۔جو شخص لوگوں سے تمنا رکھے گا تو خواہ مخواہ ان کی خوشامد کرے گا اور لوگ اسی سے نفرت کریں گے اور جو لوگوں سے بے نیاز ہوگا تو لوگ خوامخواہ اس کی طرف آئیں گے۔شعر

آس بگذار بادشاہی کن　　　گردن بے طمع بلند بود

۴؎ یہاں صاحب مشکوۃ سے یا کاتب سے غلطی ہوئی کہ ترمذی کا ذکر بھی کردیا یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں مذکور ہے ترمذی میں نہیں اور زہد فی الدنیا سے آخر تک ابن ماجہ،طبرانی،حاکم،بیہقی نے بروایت سہل ابن سعد روایت کی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے پھر اٹھے اس حالت میں کہ چٹائی نے آپ کے جسم اطہر میں اثر کیا ہوا تھا ۱؎ تب ابن مسعود نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو آپ اجازت دے دیتے کہ ہم حضور کے لیے بستر بچھادیا کرتے اور سب

	انتظامات کر دیتے ۲؎ تو فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق میں اور دنیا نہیں ہیں مگر اس سوار کی طرح جو ایک درخت کے نیچے سایہ لے پھر چلا جائے اور درخت کو چھوڑ جائے ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ اس وقت جسم اطہر پر قمیص بھی نہ تھی صرف تہبند مبارک زیب تن فرمائے ننگی چٹائی پر آرام فرمایا تھا۔شعر

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۲؎ یہاں لو شرط کے لیے نہیں بلکہ تمنااور آرزو کے لیے ہے یعنی کاش کہ حضور ہم غلاموں کو اجازت دے دیتے تو ہم ہر قسم کے آرام کا انتظام حضور کے لیے کر دیتے۔اعلیٰ لباس، بہترین نرم بستر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی ہم غلاموں سے دیکھی نہیں جاتی۔

۳؎ یعنی جیسے یہ سوار اتنی دیر آرام کے لیے اپنا بستر وغیرہ نہیں کھولتا بلکہ زمین پر ہی لیٹ کر دھوپ ڈھل جانے پر چل دیتا ہے ایسے ہی ہمارا حال ہے کہ ہم کونین کے مالک ہیں مگر اپنے لیے کچھ نہیں رکھتے۔لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمانے کے بعد دنیا کو اور اپنی امت کو چھوڑ دیا،ان سب سے بے تعلق ہوگئے،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ دیں تو ہم ہلاک ہو جائیں، سورج دنیا کو چھوڑ دے تو دنیا اندھیری ہو جاوے،روح بدن کو چھوڑ دے تو بدن مر جاوے،جڑ درخت کو چھوڑ دے تو درخت سوکھ جاوے،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ دیں تو کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میرے دوستوں میں زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مسلمان ہے جو کم سامان والا نماز کے بڑے حصہ والا ہو ۱؎ اپنے رب کی عبادت خوب اچھی طرح کرے اور خفیہ اس کی اطاعت کرے اور لوگوں میں چھپا ہوا رہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیے جاویں ۲؎ اس کا رزق بقدر ضرورت ہو اس پر صبر کرے ۳؎ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی فرمایا اس کی موت جلد آ جاوے ۴؎ اس پر رونے والیاں کم ہوں اس کی میراث تھوڑی کم ہو ۵؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اس کے پاس اپنی ذات کے لیے سامان دنیا کم ہو عبادات زیادہ ہوں لہذا حضرت عثمان اور دوسرے امیر صحابہ اس میں داخل نہیں کہ ان کے پاس مال دین کے لیے تھے اپنی ذات کے لیے نہ تھے۔عمر فاروق اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک کرتا دھو دھو کر پہنتے تھے رضی اللہ عنہم۔

۲؎ یعنی وہ خود اپنی شہرت و عزت کی کوشش نہ کرے اگر رب تعالٰی اسے قدرتی طور پر شہرت دے دے تو اس کی مہربانی لہذا اس حدیث میں مشہور اولیاء اللہ وعلماء دین جن کی چوکھٹوں کو دنیا اب بھی چومتی ہے ضرور داخل ہیں کہ یہ شہرت انہوں نے خود نہ چاہی رب نے انہیں مشہور کردیا یہ بشارت عاجلہ کہلاتی ہے۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ اگر اسے تونگری نہ ملے تو بے صبری نہ کرے راضی بہ رضا رہے۔

۴؎ یعنی بہت آسانی سے ان کی جان نکل جائے جس کے دل میں دنیا کی محبت بہت ہو اس کی جان بڑی مصیبت سے نکلتی ہے،اسے نزع کی تکلیف کے ساتھ دنیا چھوٹنے کا غم بھی ہوتا ہے،مؤمن کو موت کے وقت حضور سے ملنے کی ایسی خوشی نصیب ہوتی ہے کہ وہ شدت نزع کو محسوس نہیں

کرتا،وہ سمجھتا ہے کہ زندگی میں مجھے مدینہ منورہ کی حاضری مشکل تھی اب میری قبرہی مدینہ میں بن جائے گی یہ مطلب نہیں کہ اس کی عمر کم ہو۔(مرقات) لہذا یہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں کہ مؤمن کی درازعمر اللہ کی رحمت ہے۔

۵؎ یہ کمی یا اس لیے ہو کہ وہ غریب اور غیر مشہور تھا یا اس لیے کہ اس نے رونے پیٹنے سے زندگی ہی میں منع کردیا تھا اور مال اللہ کی راہ میں زندگی میں بہت کچھ خرچ کردیا تھا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر میرے رب نے پیش فرمایا کہ میرے لیے مکہ کی زمین کو سونا بنادے ۱؎ تو میں نے عرض کیا یارب نہیں ۲؎ لیکن میں ایک دن سیر ہوا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تو جب بھوکا رہوں تو تیری طرف عاجزی کروں تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوؤں تو تیری حمد کروں اور تیرا شکر کروں ۳؎(احمد،ترمذی)	

۱؎ یعنی رب تعالٰی نے مجھ پر دو چیزیں پیش فرمائیں: ایک یہ کہ مکہ معظّمہ کے پہاڑوں، وہاں کے پتھروں، کنکروں کو سونے کا بنادیا جائے، دوسرے یہ کہ سارا سونا میری اکیلے کی واحد ملکیت رہے کسی اور کا اس پر قبضہ نہ ہو۔ بطحاء کہتے ہیں اس میدان کو جس میں کنکر پتھر پہاڑ ہوں یعنی پتھریلی زمین۔

۲؎ خیال رہے کہ اس کے متعلق حضور سے مشورہ فرمایا تھا آپ کو اختیار دیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس سب کو سونا کردیں۔ مشورہ میں اختلاف کرنے کا حق ہوتا ہے اس کا ماننا لازم نہیں ہوتا اس لیے عرض کیا کہ نہیں۔ یہ نہیں بھی بارگاہ الٰہی میں بہت مقبول ہوئی اس نہیں پر ہزارہا ہاں قربان ہوں۔ معنوی طور پر اللہ تعالٰی نے وہاں سونا بنا ہی دیا۔اب زمین حجاز میں سونا نکل رہا ہے خود حضور سونے کی کان ہیں کہ ان کے دم سے لاکھوں حجاج وہاں پہنچتے ہیں اور کروڑوں روپیہ اہلِ مکہ کو دے آتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر حضور چاہتے تو مکہ کے پہاڑ سونا بن جاتے مگر چاہا نہیں لہذا وہ آیت کریمہ "اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ"الخ "قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" حضور کا عاجز ہونا بیان نہیں کرتی ورنہ یہ حدیث اس کے خلاف ہوگی۔

۳؎ یعنی اگر میں اتنے سونے کا مالک ہوجاؤں تو صرف بندہ شاکر بنوں گا مگر مسکینیت میں صابر بھی ہوں گا اور شاکر بھی لہذا میں امیری پر فقیری کو ترجیح دیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور کی فقیری غریبی اختیاری ہے ہماری طرح بے اختیاری نہیں۔ حضرات انبیاء کرام کی موت بھی اختیاری ہوتی ہے کہ وفات کے قریب انہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہیں دنیا میں رہیں یا رب کی بارگاہ میں حاضر ہوجائیں، دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ بیل کی کھال پر ہاتھ پھیرو جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے فی بال ایک سال،ہمارے حضور کو اختیار دیا گیا جب حضور نے عرض کیا اللھم بالرفیق الاعلیٰ تب وفات دی گئی۔

روایت ہے حضرت عبیداللہ ابن محصن سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص تم میں سے صبح پائے کہ اس دل میں امن وامان ہو ۲؎ اپنے جسم میں تندرستی،اس کے پاس اس دن کا کھانا ہو تو گویا اس کے لیے دنیا پوری کی پوری جمع کردی گئی ۳؎(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎آپ صحابی ہیں مگر حضور سے کوئی حدیث سنی نہیں لہذا آپ کی احادیث مرسل ہیں اور صحابی کا ارسال بالاتفاق مقبول ہے۔آپ قبیلہ بنی خطم سے ہیں،اہل مدینہ میں شمار ہیں،بعض لوگوں نے آپ کو تابعی مانا ہے اور تابعی کی مرسل معتبر ہے جمہور کے نزدیک۔

۲؎سرب سین کے فتحہ یا کسرہ سے ر کے سکون سے بمعنی راستہ،چہرہ،سینہ،دل،نفس،یہاں بمعنی دل ہے یعنی اس کو نہ دشمن کا خوف ہو نہ عذاب الٰہی کا خطرہ کیونکہ اس کا دشمن کوئی نہ ہو اور اس نے کفر یا گناہ نہ کیا ہو۔اہل عرب کہتے ہیں **لیس العید لمن لبس الجدید انما العید لمن امن الوعید** یعنی عید اس کی نہیں جو نئے کپڑے پہن لے بلکہ عید اس کی ہے جو عذاب سے امن میں ہو۔

۳؎**حذافیر** جمع ہے **حذفورہ** کی بمعنی کنارہ جیسے **عصفور** کی جمع **عصافیر**،**جمهور** کی جمع **جماهیر**۔لہذا **احذافیر** کے معنی ہوئے کنارے یعنی جس کو نفسانی امن وعافیت،دل کا چین،بدن کی صحت کچھ تھوڑا سا آج کے گزارہ کا مال میسر ہو تو وہ بادشاہ ہے،اللہ تعالٰی نے اسے ہر قسم کی نعمت دی ہوئی ہے۔

	روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کسی آدمی نے بمقابلہ پیٹ کے بدترین برتن کوئی نہ بھرا ۱؎انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں ۲؎پھر اگر زیادہ کی ضرورت ہی ہو ۳؎تو تہائی پیٹ کھانا اور تہائی پیٹ پانی اور تہائی پیٹ اپنی سانس کے لیے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎زیادہ پیٹ بھرنے سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں،نوے فیصدی بیماریاں پیٹ سے ہوتی ہیں پھر اس سے سخت غفلت پیدا ہوتی ہے دل میں نور نہیں آتا۔

۲؎کیونکہ کھانا اس لیے ہوتا ہے کہ اس سے عبادات،ریاضات کی قوت پیدا ہو،یہ قوت بقدر ضرورت لقموں سے حاصل ہو جاتی ہے۔شعر

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است | تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

۳؎یعنی اگر تم چند لقموں پر صبر نہ کرسکو زیادہ کھانے کی رغبت ہو تو پیٹ کے تین حصے کرلو۔

۴؎ایک حصہ کھانے کے لیے،ایک حصہ پانی کے لیے،ایک حصہ سانس آنے جانے کے لیے ان شاءاللہ بہت کم بیمار ہو گے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ قدرے بھوکا رہنے میں دس فائدہ ہیں:جسمانی صحت،دل کی صفائی،طبیعت کی ہشاشی بشاشی یعنی چستی،دل کی نرمی،طبیعت میں انکسار و عجز،تکبر و غرور کا ٹوٹنا،گناہوں کی کمی،درمیانی درجہ کی نیند،عبادات کا شوق،ذکر الٰہی میں لذت و ذوق وغیرہ۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکاریں لیتے سنا ۱؎تو فرمایا کہ اپنی ڈکاریں کم لیں ۲؎کیونکہ قیامت کے دن لوگوں میں بڑا بھوکا وہ ہوگا جو دنیا میں بہت زیادہ شکم سیر ہونے والا ہو ۳؎(شرح سنہ)اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱؎یہ صاحب حضرت وہب ابن عبداللہ یا وہب ابن ابو جحیفہ سوائی تھے،بہت لمبی لمبی ڈکاریں لے رہے تھے کھانے سے سیر ہو کر آئے تھے۔

۲؎یعنی تھوڑا کھایا کرو تاکہ ڈکاریں تھوڑی اور چھوٹی آویں اس کے بعد انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔

۳؎ یعنی دنیا میں بہت کھانے والے قیامت میں بہت کم اعمال لے کر آئیں گے کیونکہ ان کے وقت کا زیادہ حصہ تو کھانا کھانے ہضم کرنے، ہضم نہ ہونے کی صورت میں علاج معالجہ میں گزرا اعمال کب کرتے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر

اندروں از طعام خالی دار　　　　تا درو نور معرفت بینی

حریص دنیا کے اوقات دو کاموں میں خرچ ہوتے ہیں: دنیا کمانا اور کمائی دنیا کی حفاظت کرتے رہنا،اسے رب کی طرف دھیان کرنے کا وقت بہت کم ملتا ہے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن عیاض سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر امت کا کوئی فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے ۱؎(ترمذی)

۱؎ یعنی گزشتہ امتوں کی آزمائشیں مختلف چیزوں سے ہوئیں، میری امت کی سخت آزمائش مال سے ہوگی،رب تعالٰی مال دے کر آزمائے گا کہ یہ لوگ اب میرے رہتے ہیں یا نہیں،اکثر لوگ اس امتحان میں ناکام ہوں گے کہ مال پاکر غافل ہوجائیں گے۔اس کا تجربہ برابر ہورہا ہے،اکثر قتل غارت غفلت مال کی وجہ سے ہوتا ہے،ستر فیصدی گناہ مال کی بناپر ہوتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن انسان بھیڑ کے بچے کی طرح لایا جاوے گا تو اسے بارگاہِ الٰہی میں کھڑا کیا جاوے گا ۱؎ تب رب تعالٰی اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے عطائیں دیں، تجھے لونڈی غلام بخشے اور تجھ پر بہت انعام کیے ۲؎ تو تونے کیا کیا ۳؎ تو وہ عرض کرے گا کہ یا رب میں نے وہ جمع کیں اور انہیں بڑھایا اور جتنا تھا اسے زیادہ کرکے چھوڑ آیا ۴؎ مجھے لوٹادے کہ میں تیری بارگاہ میں وہ سارا لے آؤں ۵؎ اس سے رب تعالٰی فرمائے گا کہ مجھے دکھا تونے آگے کیا بھیجا؟ وہ کہے گا یارب میں نے جمع کیا اور اسے بڑھایا اور اب سے زیادہ کرکے چھوڑ آیا تو تو مجھے لوٹادے میں تیرے پاس سارا لے آؤں وہ ایسا بندہ ہوگا جس نے کوئی بھلائی آگے نہ بھیجی ہوگی ۶؎ تو اسے آگ کی طرف لے جایا جاوے گا۔(ترمذی)اور اسے ضعیف فرمایا۔

۱؎ یہاں انسان سے مراد غافل مالدار آدمی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔لائے جانے سے مراد حساب و کتاب کے لیے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جانا ہے،اللہ کے مقبول بندے بڑی عزت و احترام سے لائے جائیں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے: "یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا" لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۲؎ **اعطیت،خولت،انعمت** قریبًا ہم معنی ہیں۔یہاں فرق یوں ہے کہ میں نے تجھے دنیا کا مال و متاع دیا، تجھے لونڈی غلام بخشے اور تجھ پر کتاب و انبیاء کرام بھیجے۔(مرقات)اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ انعام سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں۔

۳؎ یعنی تو نے ان نعمتوں کا شکریہ کیا ادا کیا؟ خیال رہے کہ ہر نعمت کا شکریہ علیحدہ ہے۔اس کی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی دوسرے پارے "وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ" کے ماتحت دیکھو۔اعضاء کا شکریہ بدنی عبادات ہیں،مال کا شکریہ صدقات و خیرات قرآن مجید وغیرہ،ایمانیات کا شکریہ ان پر عمل کرنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازیوں کا شکریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل،آپ سے عشق و محبت، کثرت سے درود شریف پڑھنا ہے۔ محسن کو دعائیں دینا بھی شکریہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ　　زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

۴؎ یہ ہے غافل کی سوانح عمری، محنت سے جوڑنا، مشقت سے حفاظت کرنا، حسرت سے چھوڑنا یہ گفتگو اس سے ہے جس نے دنیا میں مال کی زکوۃ، فطرانہ، قربانی ادا نہ کی سب کا سب جمع ہی کیا۔ حقوق اللہ اور حقوق الناس کا خیال نہ کیا اب کہے گا کہ مجھے موقعہ دے کہ وہ سارا مال تیری بارگاہ میں حاضر کردوں تو قبول فرمالے حالانکہ اب عمل کا وقت نہیں رہا۔

۵؎ یعنی دنیا میں تو نے صدقہ و خیرات کتنی کی؟ جو کہ تجھے آج کے دن کام آجاتی، یہ جگہ عمل کی نہیں نہ یہ وقت عمل کا ہے اب تو کیے ہوئے کا حساب دو۔

۶؎ اس جملہ نے گزشتہ پوری حدیث کی شرح لکھ دی کہ یہاں اس شخص کا ذکر ہے جو فاسق و فاجر تھا، زکوۃ و خیرات و حقوق ادا نہ کرتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں نعمتوں کے متعلق بندے سے پہلا سوال جو ہوگا وہ یہ کہ اس سے کہا جاوے گا ۱؎ کہ کیا ہم نے تیرے جسم کو صحت نہیں بخشی اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیر نہیں کیا ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی دوسری نعمتوں کے مقابلہ میں ان نعمتوں کا حساب پہلے ہوگا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ پہلے نماز کا حساب ہوگا یا پہلے ناحق خون کا حساب ہوگا اولیت بہت قسم کی ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ دنیاوی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ نعمت تندرستی ہے کہ تمام نعمتیں اس کے ذریعہ استعمال ہوتی ہیں، پھر ٹھنڈا پانی اس کی قدر موسم گرما کے روزوں میں معلوم ہوتی ہے، پانی خود نعمت ہے، ٹھنڈا پانی نعمت پر نعمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن انسان کے قدم نہ ہٹیں گے حتی کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جاوے گا ۱؎ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں خرچ کی اور اس کی جوانی کے متعلق کہ کاہے میں گزاری ۲؎ اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا ۳؎ اور اس میں عمل کیا کیا جو جانا ۴؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی قیامت کے دن پانچ چیزوں کا حساب دیئے بغیر انسان بارگاہِ الٰہی سے نہیں ہٹ سکتا، ان پانچوں میں اگر رہ گیا تو سزا کا مستحق ہوا اگر ان سے نکل گیا تو جنت میں پہنچے گا۔

۲؎ اگرچہ عمر میں جوانی بھی آگئی تھی مگر چونکہ جوانی میں نیک و بد اعمال زیادہ کیے جاسکتے ہیں کہ اس وقت ساری قوتیں اپنے کمال پر ہوتی ہیں اس لیے جوانی کے متعلق خاص سوال ہوگا،اسی لیے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ جو جوانی میں عبادت کرے وہ عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا کہ اسے قیامت کے میدان کی گرمی نہ پہنچے گی،جوانی کی عبادت بڑی قدر کی چیز ہے۔شعر

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں — جب بڑھاپا آگیا کچھ بات بن پڑتی نہیں

ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہوچکی — یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آگئی

۳؎ یعنی مال کے متعلق دو سوال ہوں گے: ایک یہ کہ کہاں سے حاصل کیا حلال ذریعہ سے یا حرام سے،کس مقام پر خرچ کیا،طاعت میں یا معصیت میں۔مبارک ہے وہ مال جو اچھی راہ سے آوے اور اچھی راہ پر خرچ ہوجاوے۔اگر بارش کا پانی پرنالہ سے نہ نکالے جاوے تو چھت توڑ دیتا ہے۔

۴؎ ابن عساکر نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے قیامت میں سوال ہوگا کہ تم عالم تھے یا نرے جاہل،اگر تم نے کہا کہ میں عالم تھا تو حکم ہوگا کہ اپنے علم پر عمل کیا کیا؟اور اگر تم نے کہا کہ جاہل تھا تو فرمایا جاوے گا کہ تم جاہل کیوں رہے؟ تمہیں کیا عذر تھا۔علم سے مراد علم دین ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ علم دین سیکھے اور نیک عمل کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم کسی سرخ یا کالے سے بہتر نہیں ۱؎ مگر یہ کہ تم اس سے تقویٰ میں بڑھ جاؤ ۲؎(احمد)

۱؎ سرخ سے مراد عربی ہے،کالے سے مراد عجمی یا سرخ مولیٰ ہے،کالا غلام یا سرخ رومی ہے،کالا حبشی یا امیر سرخ،غریب کالا یعنی تم ملک مال وغیرہ کی وجہ سے دوسروں پر افضل نہیں ہوسکتے افضیلت کسی اور ہی چیز سے ہے۔

۲؎ سیاہ فام مؤمن ہزارہا سرخ سفید کافروں سے افضل ہے۔سیاہ فام متقی ہزارہا سرخ سفید بدکاروں سے افضل ہے۔شعر

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد — فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

رام نام کشٹے بھلے کہ ٹب ٹب ٹپکے جام — وادروں کنچن دیھ کو کہ جس مکھ ناہین رام

یہ کہا جاچکا ہے کہ تقویٰ کے چار درجے ہیں: تقویٰ عامہ یعنی ایمان،تقویٰ خاصہ حرام چیزوں سے بچنا،تقویٰ خاص الخاص مشکوک چیزوں سے بچنا ،تقویٰ خاص الخواص غفلت سے بچنا۔ہر تقویٰ کو اس پر بزرگی ہے جو اس سے خالی ہو لہذا کافر سے مؤمن افضل،فاسق سے متقی افضل،غافل سے بیدار افضل یہ فرمان عالی بہت ہی وسیع ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں بے رغبتی کرتا کوئی بندہ دنیا میں ۱؎ مگر اللہ تعالٰی اس کے دل میں حکمت اگا دیتا ہے اور اس سے اس کی زبان میں گویائی دیتا ہے ۲؎ اور اسے دنیا کے عیب اس کی بیماریاں اور ان کا علاج دکھا دیتا ہے ۳؎ اور اسے دنیا سے جنت کی طرف سلامت نکالے گا ۴؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یہاں سے زھد سے مراد دنیا میں دل نہ لگانا ہے اگرچہ لاکھوں کا مالک ہو مگر دل یار سے لگا ہو تو وہ زہد ہی ہے، بعض شارحین نے فرمایا کہ حاجت سے زیادہ مال سے بے رغبت ہونا زہد ہے مرقات نے اسی کو اختیار کیا۔

۲؎یعنی ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ چند نعمتیں عطا فرماتا ہے: ایک یہ کہ اس کے دل میں علم و معرفت کے چشمے پھوٹیں گے، دوسرے یہ کہ اس کی زبان پر تاثیر ہوگی اس سے ہمیشہ حق بات نکلے گی اور اس میں تاثیر ہوگی۔

۳؎یعنی قدرتی طور پر اسے دنیا کی چیزوں کے عیوب معلوم ہوا کریں گے اور ان عیوب سے بچنے کا طریقہ بھی وہ قدرتی طور پر معلوم کرلیا کرے گا،وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ لو یہ فرمان ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔

۴؎یعنی ان شاءاللہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور اسے داخلہ جنت کا نصیب ہوگا۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جو دنیا میں راغب ہوگا اس کا حال اس کے برعکس ہوگا،اس طرح کہ دوسرے اعضاء کو دنیا میں بھی صرف کیا مگر دل میں اللہ رسول کے سوا کوئی چیز نہ رکھی۔مکان کے دوسرے کمرے سامان کے لیے ہوتے ہیں مگر مالک کا آرام کمرہ صرف مالک کی خلوت گاہ ہوتا ہے وہاں کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ہمارا دل رب کا خاص جلوہ گاہ ہے،جنت ہمارا گھر ہے جہاں سے رب نے ہمارے دشمن شیطان کو نکال دیا ہمارے دل رب تعالیٰ کا گھر ہیں،افسوس ہے کہ ہم اس میں شیطان کو بسائیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے دل کو ایمان کے لیے اللہ سے خالص کیا ہے اور اپنے دل کو سلامت رکھا ۱؎اور اپنی زبان کو سچا،اپنے دل کو مطمئن ۲؎اور اپنی طبیعت کو سیدھا رکھا اور اپنے کان کو سننے والا اپنی آنکھ کو دیکھنے والا بنایا ۳؎لیکن کان تو وہ چین کی خبر ہے ۴؎اور لیکن آنکھ تو وہ اس چیز کو قائم کرنے والی ہے جسے دل حفاظت کرتا ہے ۵؎کامیاب ہوگیا وہ جس نے اپنے دل کو حفاظت کرنے والا بنایا ۶؎(احمد، بیہقی شعب الایمان)	

۱؎یعنی دل کو دل کی بیماریوں حسد، کینہ، بغض، بدعقیدگیوں اور غفلت کی چیزوں سے سلامت رکھا۔رب فرماتا ہے: "اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ"۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ سلیم کے معنی ہیں سانپ کا ڈسا ہوا۔دل وہ ہی پیارا ہے جسے عشق مولیٰ کے سانپ نے ڈس کر دنیا سے مردہ کردیا۔

۲؎نفس مطمئنہ وہ ہے جو اللہ کی محبت اس کی اطاعت سے سرشار ہو۔طبیعت سیدھی وہ ہے جو تکلیف و آرام کسی حال میں یار کے دروازے سے نہ ہٹے،دنیا کی کوئی ہوا اسے جنبش نہ دے سکے۔

۳؎یعنی اپنے کان سے یار کی بات سنے آنکھ سے قدرت کے نظارے کرے۔شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

۴؎قمع قاف کے فتحہ میم کے کسرہ سے۔برتن کے ڈھکنے میں رکھی ہوئی چیز یا برتن کا منہ کہ برتن میں جو چیز جاتی ہے اس کے منہ سے جاتی ہے جو نکلتی ہے اس کے منہ سے نکلتی ہے۔یعنی کان دل کا راستہ ہے اس راستہ سے اچھی باتیں دل تک پہنچتی ہیں۔

۵؎یعنی آنکھ دل کا دوسرا راستہ ہے کہ اس کے ذریعہ دل تک چیزیں پہنچتی ہیں محبوب کو آنکھ دیکھتی ہے تو دل محبت کرتا ہے۔کسی نے کہا ہے شعر

دیکھا جو حسن یار طبیعت مچل گئی   آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی

مطلب یہ ہے کہ جسے دل محفوظ رکھتا ہے اسے آنکھ ہی تو دل میں ثابت کرتی ہے، وہاں تک پہنچاتی ہے لہٰذا اپنے کان اور آنکھ کو صاف و پاک رکھو تاکہ ان راستوں سے دل تک اچھی چیزیں ہی پہنچا کریں۔

۶؎ القلب یا تو پیش سے ہے یعنی جس کے دل کو اللہ کی طرف سے محافظ بنایا گیا، یا فتحہ سے ہے یعنی جس نے اپنے دل کو محافظ بنایا کہ دل میں اللہ رسول کی محبت اس کی اطاعت کا جذبہ محفوظ رکھا، نیز بزرگوں کی وعظ و نصیحت یاد رکھی۔ایسے قلب کو یقین سے ترقی ہو کر عین الیقین بلکہ حق الیقین عطا ہوتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یقین سے مراد موت ہے کہ وہ یقینی چیز ہے، نیز موت سے ہر کافر کو اسلام کی حقانیت کا یقین ہو جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالٰی کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا دے رہا ہے جو بھی وہ بندہ چاہتا ہے تو یہ ڈھیل ہے ۱؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ جب وہ بھول گئے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے حتی کہ جب وہ لوگ دیئے ہوئے پر خوش ہوگئے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ مایوس ہوگئے ۲؎ (احمد)	

۱؎ یعنی اگر کوئی بندہ گناہ کرتا رہے مگر حق تعالٰی کی طرف سے بجائے پکڑ کے نعمتیں ملتی رہیں تو یہ نعمتیں نہیں بلکہ عذاب ہیں کہ اگر پہلی بار ہی اس کی پکڑ ہو جاتی تو یہ توبہ کرلیتا مگر یہ سمجھا کہ میرے اس گناہ سے رب راضی ہے پھر اور زیادہ گناہ کرتا ہے حتی کہ گناہوں میں حد سے بڑھ کر کافر ہو جاتا ہے، پھر پکڑا جاتا ہے جیسے فرعون کا حال ہوا۔استدراج کے معنی ہیں سیڑھی پر چڑھانا۔ درجہ سیڑھی کے ڈنڈے کو کہتے ہیں، چونکہ مہلت سے بندہ گناہوں میں ایسی ترقی کرتا ہے جیسے آدمی سیڑھی پر چڑھتا ہے اس لیے مہلت کو استدراج کہا جاتا ہے۔رب فرماتا ہے: "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔

۲؎ اس آیت میں گزشتہ کافر قوموں کا ذکر ہے جیسے قوم فرعون وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ صفہ والوں میں سے ۱؎ ایک شخص نے وفات پائی اور ایک دینار چھوڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک داغ ۲؎ فرماتے ہیں کہ پھر دوسرے شخص نے وفات پائی تو اس نے دو دینار چھوڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو داغ ۳؎ (احمد، بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ صفہ چھتے ہوئے چبوترہ کو کہتے ہیں۔جب قبلہ بیت المقدس تھا تو یہ ہی جگہ مسجد تھی، تبدیلی قبلہ پر یہ جگہ ویسی ہی چھوڑ دی گئی اور مسجد کی توسیع کردی گئی، اب اس جگہ علم دین سیکھنے والے تارک الدنیا صحابہ رہنے لگے جن کے گھر بار، اولاد، مال وغیرہ کچھ نہ تھا، یہ حضرات اکثر ساٹھ ستر کے درمیان رہتے تھے کبھی اس سے کم و بیش، انہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے، حضور انور کی صحبت شریف میں رہنے کے لیے وقف کیا ہوا تھا، انہیں میں حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خرچ وغیرہ کے کفیل تھے،ایک پیالہ دودھ وغیرہ کے معجزات انہیں حضرات پر ظاہر ہوئے تھے۔شعر

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھاوہ جام شیر — جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

حضور انور کو حکم الٰہی تھا کہ ان کے ساتھ رہا کرو۔(قرآن مجید) حضور ان سے فرماتے تھے کہ میں بھی تم میں سے ہوں اور آخرت میں تم میرے ساتھ ہو گے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوفی اُس صفہ سے بنا ہے یعنی چبوترے پر رہنے والے۔(اشعہ) یہاں اہل صفہ فرمایا اصحاب رسول اللہ نہ فرمایا کہ صفہ والے تارک الدنیا تھے۔

۲؎ یعنی ایک دینار ان سے اہل صفہ کے نام پر ایک دھبہ ہے کہ اہل صفہ تارک الدنیا ہونے چاہئیں، پھر انہوں نے یہ دینار بھی کیوں رکھا لہذا حدیث واضح ہے۔اس سے نہ تو مالدار صحابہ پر اعتراض ہو سکتا ہے نہ خود ان وفات یافتہ حضرات پر۔

۳؎ یعنی اس شخص نے دو دینار چھوڑ کر اپنے نام اہل صفہ پر دو دھبے لگائے کہ دعویٰ ہے ترک دنیا کا اور عمل یہ ہے کہ وہ دو دینار پاس ہیں۔خیال رہے کہ بعض لوگوں کے لیے مالداری اچھی ہوتی ہے کہ اس سے وہ شاکر بن جاتے ہیں اور بعض کے لیے غریبی بہتر کہ اس سے وہ صابر رہتے ہیں،اہل صفہ اس دوسری جماعت سے تھے لہذا یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے جیسے بعض کے لیے جلوت افضل ہے اور بعض کے لیے خلوت بہتر ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ ان حضرات کا صفہ میں رہنا گویا اپنے کو فقیر ظاہر کرنا تھا،لوگ انہیں فقیر سمجھ کر خیرات و صدقات دیتے تھے تو یہ لوگ قال سے نہیں بلکہ حال سے سوالی تھے اور جس کے پاس ایک یا دو دینار ہوں اسے سوال حرام ہے بلکہ سوال سے حاصل کیا ہوا مال بھی اسے درست نہیں۔جو مالدار فقیروں کا سا لباس رکھے یا جو جاہل عالموں کی سی وضع بنائے،جو غیر صوفی صوفیانہ رنگ میں رہے پھر لوگ اسے فقیر یا عالم یا صوفی سمجھ کر نذرانہ دیں وہ نذرانے اس کے لیے حرام ہیں۔(مرقات) مگر فقیر کے نزدیک پہلی توجیہ جو اشعۃ اللمعات نے بیان فرمائی بہت ہی قوی ہے کیونکہ حضرات صحابہ سارے ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اور حرام کام یا حرام خوراک کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہ وہ اپنے ماموں سے کہ وہ اپنے ماموں ابن ابی ہاشم کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لیے گئے تو ابو ہاشم رونے لگے ۱؎ انہوں نے کہا کہ اے ماموں کیا تکلیف تمہیں پریشان کررہی ہے یا دنیا کی حرص؟ ۲؎ وہ بولے ہرگز نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک عہد لیا تھا میں نے وہ اختیار نہ کیا ۳؎ پوچھا وہ عہد کیا ہے؟فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تمہیں مال جمع کرنے میں ایک خادم اور ایک سواری وہ بھی اللہ کی راہ کے لیے ہو کافی ہے ۴؎ اور میں اپنے کو دیکھ رہا ہوں کہ میں نے جمع کیا ہے ۵؎ (احمد،ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کے حالات ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے۔آپ عتبہ کے بیٹے ہیں،ہندہ بنت عتبہ آپ کی بہن ہیں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تو آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماموں ہوئے،آپ کی یہ مرض مرض وفات تھی،غالبًا آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رو پڑے تھے پہلے سے نہیں رو رہے تھے۔

۲؎ یشئز بنا ہے شاز سے بمعنی قلق اور دل کی بے چینی،بے قراری یعنی آپ کا یہ رونا مجھے بے قراری کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے،اگر بے قراری مرض کی تکلیف سے ہے تو طبیب کو بلاتے ہیں اور اگر اپنی غریبی سے ہے تو جتنا مال چاہیے ہم حاضر کردیتے ہیں۔امیر معاویہ کی سخاوت تو مشہور ہے اس کے متعلق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔

۳؎ یہ فرمان حضرات صحابہ کی انتہائی انکساری کا ہوتا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانوں پر جیسا عمل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا اس کی مثال گزشتہ انبیاء کرام کے اصحاب میں نہیں ملتی۔

۴؎ حضور انور کا یہ عہد ساری امت سے ہے اور اس میں ترک دنیا کی رغبت ہے یعنی اگر تمہارے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ ہو تو غم نہ کرو کہ اتنا مال کافی ہے لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کے لیے مال رکھنا ہی حرام ہے ورنہ پھر زکوۃ، فطرانہ، قربانی، حج عمرہ وغیرہ عبادات کیسے ادا ہوں گی۔

۵؎ یعنی میرے پاس ان چیزوں سے زیادہ مال ہے،آپ کا یہ رونا اس پر افسوس کرنا بھی عبادت ہے کہ یہ گریہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہر قول پیارا معلوم ہوتا ہے جب وہ یاد آتے ہیں تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ام الدرداء سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت ابو الدرداء سے کہا کہ آپ کا کیا حال ہے کہ آپ کمائی نہیں کرتے جیسی فلاں کرتا ہے ۱؎ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تمہارے لیے سخت پہاڑ ہیں ۲؎ جنہیں بوجھل لوگ طے نہ کرسکیں گے ۳؎ میں چاہتا ہوں کہ ان پہاڑوں کے لیے ہلکا ہوں ۴؎

۱؎ فلاں سے مراد دوسرے حضرات ہیں مال والے یعنی آپ طلب مال کے لیے دوسروں کی طرح کوشش کرکے مالدار کیوں نہیں بن جاتے،یا یہ مطلب ہے کہ دوسروں کی طرح حضور انور سے تم مال کیوں نہیں مانگتے حضور تو ایک ہاتھ اٹھاکر غنی کردیتے ہیں۔شعر

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کردیا　　　موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام

۲؎ یہاں پہاڑ سے مراد موت، قبر، حشر کی مشکلات ہیں جن سے گزرنا بہت ہی مشکل ہے مگر اس پر آسان ہے جس پر اللہ کرم کرے۔

۳؎ یعنی مال، حال، عزت وجاہ کے طالبین ان پہاڑوں کو بہ آسانی طے نہ کرسکیں گے۔سفر میں جتنا بوجھ زیادہ اتنی ہی تکلیف زیادہ، دنیا میں پھنسے ہوئے آدمی کو مرتے وقت نزع کی تکلیف کے علاوہ دنیا چھوٹنے کا غم بھی ہوتا ہے جو بہت تکلیف کا باعث ہے۔

۴؎ یعنی میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس مال کم ہو تاکہ میرا حساب بھی کم ہو اسی لیے فقراء بمقابلہ امیروں کے جنت میں پہلے جائیں گے وہ تو عرض کریں گے ایک سوٹا ایک لنگوٹا۔شعر

دیا جو تو نے کھایا پیا چلے آئے　　　گدا سے کیسا حساب وکتاب ہوتا ہے

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا کوئی ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں ۱؎ لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ فرمایا یوں ہی دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہتا ۲؎ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎ نہایت نفیس تشبیہ ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ انسان پانی میں چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں، پاؤں تو ضرور بھگیں گے۔
۲؎ یہاں دنیادار سے مراد دل میں دنیا کی محبت رکھنے والا ہے۔ محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے یا دنیا سے مراد وہ دنیا ہے جو انسان کو اللہ تعالٰی سے غافل کردے۔ دنیا صفر ہے آخرت عدد، اگر صفر اکیلا ہو بغیر عدد کے تو خالی ہے اگر عدد سے مل جاوے تو اسے دس گناہ کردیتا ہے۔ ابوجہل کی دنیا گناہوں کی جڑ تھی اور آخرت سے الگ۔ حضرت سلیمان و عثمان غنی کی دنیا دین کے ساتھ تھی لہذا نیکیوں کی جڑ تھی۔ اللہ تعالٰی ابوجہل و قارون کی دولت سے ہر مسلمان کو بچائے حضرت عثمان کے خزانہ سے عطیہ دے۔

	روایت ہے حضرت جبیر ابن نفیر سے ارسالًا۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ مجھے یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو رہوں ۲؎ لیکن مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح بولوں اور سجدہ کرنے والوں میں ہوؤ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو حتی کہ تم کو موت آجائے ۳؎ (شرح سنہ ابونعیم) حلیہ بروایت ابی مسلم ۴؎

۱؎ آپ قبیلہ بنی حضرم سے ہیں، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا مگر خلافت صدیقی میں ایمان لائے، ۷۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔ حضرت جبیر سے جو کہ تابعی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔
۲؎ یعنی میری زندگی کا مقصد تجارت اور مال جمع کرنا نہیں، میری زندگی کا مقصد تبلیغ نبوت اور اللہ کی اطاعت ہے، اپنے پاس بقدر ضرورت کبھی مال رکھنا تجارت کرنا اسی کے تابع ہے۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر کے بعد ازواج پاک کو سال بھر کا خرچ عطا فرمادیتے تھے یا یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت، بکریاں چرانے کا کام کیا ہے۔ ظہور نبوت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چیزیں خریدیں ہیں فروخت بھی کی ہیں مگر وہ سب عارضی چیزیں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک کا مقصد وہ تھا جو آگے ارشاد ہورہا ہے لہذا حضرت عثمان غنی اور دوسرے صحابہ کرام کا تجارتیں کرنا، مال جمع کرنا ممنوع نہیں تھا، اگر مال جمع نہ کیا جاوے تو زکوۃ، حج و عمرہ وغیرہ عبادتیں کیسے کی جاسکتی ہیں۔ کام کرنا اور ہے کام میں مشغول ہوجانا کچھ اور۔
۳؎ اس آیت کریمہ میں موت آنے تک تسبیح، نماز اور ہر ممکن عبادات کرنے کا حکم ہے۔ یقین سے مراد یقینی چیز یعنی موت ہے خدا کرے مرتے وقت تک کوئی نماز، اللہ کا ذکر، مسجد کی حاضری، تکبیر اولٰی، نوافل، کوئی چیز نہ چھوٹے۔ حضرات صوفیاء کے نزدیک یقین سے مراد عین الیقین یا حق الیقین ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ تسبیح و نماز تو عبادات ہیں اور وَاعْبُدْ رَبَّكَ میں عبودیت کا حکم ہے۔ عبادت اور عبودیت میں بڑا فرق ہے، عبادت آسان ہے عبودیت مشکل ہے، اللہ نصیب کرے۔
۴؎ ابومسلم خولانی، بڑے زاہد، عابد و عالم تھے اور تابعین میں سے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق سے ملاقات کی ہے، ۶۲ھ باسٹھ ہجری میں وفات پائی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حلال روزی تلاش کرے بھیک سے بچنے کے لیے اور اپنے گھر والوں پر کوشش کرے اپنے پڑوسی پر مہربانی کرنے کے لیے ۱؎ وہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی سے ایسے ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا ۲؎ اور جو حلال دنیا طلب کرے مال بڑھانے، فخر و

	تکبر کرنے،دکھلاوے کے لیے تو وہ اللہ سے ملے گا حالانکہ وہ اس پر ناراض ہوگا۳؎(بیہقی شعب الایمان اور ابونعیم حلیہ)

۱؎یعنی مال کمانا تین مقصدوں کے لیے ہونا چاہیے: اپنی ذات،اپنے بال بچوں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے اور یہ تمام کام اللہ ورسول کی رضا کے لیے ہوں۔پہلی دو چیزیں واجب ہیں یعنی خود بھیک سے بچنا اور بال بچوں کے حقوق ادا کرنا،تیسری چیز یعنی پڑوسیوں سے مالی سلوک کرنا یہ مستحب ہے واجب نہیں مگر ثواب اس پر یقینی ہے۔

۲؎یعنی اللہ کی رحمت اور دل کی خوشی کی وجہ سے اس کا چہرہ چمکیلا ہوگا۔اس حدیث نے گزشتہ تمام احادیث کی شرح کردی کہ وہاں دنیا جمع کرنے اور دنیا کمانے سے ممانعت جو فرمائی گئی ہے وہاں وہ دنیا مراد تھی جو جائز نیت سے نہ ہو۔نیت خیر سے دنیا کمانا عبادت ہے کیونکہ یہ بہت سی عبادات کا ذریعہ ہے۔

۳؎معلوم ہوا کہ فخر و تکبر کے لیے حلال مال بھی جمع کرنا برا ہے توحرام مال اس نیت سے جمع کرنا بدرجہا برا ہے کہ وہاں مال بھی حرام ہے نیت بھی حرام۔بہرحال مال میں تین چیزیں ہوں تو مال اچھی چیز ہے کمائی حلال،خرچ حلال اور نیت حلال۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خیر خزانے ہیں اور ان خزانوں کی کنجیاں ہیں ۱؎تو خوشخبری ہو اس بندے کے لیے جسے اللہ تعالٰی نے خیر کی کنجی اور شر کا بند قفل بنایا۲؎اور خرابی ہے اس بندے کی جسے اللہ نے شر کی کنجی اور خیر کا بند قفل بنایا۳؎(ابن ماجہ)

۱؎یعنی اچھے کام اور اچھی چیزیں بہت سی خوبیوں کے خزانے ہیں اور بعض انسان خزانوں کی چابیاں ہیں کہ وہ اچھے ہوجاویں تو دوسرے بھی اچھے ہوجاویں،اگر بادشاہ حکام،علماء مشائخ متقی ہوجاویں تو رعایا،شاگرد،مریدین خود بخود متقی بن جاویں۔اللہ تعالٰی ہمارے پاکستان کو متقی پرہیزگار مؤمن حکام نصیب کرے خود بخود دوسرے لوگ متقی بن جاویں گے **الناس علی دین ملوکھم**۔

۲؎یعنی وہ شخص خوش نصیب ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو بھلائیاں نصیب ہوں اور ظلم و ستم بند ہوجاویں۔مال،علم بعض کے لیے قرب الٰہی کا ذریعہ ہے،بعض کے لیے دوری کا باعث،قریبًا ہر چیز کا یہ ہی حال ہے قرب الٰہی کا ذریعہ ہو تو خیر ہے ورنہ شر۔

۳؎یعنی بعض لوگ ایسے شر پر ہوتے ہیں کہ ان کے شر سے دوسرے محفوظ نہیں ہوتے وہ لوگ منحوس ہیں۔دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے زمانہ اقتدار میں برکت ہی برکت ہوجاتی ہے ملک آباد،لوگ خوشحال ہوجاتے ہیں،بعض کے برسر اقتدار آتے ہی برکتیں ختم ہوجاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کے مال میں بے برکتی دی جاتی ہے تو وہ مال کو پانی اور مٹی میں لگادیتا ہے ۱؎

۱؎ان جیسی احادیث کی شرح پہلے ہوچکی کہ ان میں بلاضرورت عمارتیں بنانا ان کے گارے چونے میں پیسہ خرچ کرنا مراد ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے کے مال میں بے برکتی ڈالنا چاہتا ہے تو اسے مکانات گرانے بنانے کا شوق دے دیتا ہے۔اسے اللہ ورسول کی راہ میں خرچ کرنے،حق والوں کے حق ادا کرنے کا خیال ہی نہیں آتا،وہ اس میں لگا رہتا ہے کہ یہ بگاڑو یہ بناؤ۔ضروری عمارات جیسے مسجد،ضرورت کے مکان و

دکانیں اس حکم سے خارج ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ لاکھوں روپے کے خرچ سے بنائی، حضرت عثمان غنی نے مسجد نبوی پر بہت روپیہ خرچ کیا۔

روایت ہے ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمارات میں حرام سے بچو ۱ کیونکہ وہ ویرانی کی جڑ ہے ۲ انہیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔	

۱ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ عمارت پر خرچ کرنے کے لیے حرام مال جمع نہ کرو ورنہ اس میں حرام کام ہی ہوا کریں گے، اچھی کمائی کی عمارت میں ان شاءاللہ اچھے کام ہی ہوتے ہیں، خراب میں خراب کام۔ دوسرے یہ کہ حرام عمارتیں نہ بنائے جیسے ناچ گھر، سینما گھر، زنا گھر، شراب خانے، بت خانے وغیرہ۔

۲ اس جملہ کے بھی دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ مکانات، عمارات عنقریب ویران ہوجائیں گے پھر ان کے لیے حرام مال جمع کرکے اپنی آخرت کیوں برباد کرتے ہو؟۔ دوسرے یہ کہ حرام عمارتیں دین کی خرابی کی جڑیں ہیں کہ وہاں شرابیں، جوئے، بدمعاشیاں دن رات ہوا کریں گی، تم ایسی عمارتیں بناکر مرجاؤ گے مگر وہاں یہ گناہ ہوتے رہیں گے اور تم کو قبروں میں سزا ملتی رہے گی۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو ۱ اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو ۲ اور اس کے لیے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو ۳ (احمد، بیہقی شعب الایمان)	

۱ یہاں دار سے مراد عیش و عشرت کا گھر ہے یعنی دنیا کو عیش کی جگہ وہ ہی سمجھتا ہے جس کے مقدر میں آخرت کا عیش نہ ہو ورنہ مؤمن دنیا کو عمل کی جگہ اور رہنے کی منزل سمجھتا ہے کہ جتنی زندگی ہے اس میں کچھ کرلو یہ پھر نہ ملے گی۔ (مرقات)

۲ مال سے مراد حرام ذریعہ سے کمایا ہوا اور حرام جگہ خرچ کیا ہوا مال ہے۔ یہ مال حقیقت میں مال نہیں نرا وبال ہے یعنی دنیاوی حرام مال کو وہ مال سمجھتا ہے جس کے نصیب میں حلال مال نہیں تم ایسے نہ بنو، مؤمن اس مال کو راہِ خدا عزوجل میں خرچ کرکے آخرت سنبھالتا ہے۔

۳ یعنی غافل آدمی دنیاوی عیش و آرام کے لیے مال جمع کرتا ہے اور مؤمن آخرت کے لیے جمع کرتا ہے، غافل بے وقوف ہے اور مؤمن عاقل ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں فرماتے سنا کہ شراب گناہوں کی جامع ہے ۱ اور عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں ۲ اور دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے ۳ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عورتوں کو پیچھے رکھو ۴ کیونکہ اللہ تعالٰی نے انہیں پیچھے رکھا ہے ۵ (رزین) اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے بروایت حسن بطور ارسال روایت کی کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے ۶	

۱ یعنی شراب تمام گناہوں کی جڑ ہے کہ گناہوں سے عقل روکتی ہے، جب شراب سے عقل ہی جاتی رہی ہے تو اب گناہوں سے کون روکے، شراب میں انسان قتل اور ماں بہن سے زنا کرلیتا ہے۔ (مرقات)

۲؎ چنانچہ شیطان عورتوں کے ذریعہ بڑے بڑے متقیوں کو شکار کرتا ہے۔ بلعم ابن باعور جیسا متقی انسان مارا گیا تو عورت کی وجہ سے، دنیا میں پہلا قتل یعنی ہابیل کا قتل ہوا تو عورت کی وجہ سے۔

۳؎ اس حدیث کی شرح اور محبت دنیا کے معنی اور یہ کہ محبت تمام دنیا کا سر کیوں ہے سب کچھ پہلے بیان ہو چکا۔ محبت دنیا یہ ہے کہ انسان ہر ذریعہ سے دنیا حاصل کرتا ہے، ضرورت پڑے تو دین دنیا پر قربان کردے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی حصول دنیا میں ہر گناہ کرلیتا ہے۔ فرعون، شداد، نمرود، یزید جیسے لوگ محبت دنیا کیوجہ سے بدترین گناہ کرگئے۔

۴؎ ذکر میں، حکم میں، درجہ میں عورتوں کو مردوں سے پیچھے رکھو، انہیں امام نہ بناؤ کہ انہیں جماعت کی اگلی صفوں میں کھڑا نہ کرو، انہیں بادشاہ یا حاکم نہ بناؤ، انہیں پیر یا مرشد بنا کر ان کی بیعت نہ کرو، مرد بادشاہ ہیں، عورتیں وزیر۔ خیال رہے کہ جس درجہ کی عورت ہوگی اسی درجہ کا مرد بھی لیا جائے گا لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم جیسے گنہگار حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ زہرا سے افضل ہیں۔ عائشہ صدیقہ سے حضور افضل ہیں، فاطمہ زہرا سے علی مرتضٰی افضل ہیں۔

۵؎ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ"، نیز قرآن کریم میں عورتوں کا ذکر مردوں کے بعد ہے "الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ" بلکہ اکثر جگہ مردوں کے ضمن میں عورتوں کا ذکر ہے جیسے "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" وغیرہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ ملکہ بلقیس یمن کی بادشاہ تھی مگر کب، مسلمان ہونے سے پہلے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی اور آپ کے نکاح میں آئی یمن کی بادشاہ نہ رہی آپ کی ماتحت ہوئی لہذا اس سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ کسی دین میں عورتوں کی امامت سلطنت جائز نہ تھی، از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے دین میں عورتوں کو یہ عہدے نہ دیئے گئے۔

۶؎ یہ کلام حب الدنیا رأس کل خطیئۃ حضرت نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے یا راوی نے جناب کا کلام نقل فرمایا ہے یا حضور اقدس کا اپنا فرمان عالی ہے۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن ہے۔ (مرقات)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جن چیزوں سے میں اپنی امت پر خوف کرتا ہوں ان میں زیادہ خوفناک نفسانی خواہش ہے اور لمبی امید ۱؎ لیکن نفسانی خواہش تو وہ حق سے روک دیتی ہے ۲؎ اور رہی دراز امید تو وہ آخرت کو بھلا دیتی ہے ۳؎ اور یہ دنیا کوچ کرکے جارہی ہے اور یہ آخرت کوچ کرکے آرہی ہے ۴؎ ان دونوں میں سے ہر ایک کے بچے ہیں ۵؎ اگر تم یہ کرسکو کہ دنیا کے بچے نہ بنو تو ایسا کرو کیونکہ تم آج عمل کی جگہ میں ہو جہاں حساب نہیں اور تم کل آخرت کے گھر میں ہوگے جہاں عمل نہ ہوگا ۶؎ (بیہقی شعب ایمان)

۱؎ یعنی جو دل چاہے وہ کرے قانون شرعی کا لحاظ نہ کرے اور یہ خیال کرنا کہ ابھی میری عمر بہت ہے جب مرنے لگوں گا تو نیک کام کرلوں گا یہ دونوں دھوکے ایسے ہیں جن میں عام لوگ گرفتار ہیں۔ نفس و شیطان گناہ جلدی کراتے ہیں، نیکیوں میں دیر لگواتے ہیں کہ ابھی عمر بہت ہے پھر کرلینا۔

۲؎ نفسانی خواہش سے وہ خواہشات مراد ہیں جو خلاف اسلام ہوں،جو ان کی پیروی کرے گا ظاہر ہے کہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت نہ کرے گا۔
۳؎ آخرت یاد آتی ہے جب کہ اپنی موت سامنے ہو۔انسان موت کو قریب سمجھ کر آخرت کی تیاری کرتا ہے،جب یہ خیال دل میں بیٹھ جاوے کہ ابھی سو دوسو سال مجھے موت آنی ہی نہیں تو وہ آخرت کی تیاری کیوں کرے گا لہذا یہ فرمان عالی بالکل برحق ہے۔
۴؎ جب سے ہم پیدا ہوئے ہیں تب سے دنیا جارہی ہے اور آخرت آرہی ہے،ہر سانس آخرت کی طرف ایک قدم ہے۔شعر

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی　　　خالق نے تری عمر کی ایک سانس گھٹادی

ہمیں خبر نہیں کہ دنیا کب ساتھ چھوڑ دے اور آخرت کب آجاوے۔
۵؎ یہاں بچوں سے مراد تابع،محکوم زیر فرمان لوگ ہیں،راکب وراغب یعنی بعض لوگ دنیا کے طالب اس میں راغب ہیں،بعض آخرت کے طالب اس میں راغب ہیں،انسان دونوں کا طالب نہیں ہوسکتا کہ دونوں ضدیں ہیں۔
۶؎ یعنی دنیا میں اللہ تمہارا حساب نہیں فرماتا جو بھی چاہو عمل کرلو،بعد مرنے کے عمل کا وقت نہ ہوگا حساب ہی حساب ہوگا لہذا بہتر یہ ہے کہ آج تم اپنا حساب خود کرتے رہو۔خیال رہے کہ حضرات انبیاء اور بعض اولیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں،تلاوت قرآن کرتے ہیں مگر ان اعمال پر ثواب نہیں لہذا یہ حدیث برحق ہے کہ ثواب والا عمل صرف زندگی میں ہی ہوسکتا ہے،ہاں اس کا ثواب مرے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے لہذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ دنیا کوچ کرکے پیٹھ پھیر رہی ہے اور آخرت کوچ کرکے سامنے آرہی ہے ۱؎ ان دونوں میں سے ہر ایک کی اولاد ہے تو تم آخرت کی اولاد بنو اور دنیا کی اولاد نہ بنو ۲؎ کیونکہ آج عمل ہے حساب نہیں اور کل حساب ہوگا عمل نہ ہوگا ۳؎ (بخاری ایک باب کا عنوان)

۱؎ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اپنا قول ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کے بالکل مطابق ہے۔اسے کہتے ہیں توارد یعنی دنیا اور آخرت دونوں ہی حرکت میں ہیں مگر دنیا جارہی ہے آخرت آرہی ہے،دنیا جاکر نہ آئے گی آخرت آکر نہ جائے گی۔
۲؎ اس کے معنی اور مطلب ابھی پہلے عرض کیے گئے تم دنیا کے نہ بنو بلکہ دنیا تمہاری بنے،جو اللہ کا ہوجاتا ہے دنیا اس کی ہوجاتی ہے۔
۳؎ اس کے معنی ابھی عرض کیے گئے کہ دنیا میں رب تعالٰی نہ تو ایمان کا حساب لیتا ہے نہ اعمال کا۔بعد موت کوئی شخص جزا والا عمل نہیں کرسکے گا اگرچہ بعض مقبول بندے قبر میں نماز وتلاوت کرتے ہیں مگر اس پر جزا نہیں اسی لیے زندے انہیں ثواب بخشتے ہیں کہ زندگی کے اعمال کا ثواب ہے ،اب وہ ثواب خواہ عامل ہی رکھے یا کسی کو بخش دے اسے اختیار ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ نے خطبہ میں فرمایا آگاہ رہو کہ دنیا موجودہ سامان ۱؎ ہے جس سے نیک وبد سب کھاتے ہیں،آگاہ رہو کہ آخرت سچی معیاد ہے جس میں قدرت والا بادشاہ فیصلہ فرمائے گا ۲؎ خبردار کہ ساری خوبیاں اپنے کناروں سمیت جنت میں ہیں،آگاہ رہو کہ پوری مصیبت کناروں سمیت آگ میں ہے ۳؎ خبردار کہ تم اللہ سے ڈرتے ہوئے عمل کیا کرو ۴؎ اور

	جان رکھو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے۵ تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا۶ (شافعی)

۱؎ عرض فانی سامان کو کہتے ہیں جو باقی نہ رہے۔دنیا کا مال رب تعالٰی کی رضا کی علامت نہیں،یہ مردودوں کو بھی مل جاتا ہے،ہاں دنیا میں توفیق خیر مل جانا رضاالٰہی کی دلیل ہے۔

۲؎ آخرت یعنی موت و قیامت کا وقت مقرر ہے،قیامت میں حاکم صرف اللہ تعالٰی ہی ہو گا،تمام بادشاہوں اور حکام کی حکومتیں ختم ہو چکی ہوں گی۔

۳؎ یعنی دنیا کی راحتیں تکالیف سے محفوظ ہیں اور یہاں کی تکالیف میں بھی کچھ راحتوں کو آمیزش ہے آخرت کی راحت تو خالص ہیں اور وہاں کی مصیبتیں ہیں تو وہ بھی خالص۔

۴؎ یعنی نیک اعمال کرتے رہو اور ساتھ ہی رب تعالٰی سے ڈرتے رہو کہ نہ معلوم یہ عمل قبول ہوں یا نہ ہوں۔مؤمن کا کام ہے کہ عمل کرنا اور ڈرنا،غافل منافق کا کام ہے کہ نہ کرنا اور اکڑنا۔

۵؎ اس عبارت میں قلب ہے۔مقصد یہ ہے کہ تم پر تمہارے اعمال پیش ہوں گے مگر فرمایا کہ تم اعمال پر پیش ہو گے جیسے کہا جاتا ہے **عرضت الحوض علی الناقۃ** میں نے حوض کو اونٹنی پر پیش کیا حالانکہ اونٹنی حوض کے سامنے کی جاتی ہے،اردو میں کہا جاتا ہے کہ گجرات آگیا حالانکہ گجرات تو اپنی جگہ پر رہا ہم گجرات میں آگئے ایسے ہی یہ ہے۔

۶؎ ذرہ سے مراد یا توریت کا ذرہ ہے یا چھوٹی چیونٹی۔اس آیت کریمہ کی تحقیق یہ ہے کہ **من** سے مراد یا تو صرف مسلمان ہیں اور خیر سے مراد وہ نیکی ہے جو ضبط نہ ہو چکی ہو اور شر سے مراد وہ گناہ ہے جو معاف نہ ہو چکا ہو اور دیکھنے سے مراد اس کی سزا و جزا بھگتنا یعنی اے مسلمان تجھ کو ذرہ بھر نیکی کی جزاء اور ذرہ بھر گناہ کی سزا ملے گی بشرطیکہ نیکی ضبط نہ ہوئی ہو گناہ معاف نہ ہوا ہو،یا**من** سے مراد ہر انسان ہے مؤمن ہو یا کافر اور دیکھنے سے مراد ہے اپنے اعمال کو آنکھ سے دیکھ لینا سزا جزا ہو یا نہ ہو یعنی ہر انسان اپنے ہر عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ مؤمن کو اس کے گناہ دکھا کر معاف کیے جائیں گے،کافر کو اس کی نیکیاں دکھا کر ضبط کی جائیں گی لہذا یہ آیت نہ معافی کی آیات واحادیث کے خلاف ہے نہ ضبطی اعمال کی آیات کے خلاف۔

	روایت ہے حضرت شداد سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اے لوگو دنیا موجودہ سامان ہے ۱؎ جس سے نیک و بد لوگ کھاتے ہیں ۲؎ اور آخرت سچا وعدہ ہے جس میں انصاف والا قدرت والا بادشاہ فیصلہ کرے گا اس دن سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دکھائے گا ۳؎ تم آخرت کی اولاد بنو اور دنیا کی اولاد میں سے نہ بنو کیونکہ ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہو گا ۴؎

۱؎ قرآن مجید میں دنیا کو **متاع** فرمایا گیا ہے حدیث شریف میں **عرض** لیکن دونوں کے معنی ہیں سامان،چونکہ دنیا کو چھوڑ کر انسان چلا جاتا ہے دوسرے آکر اسے برتتے ہیں اس لیے اسے متاع یا عرض کہتے ہیں۔زمین نے سب کو کھالیا زمین کو کسی نے نہ کھایا۔**حاضر** بمعنی نقد یعنی ادھار کا مقابل دنیاوی کام کرو تو زندگی میں اس کا نفع نقصان مل جاتا ہے مگر آخرت کے کام کی جزاو سزا بعد قیامت،یہ بڑا ہی ادھار ہے جو برزخ و قیامت گزار کر وصول ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی دنیا کے آرام و تکالیف اعمال کی سزا و جزا نہیں، اگر کبھی کسی نیکی سے دنیا مل جائے تو وہ اس کی جزا نہیں ہے۔
۳؎ دنیاوی حکام کی سزاؤں جزاؤں سے انسان بچ سکتا ہے رب کے فیصلہ سے کوئی نہ بچ سکے گا کیونکہ نہ تو وہ ظالم ہے نہ بے علم نہ مجبور، وہاں بچنا صرف اس کے رحم و کرم سے ہے۔
۴؎ یہاں مال اور اولاد سے مراد وہ ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں طلوع ہوتا سورج مگر اس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں ۱؎ پکارتے ہیں سوائے جن وانس کے ساری مخلوق کو سناتے ہیں ۲؎ کہ اے لوگو اپنے رب کی طرف آؤ ۳؎ جو تھوڑا ہو اور کافی ہو وہ اس سے اچھا ہے جو زیادہ ہو اور غافل کردے ۴؎ ان دونوں حدیثوں کو ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا۔	

۱؎ اس طرح کہ وہ فرشتے بھی سورج کے ساتھ ہی گردش کرتے ہیں اور ہر جگہ طلوع کے وقت سورج کے ساتھ ہوتے ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سورج تو ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع کرتا ہی رہتا ہے جب یہاں دوپہری ہوتی ہے تو کسی اور جگہ صبح سویرا، چونکہ دن نکلنے پر لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں اس لیے صبح کے وقت ہی یہ اعلان مناسب ہوتا ہے۔
۲؎ یعنی جن وانس کے سوا باقی ساری مخلوق یہ آواز سنتی ہے ان دونوں کو فرشتوں کا یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سنایا جارہا ہے جیسے رب تعالٰی نے اپنا کلام بندوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سنایا تاکہ ان دونوں گروہوں کا ایمان بالغیب رہے کہ ایمان بالغیب پر ہی سزا و جزاء کا دارومدار ہے ان ہی دونوں گروہوں پر ایمان بالغیب واجب ہے۔
۳؎ یعنی کام کاج میں مشغول ہوکر رب تعالٰی سے غافل نہ ہوجاؤ، ہاتھ کار میں ہو دل یار کے ساتھ ہو، ہر وقت اس کے دروازہ پر رہو، رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ" گنہگار ہو تو اس کے دروازے پر، آؤ نیک کار ہو تو آؤ کہ اس کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں۔
۴؎ یعنی جو رزق مقدار میں تھوڑا ہو اور انسان کی حاجات پوری کردے، اسے پاکر رب تعالٰی سے غافل نہ ہوجاوے وہ اس رزق سے بہتر ہے جو مقدار میں زیادہ ہو اور رب تعالٰی سے غافل کردے کہ وہ تھوڑا مال اللہ تعالٰی کی رحمت ہے اور یہ زیادہ مال اللہ کا عذاب ہے۔ علم کا بھی یہ ہی حال ہے کہ بقدر ضرورت علم جو خدا رسی کا ذریعہ ہو اس زیادہ علم سے بہتر ہے جو خدا تعالٰی سے غافل کردے عالم کو متکبر بنادے۔ خیال رہے کہ فرشتے یہ بات درحقیقت جن وانس کو سناتے ہیں مگر ہمارے حضور کی معرفت سے ان تک پہنچاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ اسے مرفوع کرتے ہیں، فرمایا جب مردہ مرجاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ کیا آگے بھیجا؟ اور انسان کہتے ہیں کہ کیا پیچھے چھوڑ گیا ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ میت سے مراد ہے جو مرنے لگے یعنی مرتے وقت اس کے وارثین تو چھوڑے ہوئے مال کی فکر میں ہوتے ہیں کہ کیا چھوڑے جارہا ہے اور جو ملائکہ اس کی قبض روح وغیرہ کے لیے آتے ہیں وہ اس کے اعمال و عقائد کا حساب لگاتے ہیں کہ جیسے اس کے عمل ہوں ویسے ہی فرشتے، ایسے ہی نیک اعمال والے کو رحمت کے فرشتے لیتے ہیں بدکار کو عذاب کے فرشتے۔

روایت ہے حضرت مالک سے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے	

	میرے بچے لوگوں پر وہ دراز ہو گیا جس سے وہ ڈرتے جاتے ہیں ۱؎ اور وہ آخرت کی طرف دوڑے جارہے ہیں ۲؎ اور تم جب سے پیدا ہوئے تب سے دنیا کو پیچھے چھوڑ رہے ہو اور آخرت کی طرف جارہے ہو ۳؎ اور وہ گھر جس کی طرف تم جارہے ہو اس سے زیادہ قریب ہے جس سے تم نکل رہے ہو ۴؎(زرین)

۱؎ دراز ہونے سے مراد ہے دور ہونا یعنی اعمال کی سزا و جزا دور ہے کہ بعد قیامت ملے گی اس دوری سے یہ دھوکا کھاجاتے ہیں کہ ابھی موت و قیامت بہت دور ہے نیکیاں کرلیں گے ابھی خوب مزے اڑالو۔

۲؎ یعنی جسے یہ دور سمجھتے ہیں وہ بہت تیزی سے دوڑی آرہی ہے کیونکہ لوگ اس کی طرف ہر سانس میں بڑھ رہے ہیں۔

۳؎ جب سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی عمر شروع ہوجاتی ہے عمر گزرتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ عمر بڑھ رہی ہے مگر حقیقت میں گھٹ رہی ہے۔ایک شاعر کہتا ہے شعر

یسر المرء ما ذهب الليالى   و كان ذهابهن له ذهابا

۴؎ خیال رہے کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اگرچہ دور معلوم ہو اور ہر جانے والی چیز دور ہے اگرچہ قریب معلوم ہو لہذا قبر اور آخرت قریب ہے دنیا دور ہے کہ وہ چیزیں دوڑی آرہی ہیں اور دنیا دوڑی جارہی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ لوگوں میں سے کون افضل ہے ؟فرمایا ہر سلامت دل والا ۱؎ سچی زبان والا،لوگوں نے عرض کیا کہ سچی زبان والے کو تو ہم جانتے ہیں تو سلامت دل والا کیا ہے ؟ ۲؎ فرمایا وہ ایسا ستھرا ہے جس پر نہ گناہ ہو نہ بغاوت نہ کینہ اور نہ حسد ۳؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ **مخموم** بنا ہے **خم** سے،**خم** کے معنی ہیں گھر میں جھاڑو دینا،کہا جاتا ہے **خمیت البیت** دل گویا گھر ہے اسے برائیوں سے بچانا گویا اس میں جھاڑو دینا ہے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فصیح اللسان ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سمجھنے کے لیے لغت کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔یہ پوچھنے والے حضرات عرب تھے صاحبِ زبان تھے مگر مخموم کا ترجمہ پوچھ رہے ہیں۔

۳؎ ہر چیز کا کوڑا کچرا مختلف ہوتا ہے۔دل کا کوڑا یہ چیزیں ہیں جن سے دل میلا ہوتا ہے،پھر جیسے ناپاک بدن اس مسجد میں آنے کے قابل نہیں ایسے ہی ناپاک دل مسجد قرب الٰہی کے قابل نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ"۔

	روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تجھ میں چار خوبیاں ہوں تو تجھ پر حرج نہیں کہ دنیا تجھ سے الگ رہے ۱؎ امانت کی حفاظت،بات کی سچائی،اچھی عادت،کھانے میں پاکدامنی ۲؎

	(احمد، بیہقی شعب ایمان)

۱؎ یعنی اگر یہ چار نعمتیں تجھے خدا عطا فرمادے مگر دنیا تیرے پاس زیادہ نہ ہو تو تو پرواہ نہ کر کہ وہ نعمتیں دنیا ومافیہا سے افضل ہیں بلکہ دنیا کی زیادتی کبھی ان نعمتوں کو نقصان بھی دیتی ہے لہذا اس صورت میں دنیا کی کمی ہی اچھی ہے۔

۲؎ جسے یہ توفیق مل جاوے ان شاء اللہ تعالٰی وہ دنیا میں کسی کا محتاج نہیں رہتا، اچھی عادت والا ان شاء اللہ بہت عزت پاتا ہے۔ جو اپنے حلق کو حرام کمائی سے اور زبان کو حرام بات سے محفوظ رکھے ان شاء اللہ تعالٰی وہ بندہ مقبول الدعا ہوتا ہے، جو رب تعالٰی سے مانگتا ہے پالیتا ہے، تجربہ ہے اللہ تعالٰی نصیب کرے۔ صدق مقال اکل حلال عبادات کی اصل ہے۔

	روایت ہے حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا ۱؎ کہ اس بزرگی تک آپ کو کس چیز نے پہنچایا جو ہم دیکھ رہے ہیں فرمایا کہ بات کی سچائی اور امانت کی ادائیگی اور بے کار باتوں کو چھوڑ دینے سے ۲؎ (مؤطا)

۱؎ یعنی دینی اور دنیاوی فضائل تمہیں کن اچھے اعمال کی بدولت نصیب ہوئے، اللہ تعالٰی کو آپ کی کون سی ادا پسند آگئی جس سے آپ کو یہ رتبے مل گئے۔ خیال رہے کہ نبوت تو خاص عطار بانی ہے یہ کسی عمل کا نتیجہ نہیں مگر ولایت قرب الٰہی کسبی بھی ہوتی ہے کہ کبھی اپنے اعمال سے ملتی ہے، کبھی محض وہبی عطاء ربانی۔ اگر حضرت لقمان نبی ہیں تو یہ سوال نبوت کے متعلق نہیں دیگر مراتب کے متعلق ہے اور اگر آپ نبی نہیں تب تو کوئی سوال ہی نہیں۔

۲؎ جو چیز ہم کو دین یا دنیا میں نفع نہ دے اس کے پیچھے نہ پڑو اس کی تحقیقات نہ کرو، یہ بہت سی آفتوں بہت سے گناہوں سے انسان کو بچالیتا ہے یہ بہترین عمل ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جس گاؤں جانا نہ ہو اس کے راستہ کی تحقیق کرنا بیکار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال آئیں گے ۱؎ تو نماز آئے گی کہے گی یارب میں نماز ہوں فرمائے گا تو خیر پر ہے، پھر صدقہ آئے گا کہے گا یارب میں صدقہ ہوں فرمائے گا تو بھی خیر پر ہے، پھر روزے آئیں گے عرض کریں گے یارب ہم روزے ہیں ۲؎ تو فرمائے گا تم خیر پر ہو، پھر باقی نیک اعمال بھی اسی طرح آئیں گے ۳؎ رب تعالٰی فرمائے گا کہ تم خیر پر ہو ۴؎ پھر اسلام آئے گا ۵؎ تو عرض کرے گا یارب تو سلام ہے ۶؎ اور میں اسلام ہوں ۷؎ تو رب تعالٰی فرمائے گا کہ تو بھلائی پر ہے آج تیری وجہ سے میں پکڑوں گا اور تیرے ذریعہ سے دوں گا ۸؎ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین تلاش کرے گا اس سے ہرگز قبول نہ کیا جاوے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں سے ہیں ۹؎

۱؎ یعنی قیامت کے دن انسان کے نیک وبد اعمال اس کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے۔ نیک اعمال تو شفاعت کرنے کے لیے اور برے اعمال شکایت کرنے اور اس کے خلاف گواہی دینے کے لیے، وہاں اعمال کا جسم بھی ہوگا اور شکل بھی، یہ بات کریں گے بھی اور سنیں گے بھی۔

۲؎ ان اعمال کا یہ عرض کرنا اپنے عاملین کی شفاعت کی تمہید ہے۔عرض کریں گے خدایا تو نے قرآن مجید میں، تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ہمارے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں فلاں فلاں بندہ ہمارا پابند تھا اسے بخش دے۔

۳؎ حج عمرہ، جہاد، طلب علم، اچھے اخلاق وغیرہ سب ہی بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے اور یہ ہی عرض کریں گے اسی ترتیب پر آگے پیچھے۔

۴؎ یعنی اے نیک عملو تم بھی خیر ہو تمہارے عاملین بھی خیر۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد دین محمدی ہے یعنی اصطلاحی اسلام ممکن ہے کہ سارے ہی سچے عقیدے مراد ہوں تب تمام انبیاء کرام کے دین اس میں داخل ہیں۔

۶؎ اسلام پہلے حمد الٰہی کرے گا شفاعت کی تمہید کے لیے جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لیے اولًا سجدہ اور سجدہ میں حمد الٰہی کریں گے۔سلام کے معنی سلامت رکھنے والا یعنی مولا تو اپنے بندوں کو سلامتی و امن بخشنے والا ہے۔

۷؎ یعنی میرا کام ہے تیرے بندوں کو تیرے حضور سجدہ کرا دینا تیرا مطیع بنا دینا۔اسلام کے معنی سر بسجود ہونا، مطیع و فرمانبردار بننا، رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ"۔مطلب یہ ہے کہ تیرا کام ہے بندوں کو امان دینا میرا کام ہے تیرے بندوں کو تیری امان میں لانا۔سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ سفارش و شفاعت ہے خیر الکلام ما قل و دل اچھا کلام وہ ہے جو مختصر ہو مگر جامع ہو۔

۸؎ یہ ہے رب تعالٰی کی طرف سے قبول شفاعت یعنی میری پکڑ اور میری معافی صرف تیرے ذریعہ سے ہے جو تیرا ہے وہ میرا ہے جو تیرا نہیں وہ میرا نہیں، مدار نجات صرف تو ہے تیرے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں، تیرے ہوتے ہوئے کوئی دائمی دوزخی نہیں۔

۹؎ یہ آیت کریمہ اس فرمان عالی کی تائید ہے کہ بغیر اسلام کے کوئی عمل قبول نہیں۔اس آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جو اسلام پر فوت ہوا اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو مگر وہ خسارہ والوں سے نہیں اس کی بخشش یقینی ہے خواہ اول سے معافی ہو کر یا کچھ سزا پا کر ہو دائمی دوزخ صرف کفار کے لیے ہے۔(مرقات) لہذا انسان کوشش بھی کرے اور دعا بھی کہ موت اسلام پر آوے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہمارا ایک پردہ تھا جس میں چڑیوں کی تصویریں تھیں ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ ہٹا دو اسے ۲؎ کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے دنیا یاد آتی ہے ۳؎	

۱؎ یا تو اس وقت تک تصویر حرام نہ ہوئی تھی یا وہ تصویریں بہت چھوٹی تھیں جو دور سے نظر نہ آتی تھیں اس لیے ہٹائی نہ گئیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جاندار کی تصویر رکھنا تو حرام ہے پھر حضرت عائشہ صدیقہ کے پردہ میں کیوں تھیں۔

۲؎ یعنی اس جگہ سے منتقل کردو ہمارے سامنے نہ رکھو اور جگہ رکھو ہٹا دو، یہ نہ فرمایا مٹا دو، اس وجہ سے جو ابھی عرض کی گئی کہ یا تو اس وقت تصویریں حرام نہ ہوئی تھیں، یا بہت چھوٹی تھیں ایسی چھوٹی تصویریں اب بھی جائز ہیں۔(لمعات)

۳؎ یعنی ایسے نقشیں پردے امیروں کے ہاں ہوتے ہیں جس سے ان کی امیری ظاہر ہوتی ہے، یہ پردہ دیکھ کر ہم کو دولت مندی یاد آتی ہے اس لیے یہ میرے سامنے سے ہٹا دیا جاوے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡكَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوٰجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا" یہ فرمان عالی اس آیت کریمہ پر عمل ہے۔خلاصہ یہ کہ ہمارے گھر میں تکلف شان کی چیزیں نہ رہیں۔

روایت ہے حضرت ابوایوب انصاری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی	

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرماؤ اور مختصر فرماؤ ۱؎ تو فرمایا کہ جب تم اپنی نماز میں کھڑے ہو تو رخصت ہونے والے کی سی پڑھو ۲؎ اور کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے کل معافی چاہو ۳؎ اور لوگوں کے قبضے کی چیزوں سے پورے مایوس ہو جاؤ ۴؎	

۱؎ مقصد یہ ہے کہ بہت سی باتیں نہ تو مجھے یاد رہیں گی نہ میں ان سب پر عمل کرسکوں گا اس لیے ایک دو باتیں ایسی بتائیں جن سے میرے دونوں جہاں درست ہو جاویں۔

۲؎ یعنی ہر نماز یہ سمجھ کر پڑھو کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو اگلی نماز کا وقت آنے سے پہلے مجھے موت آجاوے۔ظاہر ہے کہ ایسی نماز اچھی طرح دل لگا کر ہی پڑھی جاوے گی،اس میں جواز اور قبول کی شرطیں خوب جمع ہوں گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو چھوڑ کر اور سب سے وداع ہو کر صرف اللہ کی طرف دل لگا کر نماز پڑھو۔

۳؎ بہت ہی جامع نصیحت ہے یعنی اکثر خاموش رہو اگر بات کرنی پڑے تو اچھی بات کرو کسی کے دل دکھانے والی بات نہ کرو کہ پھر اس سے معافی مانگنی پڑے،خاموش رہنا صدہا گناہوں سے بچالیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کی بات نہ بولو جس سے توبہ کرنی پڑے۔(اشعہ)

۴؎ یعنی کسی کے مال کی امید و لالچ نہ رکھو تمہارا دل غنی رہے گا تمہیں کسی کی خوشامد نہ کرنا پڑے گی۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرمایا جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تشریف لے گئے ۱؎ آپ انہیں وصیت فرمارہے تھے اور جناب معاذ سوار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے تھے ۲؎ ان کے کجاوہ کے نیچے تو جب فارغ ہوئے فرمایا اے معاذ! ممکن ہے کہ تم اس سال کے بعد مجھے نہ ملو غالبًا ۳؎ تم اب میری مسجد اور میری قبر پر گزرو ۴؎ تو جناب معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے گھبرا کر بہت روئے ۵؎ پھر حضور واپس ہوئے تو اپنا چہرہ پاک مدینہ کی طرف کیا ۶؎ پھر فرمایا کہ لوگوں میں مجھ سے قریب تر لوگ پرہیزگار ہیں جہاں بھی ہوں ۷؎ ان چاروں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا۔	

۱؎ حضرت معاذ کو یمن کا حاکم اعلیٰ بنا کر بھیجا تو حسب معمول انہیں پہنچانے کے لیے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے اس طرح کہ حضرت معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سوار تھے اور حضور انور پیدل تھے۔

۲؎ سنت یہ ہی ہے کہ جس کو وداع کرو اسے کچھ دور پہنچانے کے لیے پیدل جاؤ۔میں نے اس جگہ کی زیارت کی ہے جہاں تک حضور پہنچایا کرتے تھے،اس عمل شریف میں اپنے مقرر کردہ حکام کا احترام فرمانا ہے۔

۳؎ یہاں لعل شک کے لیے نہیں بلکہ یقین کے لیے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا" یا فرماتا ہے:"لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ"۔

۴؎ وقبری میں واؤ بمعنی مع ہے یعنی میری قبر پر آؤ گے جو اسی مسجد میں ہوگی۔(مرقات)اس فرمان عالی میں پانچ غیبی خبریں ہیں: ایک یہ کہ ہم عنقریب وفات پاجائیں گے،دوسرے یہ کہ ہماری وفات مدینہ منورہ میں ہوگی،تیسرے یہ کہ ہماری قبر انور مسجد نبوی شریف میں ہوگی،چوتھے یہ کہ حضرت معاذ ہماری زندگی میں وفات نہ پائیں گے بلکہ ہمارے بعد،پانچویں یہ کہ جناب معاذ ہماری قبر پر زیارت کرنے آئیں گے،یہ پانچوں باتیں علوم خمسہ سے ہیں یہ ہے ہمارے نبی کا علم۔

۵؎ یہ خیال کرکے روئے کہ میں حضور انور سے اب ہمیشہ کے لیے الوداع ہورہا ہوں۔آج مدینہ منورہ سے چلتے وقت جو حالت حجاج کی ہوتی ہے وہ بیان نہیں ہوسکتی۔شعر

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینے سے — تیرے فدائی نکلتے جب مدینے سے
روضہ اچھا،زائر اچھے،اچھی راتیں اچھے دن — سب کچھ اچھا،ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

حضرت معاذ تو آج مدینہ والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ کے لیے الوداع ہورہے ہیں۔

۶؎ یعنی میں آگے روانہ ہوا حضور انور واپس مدینہ پاک کی طرف پھرے تو بلند آواز سے یہ فرمایا جو میں نے بھی اپنے کانوں سے سن لیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی تسلی کے لیے تو یہ فرمایا تھا۔

۷؎ اس فرمان عالی کے چند مقصد ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اے معاذ تم اس ظاہری فراق سے غم نہ کرو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو جہاں بھی ہوگے میرے پاس مجھ سے قریب ہی رہو گے۔دوسرے یہ کہ تاقیامت مسلمان تقویٰ پرہیزگاری کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوسکیں گے زبان وطن قومیت ہم سے قریب کرنے کے لیے کافی نہیں،قرآن کے پاس اطاعت کے قدم سے آؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ارادات کے قدم سے پہنچو،ہم صرف مدینہ میں ہی نہیں رہتے ہم تو عاشقوں کے سینہ میں رہتے ہیں۔تیسرے یہ کہ میرے متصل جو خلیفہ بنیں گے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ مجھ سے بہت ہی قریب ہوں گے تم ان کو دیکھ لیا کرنا ان کے رخسار میں میرا جمال دیکھو گے۔(اشعہ ومرقات)بعض حضور کے قرابت دار مکہ میں رہ کر حضور سے دور رہے جیسے ابولہب،بعض دور رہ کر حضور سے قریب رہے جیسے حضرت اویس قرنی۔خیال رہے کہ تقویٰ بہت قسم کا ہے جیسا تقویٰ ویسا حضور انور سے قرب۔تقویٰ کے درجات اس کے اقسام وعلامات ہماری تفسیر نعیمی میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ اللہ تعالٰی جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے ۲؎ تو عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس سے یہ نور پہچانا جاوے،فرمایا ہاں دھوکہ کی جگہ سے دور رہنا،دائمی گھر کی طرف رجوع کرنا ۳؎ اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا ۴؎

۱؎ اس آیت میں ہدایت سے مراد ہدایت خاص ہے جس کے ساتھ توفیق خیر مل جاتی ہے،ہدایت عام تو رب تعالٰی نے ساری مخلوق کو فرمائی اس ہدایت عامہ کے لیے نبی سارے انسانوں کے لیے بھیجے۔

۲؎ اور جب مؤمن کا سینہ کھل جاتا ہے تو عرش وکرسی،لوح وقلم،زمین وآسمان تمام سے زیادہ وسیع ہوجاتا ہے۔حدیث قدسی میں ہے کہ میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں،میں تو مؤمن کے سینہ میں سماتا ہوں یہ اسی نورانی مؤمن کا سینہ ہے۔

۳؎ یعنی اس نور صلبی کی تین علامتیں ہیں: ایک تو دنیا سے دل نہ لگانا، دوسرے آخرت سے دل لگانا۔ دنیا کو **دار الغرور** اس لیے فرمایا کہ اس کا دکھلاوا بہت ہے حقیقت کچھ نہیں، جیسے سراب دور سے پانی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ریت ہوتی ہے یا جیسے پانی کا بُلبُلا کہ دیکھنے میں بہت ابھرا ہوا اندر کچھ نہیں، دنیا سے بادشاہوں، وزیروں، امیروں نے دھوکہ کھایا کہ بہت کچھ جمع کیا بہت محنت بڑی مشقت سے جمع کیا مگر ایک سانس الٹی آگئی آن کی آن میں سب کچھ چھوڑا اور خالی ہاتھ چلے گئے یہ ہے دنیا کا دھوکا۔

خیال رہے کہ حضرت سلیمان وغیرہم کی دنیا انہیں دھوکا نہ دے سکی کہ ان کی دنیا آخرت کی کھیتی تھی کہ اس سے انہوں نے رب کو راضی کرلیا ان کے لیے **دار الغرور** نہیں بلکہ **دار السرور** تھی کہ وہ شاد شاد آئے شاد شاد رہے شاد شاد چلے گئے۔

۴؎ یعنی موت بلکہ علامات موت سے پہلے گناہوں سے توبہ نیک اعمال کا توشہ جمع کرلیتے ہیں۔ ریل آنے سے پہلے سامان تیار رکھتے ہیں، موت یار کے پاس لے جانے والی ریل ہے اس کی آمد سے پہلے سامان تیار کرلو آنے پر کچھ نہ ہوسکے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوخلاد سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنے کی نعمتیں دی گئیں ہیں ۲؎ تو اس سے قرب حاصل کرو کیونکہ اسے حکمت دی جاتی ہے ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ ابوخلاد کے نام میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ ان کا نام عبدالرحمٰن ہے (الاصابہ) حق یہ ہے کہ ابوخلاد صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی وہ دنیاوی باتیں کم کرتا ہے ذکر اللہ درود شریف وغیرہ اس میں داخل کہ خدا کرے ان سے زبان ہر وقت تر رہے۔

۳؎ حکمت سے مراد علم با عمل ہے، بعض نے فرمایا شریعت و طریقت کا اجتماع حکمت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص اختیار کرے تو اس کی زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں ان کی صحبت اکسیر ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" حقیقت میں ایسا مسلمان نائب پیغمبر وارث رسول ہے۔ (مرقات)

باب فضل الفقراء و ما کان من عیش النّبیّ صلی اللہ علیہ و سلم

فقیروں کی بزرگی کا بیان۱؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف کیسی تھی۲؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **فقر** کے معنی ہیں خالی ہونا، فقیر وہ جو مال سے خالی ہو۔شریعت میں فقیر وہ ہے جس کے پاس مال کم ہو، طریقت میں فقیر وہ ہے جس کا دل تکبر و غرور سے خالی ہو،اُس میں تواضع،انکسار،مساکین سے محبت ہو فقیر ہے۔صبر اللہ کی رحمت ہے اس کی بہت تعریفیں آئی ہیں اور فقر مع ضجر یعنی بے صبری والا فقر اللہ کا عذاب ہے۔اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ کبھی فقر کفر بن جاتا ہے۔اس باب میں پہلی قسم کے فقراء کی تعریفیں ہوں گی جو مع صبر ہو۔

۲؎ سبحان اللہ!ان دونوں مضمونوں کا اجتماع بڑا ہی پیارا ہے،فقر محمدی مسلمان کا طرہ امتیاز ہے۔شعر

سروری در دین ماخدمت گری است　　　　عدل فاروقی و فقر حیدری است

حق یہ ہے کہ فقیر صابر افضل ہے امیر شاکر سے،قرآن کریم نے فرمایا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے اور صبر کے متعلق فرمایا اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔کسی نے حضور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے پوچھا کہ فقیر صابر افضل ہے یا امیر شاکر،فرمایا ان دونوں سے فقیر شاکر افضل ہے یعنی فقیری بلا نہیں تاکہ اس پر صبر کرو بلکہ اللہ تعالٰی کی نعمت ہے اس پر شکر کرو۔احناف کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور مسکین وہ جس کے پاس بالکل مال نہ ہو،شوافع کے ہاں اس کے برعکس ہے۔(اشعہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اگر آپ چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ رہتے۔(حدیث شریف)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے نکالے ہوئے ۱؎ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ انہیں بری کرے۲؎(مسلم)	

۱؎ اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیاداروں کے دروازوں پر جاتے ہیں وہاں سے نکالے جاتے ہیں وہ تو رب کے دروازے کے سوا کسی کے دروازے پر نہیں جاتے،بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی حقیقت سے دنیا غافل ہے،اگر وہ کسی کے پاس جاتے تو وہ ان سے ملنا گوارہ نہ کرتا،رب نے انہیں دنیاوالوں سے ایسا چھپایا ہوا ہے جیسے لعل پہاڑ میں یا موتی سمندر میں تاکہ لوگ ان کا وقت ضائع نہ کریں۔

۲؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:کہ ایک یہ کہ وہ بندہ اگر اللہ تعالٰی کو قسم دے کر کوئی چیز مانگے کہ خدایا تجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی یہ کردے تو رب تعالٰی ضرور کردے یہ ہے بندہ کی ضد اپنے رب پر۔دوسرے یہ کہ اگر وہ بندہ خدا کے کام پر قسم کھاکر لوگوں کو خبر دے دے تو خدا اس کی قسم پوری کردے مثلًا وہ کہہ دے کہ خدا کی قسم تیرے بیٹا ہوگا یارب کی قسم آج بارش ہوگی تو رب تعالٰی ان کی زبان سچی کرنے کے لیے یہ کردے،بعض لوگ بزرگوں کی زبان سے کچھ کہلواتے ہیں حضور کہہ دو کہ تیرے بیٹا ہوگا،کہہ دو کہ تو مقدمہ میں کامیاب ہوگا اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔(اشعۃ اللمعات) حضرت غوث بہاؤالحق ملتانی اور بوڑھی عورت کا واقعہ اس کا ثبوت ہے کہ عورت نے کہا بہاء الحق واپس آجاؤ اللہ کی قسم

آج بارش ہوجائے گی میں بارش کرادوں گی،حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی سیف زبانی تو قرآن کریم میں مذکور ہے،اس کی تحقیق ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت مصعب ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد نے سمجھا کہ انہیں اپنے سے نیچوں پر بزرگی ہے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے کمزوروں کی برکت سے ہی مدد کیے جاتے ہو اور روزی دیئے جاتے ہو ۳؎ (بخاری)

۱؎ آپ مصعب ابن سعد ابن ابی وقاص ہیں،تابعی ہیں،اپنے والد اور حضرت علی،ابن عمر،طلحہ سے ملاقات ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم، ۱۰۳ھ ایک سو تین میں وفات ہوئی۔(اشعہ،مرقات)

۲؎ حضرت سعد ابن ابی وقاص مالدار بھی تھے اور بڑے سخی بہادر بھی،ایک بار ان کے دل میں خیال آیا کہ میں فلاں فقیر مہاجر صحابی سے افضل ہوں آپ نے منہ سے کچھ نہ کہا تھا تب حضور انور نے یہ فرمایا اللہ تعالٰی نے حضور کو دلوں کے خطرات پر مطلع فرمایا ہے آپ کا یہ خیال بطور شکر ہوگا نہ کہ بطور فخر مگر چونکہ یہ تصور کہ میں بہادری اور سخاوت میں فلاں سے افضل ہوں آپ کی شان کے لائق نہ تھا اس لیے یہ ارشاد ہوا۔

۳؎ یعنی اے سعد تمہاری سخاوت تو دولت سے ہے اور شجاعت طاقت و قوت سے مگر دولت،قوت،فتح فقراء کی برکت سے وہ تم حضرات کے لیے وسیلہ عظمٰی ہیں اس سے توسل ثابت ہوا۔یہاں مرقات میں فرمایا کہ فقراء مسلمین بندوں کے لیے قطب اور اوطار ہیں جیسے خیمہ میخوں اور قطب چوب سے قائم ہے ایسے ہی دنیا ان لوگوں سے قائم ہے۔فقراء کی برکت سے بندوں کو رزق ملتا ہے،ان کے طفیل بارشیں ہوتی ہیں،غرضیکہ اللہ تعالٰی کی نعمتیں ملنے کا ذریعہ یہ لوگ ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے ۱؎ تو وہاں داخل ہونے والے عمومًا مسکین لوگ تھے اور مالدار روکے ہوئے تھے سوائے اس کے کہ آگ والوں کو آگ کی طرف جانے کا حکم دے دیا گیا تھا ۲؎ اور میں آگ کے دروازے پر کھڑا ہوا تو وہاں عام داخل ہونے والی عورتیں تھیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حضور کا یہ قیام یا تو جسمانی معراج کی رات تھا یا خواب کی معراج میں یا کشف والہام میں۔(مرقات)

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ مالدار لوگ دو قسم کے ہیں:ایک جنتی،دوسرے دوزخی۔جو مالدار دوزخی ہیں وہ تو دوزخ میں ٹھہرائے گئے جیسے قارون،فرعون،ابوجہل وغیرہ۔جو جنتی ہیں وہ حساب کے لیے روکے ہوئے ہیں،رہے فقراء مسلمان وہ جنت میں بھیج دیئے گئے۔خیال رہے کہ مالدار جنتیوں سے مراد وہ مالدار ہیں جن کا حساب ہونا ہے جن کا حساب ہی نہیں لیا جاتا وہ جنت میں فورًا بھیج دیئے گئے،جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ،یہ بھی خیال رہے کہ یہ چالیس سال مالداروں سے حساب میں صرف نہ ہوں گے رب تعالٰی سارے جہان کا حساب بہت تھوڑی دیر میں لے لے گا پھر ایک مالدار کے حساب میں چالیس سال کیسے خرچ ہوں گے بلکہ ان مالداروں کو حساب کے انتظار میں رکا رہنا پڑے گا جیسے مقدمہ کی تاریخ پر فریقین شام تک انتظار کرتے ہیں کہ کب بلاوا ہو۔

۳؎ کیونکہ عورتیں زیادہ تر دنیا کی طرف مائل ہوتی ہیں اور اپنے خاوندوں بلکہ گھر بھر کو نیکیوں سے روک دیتی ہیں۔خیال رہے کہ یہ واقعات بعد قیامت ہوں گے مگر حضور انور کی نظر انہیں اس وقت دیکھ رہی ہے کیونکہ پیغمبر کی نظر غائب چیز کو دیکھ لیتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے جنت میں جھانکا ۱؎ تو وہاں کے عام باشندے فقیر لوگ دیکھے ۲؎ اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو وہاں کے اکثر باشندے عورتیں دیکھیں ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ جسمانی معراج کا نہیں کہ اس شب تو حضور انور جنت میں تشریف لے گئے تھے وہاں کی سیر فرمائی تھی یہ خواب کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔

۲؎ کیونکہ حضرات انبیاء کرام کی اطاعت کرنے والے اکثر فقراء ہی رہے،آج بھی دیکھ لو کہ علماء حفاظ وقت پڑنے پر غازی شہید اکثر غریب لوگ ہی ہوتے ہیں،اب بھی مسجدیں،دینی مدرسے غریبوں کے دم سے آباد ہیں،امیروں کے لیے کالج،سینما،کھیل تماشے ہیں فرمان پاک بالکل درست ہے۔

۳؎ اس کی وجہ ابھی بیان کردی گئی کہ عورتیں ناشکری بے صبری زیادہ ہیں عورت بگڑ کر سارے گھر کو بگاڑ دیتی ہے اور سنبھل کر سارے گھر کو سنبھال لیتی ہے،بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔جنت دوزخ کا یہ داخلہ بعد قیامت ہوگا مگر حضور کی نگاہ شریف نے اسے ملاحظہ فرمالیا۔ہمارے خواب و خیال سے بھی زیادہ تیز حضور کی نگاہ شریف ہے،ہم خواب و خیال سے اگلی آئندہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فقراء مہاجرین ۱؎ قیامت کے دن مالداروں سے چالیس ۴۰ سال پہلے جنت میں جائیں گے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ چونکہ سارے مہاجرین فقراء بغیر حساب و عذاب جنتی ہیں اس لیے یہاں مہاجرین کی قید ارشاد ہوئی۔یہاں مہاجرین سے مراد صحابہ مہاجرین ہیں،رہے دوسرے فقراء تا قیامت ان میں کوئی دوزخی ہے کوئی جنتی اور جنتی بھی بعض اول سے جنت میں جاویں گے بعض سزا پاکر جیسے مجرم و گنہگار فقیر۔

۲؎ اگر مالداروں سے مراد مالدار صحابہ ہیں تو اس کا مطلب ابھی بیان کردیا گیا کہ جن مالداروں کا حساب ہوگا ان سے پہلے فقراء جائیں گے،جنکا حساب نہیں وہ اس میں داخل نہیں اور عام مالدار مراد ہیں تو حدیث بالکل واضح ہے۔خیال رہے کہ یہ فقراء بعض امیروں سے چالیس سال پہلے اور بعض امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے لہذا یہ حدیث پانچ سو برس والی حدیث کے خلاف نہیں۔خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں جیسے ربیع موسم بہار کو کہا جاتا ہے۔خریف بول کر پورا سال مراد لیا جاتا ہے جیسے گردن بول کر پورا جسم مراد لیتے ہیں یعنی جز کے لفظ سے،نام سے کل کو تعبیر کرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا جو حضور کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ۱؎ وہ بولا یہ شخص شریف لوگوں میں سے ہے ۲؎ اللہ کی قسم اس لائق ہے کہ اگر پیغام دے تو نکاح کردیا جاوے اور اگر سفارش کرے تو قبول کرلی جاوے ۳؎ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش	

	رہے ۴؎ پھر دوسرا آدمی گزرا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ۵؎ وہ بولا یارسول اللہ یہ فقیروں مسلمانوں میں سے ہے، اس لائق ہے کہ اگر پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جاوے اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول نہ کی جاوے اور اگر بات کرے تو سنی نہ جاوے ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس جیسے زمین بھر کے آدمی سے بہتر ہے ۷؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ گزرنے والا بھی امیر تھا اور جس سے یہ سوال ہوا وہ بھی امیر ہی تھا یا امیر پرست دنیادار۔غالب یہ ہے کہ دونوں کافر یا منافق تھے ورنہ ایک صحابی سارے جہان کے غیر صحابی مسلمانوں سے افضل ہیں، تمام اولیاء اللہ ایک صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔

۲؎ شریف سے مراد مالدار ہے دنیا والے لوگ مال کو شرافت سمجھتے ہیں اور مالدار کو شریف جانتے ہیں خواہ وہ کیسا ہی بدتر ہو۔

۳؎ یعنی یہ شخص اپنی امیری کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں عزت والا ہے کوئی اس کی بات ٹالے گا نہیں اگر رشتہ مانگے تو مل جائے گا، اگر کسی کی سفارش کرے گا تو قبول کرلی جائے گی، عوام اہل عرب اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔یہاں عوام کا ذکر ہے نہ کہ حضرات صحابہ کا، حضرات صحابہ کرام کے ہاں تقویٰ و پرہیزگاری سے عزت تھی، رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ"۔

۴؎ حضور انور کی یہ خاموشی ناراضی کی تھی جیسا کہ کلام کی روشنی سے معلوم ہورہا ہے۔

۵؎ یہ گزرنے والے کوئی مسکین فقیر صحابی تھے جیسے حضرت بلال، صہیب، عمار بن یاسر وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

۶؎ کیونکہ یہ شخص غریب و مسکین ہے غریب و مسکین کی بات دنیادار نہیں سنتے۔نہ سننے سے مراد یہ ہی ہے کہ دنیادار اس کی بات نہ سنیں اس کی فقیری کی وجہ سے ورنہ حضرات صحابہ کی بات تو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک کے سارے مسلمان سنتے ہیں، ان کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان کی بنیاد ہے، اسلام و قرآن سب ان ہی حضرات سے پھیلا۔

۷؎ یعنی جس کی تو نے تعریف کی اگر ایسے آدمیوں سے روئے زمین بھر جاوے تو ان سب سے یہ آخری اکیلا آدمی افضل و اعلیٰ و اشرف ہے کہ یہ مؤمن متقی صحابی ہے۔اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ وہ پہلا آدمی کوئی امیر کافر تھا یا منافق تھا مؤمن صحابی نہ تھا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضور کی آل مسلسل دو دن جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے ۱؎ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ بلکہ ایک دن روٹی ایک دن صرف کھجوریں، پانی یا فاقہ ہوتا تھا، حضور کا یہ فقر و فاقہ اختیاری تھا اگر چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے کے پہاڑ ہوتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اس فقر و فاقہ کو اختیار فرمانے میں تاقیامت فقراء کو تسلی دینا مقصود تھی۔

۲؎ خیال رہے کہ فتح خیبر کے بعد حضور انور ہر زوجہ پاک کو ایک سال کی کھجوریں عطا فرمادیتے تھے کیونکہ خیبر میں باغات کثرت سے ہیں وہاں سے حضور کے حصے کی کھجوریں بہت آتی تھیں۔یہاں مسلسل دو دن تک روٹی سے سیر ہونے کی نفی ہے لہذا یہ حدیث اس واقعہ کے خلاف نہیں کہ وہاں کھجوروں کی عطا ثابت ہے، نیز حضور کے گھر والے ایک دن خود کھاتے تھے دوسرے دن کا کھانا فقراء مسکین کو دیتے تھے۔بہرحال یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں حضور انور پر آخری زمانہ میں دولت کی بارش ہوگئی تھی مگر سب لوگوں پر تقسیم فرمادیتے تھے ان فتوحات سے پہلے طریقہ مبارکہ یہ تھا۔شعر

اور کبھی تھوڑی کھجوریں کھانا پانی پی کر پھر رہ جانا دو دو مہینے یوں ہی گزارا صلی اللہ علیہ وسلم

روایت ہے حضرت سعید مقبری سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ وہ ایک قوم پر گزرے جن کے سامنے بھنی بکری تھی انہوں نے آپ کو بلایا تو آپ نے کھانے سے انکار کردیا ۲؎ اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے حالانکہ جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے ۳؎ (بخاری)	

۱؎ آپ کا نام سعید ہے،آپ کے والد کا نام کیسان ہے،کنیت ابوسعید یہ دونوں باپ بیٹے تابعی ہیں،چونکہ ان کا گھر قبرستان کے کنارہ تھا اس لیے انہیں مقبری کہتے ہیں۔سعید کی ملاقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،عائشہ رضی اللہ عنھا سے ہے،آخر عمر ان کی عقل میں فتور ہوگیا تھا اس لیے آپ کی بڑھاپے کی روایات معتبر نہیں ہیں،پہلے کی روایات مقبول ہیں۔(از اشعہ،مرقات)

۲؎ انکار کی وجہ آگے آرہی ہے اس وقت کچھ حضور کے ان حالات کا دھیان آگیا تو دل بے قرار ہوگیا،بھونی بکری کھانے کی طرف مائل نہ ہوئے اس لیے نہ کھانا کھایا۔دوسرے اوقات میں حضرت ابوہریرہ نے اچھے کھانے بھی کھائے ہیں،اچھے کپڑے بھی پہنے ہیں،دل کے حالات مختلف ہوتے ہیں جیساکہ ہر شخص کو تجربہ ہے۔

۳؎ یعنی مجھے اس وقت خیال یہ آگیا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تو زندگی شریف میں جو کی روٹی سے مسلسل سیر نہ ہوئے اور میں بھونی بکری کھاؤں دل نہیں چاہتا۔ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ فتح خیبر سے پہلے تو آمدنی کم ہونے کی وجہ سے یہ حالت تھی اور فتح خیبر کے بعد ترک دنیا بہت سخاوت کی وجہ سے یہ حالت رہی لہذا حدیث واضح ہے۔خیال رہے کہ یہاں مسلسل نہ کھانے کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے بھنا مرغ بھی کھایا ہے مگر کبھی شاذ و نادر۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی چربی لے کر آئے ۱؎ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک ذرہ اپنی ایک یہودی کے پاس گروی رکھی اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے جو لئے ۲؎ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس ایک صاع گندم نہ ایک صاع دانہ نے شام کی حالانکہ آپ کے پاس نو بیویاں تھیں ۳؎ (بخاری)	

۱؎ اھالہ پگھلائی ہوئی چربی اور سنخہ پرانی چربی جس میں پرانی ہونے کی وجہ سے بو پیدا ہوگئی ہو۔معلوم ہوا کہ ایسی چربی حلال ہے کہ یہ مضر صحت نہیں ہوتی مگر سڑا بھنا کھانا صحت کے لیے بہت مضر ہے اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

۲؎ حتی کہ جب حضور انور کی وفات ہوئی تو ذرہ یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوئی حضرت ابوبکر صدیق نے چھڑائی۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے تجارتی لین دین مالی معاملات جائز ہیں اگرچہ ان کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو،یہود کی حرام خوری پر قرآن مجید گواہ ہے "لَیَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوٰلَ النَّاسِ بِالۡبٰطِلِ" مگر حضور انور نے ان سے قرض لیا کفار کے ہدیئے قبول فرمائے۔

۳؎ آل محمد سے مراد حضور کی ازواج پاک ہیں اور یہ واقعہ فتح خیبر سے پہلے کا ہے،فتح خیبر کے بعد حضور انور ہر بیوی صاحبہ کو سال بھر کا خرچ دیدیتے تھے۔(لمعات و اشعہ)

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ تنگوں والی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے ۱؎ آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہ تھا اور تنگے آپ کی کروٹ میں اثر کر گئے تھے چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے جس کا بھراؤ کھجور کی چھال سے تھا ۲؎ میں نے کہا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رب سے دعا فرمائیے کہ وہ آپ کی امت پر وسعت فرمادے ۳؎ کیونکہ فارس روم پر بڑی وسعت کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے ۴؎ فرمایا اے ابن خطاب تم اس خیال میں ہو ۵؎ یہ وہ قوم ہے جن کے لیے دنیاوی زندگی میں ان کی نعمتیں دے دی گئی ۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ دنیا ان کے لیے ہو اور آخرت ہمارے لیے ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حصیر چٹائی رومال کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی،ان پتوں کو اردو میں پنگے کہتے ہیں۔

۲؎ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی تکیہ شریف کا غلاف چمڑے کا تھا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی نرم چھال یعنی درخت کھجور کا نرم گودا تھا۔

۳؎ اس عرض و معروض میں یا تو امت کا ذکر زائد ہے۔مطلب یہ ہے کہ آپ پر وسعت فرمادے مگر بے ادبی کے خوف سے امت کا نام لیا،یا مطلب یہ ہے کہ حضور آپ کی امت اس فقر و فاقہ میں آپ کی پیروی نہ کرسکے گی،دعا فرمائیں کہ ان پر اللہ تعالٰی دنیا وسیع کرے انہیں دنیا میں عیش و عشرت نصیب ہو مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے جیسا کہ جواب عالی سے معلوم ہو رہا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حضور کے صدقہ سے دنیا بہت ہی فراخ ہوئی،تمام دنیا کے بادشاہ مسلمان بنادیئے گئے جیسا کہ تواریخ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔

بوریا ممنون خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے امتش

۴؎ یعنی روم و فارس کے بادشاہ کافر ہیں مگر انہیں دنیا بہت دی گئی ہے،وہ عیش و آرام میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے محبوب ہیں حضور کا عیش و آرام ان سے زیادہ چاہیے۔

۵؎ یعنی تمہاری رائے تو ایسی شاندار ہوتی ہے اس کے موافق قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں تم جیسا پختہ اور درست رائے والا کوئی ہی ہوگا،تم بھی یہاں دھوکہ کھاگئے اور کسریٰ و قیصر کی عیش و عشرت والی زندگی کی آرزو رائے ہمارے واسطے کرنے لگے اس لیے یہاں ابن خطاب کے خطاب سے یاد فرمایا نام شریف نہ لیا،ابن خطاب فرمانے میں بھی عجیب ناز و انداز ہے۔

۶؎ یعنی ان کفار کو دنیاوی عیش و آرام عطا فرمانا اللہ تعالٰی کی رحمت نہیں بلکہ عذاب ہے کہ اس کی وجہ سے وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہوگئے،کفر و فسق کے باوجود نعمتیں ملنا ان پر اللہ کا عذاب ہے۔

ے یعنی کفار کے لیے صرف دنیا ہو ہمارے لیے آخرت بھی ہو۔صوفیاء کے نزدیک دنیا وہ ہے جو اللہ سے غافل کردے،جو مال و دولت آخرت کا توشہ بن جائے وہ دین ہے لہذا اسی حدیث کی بنا پر دولت عثمانی پر اعتراض نہیں ہوسکتا وہ تو عین دین تھی،نیز اللہ تعالٰی نے بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دولت عطا فرمائی جو حضور نے اپنے ہاتھوں سے بانٹیں اب بھی ہم سب حضور کے آستانہ سے پل رہے ہیں،بہر حال یہ حدیث بالکل واضح ہے مؤمن کی دنیا اور ہے کافر کی دنیا اور۔شعر

دونوں کی ہے پرواز اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے ستر صفہ والے صحابہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی پر چادر نہ تھی ۱؎ یا صرف تہبند تھا یا کمبل جسے وہ اپنی گردنوں میں باندھے تھے ۲؎ جن میں سے بعض وہ تھیں جو آدھی پنڈلی تک پہنچتی تھیں،بعض وہ جو ٹخنوں تک پہنچتی تھیں وہ اسے اپنے ہاتھ سے سمیٹے رہتا اس خوف سے کہ اس کا ۳؎ ستر دیکھ لیا جاوے۔(بخاری)	

۱؎ صفہ کہتے ہیں چبوترے کو(تھڑہ) مسجد نبوی شریف سے متصل طلباء کے لیے ایک چبوترہ مقرر کیا گیا تھا جہاں یہ علم سیکھنے والے حضرات رہتے تھے انہیں اصحاب صفہ کہتے تھے،ان کی تعداد کل چار سو ہے،ان کے منتظم حضرت ابوہریرہ تھے یہ خود بھی انہیں میں سے تھے،ان حضرات نے اپنے کو دین کے لیے وقف کردیا تھا،مدینہ پاک میں رہتے تو علم سیکھتے تھے ورنہ جہاد میں جاتے تھے،اہل مدینہ ان کو اپنے صدقات و خیرات دیتے تھے۔آج کل بھی دینی مدارس میں یہی ہوتا ہے آج کل کے دینی مدارس کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی قمیص تو کسی کے پاس تھی ہی نہیں صرف تہبند تھا وہ بھی اتنا چھوٹا کہ یہ حضرات اس ایک کپڑے میں پورا جسم ڈھانپنے کی کوشش کرتے تھے۔

۳؎ یعنی یہ لوگ سجدہ ورکوع یا اٹھتے بیٹھتے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے کیونکہ ان کپڑوں کی چوڑائی بہت کم تھی اگر ہاتھ سے نہ پکڑتے تو کھل جاتا ان ہاتھوں میں اسلام پروان چڑھا ہے۔وہ لوگ ناشکرے ہیں کہ بہت نعمتوں کے مالک ہیں پھر اپنے کو غریب ہی کہتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اسے دیکھے جسے اس پر مال و اعضاء میں بڑائی دی گئی ہے تو اسے بھی دیکھ لے جو اس سے نیچے ہے ۱؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا تم اپنے سے نیچے کو دیکھو اپنے سے اوپر کو نہ دیکھو یہ عمل اس کا باعث ہے کہ تم اللہ کی نعمت کی ناقدری نہ کرو ۲؎	

۱؎ یعنی اگر تم کبھی ایسے شخص کو جو صحت یا دولت میں تم سے زیادہ ہو اور تم کو اس پر رنج ہو تو فورًا ایسے کو بھی دیکھو جو صحت دولت میں تم سے کم ہے اور خدا کا شکر کرو۔حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس جوتا نہ تھا میں لوگوں کو جوتا پہنے دیکھ کر رو رہا تھا،اچانک میں نے اسے دیکھا جس کے پاس پاؤں نہ تھے وہ چوتڑوں سے گھسٹ رہا تھا میں سجدہ میں گر کے شکر کرنے لگا،یہ ہے اس حدیث پر عمل اس سے دل کو بہت تسکین ہوتی ہے۔

۲؎ دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تاکہ تم شکر کرو اور دین کی چیزوں میں اپنے سے اوپر کو دیکھو تاکہ تم اپنی عبادات پر تکبر نہ کرو،اگر تم پنجگانہ نماز پڑھتے ہو تو انہیں دیکھو جو تہجد اور اشراق بھی پڑھتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں فقیر لوگ امیروں سے پانچ سو سال ۱؎ یعنی آدھے دن پہلے جائیں گے ۲؎(ترمذی)

۱؎ اس فرمان عالی کا مطلب ابھی کچھ پہلے عرض کیا گیا کہ جن امیروں کا قیامت میں حساب ہوگا ان امیروں سے پانچ سو سال پہلے فقیر لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے لہذا ان امیروں میں حضرت سلیمان علیہ السلام یا حضرت عثمان غنی داخل نہیں کہ ان کا حساب ہی نہیں پھر پیچھے ہونے کے کیا معنی۔خیال رہے کہ گزشتہ حدیث میں چالیس سال پہلے کا ذکر تھا اور یہاں پانچ سو سال کا ذکر ہے کیونکہ فقراء بعضے امیروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے،بعض سے پانچ سو سال پہلے،جیسا امیر ویسا اس کا حساب اتنی ہی اس کے لیے دیر۔یہ بھی خیال رہے کہ یہ دیر حساب کی وجہ سے نہ ہوگی رب تعالٰی سارے عالم کا حساب بہت جلد لے گا یہ ان فقراء کی شان دکھانے کے لیے ہوگی کہ امیروں کو حساب کے نام پر روک لیا گیا اور فقیروں کو جنت کی طرف چلتا کردیا گیا۔

۲؎ یعنی قیامت کا دن ایک ہزار برس کا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ" ہاں بعض کو پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا،ان کے متعلق رب فرماتا ہے:"فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ"اور بعض مؤمنین کو گھڑی بھر کا محسوس ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَذٰلِکَ یَوۡمَئِذٍ یَّوۡمٌ عَسِیۡرٌ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ غَیۡرُ یَسِیۡرٍ"۔(مرقات)لہذا آیات میں تعارض نہیں اور ہوسکتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہو مگر بعض کو ایک ہزار سال کا محسوس ہو،بعض کو اس سے بھی کم حتی کہ ابرار کو ایک ساعت کا محسوس ہوگا جیسے ایک ہی رات آرام والے کو چھوٹی محسوس ہوتی ہے تکلیف والے کو بڑی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا الٰہی مجھے مسکین زندہ رکھ ۱؎ مسکین ہی وفات دے ۲؎ اور مسکینوں کے ٹولہ میں حشر نصیب کر ۳؎ تو جناب عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیوں ۴؎ فرمایا کہ مسکین لوگ جنت میں غنیوں سے چالیس برس پہلے جائیں گے ۵؎ اے عائشہ مسکین کو خالی نہ پھیرو اگرچہ کھجور کی قاش ہی ہو دے دو ۶؎ اے عائشہ مسکینوں سے محبت کرو انہیں قریب رکھو تاکہ اللہ تعالٰی قیامت میں تمہیں قریب کردے ۷؎(ترمذی،بیہقی شعب الایمان)اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید سے فی زمرۃ المساکین تک روایت کی۔

۱؎ یہاں مسکین سے مراد دل کے مساکین ہیں جن کے دلوں میں تکبر نہ ہو نرمی اور تواضع ہو۔متواضع بادشاہ بھی مسکین ہے اور متکبر فقیر مسکین نہیں۔مسکین یا بنا ہے مسکنۃ سے بمعنی انتہائی متواضع،یا سکون یا سکینہ سے بمعنی وقار قرار اطمینان رضا یا بالقضاء،یہ انسان کی اعلٰی صفتیں

ہیں۔یہود کے متعلق جو مسکنہ آیا ہے اس سے مراد خواری رسوائی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے: " وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ" لہذا حضرت عثمان اگرچہ مال سے غنی ہیں مگر دل سے مسکین و متواضع ہیں۔جب حضور انور کے پاس بہت دولت آئی تب بھی حضور دل کے متواضع رہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔

۲؎ یعنی میرا یہ انکسار و تواضع عارضی نہ ہو دائمی ہو وصال تک قائم رہے کہ میں اپنی نظر میں متواضع ہوؤں اور دوسروں کی نظر میں عظیم الشان۔

۳؎ یہ ہے مساکین کی انتہائی عظمت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ مساکین کو میرے زمرہ میرے گروہ میں اٹھا بلکہ فرمایا کہ مجھے مساکین کے زمرہ میں اٹھا۔ایک بادشاہ فقراء و مساکین صالحین پر گزرا،انہوں نے بادشاہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی،بادشاہ غضب ناک ہو کر بولا تم لوگ کون ہو وہ بولے ہم وہ لوگ ہیں کہ ترک دنیا ہماری محبت ہے اور آخرت چھوڑنا ہم سے عداوت ہے،بادشاہ اس بات سے کانپ گیا اور بولا کہ مجھ میں تم سے عداوت کی طاقت نہیں۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ قیامت میں مساکین کی ایک جماعت ہو ان میں میں بھی ایک ہوں،اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کے امام ہیں مگر اپنے کو ان میں سے ایک قرار دینا ان کی عزت افزائی ہے۔

۴؎ یعنی یارسول اللہ حضور اپنے کو مساکین میں محشور ہونے کی دعا کیوں فرمارہے ہیں ان میں کیا خوبی ہے۔

۵؎ لہذا اگر میں بھی مسکینوں کے زمرہ میں ہوا تو جنت میں غنی لوگوں سے چالیس سال پہلے جاؤں گا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازے پر بہت ہی پیچھے پہنچیں گے اولًا اپنی امت کو صراط سے گزار کر وہاں پہنچائیں گے مگر دروازہ جنت بند ہو گا ساری مخلوق دروازہ پر جمع ہو جائے گی،جب حضور انور وہاں نہایت شان سے پہنچیں گے تو دروازہ حضور کے لیے کھلے گا،سب سے پہلے حضور انور پھر انبیاء کرام پھر حضور کی امت بعد میں دوسری امتیں داخل ہوں گی،حضور انور کا یہ فرمان انتہائی تواضع کے لیے ہے۔

۶؎ یعنی جب کوئی مسکین سوال کرنے آئے تو جو میسر ہو اسے دے دو،نہ ہو تو اس سے اچھی بات کہہ دو۔ایک بار ام المؤمنین انگور کھارہی تھیں کہ کوئی سائل آیا آپ کے پاس صرف ایک دانہ انگور بچا تھا آپ نے وہ ہی پیش کر دیا،سائل ناراض ہو گیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی "فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ" اور فرمایا انگور تو ذرہ سے بڑا ہے۔(مرقات)

۷؎ معلوم ہوا کہ دنیا میں جو شخص مساکین اولیاء اللہ سے قریب ہو گا وہ کل قیامت میں خدا سے قریب ہو گا۔مولانا فرماتے ہیں شعر

ہر کہ خواہد ہمنشینی باخدا　　او نشیند در حضور اولیاء

اس شعر کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو ۱؎ تم اپنے کمزوروں کی وجہ سے ہی روزی اور فتح دیئے جاتے ہو۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ ضعفاء سے مراد وہ نیک مؤمن ہیں جن میں کبھی شیخی شان نہیں ہوتی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے نیک مؤمنوں میں ڈھونڈو میں ان میں ملوں گا۔ڈھونڈو کا مطلب یہ ہے کہ ان فقراء و مساکین کی خدمت کرو جس سے وہ راضی ہو جائیں ان کی مجلسوں میں حاضر رہو۔یہاں مرقات نے بحوالہ ابن مالک فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی توجہ سے تو ہر دم ان مقبولوں کی مجلس میں رہتے ہیں مگر کبھی کبھی جسمًا وصورۃً بھی ان مجلسوں میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔(مرقات)ایسی پاک مجلسوں میں اگر کوئی اجنبی شخص پر نظر پڑے تو اس سے مصافحہ ضرور کرے،ممکن ہے

کہ اس گروہ میں کوئی شہسوار ہو۔حضرت جبریل شکل انسانی میں حضور کی بارگاہ میں آتے تھے،خضر علیہ السلام مختلف انسانی شکلوں میں لوگوں سے ملاقات کرتے رہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض امتیوں کے جنازہ میں شرکت کرتے ہیں، حضرت ابوہریرہ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی پہلی محراب ختم ہونے پر ختم شریف کی مجلس میں شرکت فرمائی۔چنانچہ فتاویٰ عزیزیہ کے مقدمہ ص ۱۳ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے۔عبارت یہ ہے نامش پر سید ند گفت ابوہریرہ کہ نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ بودند امروز ختم قرآن عبدالعزیز است ماخواہیم رفت ومراد رجاء دیگر بکارے فرستادہ بودند ازیں جہت تاخیر واقع شد ایں گفت وغائب شد۔فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۳ عرس بزرگاں،میلاد شریف کی مجلسوں،بزرگان دین کی زیارات میں شرکت کرنے کا مقصد یہ ہی ہوتا ہے کہ شاید یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی نصیب ہوجائے۔

گدا بن کر میں ڈھونڈوں تم کو گھر گھر　　　مرے آقا مجھے چھوڑا ہے کس پر

آخرت میں حضور کے ملنے کے تین مقام ہیں:لب کوثر،میزان،صراط۔دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے کی جگہ بزرگوں کی مجلسیں ہیں ان سے دوری اللہ رسول سے دوری ہے۔مولانا فرماتے ہیں شعر

چوں شدی دور از حضور اولیاء　　　ایں چنیں داں دور گشتی از خدا

۲؎ کیونکہ ضعفاء میں قطب اور اوتاد ولی ہوتے ہیں،قطبوں اوتادوں سے دنیا کا نظام قائم ہے اگر یہ رہیں تو دنیا رہے جیسے خیمہ چوب اور طناب میخوں سے قائم ہے اگر یہ نہ رہیں تو خیمہ گرجائے آسمان کا خیمہ ان بزرگوں سے قائم ہے۔(مرقات)

	روایت ہے امیہ ابن خالد ابن عبداللہ ۱؎ ابن اسید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور فقراء مہاجرین کے توسل سے فتح مانگتے تھے ۲؎(شرح سنہ)۳؎

۱؎ بعض محدثین نے امیہ بن خالد کو صحابی کہا ہے مگر حق یہ ہے آپ تابعی ہیں،ثقہ ہیں،مکی ہیں یا مدنی، ۸۰ھ کے بعد وفات پائی۔

۲؎ چنانچہ حضور انور جہاد میں یوں دعافرماتے تھے اللھم انصرنا علی الاعداء بحق عبادك الفقراء المھاجرین۔اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود سب کے وسیلہ عظمیٰ ہیں مگر آپ کا ان کے وسیلہ سے دعافرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ مقبول بندوں کے وسیلہ سے دعاء کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور افضل بندے اپنے نیک خدام کے وسیلہ سے دعا کیا کریں،صرف نیک اعمال کے وسیلہ پر قناعت نہ کیا کریں۔وسیلہ کی بحث ہماری کتاب "رحمت خدا بوسیلہ اولیاء" میں ملاحظہ کرو۔

۳؎ اس حدیث کو بہت طرح قوت حاصل ہے،رب فرماتا ہے:"لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" اگر مکہ سے یہ فقراء مؤمنین نکل جاتے تو ہم کفار کو عذاب دے دیتے۔معلوم ہوا کہ کفار کا عذاب سے بچا رہنا فقراء مؤمنین کی برکت سے ہے۔ابن ابی شیبہ طبرانی نے امیہ ابن عبداللہ سے روایت کی کان صلی اللہ علیہ وسلم یصعالك المسلمین۔امیہ ابن خالد صاحب مشکوۃ کے نزدیک صحابی ہیں اور اگر تابعی بھی ہوں تو نہایت ثقہ ہیں،ایسے ثقہ کی مرسل حدیث بلا دغدغہ قبول ہے۔(مرقات)یہ آیت واحادیث وسیلۂ اولیاء کے لیے اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم کسی بدعمل پر کسی نعمت کی وجہ سے رشک نہ کرو ۱؎ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ مرے بعد کس چیز سے ملے گا ۲؎ اس کے لیے اللہ

	کے نزدیک نہ مرنے والا جان لیوا ہے یعنی آگ ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ نعمت سے مراد دنیاوی نعمت ہے جیسے اولاد، مال ظاہری، دنیاوی عزت حکومت وغیرہ یعنی اگر کسی بدکار سیاہ کار کو یہ نعمتیں مل جاویں تو تم اس پر رشک نہ کرو، نہ یہ خیال کرو کہ اللہ تعالٰی اس سے راضی وخوشی ہے۔

۲؎ یعنی اس کے لیے یہ نعمتیں بعد موت مصیبت بن جائیں گی جن سے اس کے عذاب میں اور زیادتی ہوگی لہذا یہ نعمت راحت کی شکل میں عذاب ہے۔

۳؎ یعنی ان نعمتوں کا انجام اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے اگر یہ غریب ہوتا تو شاید توبہ کرلیتا راحت وامیری میں توبہ سے محروم رہا لہذا دوزخ میں گیا یا اگر یہ غریب ہوتا تو گناہ کم کرتا۔ دولت پاکر گناہ زیادہ کیے دوزخ کے سخت تر طبقے میں گیا، دولت سے دروازے کھل جاتے ہیں مؤمن کے لیے نیکیوں کے کافروں کے لیے گناہوں کے۔ **قاتل** سے مراد ایذاء وہ چیز ہے، **لایموت** سے مراد ہے غیر فانی، دوزخ کی آگ کو فنا نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا مؤمن کا جیل خانہ اور اس کی قحط سالی ہے ۱؎ جب مؤمن دنیا چھوڑتا ہے تو جیل اور قحط سے نکل جاتا ہے ۲؎(شرح سنہ)

۱؎ جیسے جیل خانہ میں قیدی کا دل نہیں لگتا اگرچہ وہاں کتنا ہی آرام ہو خواہ اے کلاس کی جیل ہو یا سی کلاس کی، اسی طرح مؤمن دنیا میں دل نہیں لگاتا اگرچہ اسے بڑا ہی آرام ہو لہذا حدیث سے یہ لازم نہیں کہ مسلمان کو دنیا میں تکلیف ہی ہے تکلیف اور چیز ہے دل نہ لگنا کچھ اور چیز، جیسے قحط سالی میں انسانوں کو ذلت قلّت تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی مسلمان کو دنیا میں کوئی نہ کوئی تکلیف رہتی ہی ہے یہ آزمودہ چیز ہے بلکہ تکالیف ناکامیاں ہی انسان کو انسان بناکر رکھتی ہیں، عیش میں غفلت ہوتی ہے تکلیف میں بیداری۔

۲؎ خیال رہے کہ مؤمن کو آخرت میں اس قدر آرام وراحتیں ہیں کہ ان کے مقابل دنیا کی بادشاہت بھی جیل ہے اور کافر کو آخرت میں ایسی مصیبتیں ہوں گی کہ ان کے مقابل دنیا کی سخت سے سخت تکلیف بھی گویا جنت ہوگی، مؤمن مرکر دنیاوی جنجال سے چھوٹتا ہے کافر مرکر جنجال میں پھنستا ہے، موت ایک ریل ہے جو مؤمن کو عیش خانہ اور کافر کو جیل خانہ تک پہنچاتی ہے جیسے ایک ہی ریل میں کسی کی برات جارہی ہے کسی کو پھانسی کے لیے لے جایا جارہا ہے۔

	روایت ہے حضرت قتادہ ابن نعمان سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے بچالیتا ہے ۲؎ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے ۳؎(احمد، ترمذی)

۱؎ آپ بدری صحابی ہیں، حضرت ابوسعید خدری کے ماں شریکے بھائی انصاری ہیں، بیعت عقبہ اور غزوات میں شریک رہے، پینسٹھ سال عمر پائی، ۲۳ھ تئیس میں وفات پائی، آپ افضل صحابہ میں سے ہیں۔(مرقات)

۲؎ اس طرح کہ اس کے دل کو دنیا کی محبت اور غفلت سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ لاکھوں روپیہ کا مالک ہو مگر دل یار سے لگا رہتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اسے کبھی امیر نہیں کرتا، حضرت سلیمان علیہ السلام اور عثمان غنی بڑے مالدار تھے مگر دنیا کی محبت سے محفوظ تھے وہ دنیا میں تھے دنیا ان میں نہ تھی۔

۳؎ یہاں بیمار سے استسقاء کی بیماری والا مراد ہے اسے پانی سے بچایا جاتا ہے، اس کے پیٹ میں پانی نہیں پہنچنے دیا جاتا، یوں ہی اللہ تعالٰی مؤمن کے دل میں دنیا کی محبت نہیں پہنچنے دیتا، مؤمن کا دل تو صرف تجلی گاہ رب العالمین ہے۔

	روایت ہے حضرت محمود ابن لبید سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

	فرمایا کہ دو چیزیں ہیں جنہیں انسان ناپسند کرتا ہے،وہ موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت مؤمن کے لیے فتنے سے بہتر ہے ۲ اور مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کو کم کردے گی ۳ (احمد)

۱ آپ انصاری شبلی ہیں،عہدِ رسالت میں پیدا ہوئے، صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں، ۹۶ھ میں آپ کی وفات ہے۔

۲ زندگی وہ اچھی ہے جو رب تعالٰی کی اطاعت میں صرف ہو،کفر وطغیان و عصیان کی زندگی سے موت بہتر ہے یہاں یہ ہی مراد ہے۔فتنہ سے مراد ہے گناہ و غفلت وغیرہ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا مانگتے تھے جس کے آخر میں یہ تھا **و اذا اردت بعبادك فتنة فاقبضني اليك غير مفتون** مولٰی جب تو اپنے بندوں کو فتنہ میں مبتلا کرے تو مجھے بغیر مبتلا کیے ہوئے موت دیدے۔

۳ یہ ان امیروں کے لیے ہے جن کا حساب ہونا ہے،واقعی ایسی امیری سے غریبی اچھی کہ اس غریبی میں جنجال و بال بہت کم ہوتے ہیں،ہاں جن امیروں کا حساب نہیں وہ تو بڑے مزے میں ہیں جیسے حضرت عثمان غنی اور دوسرے امیر المؤمنین۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۱ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میں آپ سے محبت کرتا ہوں ۲ فرمایا سوچ لو تم کیا کہتے ہو ۳ وہ بولا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں ۴ تین بار کہا تو فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو کیل کانٹے سے فقیری کیلئے تیار ہو جا ۵ یقینًا فقیری مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف تیز دوڑتی ہے بمقابلہ سیلاب کے اپنی انتہاء کی طرف ۶ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱ آپ مشہور صحابی ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،اولًا مدینہ منورہ میں پھر بصرہ میں رہے۔(اشعہ)

۲ یہ عرض کرنا یا اس حدیث پر عمل ہے کہ جس سے تم کو محبت ہو اس سے کہہ دو یا اس آیت کریمہ پر عمل ہے "**وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ**"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اللہ تعالٰی کی بڑی سے بڑی نعمت ہے اس کا اظہار وہ بھی حضور انور کے سامنے یہ اس نعمت کا شکریہ ہے ورنہ حضور کو تو پتھروں کے دل کا حال معلوم ہے،فرماتے ہیں احد ہم سے محبت کرتا ہے۔

۳ یعنی خوب سوچ کر یہ دعوٰی کرو تم بہت ہی بڑی چیز کا دعوٰی کر رہے ہو مجھ سے محبت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

۴ محبت سے مراد بہت ہی محبت ہے ورنہ ہر مؤمن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے حضور کی محبت ہی تو اصل ایمان ہے،حضور کی محبت سے ہی خدا کی محبت،کلمہ قرآن کی محبت اسی محبت سے حاصل ہوتی ہے حضور سے تعلق و محبت ایمان کی اصل ہے۔

۵ **تجفاف** ت کے کسرہ اور جیم کے سکون سے بمعنی آلات جنگ خود ذرہ وغیرہ یعنی تم تیار ہو جاؤ کہ فقیری کے آفات کا مقابلہ کرسکو۔

۶ یہاں بھی فقیری سے مراد دل کی مسکینیت ہے اور دل کا محبت مال سے خالی ہو جانا ہے فقیری اور ناداری آفتوں کے برداشت کرنے پر تیار ہو جانا یعنی جسے اللہ میری محبت دیتا ہے اس کے دل سے محبت مال وغیرہ یک دم نکال دیتا ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض صحابہ بلکہ عہد فاروقی میں سارے صحابہ بڑے مالدار تھے تو کیا انہیں حضور سے محبت نہ تھی ضرور تھی،ان سب کے دل محبت مال سے خالی تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ دنیا میں بہت آفات انبیاء کرام پر آتی ہیں اور یہ ہے ان کا محب تو اس پر آفتیں آئیں گی۔

روایت ہے حضرت انس سے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اللہ کی راہ میں بہت ڈرایا گیا جتنا کوئی نہیں ڈرایا جاتا ۱؎ اور میں اللہ کی راہ میں ستایا گیا ایسا کوئی نہیں ستایا جاتا ۲؎ اور مجھ پر تیس دن ورات ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے لیے کھانا نہ تھا جو کلیجے والا کھا سکے سواء اس قدر کے جسے بلال کی بغل چھپائے ہوئے تھی ۳؎ (ترمذی)اور فرمایا کہ اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ سے روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ بلال تھے اور بلال کے ساتھ اتنا کھانا تھا جسے وہ اپنی بغل میں دبائے ہوئے تھے ۴؎	

۱؎ یعنی دین کی تبلیغ قرآن کریم کی اشاعت کے سلسلے میں جتنا کفار نے مجھے ڈرایا ہے اتنا کسی نبی کو ان کی قوم نے نہیں ڈرایا۔

۲؎ اس فرمان عالی سے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ دین کی تبلیغ میں جتنا کفار نے مجھے ستایا اتنا کسی نبی کو نہیں ستایا۔دوسرے یہ کہ جب کفار مکہ نے مجھے بہت ستایا تب میں اکیلا تھا میرے ساتھ طاقتور مسلمان نہ تھے،جب لوگ ایمان لائے تو کفار کا زور کم ہوگیا انہیں کم ستایا گیا،مرقات نے یہ ہی دوسرے معنی کیے،اشعۃ اللمعات نے پہلے معنی کیے۔نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم سے تکلیفیں اٹھائیں اور حضور انور نے تئیس سال مگر یہ تئیس سال کی تکالیف ان ساڑھے نو سو برس کی تکالیف سے سخت تر ہیں،چونکہ حضور نبیوں کے سردار ہیں اس لیے آپ کی مشکلات بھی زیادہ ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے شعر

بڑوں کو دکھ بہت ہیں چھوٹوں سے دکھ دور تارے سب نیارے ہیں گہن چاند اور سورج

یعنی چاند سورج کو گہن لگتا ہے تاروں کو نہیں لگتا۔بڑوں کو دکھ ہوتا ہے چھوٹوں کو نہیں۔

۳؎ یہ واقعہ ہجرت کا نہیں ہے کیونکہ ہجرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ابو بکر صدیق تھے حضرت بلال ساتھ نہ تھے بلکہ یہ واقعہ طائف شریف تبلیغ کے لیے تشریف لے جانے کا ہے۔خیال رہے کہ نبوت کے دسویں سال جناب ابوطالب کی وفات ہوئی اور پانچویں دن حضرات ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ہوگئی،حضور نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا یعنی رنج و غم کا سال۔تین ماہ کے بعد آخر شوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت زید ابن حارثہ تھے،آپ نے طائف کے سردار بنی ثقیف کے معتمد شخص عبید یا لیل ابن عبد کلال کو تبلیغ کی اس نے آپ کے پیچھے طائف کے آوارہ لوگ اور وہاں کے لونڈے لگادیئے جنہوں نے حضور انور کو پتھروں سے زخمی کردیا،جناب زید ابن حارثہ نے آپ کو بچالیا تو ان کا سر زخموں سے چور ہوگیا تب جبریل امین نے آکر عرض کیا یارسول اللہ حکم دیں تو ہم طائف کے پہاڑوں کو ملادیں جس سے یہ لوگ پس جاویں،فرمایا اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ممکن ہے ان کی اولاد مسلمان ہوجائے۔شعر

الٰہ العالمین کر رحم طائف کے مکینوں پر الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

وہ واقعہ بھی یہاں مراد نہیں کیونکہ اس سفر میں حضرت بلال حضور کے ساتھ نہ تھے بلکہ حضرت زید ابن حارثہ ساتھ تھے،یہاں طائف کا کوئی اور سفر مراد ہے جس میں حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔(لمعات،مرقات)بعض نے فرمایا حضور نے طائف کے بہت سفر کیے ہیں۔ذو کبد فرما کر یہ بتایا کہ ہم دونوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو کوئی جانور بھی کھا سکے چہ جائیکہ انسان کھائے۔

۴؎ ظاہر ہے کہ بغل میں کھانا بہت ہی تھوڑا سا سمائے گا چار چھ روٹیاں اتنا کھانا اور تیس دن دو صاحبوں کا گزارہ۔اس سید الصابرین پر لاکھوں سلام ہوں اللہ تعالٰی ہم تمام کی طرف سے جزا الجزاء عطا فرمائے کہ تبلیغ میں ایسی مشقتیں اٹھائیں جن کی مثال نہ ملے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوطلحہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی تو ہم نے اپنی پیٹ سے ایک ایک پتھر اٹھایا۱ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے دو پتھر دکھائے۲ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱یہ واقعہ غزوہ خندق کا نہیں کیونکہ اس غزوہ میں تو حضرت ابوطلحہ کے گھر تمام خندق کھودنے والے بلکہ تمام اہل مدینہ کی دعوت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے کہ چار سو جو کی روٹیوں سے سارے اہل مدینہ کو شکم سیر فرمادیا یہ کسی اور غزوہ کا واقعہ ہے۔

۲یعنی تمام صحابہ کو ایک ایک دن کا فاقہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن یا زیادہ کے لگاتار فاقے تھے۔بہت روز تک نہ کھانے سے انسان میں کھڑے ہونے کی قوت نہیں رہتی پیٹ پر پتھر باندھنے سے کھڑا ہونا ممکن ہوجاتا ہے اسے ہم لوگوں نے نہیں آزمایا یہ کام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر گئے ہم کو ایسی نعمتیں کھلاتے ہیں کہ **سبحان اللہ**!

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ انہیں بھوک نے گھیر لیا۱ تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چھوہارا دیا۲ (ترمذی)

۱یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے یا کسی اور غزوہ کا جس میں سفر بہت دراز تھا۔**واللہ ورسولہ اعلم**!

۲کہ چوبیس گھنٹے میں ایک چھوہارا کھاکر گزارہ کریں یہ غذا اور دراز سفر پھر اس پر جہاد وہ حضرات قوت قدسیہ سے ہی جہاد کرتے ہوں گے انسانی طاقت سے یہ بات باہر ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان صفہ والوں کو کبھی ایک ایک کھجور ہی عطافرماتے تھے اور یہ حضرات اسی پر دن رات نکال لیتے تھے اور علم سیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جس میں دو عادتیں ہوں اسے اللہ شاکر صابر لکھتا ہے ۱جو اپنے دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے تو اس کی پیروی کرے۲ اور اپنی دنیا میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے تو اللہ کا شکر کرے اس پر کہ اللہ نے اسے اس شخص پر بزرگی دی۳ تو اللہ اسے شاکر صابر لکھے گا اور جو اپنے دین میں اپنے سے کم کو دیکھے اور اپنی دنیا میں اپنے سے اوپر کو دیکھے تو فوت شدہ دنیا پر غم کرے اللہ تعالٰی اسے نہ شاکر لکھے نہ صابر۴ (ترمذی) ابوسعید خدری کی حدیث کہ اے فقراء مہاجرین خوش ہوجاؤ اس باب میں ذکر ہوچکی جو فضائل قرآن کے بعد ہے۵

۱یعنی شکر اور صبر دونوں کا ایک شخص میں بیک وقت جمع ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ شکر تو نعمت ملنے پر ہوتا ہے اور صبر نعمت نہ ملنے یا چھن جانے پر ملتا ہے مگر جو ان دو چیزوں پر عمل کرے گا وہ بیک وقت صابر بھی ہوگا اور شاکر بھی،یہ ہے گویا اجتماع ضدین۔

۲یعنی اگر تم اچھے کام کرتے ہو تو ان پر فخر نہ کرو بلکہ ان حضرات کو دیکھو جو تم سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ۔لہذا ہر مسلمان حضرات صحابہ واہلِ بیت کے اعمال میں غور کرے کہ انہوں نے کیسی نیکیاں کیں تاکہ اس میں غرور نہ پیدا ہو اور زیادہ نیکیوں کی کوشش

کرے،اس کی وجہ سے رب تعالٰی اسے صابر لکھے گا کہ جب یہ شخص ان بزرگوں کے سے کام نہ کرسکے گا تو افسوس کرے گا یہ اس کا صبر ہو گا۔ہم حضرات صحابہ کو دیکھ کر افسوس کریں کہ اس وقت ہم نہ ہوئے،ہم بھی حضور کے جمال سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے،انکے قدموں پر جان فدا کرتے یہ ہے صبر۔شعر

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن مگر کریں کیا نصیب میں تو نامرادی کے دن لکھے تھے

۳؎ اس چیز کے سوچنے سے اس پر بڑی سے بڑی مصیبت آسان ہو جاوے گی اور وہ رب تعالٰی کا شکر ہی کرے گا۔ہم نے آزمایا ہے کہ کسی کا جوان بیٹا فوت ہو جائے اسے صبر نہ آوے وہ حضرت علی اکبر کی شہادت میں غور کرے ان شاءاللہ فورًا صبر نصیب ہو گا بلکہ اپنے آرام پر شکر کرے گا۔

۴؎ بلکہ ایسے شخص کی زندگی حسد جلن،بے صبری اور دل کی کوفت میں گزرے گی،امیروں کو دیکھ کر جلتا بھنتا رہے گا کہ ہائے میرے پاس مال کم ہے اور اپنی عبادت پر فخر کرے گا کہ فلاں بے نماز ہے اور میں نمازی ہوں میں اس سے کہیں اچھا ہوں،یہ ہے اس کا تکبر،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِّكَيۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰٮكُمۡ"۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص دنیا کی کمی پر رنج کرے وہ ایک ہزار سال کی راہ دوزخ سے قریب ہو جاوے گا اور جو شخص دینی کوتاہی پر رنج کرے گا وہ جنت سے ایک ہزار سال کی راہ قریب ہو جاوے گا۔(مرقات یہ ہی مقام)خیال رہے کہ دین میں ترقی کرنے کی کوشش کرنا منع نہیں بلکہ مالداروں کی مالداری پر رشک کرنا ممنوع ہے۔

۵؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں مذکور تھی ہم نے وہاں بیان کردی کہ وہ وہاں کے زیادہ مناسب تھی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوعبدالرحمٰن حبلی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو کو سنا ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ہم فقراء مہاجرین سے ۲؎ نہیں ہیں تو اس سے عبداللہ نے فرمایا کہ کیا تیری بیوی ہے جس کی طرف تو رجوع کرے وہ بولا ہاں،فرمایا کیا تیرے پاس گھر ہے جس میں تو رہے بولا ہاں،فرمایا تب تو تو امیروں میں سے ہے ۳؎ وہ بولا کہ میرے پاس غلام بھی ہے فرمایا تو تو بادشاہوں سے ہے ۴؎ عبدالرحمٰن کہتے ہیں ۵؎ کہ تین شخص حضرت عبداللہ ابن عمرو کے پاس آئے میں انکے پاس تھا ۶؎ انہوں نے عرض کیا اے ابو محمد اللہ کی قسم ہم کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے نہ خرچہ پر نہ گھوڑے پر نہ اور سامان پر ۷؎ تو آپ نے ان سے فرمایا تم جو چاہو ۸؎ اگر چاہو تو ہمارے پاس پھر آنا ہم تم کو وہ دیں گے جو اللہ نے تمہارے لیے میسر فرمایا ۹؎ اگر چاہو تو ہم تمہاری حالت کا ذکر بادشاہ سے کریں ۱۰؎ اگر چاہو صبر کرو ۱۱؎ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن مہاجر فقراء

	جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے پہنچیں گے ۱۲؎ تو وہ بولے کہ ہم صبر کریں گے کچھ نہ مانگیں گے ۱۳؎(مسلم)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن زید ہے،تابعی ہیں،مصری ہیں،ابوایوب انصاری،ابوذر غفاری،عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے،افریقہ میں ۱۰۰ھ میں وفات پائی،بڑے متقی عالم زاہد تھے۔

۲؎ یعنی جن فقراء کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے میں بھی ان فقراء سے ہوں اور جو بشارتیں حضور نے مہاجرین کے لیے دی ہیں میں بھی ان مہاجرین میں سے ہوں مجھ میں یہ دونوں وصف جمع ہیں۔

۳؎ یعنی ان فقراء مہاجرین کے پاس نہ بیوی تھی نہ رہنے کا مکان اس فقر و فاقہ پر وہ قانع تھے تو تو ان کے برابر کیسے ہوسکتا ہے۔

۴؎ رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا"اے اسرائیلیو تمہیں اللہ نے بادشاہ بنایا۔وہاں ملوك کے معنی کیے گئے ہیں گھر بار اور نوکر خادم والا،بنی اسرائیلی رو سے اسے ملک کہتے تھے جس کے پاس بیوی گھر اور نوکر ہوتا تھا۔

۵؎ کاتب نے عبدالرحمٰن لکھا،صحیح ہے ابوعبدالرحمٰن۔

۶؎ ان آنے والوں کے نام معلوم نہ ہوسکے،غالبًا یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور یہ لوگ حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کچھ مانگنے آئے تھے۔

۷؎ نفقة سے مراد نقد رقم ہے درہم دینار،دابة سے مراد جہاد کے لیے گھوڑا ہے اور متاع سے مراد دوسرا سامان جسے فروخت کرکے گزارہ کرلیا جائے۔(مرقات)ان لوگوں نے اپنی فقیری تو بیان کردی صراحۃً سوال نہ کیا یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے۔مانگنے کے تین طریقے ہیں:صراحۃً مانگنا ہمیں یہ دے دو،اپنی فقیری بیان کرنا،سامنے والے کی سخاوت بیان کرکے اس کے بال بچوں کو دعائیں دینا،آخری طریقہ بہت کامیاب ہے اس طرح کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے اس لیے درود شریف پڑھنا بہترین دعا ہے،اگر کوئی شخص ساری دعائیں چھوڑ کر صرف درود شریف پڑھا کرے ان شاءاللہ دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ پائے گا۔

۸؎ یعنی جو تم چاہو میں وہ ہی کروں۔ہوسکتا ہے کہ ما استفہامیہ ہو یعنی تم کیا چاہتے ہو بتاؤ،مرقات نے پہلے معنی کیے،اشعۃ اللمعات نے دوسرے معنی۔

۹؎ یعنی ابھی تو ہمارے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ ہے نہیں پھر کسی اور وقت آنا ان شاءاللہ جو ممکن ہوگا ہم تم کو دیں گے حضرات صحابہ بہت سخی تھے۔

۱۰؎ یہاں بادشاہ سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اس وقت آپ ہی بادشاہ تھے۔(اشعہ)آپ کی سخاوت اور امیری ضرب المثل بن چکی تھی،حضرات اہل بیت اطہار خصوصًا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بیک وقت پانچ پانچ لاکھ دینار نذرانہ دیئے ہیں،دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔مطلب یہ ہے کہ ہم تمہاری سفارش امیر معاویہ سے کردیں وہ تم کو بیت المال سے مالامال کردیں یا تم کو کسی محکمہ میں ملازم رکھ لیں۔

۱۱؎ اس طرح کہ نہ ہم سے مانگو نہ امیر معاویہ کے خزانہ سے کچھ لو،اپنی اس فقیری پر راضی رہو،اپنے ہاتھ کی کمائی سے گزارہ کرو۔صبر یا توکل کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاوے غیبی دستر خوان کا انتظار کرتا رہے،رب تعالٰی نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں کمانے کے لیے ان سے مال اور اعمال دونوں کماؤ۔شعر

گر توکل مے کنی دو کار کن　　　　کسب کن بس تکیہ بر جبار کن

۱۲؎ یہاں مالداروں سے مراد ہیں مہاجرین مالدار یعنی فقراء مہاجرین امراء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے تو دوسرے امیروں سے تو بہت ہی پہلے جائیں گے۔(مرقات) غالبًا یہ لوگ کسی اور جگہ کے مہاجر تھے مکہ معظّمہ سے ہجرت فتح مکہ کے بعد ختم ہوچکی تھی اور مہاجرین مکہ فاروقی و عثمانی خلافتوں میں مالا مال ہوچکے تھے یہ لوگ کسی اور کافر ملک کے مہاجر ہوں گے۔ و اللہ اعلم!

۱۳؎ یعنی ہم اب نہ تو آپ سے کچھ مانگیں گے نہ بادشاہ اسلام سے نہ کسی اور سے، ہم اس فرمان عالی پر عمل کرکے اپنے کمائے پر قناعت کریں گے تا قیامت حضور کے فرمان عالی میں اثر ہے ان فرمانوں کے اثر سے ہی آج ایمان، عرفان، شریعت و طریقت کا بقا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ اس حالت میں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور مہاجرین فقراء کا ایک حلقہ بیٹھا تھا ۱؎ کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضور ان کی طرف ہی بیٹھے میں بھی انہیں کی طرف اٹھ گیا ۲؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقراء مہاجرین اس کی خوشی منائیں جو ان کے چہروں کو کھلا دے ۳؎ کہ وہ جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے، فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے رنگ دیکھے چمک سے کھل گئے تھے ۴؎ عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ حتی کہ میں نے آرزو کی کہ میں ان کے ساتھ یا ان میں سے ہو جاؤں ۵؎ (دارمی)

۱؎ یعنی فقراء مہاجرین حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔خیال رہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں صفیں بنا کر بیٹھنا چاہیے اسی صورت میں حلقے بنانا ممنوع ہے مگر ذکر یا تلاوت قرآن کے لیے حلقے بنا کر بیٹھنا چاہیے۔نمازی لوگ مقربین فرشتوں کی مثل ہوتے ہیں، مقرب فرشتے صف بستہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ذاکرین لوگ جنتی لوگوں کے مشابہ ہیں جنتی لوگ حلقے بنا کر بیٹھا کریں گے، رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِخْوٰنًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ" یہ حضرات اس وقت ذکر یا علمی باتیں کررہے تھے۔قعود جمع ہے قاعد کی جیسے رقود جمع راقد کی یا وقود جمع واقد کی۔

۲؎ میں تو مسجد کے اور کنارہ پر تھا وہ حضرات دوسرے کنارے پر، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف نہ لائے ان کے پاس بیٹھے تو میں بھی وہاں ہی پہنچ گیا۔

۳؎ یعنی ابھی تمہارے چہرے مرجھائے ہوئے ہیں ہم تمہیں وہ خوشی کی خبر سناتے ہیں جس سے تمہارے چہرے خوشی سے کھل جاویں۔شعر

اس کی باتوں کی لذت پر دائم درود — اس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

۴؎ اسفرت بنا ہے اسفرار سے بمعنی چمکنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَۃٌ"۔

۵؎ یعنی ہمیشہ ان فقراء میں سے ہی رہوں کبھی امیر نہ بنوں،اس فرمان عالی کی شرح پہلے کی جاچکی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابی ذر سے فرمایا مجھے میرے محبوب نے ۱؎ سات چیزوں کا حکم دیا ۲؎ مجھے مسکینوں سے محبت اور ۳؎ ان سے قرب کا حکم دیا ہے اور مجھے حکم دیا کہ اپنے سے ادنی کو دیکھو اور اپنے سے اوپر کو نہ دیکھو ۴؎ اور مجھے حکم دیا کہ رشتوں کو جوڑوں اگرچہ وہ رشتہ دور کا ہو ۵؎ اور مجھے

	حکم دیا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں ۶ اور مجھے حکم دیا کہ حق بات کہوں اگرچہ کڑوی ہوے ۷ اور مجھے حکم دیا کہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں ۸ اور مجھے حکم دیا کہ یہ زیادہ کہا کروں نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر اللہ سے کیونکہ یہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے ۹ (احمد)

۱ خلیل سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خلیل وہ جس کی محبت دل کے اندرون میں داخل ہو جاوے۔ یہ بنا ہے خلة سے بمعنی کشادگی، دل کی کشادگی بھر دینے والی محبت خلة ہے، خلیل وہ جو محبوب بھی ہو مطاع بھی، خلیل کے بہت معنی ہیں یہاں بمعنی محبوب ہے۔

۲ یہ حکم استحبابی ہے اور سارے مسلمانوں کو ہے حضرت ابوذر کی معرفت، ہو سکتا ہے کہ حکم وجوبی ہو اور حضرت ابوذر کے لیے خاص ہو۔

۳ مساکین کے معنی ابھی عرض ہو چکے۔ دل میں نخوت و غرور نہ ہو لہذا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت بلال سے تو محبت ہو اور حضرت عثمان غنی سے محبت نہ ہو۔ قرب سے مراد دلی قرب ہے یا جسمانی قرب یعنی مساکین کی صحبت میں رہنا، مساکین کی صحبت دل میں مسکینیت پیدا کرتی ہے۔

۴ یعنی دنیاوی مال و متاع عزت وجاہ میں اپنے سے کم حیثیت والوں کو دیکھو جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، دینی کاموں میں اپنے سے زیادہ کو دیکھنا چاہیے جیسا کہ گزر چکا۔

۵ رشتوں سے مراد رشتہ دار ہیں، جوڑنے سے مراد ہے ان سے اچھا سلوک کرنا، ان کی بدسلوکی پر نظر نہ کرنا، اس کی تفسیر ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا برتاؤ اپنے بھائیوں سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاوا فتح مکہ کے بعد قریش سے۔

۶ کسی سے مراد دنیادار لوگ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا ہر ایک کے لیے فخر ہے، حضور کا دروازہ وہ ہے جہاں بادشاہ بھیک مانگتے ہیں۔ شعر

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھادو — جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

۷ اپنے متعلق اور دوسروں کے متعلق ہمیشہ حق بات کہو، اپنا قصور ہو تو فورًا مان لو، اپنے متعلق حق کہنا بہت مشکل ہے۔ کڑوی سے مراد ہے اپنے پر کڑوی یا دوسرے پر کڑوی۔

۸ یعنی دنیاوی وجاہت والے کا خوف مجھے حق کہنے سے نہ روکے۔ رہے اللہ والے لوگ اگر کبھی ان کا کوئی عمل بظاہر خلاف معلوم ہو تو اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرے بہت دفعہ ان کے بعض اعمال غلط معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت بالکل درست ہوتے ہیں جیسے رمضان میں حضرت بایزید بسطامی کا لوگوں کے سامنے روٹی کا ٹکڑا کھالینا بالکل حق تھا کہ آپ مسافر تھے اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنی عقیدت سے ہٹادیا، حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ تو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

۹ یعنی لاحول شریف جنت کی اعلیٰ نعمت ہے جو عرش اعظم کے نیچے محفوظ ہے، عرش اعظم جنت الفردوس کی چھت ہے، اس کی برکت سے دل کو چین روح کو خوشی نصیب ہوتی ہے، اس میں بندہ اپنی قوت وطاقت سے الگ ہو کر اللہ کی قوت وطاقت پر بھروسہ کرتا ہے۔ وسوسہ کی بیماری کے لیے یہ عمل مجرب ہے کہ بعد نماز فجر و مغرب لاحول شریف ۷، ۷ بار پانی پر دم کرکے پانی پی لیا کرے ان شاء اللہ یہ بیماری جاتی رہے، تیسرے کلمہ کا یہ جزء ہے تیسرے کلمہ کی عظمت معلوم ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

	کو دنیا کی تین چیزیں پسند تھیں کھانا،بیویاں،خوشبو ۱؎ تو آپ نے دو چیزیں تو پالیں اور ایک نہ پائی بیویاں اور خوشبو پالیں اور کھانا نہ پایا ۲؎(احمد)

۱؎ان تین چیزوں سے محبت سنت ہے:اپنی بیوی سے محبت تقویٰ کی اصل ہے،جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا وہ بدکار ہو جاتا ہے۔خوشبو کا تعلق روحانیت سے ہے جس قدر روحانیت قوی ہو گی اسی قدر خوشبو بھی پیاری ہو گی،اب بھی دیکھا گیا ہے کہ مقبول بندوں کو خوشبو پیاری ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی بیویاں اور خوشبو تو بہت کثرت سے پائیں مگر کھانا کثرت سے نہ پایا،یہاں اصل پانے کی نفی نہیں بلکہ مبالغہ کی نفی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے تین چیزیں پیاری کی گئیں:خوشبو، بیویاں ۱؎اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ۲؎(احمد نسائی)اور ابن جوزی نے حبب الی کے بعد من الدنیا زیادہ کیا۔

۱؎حبب فرما کر بتایا کہ یہ محبت ہمارے نفس کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے،رب تعالٰی نے ان چیزوں کو ہمارا محبوب بنا دیا۔

۲؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے رغبت طبعی جبلی تھی،رب تعالٰی ان کے صدقہ سے ہم گنہگاروں کو بھی نصیب کرے،نماز،مسجد سے محبت ایمان کی علامت ہے۔خیال رہے کہ پہلی حدیث میں بیوی،خوشبو،کھانے کو دنیا کی چیزیں قرار دیا گیا تھا یہاں دنیا کا لفظ نہیں کیونکہ نماز دنیا کی چیز نہیں یہ خالص دینی کام ہے۔جن لوگوں نے ان تینوں کو دنیاوی کاموں میں داخل کیا ہے وہ غلط ہے اس کا ثبوت حدیث شریف میں کہیں نہیں۔(اشعۃ اللمعات)بلکہ بیویوں اور خوشبو کو دنیا فرمانا اس لیے ہے کہ ان سے تعلق دنیا میں رہتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حضور کی خوشبوئیں دین تھیں کہ دین میں مددگار تھیں۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا کہ تم عیش پسندی سے بچنا ۱؎ اللہ کے بندے عیش و عشرت میں مشغول نہیں ہوتے ۲؎(احمد) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کے تھوڑے رزق پر راضی ہو گا تو اللہ اس کے تھوڑے پر راضی ہو گا ۳؎(بیہقی)

۱؎یعنی تم یمن میں گورنر بن کر جارہے ہو مگر حکام کی سی عیش و آرام کی زندگی اختیار نہ کرنا،سادہ غذا سادہ لباس رکھنا تاکہ نفس موٹا اور تم غافل نہ ہو جاؤ۔سادہ زندگی سے انسان دین و دنیا میں آرام سے رہتا ہے۔افسوس! آج مسلمان یہ سبق بھول گئے۔ہمارے کالجوں میں فیشن پرستی،زیادہ خرچ کرنا سکھایا جاتا ہے،طلباء تعلیم سے فارغ ہو کر خوب فضول خرچ بن کر نکلتے ہیں پھر مہذب ڈاکو شریف بدمعاش بنتے ہیں اور اگر نوکری مل گئی تو رشوتوں سے ملک کو ویران کرتے ہیں،ان کے خرچ اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ تنخواہ سے پورا نہیں پڑتا،رشوتوں سے خرچہ پورا کیا جاتا ہے،اگر معمولی خرچ کریں تو یہ نوبت نہ آئے۔

۲؎ یعنی اللہ کے بندے ہر حال میں خصوصًا امیر یا حاکم بن کر عیش پسند نہیں ہوتے،اگر حکام غافل اور عیش پسند ہو جائیں تو رعایا تباہ ملک برباد ہو گا۔اللہ تعالٰی کفار کے متعلق فرماتا ہے: "یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعٰمُ"۔خیال رہے کہ اچھا کھانا اچھا پینا اور چیز ہے مگر عیش پسندی کچھ اور چیز،یوں ہی عمدہ غذا و لباس اور ہے سادہ غذا و لباس کچھ اور،اللہ دے تو اچھا کھاؤ پہنو مگر سادگی کے ساتھ اور پھر اچھے کھانے پینے کے عادی نہ ہو جاؤ کبھی پلاؤ کھاؤ،کبھی دال،کبھی چٹنی،کبھی پراٹھے اور قورمہ۔

۳؎ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کی رضا دو قسم کی ہے:رضاء ازلی،دوسری رضاء ابدی۔اللہ کی رضا ازلی ہماری رضا سے پہلے ہے جب وہ ہم سے راضی ہوتا ہے تو ہم کو نیکیوں کی توفیق ملتی ہے مگر رضاء ابدی ہماری رضاء کے بعد ہے،جب ہم اللہ سے راضی ہو جاتے ہیں نیکیاں کر لیتے ہیں تو وہ ہم سے راضی ہوتا ہے۔یہاں رضا ابدی کا ذکر ہے اس لیے بندے کی رضا پہلے بیان ہوئی اور اس آیت کریمہ میں "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ" رضاء ازلی کا ذکر ہے اس لیے وہاں رضاء الٰہی کا پہلے ذکر ہے۔(مرقات) حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر تم معمولی روزی پا کر بہت شکر کرو تو رب تعالٰی تمہارے معمولی اعمال کی بہت قدر فرمائے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بھوکا یا حاجت مند ہو پھر اسے لوگوں سے چھپائے ۱؎ تو اللہ تعالٰی کے ذمہ کرم پر یہ ہے کہ اسے ایک سال کی حلال روزی عطا فرمائے گا ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یہاں بھوک سے مراد ہے قابل برداشت بھوک جس سے ہلاکت نہ ہو،اس کا چھپانا اور خود کما کر پیٹ بھرنا بہتر ہے لیکن اگر بھوک سے جان نکل رہی ہے تو اس کا ظاہر کرنا کسی سے کچھ لے کر بقدر ضرورت کھا لینا فرض ہے،اگر چھپائے گا اور بھوکا مر جائے گا تو حرام موت مرے گا۔(مرقات) لہذا فقہاء کا یہ فتویٰ اس حدیث پاک کے خلاف نہیں حدیث کی سچی فہم ضروری ہے۔

۲؎ یہ فرمان بالکل درست ہے اور مجرب ہے اپنی فقیری چھپانے والے بفضلہٖ تعالٰی امیر ہو جاتے ہیں کبھی جلد اور کبھی دیر سے مگر فقط چھپانے پر کفایت نہ کرے کمانے کی کوشش کرے،یہ سال بھر کی روزی آسمان سے نہیں برسے گی بلکہ اسباب سے ملے گی۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بال بچوں والے غریب مسلمان سے بہت محبت فرماتا ہے ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ جو مؤمن صاحب عیال کثیر البال(بہت فکر مند) فقیر الحال ہو پھر سوال سے بچے تو وہ صاحب کمال ہے،محبوب رب ذوالجلال ہے کہ کسی سے رب کی شکایت نہیں کرتا راضی بہ رضا رہتا ہے مگر یہ عمل ہے بہت مشکل۔

	روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر نے پانی مانگا تو ایسا پانی لایا گیا جو شہد سے مخلوط تھا ۲؎ فرمایا یہ بہت اچھا ہے مگر میں اللہ عزوجل کو سن رہا ہوں کہ اس نے لوگوں پر ان کی خواہشات سے عیب لگایا ۳؎ کہ فرمایا کہ تم اپنی پسندیدہ چیز اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے ان سے نفع لے چکے،میں ڈرتا ہوں ۴؎ کہ ہماری نیکیاں

	جلدی دے دی گئی ہوں چنانچہ آپ نے وہ نہ پیا۵؎(رزین)

۱؎آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں،مدنی ہیں،تابعی ہیں،بڑے فقیہ عالم محدث اور زاہد و متقی ہیں،۱۳۶ھ ایک سو چھتیس میں وفات پائی۔(مرقات،اکمال)

۲؎ یعنی بجائے سادہ پانی کے شہد کا ٹھنڈا شربت لایا گیا۔

۳؎یعنی اس وقت مجھے پیاس بھی ہے اور یہ شربت لذیذ بھی ہے دل پینے کو بہت چاہ رہا ہے مگر مجھے یہ آیت کریمہ یاد آرہی ہے۔

۴؎خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ کفار کے متعلق ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت خوف الٰہی حد درجہ کا طاری تھا،خیال فرمایا کہ اس آیت کے الفاظ عام ہیں،ہوسکتا ہے کہ اس میں ہم بھی داخل ہوجاویں لہذا بہتر یہ ہے کہ اس وقت نہ پیوں۔اللہ والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی ان پر خوف کا غلبہ ہوتا ہے،کبھی امید کا لہذا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حضرات صحابہ نے مرغ بٹیریں بھی کھائیں ہیں۔

۵؎اس حالت میں یہ شربت چھوڑنا انتہائی زہد و تقویٰ ہے جس پر بڑا اجر ہے اور دوسرے وقت اللہ کی نعمتیں خوب کھاکر خوب شکر کرنا عبادت ہے،غرضکہ صبر کا اور وقت ہے شکر کا دوسرا وقت۔شعر

اگر درویش برحالے بماندے　　دوست از دو عالم برفشاندے

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم چھوہاروں سے سیر نہ ہوئے حتی کہ ہم نے خیبر فتح کرلیا۱؎(بخاری)

۱؎یعنی ہم مہاجرین صحابہ نے فتح خیبر سے پہلے بہت تنگی کی زندگی گزاری خیبر فتح ہونے پر اللہ نے ہم پر بڑی وسعت کردی،خیبر میں باغات بہت زیادہ ہیں،فقیر نے زیارت کی ہے۔

باب الأمل و الحرص

امید اور حرص کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ درازی عمر کی آرزو **امل** ہے اور کسی چیز سے سیر نہ ہونا،ہمیشہ زیادتی کی خواہش کرنا حرص۔یہ دونوں چیزیں اگر دنیا کے لیے ہیں تو بری ہیں،اگر آخرت کے لیے ہے تو اچھی اس لیے دراز عمر چاہنا کہ اللہ کی عبادت زیادہ کرلوں اچھا ہے۔نیک اعمال سے سیر نہ ہونا ہمیشہ زیادتی کی فکر میں رہنا بہت ہی اچھا ہے،رب تعالٰی ہمارے حضور کی تعریف فرماتا ہے:"**حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ**"۔یہاں دنیاوی امیدیں اور دولت،عزت،شہرت کی حرص مراد ہے جوکہ بری چیز ہے۔آئندہ احادیث میں اس امل و حرص کی برائیاں بیان ہورہی ہیں،چونکہ یہ امید اور حرص لازم ملزوم ہیں اس لیے ان دونوں کو جمع فرمایا۔لمبی امیدیں نیک اعمال سے روکتی ہیں،حرص دنیا گناہ زیادہ کراتی ہے،انسان پہلے نیکیوں سے رکتا ہے پھر گناہ کرتا ہے اس لیے **امل** کا ذکر پہلے فرمایا حرص کا بعد میں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور خط کھینچی اور ایک خط بیچ میں کھینچا اس سے نکلا ہوا اور چند خطوط چھوٹے کھینچے اس خط کی طرف جو بیچ میں تھا ۲؎ اس کی طرف سے جس کے بیچ میں یہ تھا ۳؎ پھر فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے اسے گھیرے ہوئے اور یہ جو باہر نکلا ہوا ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ چھوٹے خط آفتیں ہیں ۴؎ تو اگر انسان اس آفت سے بچا تو اس نے ڈس لیا اور اگر اس سے بچا تو اس نے کاٹ لیا ۵؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے،جب عبداللہ مطلق بولتے ہیں تو اس سے آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے یہ خط اپنے دستِ اقدس سے کھینچے اس کی شکل یہ تھی مثالی خط میں غور کرو (**انظر فی الکتاب**) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اہم مسائل اشاروں میں سمجھادیئے۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوئے اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوئے   وہ راز اک کملی والے نے سمجھادیے چند اشاروں میں

۳؎ یعنی بیچ والی لکیر میں سے دو طرفہ چھوٹی چھوٹی لکیریں چمٹی ہوئی تھیں جو مربع خط کی طرف تھیں جیسا کہ ہمارے کھینچے ہوئے خط سے ظاہر ہورہا ہے۔

۴؎ یعنی اس شکل میں چار چیزیں ہیں،بیچ والا جو مربع خط سے گھرا ہوا ہے اور جسے چھوٹی لکیریں چمٹی ہوئی ہیں یہ تو انسان ہے اور اس کے ارد گرد جو کھوٹا خط اس کی موت ہے جو ہر طرف سے اسے گھیرے ہوئے ہے اور آس پاس کی چمٹی ہوئی لکیریں یہ دنیاوی آفتیں،بلائیں ہیں،بیماریاں،آپس کی

دشمنیاں، دنیاوی جھگڑے اور فکریں جو دو طرفہ چمٹی ہوئی ہیں اور اس مربع خط سے اوپر نکلا ہوا حصہ یہ انسان کی دنیاوی امیدیں ہیں یعنی انسان اس قدر آفتوں اور چو طرفہ سے موت میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اتنی دراز امیدیں رکھتا ہے جو اس موت سے بھی آگے نکلی ہوئی ہیں۔ شعر

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں ساماں سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

۵؎ یعنی انسان عمر میں کبھی بھی آفتوں سے چھٹکارا نہیں پاتا، ایک آفت جاتی ہے تو دو آتی ہیں اور جب دو جاتی ہیں تو اور طرف سے تین چار آتی ہیں یہ آفتیں بلائیں یوں ہی آتی رہتی ہیں حتی کہ اسے موت آجاتی ہے، زیادہ امیدیں باندھنے والے کو موت کی تکلیف بہت ہوتی ہے نزع کی شدت، دنیا چھوٹنے پر حسرت، امیدیں پوری نہ ہونے کا غم لہذا یہ ہی بہتر ہے کہ لمبی امیدیں رکھی ہی نہ جائیں۔ غافل مر کر دنیا اور محبوب چیزوں سے چھوٹتا ہے مگر مؤمن کامل مر کر محبوب سے ملتا ہے، کافر کی موت کا دن چھوٹنے کا دن ہے، مؤمن کی موت کا دن ملنے کا دن ہے اس لیے مقبولوں کی موت عرس یعنی شادی کہا جاتا ہے۔ قبر میں کامیاب ہونے پر فرشتے کہتے ہیں **نم کنومة العروس** سوجا دولہن کی طرح۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند خط کھینچے پھر فرمایا یہ امید ہے اور یہ اس کی موت ہے اس حالت میں کہ انسان یوں ہی ہوتا ہے کہ قرب والا خط اسے آلیتا ہے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یا تو یہ خط بھی اسی طرح کھینچا جس کی شکل اوپر دکھائی گئی یا اس طرح کھینچا مگر مطلب وہ ہی ہے کہ انسان آفتوں اور موت میں گھرا ہوا ہے مگر امیدیں موت سے آگے نکلی ہوئی ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی دو چیزیں جوان رہتی ہیں ۱؎ مال کی حرص اور عمر کی حرص ۲؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یہاں **امرء** سے مراد عام دنیادار انسان مراد ہے جو بڑھاپے میں بھی حریص رہتا ہے، بعض اللہ کے بندے جوانی میں بھی حریص نہیں ہوتے وہ اس حکم سے علیحدہ ہیں مگر ایسے خوش نصیب بندے ہیں بہت تھوڑے عمومًا وہ ہی حال ہے جو یہاں ارشاد ہوا۔

۲؎ یعنی عمومًا بوڑھے آدمی مال جمع کرنے، مال بڑھانے میں بڑے مشغول رہتے ہیں، ہمیشہ زندگی کی دعائیں کراتے ہیں، اگر کوئی انہیں کوسے تو لڑتے ہیں یہ ہے محبت مال و عمر۔ حریص کا دل یا قناعت سے بھرتا ہے یا قبر کی مٹی سے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا بوڑھے کا دل دو چیزوں میں جوان رہتا ہے دنیا کی محبت اور لمبی امید میں ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ محبت دنیا ذریعہ ہے موت سے ڈرنے کا اور لمبی امید ذریعہ ہے اعمال صالحہ میں دیر لگانے کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی سے امید اور آخرت کی لمبی امید میں کمال ایمان کی نشانی ہے۔ امل دنیا کی امید کو کہتے ہیں اور رجاء آخرت کی امید۔ اللہ سے امل بری ہے رجاء اچھی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اس بندے کو معذور رکھتا ہے جس کی موت پیچھے کردی گئی حتی کہ اسے ساٹھ سال تک پہنچادیا ۱؎ (بخاری)	

۱؎اس عبارت کے دو معنی ہیں: ایک یہ اعذار کے معنی ہیں عذر دور کر دیتا ہے یعنی باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہے تب مطلب یہ ہوگا کہ بچپن اور جوانی میں غفلت کا عذر سنا جاسکے گا مگر جو بڑھاپے میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع نہ کرے اس کا عذر قبول نہ ہوگا کیونکہ بچپن میں جوانی کی امید تھی جوانی میں بڑھاپے کی اب بڑھاپے میں سوا موت کے اور کس چیز کا انتظار ہے، اگر اب بھی عبادت نہ کرے تو سزا کے قابل ہے اس کا کوئی بہانہ قابل سننے کے نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس اعذار کے معنی ہیں معذور رکھتا ہے یعنی جو بوڑھا آدمی بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ عبادت نہ کرسکے مگر جوانی میں بڑی عبادتیں کرتا رہا ہو تو اللہ تعالٰی اسے معذور قرار دے کر اس کے نامہ اعمال میں وہ ہی جوانی کی عبادت لکھتا ہے، ساٹھ سال پورا بڑھاپا ہے۔ شعر

رسم است کہ مالکان تحریر — آزاد کنند بندۂ پیر

اے بار خدائے عالم آرا — بر سعدی پیر خود بہ بخشا

بوڑھے نوکر کی پنشن ہو جاتی ہے وہ رؤف و رحیم رب بھی اپنے بوڑھے بندوں کی پنشن کر دیتا ہے مگر پنشن اس کی ہوتی ہے جو جوانی میں خدمت کرتا رہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر انسان کے پاس مال کے دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا تلاش کرے ۱؎ انسان کے پیٹ کو مٹی کے سواء کوئی چیز نہیں بھر سکتی ۲؎ اور اللہ توبہ قبول کرلیتا ہے اس کی جو توبہ کرے ۳؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎یہاں دو اور تیسرا حد بندی کے لیے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دو جنگل بھر مال ہو تو تیسرے جنگل کی خواہش کرے اور اگر تین جنگل مال ہو تو چوتھے کی اسی طرح سلسلہ قائم رکھے۔ انسان کی ہوس زیادہ مال سے نہیں بجھتی یہ تو فضل ذوالجلال سے بجھتی ہے۔

۲؎ تراب سے مراد قبر کی مٹی ہے یعنی انسان کی ہوس قبر تک رہتی ہے مر کر ہوس ختم ہوتی ہے۔ یہ حکم عمومی ہے اللہ تعالٰی کے بندے اس حکم سے علیحدہ ہیں بڑے صابر و شاکر ہیں جیسے حضرات انبیاء کرام اور خالص اولیاء اللہ مگر ایسے قناعت والے بہت کم ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے اور مٹی کی فطرت خشکی ہے اس کی خشکی صرف بارش سے ہی دور ہوتی ہے، بارش ہونے پر اس میں سبزہ پھل پھول سب کچھ ہوتے ہیں، یوں ہی اگر انسان پر توفیق کی بارش نہ ہو تو انسان محض خشکا ہے، اگر نبوت کے بادل سے توفیق و ہدایت کی بارش ہو تو اس میں ولایت تقویٰ وغیرہ کے پھل پھول لگتے ہیں۔ (مرقات)

۳؎یعنی انسان اگرچہ برائیوں کا مجموعہ ہے لیکن اگر توبہ کرکے رب کی طرف رجوع کرے تو آغوش رحمت اس کے لیے کھلا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک توبہ ہی توفیق کی بارش ہے۔ خیال رہے کہ بارش سے مٹی میں باغ لگتے ہیں پتھروں میں نہیں لگتے، سخت دل آدمی نیک نہیں بن سکتا۔ شعر

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کا بعض حصہ پکڑا ۱؎ پھر فرمایا دنیا میں رہو جیسے کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر ۲؎ اور اپنے کو قبر والوں سے شمار کرو ۳؎ (بخاری)	

۱؎کندھا مراد ہے، حضور انور نے حضرت ابن عمر کا کندھا پکڑ کر یہ فرمایا۔ کندھا پکڑنا قلبی فیض دینے کے لیے تھا قلبی فیض کے بغیر نصیحت اثر نہیں کرتی۔ (مرقات) زبان سے قال دیا جاتا ہے نگاہ سے حال عطا کیا جاتا ہے، صرف قال بغیر حال مفید نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

قال را بگزار مرد حال شو — زیر پائے کاملے پامال شو

۲؎ غریب کہتے ہیں غریب الوطن مسافر کو اگرچہ وہ کسی جگہ چند دن ٹھہر جائے مگر **عابر** سبیل وہ راگیر ہے جو کسی جگہ دوپہری گزارنے کے لیے بیٹھ جائے یہ دونوں سفر اور جنگل میں دل نہیں لگاتے تم بھی دنیامیں دل نہ لگاؤ،مسافروں کی طرح اگلی منزل کے لیے تیار رہو،دنیا منزل ہے آخرت وطن،منزل پر کچھ دیر آرام کرلو مگر غافل ہو کر سونہ جاؤسفر کا سامان باندھے تیار رہو،جب موت کی ریل آئے تمہیں تیار پائے ہر وقت اس کے منتظر رہو۔

۳؎ یعنی جیسے مرکر مردہ سب سے الگ ہوجاتا ہے نہ مال اس کا رہتا ہے نہ عزیز تم زندگی میں اپنادل ان تمام سے الگ رکھو،دنیاآنے پر پھولو مت جانے پر رب کو بھولو مت،اپنے کو اللہ رسول کے قبضہ میں ایسے کردو جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں۔صوفیاء فرماتے ہیں **موتوا قبل ان تموتوا** مرنے سے پہلے مرجاؤیا فرماتے ہیں **حاسبوا قبل ان تحاسبوا** حساب دینے سے پہلے اپنا حساب کرلو۔ان زریں اقوال کاماخذ یہ حدیث شریف ہے جو مرنے سے پہلے مرجائے گاوہ پھر کبھی نہ مرے گا۔شعر

میں مروں توجگ مرے مرے میری بلا	چیلاسچے پیر کا مرے نہ مارا جائے

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے میں اور میری ماں کسی چیز کو مٹی سے لیپیٹ رہے تھے تو فرمایااے عبداللہ یہ کیاہے ۱؎ میں نے عرض کیاایک چیز ہے جسے ہم درست کررہے ہیں فرمایاوہ کام اس سے بھی جلد آرہاہے ۲؎ (ترمذی،احمد)اور فرمایایہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی تم تو عبداللہ،اللہ کے بندے ہو پھر ان آفتوں میں کیوں پھنس گئے۔(مرقات)

۲؎ یہ گھر مرمت کے لائق تھانہیں بالکل درست تھا مضبوط کے لیے یہ سب کچھ کررہے تھے،فرمایاکہ تمہاری موت اس گھر کے فنا ہونے سے پہلے آجائے گی لہذا اس کی مرمت میں پھنس کر اپنے قلب و قالب کی مرمت سے غافل نہ ہوجاؤ،نیک اعمال قالب کی مرمت ہے اللہ کاخوف حضور سے محبت دل کی مرمت ہے اس کی کوشش کرو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کرتے تھے تو فورًا مٹی سے تیمّم کرلیتے تھے ۱؎ میں عرض کرتا یارسول اللہ پانی آپ سے قریب ہی ہے ۲؎ تو فرماتے مجھے کیاخبر ۳؎ شاید اس تک نہ پہنچ سکوں ۴؎ (شرح سنہ،ابن جوزی کتاب الوفاء) ۵؎	

۱؎ یہ وہ تیمّم نہیں ہے جو پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کے لیے کیاجاتا ہے پانی تو وہاں موجود ہے اور ابھی نماز کاوقت ہے بھی نہیں،یہ تیمّم پانی تک پہنچنے کے زمانہ میں ایک گونہ پاکی حاصل کرنے کے لیے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔غرضکہ شریعت کا تیمّم اور ہے عشق و محبت یا طریقت کا تیمّم کچھ اور ہے یہاں طریقت کا تیمّم ہے۔(اشعہ مع الزیادۃ)

۲؎ یعنی حضور آپ کی شریعت کی رو سے یہ تیمّم درست نہیں ہوا کہ پانی پر قدرت حضور کو حاصل ہے پھر تیمّم کیسا یہ ایسا ہی سوال و جواب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہما السلام میں واقع ہوئے کہ حضرت موسیٰ کے سوالات شرعی تھے حضرت خضر کے جواب حقیقی تھے۔

۳؎ یہاں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں۔درایت کے معنی ہیں اٹکل،قیاس،دلیل سے جاننا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات شریف وحی سے معلوم تھی،حضور نے حج فرض ہوتے ہی حج نہیں کیا ایک سال بعد کیا کیونکہ آپ کو اپنی زندگی معلوم تھی۔یہ فرمان ہمارے لیے ہے کہ تم لوگ اپنے پر اتنا بھروسہ بھی نہ کرو کہ استنجاء کر کے قریبی پانی تک پہنچ جاؤ گے کیونکہ تمہارا علم صرف درایت سے ہے وحی سے نہیں اور زندگی و موت کے علم میں نری عقل بھی کافی نہیں۔

۴؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور پر کبھی عشق کا غلبہ ہوتا تھا،کبھی شریعت کا۔حکم شرعی ظاہر فرمانے کے لیے استنجاء کرکے بغیر وضو قرآن پاک کی تلاوت کرلیتے تھے اور فنافی اللہ کے غلبہ کے وقت بغیر تیمّم کیے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے یہاں حضور کے دوسرے حال یعنی فنا کا ذکر ہے۔دیکھو حضرت طلحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار پانچ آدمیوں کی دعوت کی مگر لے گئے سارے خندق والوں کو یہ ہے حال اور اپنی ملکیت کا اظہار اور ابی اللحم کے ہاں دعوت میں ایک آدمی زیادہ چلا گیا تو اس سے اجازت لی یہ تھا قال یعنی شریعت۔

۵؎ یعنی یہ حدیث امام بغوی نے شرح سنہ میں اور ابن جوزی نے اپنی کتاب کتاب الوفافی شرف المصطفیٰ میں روایت کی۔(مرقات)وفا اور وفاء الوفاء تاریخ مدینہ یہ اور کتب ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے اور اپنا ہاتھ اپنی گدی پر رکھا ۱؎ پھر ہاتھ دراز کیا فرمایا یہاں اس کی امید ہے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ تفاسیر کا پچھلا حصہ جسے اردو میں گدی کہا جاتا ہے پنجابی میں گھتی۔

۲؎ یعنی موت تو سر پر کھڑی ہے اور امیدیں بہت لمبی لمبی بندھی ہوئی ہیں یہ ہم جیسے غافلوں کا ذکر ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ شعر پڑھتے تھے شعر

کل امرئٍ مصبح فی اھلہ   والموت اقرب من شراك نعلہ

روایت ہے حضرت ابوسعید سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی اپنے سامنے گاڑی اور دوسری اس کے برابر اور تیسری اس سے بہت دور ۲؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں،فرمایا یہ انسان ہے اور یہ موت ہے ۳؎ مجھے خیال ہے کہ فرمایا اور یہ امید ہے انسان امیدوں میں مشغول رہتا ہے مگر اسے امید سے پہلے موت پہنچ جاتی ہے ۴؎(شرح سنہ)	

۱؎ آپ کا نام شریف سعد ابن مالک ابن سنان ہے(ترمذی ابواب البر والصلہ)آپ کے حالات شریف بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎ یعنی تین لکڑیاں اس طرح گاڑھیں کہ دو ملی ہوئی اور تیسری بہت فاصلہ سے،آج کل اسکولوں میں عملی مشق کرائی جاتی ہے یہ عملی مشق تھی۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ موت انسان سے بہت قریب ہے مگر اس کی امیدیں بہت دراز۔خیال رہے کہ انسان شخصی ضروریات میں کمی کرے مگر قومی دینی مکمل ضروریات و خدمات بہت زیادہ انجام دے کہ اشخاص مرتے ہیں قوم و دین نہیں مرجاتے۔بزرگوں نے دینی کتب لکھیں جو صدیوں سے

مسلمانوں کو فائدہ پہنچارہی ہیں، حضور انور نے سارا اعجاز فتح فرمالیا اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ امت کے لیے دین کے لیے،اب تک ان سے فائدے پہنچ رہے ہیں۔خیال رہے کہ سکندر اعظم اور نپولین اعظم کے مفتوحہ علاقہ دوسری قوموں کے پاس پہنچ گئے،فاروق اعظم کے مفتوحہ علاقے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہیں قریبًا چودہ سو سال گزر چکے ہیں روم،ایران وغیرہ۔

۴؎ یعنی انسان کی ایک امید پوری ہوئی تو دو سامنے آجاتی ہیں دو پوری ہوں تو چار سامنے آتی ہیں یہ سلسلہ یوں ہی دراز ہوتا چلا جاتا ہے کہ موت آلیتی ہے۔شعر

امید بستہ برآمد ولے چہ فائدہ زانکہ　　　امید نیست کہ عمر گزشتہ بازآید

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میری امت کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوگی ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی میری امت کی عمریں عمومًا ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی اگرچہ بعض لوگ ساٹھ سال سے پہلے مرجائیں گے بعض ستر سے بڑھ جائیں گے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم،حضرت ابو بکر صدیق،عمر فاروق،علی مرتضےٰ کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال ہوئیں اور حضرت حکیم امت کی عمر شریف بھی تریسٹھ ۶۳ سال ہوئی کہ آپ کا وصال ۳ رمضان ۱۳۹۳ء ہوا،حضرت عثمان غنی کی عمر بیاسی یا اٹھاسی سال ہوئی اس حدیث کی صحت پر تجربہ شاہد ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی کم لوگ اس سے آگے بڑھیں گے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور حضرت عبداللہ ابن شخیر کی حدیث باب عیادۃ المریض میں بیان کردی گئی ۲؎

۱؎ یعنی بہت کم لوگ ستر سے آگے بڑھیں گے،سو سال سے آگے بڑھنے والے تو بہت ہی کم ہوں گے۔چنانچہ حضرت انس ابن مالک کی عمر ایک سو تین سال ہوئی،جناب اسماء بنت ابو بکر صدیق کی عمر ایک سو سال ہوئی،کسی قوت میں کمی نہ آئی،حسان ابن ثابت کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی،حضرت سلمان فارسی کی عمر ساڑھے تین سو سال ہوئی مگر اسلام میں تھوڑا عرصہ رہے، ۵۳ھ میں وفات پائی۔(مرقات)میں نے حضرت سلیمان فارسی کے مزار کی زیارت کی ہے۔بغداد شریف سے تین میل دور مسلمان پاک بستی میں ہے پہلے اسے مدائن کہتے تھے۔

۲؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے وہاں بیان کردی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی پہلی درستی یقین اور زہد ہے ۱؎اور اس کا پہلا فساد بخل اور دراز امید ہے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی مسلمان کی پہلی نیکی جو باقی نیکیوں کی جڑ ہے وہ یقین ہے اور یقین چار قسم کا ہے: (۱) جو خیر و شر ہے وہ رب تعالٰی کی طرف سے ہے (۲) جو روزی مقدر میں ہے وہ ضرور ملے گی (۳) نیک و بد اعمال کی سزا و جزا ضرور ملے گی (۴) اللہ تعالٰی ہمارے ہر حال سے خبردار ہے،ان چاروں باتوں پر یقین رکھے تو ان شاء اللہ بخل،حسد،کینہ بد عملی ان سب سے محفوظ رہے گا۔(اشعہ)

۲؎ یعنی مسلمان کا پہلا گناہ جو دوسرے گناہوں کی جڑ ہے وہ یہ دو چیزیں ہیں۔بخل جڑ ہے خونریزی فساد کی،لمبی امیدیں جڑ ہیں غفلت و گناہوں کی۔انسان بڑھاپے میں بھی یہ سوچتا ہے کہ ابھی عمر بہت ہے نیکیاں آئندہ کرلیں گے اسی خیال میں رہتے ہیں کہ موت آجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت سفیان ثوری سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بے رغبتی موٹا پہننے موٹا کھانے سے معمولی غذا سے نہیں،دنیا میں بے رغبتی جھوٹی امیدوں سے ہے ۲؎ (شرح سنہ)	

۱؎ آپ کوفی ہیں،مجتہد،فقیہ محدث اپنے وقت کے قطب ہیں،آپ کی دینداری،زہد،تقویٰ اور ثقہ ہونے پر سارے اہل اسلام متفق ہیں۔سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ میں ولادت ہوئی یعنی ۹۹ھ نناوے میں ۱۶۱ھ ایک سو اکسٹھ میں وفات پائی،آپ سے امام مالک اور دیگر آئمہ دین نے روایات لیں جیسے فضیل ابن عیاض،ابن عیینہ شعبی وغیرہ۔(مرقات،اکمال)

۲؎ سبحان اللہ! کیسا نفیس قاعدہ بیان فرمایا آج بہت لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں۔کہتے ہیں وہ فقیر کیسا جو رکھے پیسہ،عوام اس شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں جو تارک الدنیا ہو کر بیٹھ جائے،بیوی بچے نہ رکھے،موٹا جھوٹا کھایا کرے۔پھٹے کپڑے پہنے اگرچہ بے نماز بے روزہ،بھنگی چرسی ہو۔اللہ تعالٰی نے حلال چیزیں ہمارے استعمال کے لیے پیدا فرمائی ہیں خوب کھاؤ پیو اور خوب عبادت و شکر کرو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صٰلِحًا"۔لذیذ نعمتیں کھاؤ،اچھے اعمال کماؤ،دنیا میں زیادہ رہنے کی امید نہ رکھو،جو کرنا ہے آج کرو کل کی کیا خبر نصیب ہو کہ نہ ہو۔جشب کے معنی ہیں خشک غذا یعنی روکھی روٹی۔

روایت ہے حضرت زید ابن حسین سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا ان سے پوچھا گیا کہ دنیا میں بے رغبتی کیا چیز ہے فرمایا حلال کمائی ۲؎ اور جھوٹی امیدیں ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ آپ تبع تابعی نہیں،حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خدام سے ہیں،آپ کے حالات زندگی معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ حلال کمائی سے عبادات میں لذت،دل میں بیداری،آنکھوں میں تری،دعا میں قبولیت پیدا ہوتی ہے۔جو بندہ مقبول الدعاء بننا چاہے وہ اکل حلال اور صدق مقال یعنی غذا حلال اور سچی زبان رکھے،حلال کمائی وہ جو حلال ذریعوں سے آئے۔

۳؎ دنیاوی امیدیں کم رکھنے سے غفلت نہیں آتی انسان گناہ پر دلیر نہیں ہوتا توبہ میں جلدی کرتا ہے یہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔

باب استحباب المال و العمر للطاعة

اطاعت کے لیے مال اور عمر کا بہتر ہونا [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] مال کے معنی ہیں میلان قلبی،دولت کو مال اس لیے کہتے ہیں کہ عمومًا انسان کا دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔عمر کے معنی ہیں آبادی اسی لیے بستی کو عمران کہا جاتا ہے اور ویرانہ کو خراب۔زندگی کے زمانہ کو عمر اس لیے کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں روح جسم کو آباد رکھتی ہے اس میں رہتی بستی ہے لہذا وہ زمانہ عمر ہے۔مقصد یہ ہے کہ عمر اور مال اگر اللہ کی راہ میں صرف ہوں تو اچھی چیزیں ہیں۔گزشتہ باب میں اس مال و زندگانی کی برائی بیان ہوئی جو غفلت یا سرکشی میں صرف ہو۔

روایت ہے حضرت سعد سے [1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی پرہیزگار بے نیاز پوشیدہ بندے کو پسند فرماتا ہے۔(مسلم)اور حضرت ابن عمر کی حدیث کہ نہیں ہے رشک [2] مگر دو چیزوں میں فضائل قرآن کے باب میں بیان کردی گئی [3]	

[1] سعد سے مراد حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں۔محدثین جب عبداللہ بولتے ہیں تو حضرت عبداللہ ابن مسعود مراد ہوتے ہیں اور جب سعد مطلق بولتے ہیں تو سعد ابن ابی وقاص مراد ہوتے ہیں۔

[2] یعنی جس مسلمان میں تین صفتیں ہوں وہ خدا تعالٰی کو بڑا پیارا ہے: متقی ہو یعنی گناہوں سے بچتا ہو اور اللہ رسول کے احکام پر عمل کرتا ہو،غنی یعنی لوگوں سے بے پرواہ ہو۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی متقی بندے کو لوگوں سے بے پرواہی نصیب فرماتا ہے،جو اس کے دروازے پر جھکا رہے اسے دوسرے دروازوں پر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

وہ ایک سجدہ ہے جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

خفی نقطہ والا خ سے بمعنی لوگوں میں چھپا ہوا یعنی وہ لوگوں میں اپنی شہرت نہیں چاہتا ہر نیکی چھپ کر کرتا ہے،خود بھی گمنام رہنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسی میں عافیت و آرام ہے۔خیال رہے کہ بعض بندوں کے لیے خلوت اچھی ہے بعض کے لیے جلوت بہتر،عابدوں کے لیے خلوت بہتر ہے عالموں کے لیے جلوت اچھی تاکہ لوگ ان سے فیض لیں لہذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرات خلفاء راشدین اور دوسرے مشہور علماء اولیاء حتی کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب بندے ہیں مگر وہ چھپے ہوئے نہیں کیونکہ ان حضرات نے خود اپنے کو اپنی کوشش سے مشہور نہیں کیا ان کی یہ شہرت اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے،نیز ان حضرات کے لیے شہرت ہی ضروری تھی،سورج چھپنے کے لیے نہیں پیدا ہوا۔مصرع کہ دنیا میں خدا کا نور چھپنے کو نہیں آیا۔بعض نسخوں میں حفی ہے بے نقطہ والی ح سے بمعنی مہربان یعنی لوگوں پر

مہربان،بعض احادیث میں نـقی نون سے بھی ہے یعنی طیب و طاہر پاک و صاف۔(اشعہ)اس حدیث کی اور بہت شرحیں کی گئیں ہیں۔
۳؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے وہاں بیان کردی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوبکرہ ۱؎ سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کون آدمی اچھا ہے فرمایا جس کی عمر بھی لمبی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں ۲؎ عرض کیا تو کون آدمی برا ہے فرمایا جس کی عمر دراز ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔(احمد،ترمذی،دارمی)	

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،اہل طائف سے ہیں،آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں۔
۲؎ یعنی جس کی عمر درازہو اور اس کی نیکیاں زیادہ ہوں ہر دن اس کی نیکیاں بڑھائے ایسا شخص بہت ہی خوش نصیب ہے،اور جس کی نیکیاں گناہوں کے برابر ہوں وہ نمبر دوم کا خوش نصیب ہے۔ایسا شخص مشکل سے ملے گا جو زندگی میں کبھی کوئی گناہ نہ کرے،یہ شان حضرات انبیاء کرام کی ہے یا خاص اولیاء اللہ کی،یہاں وہ ہی معنی مراد ہیں جو ہم نے عرض کیے۔

روایت ہے حضرت عبید ابن خالد سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان بھائی چارہ فرمایا ۱؎ تو ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں مارا گیا پھر ایک ہفتہ یا اس کے قریب میں دوسرا آدمی فوت ہوا ۲؎ لوگوں نے اس پر نماز پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا ۳؎ عرض کیا ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اسے بخش دے اس پر رحم کر اسے اس کے ساتھی سے ملادے ۴؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس شہید کے بعد اس کی نمازیں اور اس کے عمل یا فرمایا شہید کے روزوں کے بعد اس کے روزے کہاں گئے ان کے درمیان کا فاصلہ آسمان و زمین کے فاصلہ سے زیادہ ۵؎ دراز ہے(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یعنی وہ بڑا بدنصیب ہے جس کی زندگی دراز اور اس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں،اس کی زندگی ہر دن اس کے گناہوں میں اضافہ کرے۔

۲؎ یہ حدیث طبرانی،حاکم،بیہقی ابو نعیم نے مختلف راویوں اور مختلف الفاظ سے روایت فرمائی ان الفاظ سے اور حضرت ابو بکرہ سے صرف ان دو کتب میں ہی ہے۔(مرقات)آپ صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،کوفہ کے رہنے والے ہیں،مہاجر ہوکر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے لہذا مہاجر ہیں۔(اشعہ،مرقات)یا تو یہ دونوں شخص مہاجر تھے یا ایک ان میں سے مہاجر تھے دوسرا انصاری،دوسرا احتمال قوی ہے کیونکہ عقد مواخات بھائی چارے کا رشتہ مہاجر اور انصاری میں کیا جاتا تھا۔یہ پتہ نہیں چلا کہ شہید کون صاحب ہوئے مہاجر یا انصاری،بہرحال ایک صاحب پہلے شہید ہوئے ہیں اور دوسرے صاحب کچھ بعد اپنے بستر پر فوت ہوئے۔

۳؎ یعنی اس میت کی نماز جنازہ میں تم نے اس کے لیے کیا دعا کی۔خیال رہے کہ نماز جنازہ میں دعاء ماثورہ تو پڑھی ہی جاتی ہے اس کے علاوہ اور دوسری دعاؤں کی بھی اجازت ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں اور بہت دعائیں کی ہیں۔

۴؎ یعنی یہ صاحب شہید نہیں ہوئے اور ان کا بھائی ایک ہفتہ پہلے شہید ہوگیا،مولیٰ تو اپنے کرم سے اس کو اسی شہید کا درجہ عطا فرما،ان دونوں کو وہاں بھی برابر اور یکجا کردے جیسے وہ یہاں یکجا تھے۔سبحان اللہ! بڑی پیاری دعا کی۔

۵؎ یعنی اس شخص کو جو یہ سات دن زیادہ مل گئے ان دونوں میں اس نے نماز روزے اور دوسری نیکیاں کیں اس لیے ان کا درجہ اس شہید سے زیادہ ہوگیا۔خیال رہے کہ یہ صاحب مرابط تھے یعنی جہاد کے لیے ہر دم تیار اور مرابط کو درجہ شہادت کا ملتا ہے لہذا شہادت میں ان شہید کے برابر ہوگئے ان سات دن کے اعمال میں ان سے بڑھ گئے،نیز بعض غیر شہید شہید سے بڑھ جاتے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سے شہید نہیں ہوئے مگر شہیدوں سے افضل ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ"صدیق کو شہید پر مقدم فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابو کبشہ انماری سے ۱؎ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تین باتیں وہ ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ایک بات کی تمہیں خبر دیتا ہوں ۲؎ اسے یاد رکھو وہ تین باتیں جن پر میں قسم فرماتا ہوں وہ یہ ہیں کہ کسی بندے کا مال صدقہ سے نہیں گھٹتا ۳؎ اور کوئی ظلم نہیں کیا جاتا جس پر وہ صبر کرے ۴؎ مگر اللہ تعالٰی اس سے اس کی عزت بڑھاتا ہے ۵؎ اور کوئی بندہ مانگنے کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اللہ اس پر فقیری کا دروازہ کھول دیتا ہے ۶؎ اور جس چیز کی میں تمہیں خبر دیتا ہوں جسے تم یاد رکھو،فرمایا دنیا چار شخصوں کے لیے ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ مال اور علم دونوں دے ۷؎ تو وہ اس میں اللہ سے ڈرتا ہے،رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ کے لیے ان کے حق کے مطابق عمل کرتا ہے ۸؎ تو یہ بہترین درجوں میں ہے ۹؎ اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نے علم دیا مال نہ دیا لیکن وہ ہے سچی

	نیت والا،کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کے لیے کام کرتا ان دونوں کا ثواب برابر ہے ١٠؎ اور ایک وہ بندہ جسے اللہ مال دے اور علم نہ دے تو وہ اپنے مال میں بغیر علم خلط ملط ہی کرتا ہے ١١؎ اس میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا اپنے رشتہ داروں سے سلوک نہیں کرتا اور نہ اس میں حق کے عمل کرتا ہے ١٢؎ تو یہ خبیث ترین درجہ والا ہے ١٣؎ اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نہ مال دے نہ علم تو وہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس میں فلاں کے سے کام کرتا تو وہ اپنی نیت پر ہے ١٤؎ اور ان دونوں کا گناہ برابر ہے ١٥؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

١؎ آپ کا نام عمرو بن سعد ہے یا سعد ابن عمرو یا عامر ابن سعد صحابی ہیں،آخر زمانہ میں شام میں رہے۔

٢؎ یعنی تین خبریں قسم سے بیان کرتا ہوں اور ایک خبر بغیر قسم کے۔خیال رہے کہ حضور انور کی خبر خواہ قسم سے ہو یا بغیر قسم بالکل حق اور درست ہے،حضور کی خبر کا درست ہونا ایسا ہی لازم و ضروری ہے جیسے اللہ تعالٰی کی خبر کا حق ہونا لازم ہے کہ رب تعالٰی کا جھوٹ بھی ناممکن ہے اور نبی کا جھوٹ بھی ناممکن اگرچہ وہ بالذات ہے یہ محال بالغیر جیسے رب تعالٰی کی قسمیں تاکید کے لیے ہوتی ہیں ایسے ہی حضور انور کی قسمیں تاکید کلام کے لیے ہیں۔

٣؎ یہاں صرف **اقسم** فرماکر قسم کھائی گئی **واللہ،باللہ** نہیں فرمایا یہ بھی قسم کا ایک طریقہ ہے۔صدقہ سے مراد ہر خیرات ہے فرضی ہو یا نفلی۔تجربہ شاہد ہے کہ خیرات سے مال بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔آزما کر دیکھ لو میرا رب سچا،اس کے رسول سچے صلی اللہ علیہ وسلم۔صدقہ سے دنیا میں برکت آخرت میں ثواب ہے۔فقیر کا تجربہ تو یہ ہے کہ صدقہ والے مال کو عموگا حاکم،حکیم،وکیل چور نہیں کھاتے دنیاوی نقصانات بھی بہت کم ہوتے ہیں۔

٤؎ یہاں صبر سے مراد اخلاقی صبر ہے نہ کہ مجبوری کا صبر۔صبر،معافی،تحمل کی جو آیات منسوخ ہیں ان میں مجبوری کا صبر ہی مراد ہے،رب فرماتا ہے:"فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللہُ بِاَمۡرِہٖ"۔

٥؎ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے اپنے دربار میں آئے ہوئے بھائیوں کو معافی دی،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تمام اہل مکہ کو معافی دے دی جن سے عمر بھر ظلم و ستم دیکھے تھے،دیکھ لو آج تک ان حضرات کی واہ واہ ہورہی ہے یہ ہے عزت بڑھنا۔شعر

صدقے اس انعام کے قربان اس احسان کے　　　　ہورہی دونوں عالم میں تمہاری واہ واہ

٦؎ تجربہ شاہد ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کے پاس اولًا تو مال جمع ہوتا ہی نہیں،اگر ہوجائے تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے جمع کرکے چھوڑ جاتے ہیں،انکے مال میں برکت نہیں ہوتی۔مرقات میں ان کی مثال اس کتے سے دی ہے جو منہ میں ٹکڑا لیے شفاف و صاف نہر پر گزرے اس میں اپنے عکس کو دیکھ کر سمجھے کہ یہ دوسرا کتا ہے اس سے ٹکڑا چھین لینے کے لیے اس پر منہ پھاڑ کر حملہ کرے اپنا ٹکڑا بھی کھو بیٹھے۔

۷؎ علم سے مراد علم دین ہے۔معلوم ہوا علم دین بھی اللہ تعالٰی کی دنیاوی نعمتوں سے ایک اعلیٰ نعمت ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ مال سانپ ہے علم دین تریاق،ہمیشہ تریاق کے ساتھ زہر مفید ہوتا ہے،بغیر تریاق ہلاک کردیتا ہے۔
۸؎ اگرچہ **بحقه** میں سارے سلوک،صدقات داخل ہیں مگر چونکہ عزیزوں قرابت داروں کے حقوق ادا کرنا بہترین عبادت ہے اور تمام صدقات میں اعلیٰ و افضل اس لیے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا۔
۹؎ اس لیے کہ یہ شخص دین و دنیا دونوں جگہ سرخرو شاد آباد رہے گا کیونکہ وہ مال کمائے گا حکم الٰہی کے مطابق،خرچ کرے گا اسی کے مطابق،جمع کرے گا اسی فرمان کے ماتحت۔مال کی آمد،جمع،خرچ سب شریعت کے مطابق چاہیے۔
۱۰؎ معلوم ہوا کہ نیکی کی تمنا بھی نیکی ہے۔غریب عالم خواہ زبان سے تمنا کرے یا فقط دل سے بہرحال ثواب برابر ہی ہے۔
۱۱؎ **یتخبط** بنا ہے **خبط** سے بمعنی بے فائدہ ہاتھ پاؤں مارنا خلط ملط کرنا اس لیے دیوانگی کو **تخبط** کہتے ہیں،دیوانہ کو **خبطی** کہ وہ ہر طرح بے فائدہ ہاتھ پاؤں مارتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ**"یعنی وہ ہر حرام و حلال طریقے سے مال کماتا ہے اور ہر حلال حرام جگہ خرچ کرتا رہتا ہے،نہ خود عالم ہے نہ علماء کی بات مانتا ہے جیساکہ آج کل عام امیروں کا حال ہے۔
۱۲؎ ایسے لوگ اگر کبھی اچھی جگہ خرچ بھی کرتے ہیں تو اپنی ناموری کے لیے خرچ کرتے ہیں مگر بے فائدہ بلکہ مضر۔
۱۳؎ کیونکہ اس کا مال اس کے لیے وبال ہے،مال کی وجہ سے اس پر گناہوں کے دروازے بہت کھل جاتے ہیں وہ مال کے نشہ میں نہ کرنے والے کام کرتا رہتا ہے۔اللہ تعالٰی عثمانی مال دے ابوجہلی مال سے بچائے۔
۱۴؎ یعنی فلاں بدمعاش مالدار کی طرح میں بھی شراب پیتا،جوا کھیلتا،زنا کرتا۔کروں کیا کہ یہ کام پیسہ سے ہوتے ہیں اور میرے پاس پیسہ نہیں۔
۱۵؎ یعنی یہ بدنصیب بغیر کچھ کیے سب کچھ کررہا ہے کرنے والوں کے ساتھ دوزخ میں جارہا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس سے کام لیتا ہے ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیسے کام لیتا ہے ۲؎ فرمایا اسے موت سے پہلے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے ۳؎ (ترمذی) ۴؎

۱؎ غالبًا بندہ سے مراد بندہ مؤمن ہے یعنی اللہ تعالٰی اپنے بندہ مؤمن کی جب بھلائی چاہتا ہے تو نہ تو اسے رہنے دے کہ وہ اپنی زندگی برباد و ضائع کردے،نہ اسے گناہوں میں مبتلا ہونے دے۔ممکن ہے کہ **عبد** سے مراد ہر بندہ مؤمن و کافر ہے،اللہ تعالٰی اپنے بندہ کو کافر نہیں رہنے دیتا آخر کار وہ مؤمن ہوجاتا ہے۔
۲؎ یعنی انسان کام ہمیشہ ہی کرتا ہے کوئی شخص بے کار نہیں رہتا جاگنا،چلنا،پھرنا بھی تو کام ہی ہیں سرکار نے کام سے کون سا کام مراد لیا ہے۔

۳؎یعنی کام سے مراد نیک کام ہیں اور کام لینے سے مراد اس کی موت کے قریب کام لینا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ایسے بندے کا انجام اچھا ہوتا ہےاگرچہ زندگی گناہوں میں گزارے مگر توبہ کرکے گناہوں کا کفارہ ادا کرکے مرتا ہے خاتمہ کا اعتبار ہے۔اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ مؤمن کی زندگی موت سے افضل ہے۔(اشعہ)کہ زندگی عمل کا وقت ہے دوسرے ہر کسی گنہگار کے متعلق ہم فیصلہ نہیں کرسکتےکہ وہ دوزخی ہی ہےیہ تو اللہ کو خبر ہے،ممکن ہے کہ وہ مرتے وقت نیک ہوجائے۔خیال رہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ موت زندگی سے افضل ہے کہ وہ راحت آرام اور اپنے کام کے پھل پانے کا زمانہ ہے۔عشاق کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف کے زمانہ میں مؤمن کی زندگی فراق کا زمانہ ہے موت یار کے دیدار کا ذریعہ ہے۔

کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مردے اپنی مدفن سے — سنا ہے قبر میں دیدار ہوگا بے حجابانہ

۴؎یہ حدیث حاکم نے بسند صحیح،احمد،ابن حبان،طبرانی نے مختلف صحابہ سے مختلف عبارتوں سے روایت کی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو قریب کردے ۲؎اور بعد موت کے لیے عمل کرے ۳؎ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگادے اور اللہ پر آرزو میں رکھے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں کہ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھتیجے ہیں،خود بھی صحابی ہیں والد بھی صحابی،آخر میں بیت المقدس میں رہے،آپ علم و حلم دونوں کے جامع تھے،آپ کی کنیت ابو یعلٰی انصاری ہے،صحابہ کرام آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎دان کے بہت معانی ہیں اگر دُنو سے بنا ہے تو بمعنی قریب کرنا،قریب جاننا ہے اور دین سے بنا ہے جو مغلوب ہے دنی کا تو بمعنی عاجز کرنا ہے عاجز سمجھنا ہے،بعض نے فرمایا کہ بمعنی حساب لینا ہے یعنی اپنے کو اللہ تعالٰی سے اس کے رسول سے نیک بندوں سے قریب رکھے یا اپنے کو موت سے قریب جانے یا اپنے اعمال کا خود حساب لیتا رہے نیک اعمال پر شکر کرے برے اعمال سے توبہ۔

۳؎یعنی کوئی کام نفس یا دنیا کے لیے نہ کرے ہر کام آخرت کے لیے کرے حتی کہ اس کا کھانا پینا،چلنا پھرنا،سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا اللہ کے لیے ہو"اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ"ایسا آدمی دنیا میں رہتا تو ہے مگر دنیا والا نہیں ہوتا اللہ تعالٰی اس پر عمل کی توفیق دے۔

۴؎اس فرمان عالی میں عاجز سے مراد بے وقوف ہے کیس کا مقابل،نفس امارہ سے دبا ہوا یعنی وہ بے وقوف ہے جو کام کرے دوزخ کے اور امید کرے جنت کی،کہا کرے اللہ غفور و رحیم ہے،باجرہ بوئے اور امید کرے گیہوں کاٹنے کی،کہا کرے کہ اللہ غفور رحیم ہے کاٹتے وقت اسے گندم بنادے گا اس کا نام امید نہیں رب تعالٰی فرماتاہے:"مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیۡمِ"اور فرماتا ہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَجٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوۡنَ رَحْمَتَ اللہِ"۔جو بو

کر گندم کاٹنے کی آس لگانا شیطانی دھوکہ اور نفسانی وسوسہ ہے۔خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو جھوٹی امید نے سیدھی راہ نیک اعمال سے ہٹا دیا ہے جیسے جھوٹی بات گناہ ہے ایسے ہی جھوٹی آس بھی گناہ ہے کرو اور ڈرو۔(اشعہ،مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجلی فرمائی(تشریف لائے)۲؎ آپ کے سر پر پانی کا اثر تھا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حضور کو بہت خوش دل دیکھ رہے ہیں۳؎ فرمایا ہاں،راوی کہتے ہیں کہ پھر قوم امیری کے ذکر میں مشغول ہوگئی۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالداری میں حرج نہیں اس کے لیے جو اللہ سے ڈرے ۵؎ متقی کے لیے تندرستی امیری سے بہتر ہے۶؎ اور دل کی خوشی نعمتوں میں سے ہے ۷؎(احمد)

۱؎ یہ صاحب یسار ابن عبد ہیں جیساکہ حاکم اور ابن ماجہ میں ہے،چونکہ تمام صحابہ بحکم قرآن عادل ہیں کوئی صحابی فاسق نہیں اس لیے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں۔(مرقات)

۲؎ ایسے تشریف لائے جیسے سورج طلوع کرتا ہے کہ رات کو دن اندھیرے کو اجالا بنادیتا ہے،سوتوں کو جگا دینا طلع فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔

۳؎ یعنی حضور نے غسل کیا ہے جمال باکمال اور بھی نکھر گیا ہے،چہرہ انور پر خوشی کے آثار ہیں۔اللہ حضور کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے،رنج و غم کی ہوا بھی نہ لگائے کہ ان کی خوشی سے دنیا کی خوشی وابستہ ہے،ان کا جمال سب کی خوشی کا ذریعہ ہے۔

۴؎ کسی نے وجہ نہ پوچھی کہ اس خوشی کا سبب کیا ہے بلکہ اور گفتگو شروع ہوگئی اس میں مالداری کا ذکر بھی تھا کہ یہ اچھی ہے یا بری۔

۵؎ لاباس فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر مع صبر افضل ہے غنی مع شکر سے،یہ بہت بڑی بحث ہے یعنی غنی جب خوف خدا کے ساتھ ہو تواس میں حرج نہیں۔

۶؎ یعنی دنیا میں دل کا چین روح کا آرام اللہ کی بڑی نعمت ہے،رب فرماتاہے:"وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ"وہاں دو جنتوں سے مراد ہے دنیا کی جنت یعنی دل کا چین اور آخرت کی جنت اللہ رسول کا دیدار،مال کی خوشی اللہ کے ذکر والوں کے قرب سے نصیب ہوتی ہے۔

۷؎ کیونکہ مالداری کا انجام حساب بلکہ کبھی عقاب ہے جس سے فقراء دور ہیں۔

روایت ہے حضرت سفیان ثوری سے فرماتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں مال ناپسند تھا۱؎ لیکن آج مال مؤمن کی ڈھال ہے۲؎ اور فرمایا اگر یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بادشاہ ہم کو رومال بنالیتے۳؎ اور فرمایا کہ جس کے پاس کچھ دولت ہو تو وہ اسے سنبھالے۴؎ بڑھائے کیونکہ یہ زمانہ وہ ہے کہ اگر کوئی محتاج ہوجاوے تو پہلی جو چیز خرچ کرتا وہ اس کا دین ہے ۵؎ فرمایا کہ حلال مال میں فضول خرچی کی گنجائش نہیں ۶؎(شرح سنہ)	

۱؎ یعنی زمانہ رسالت میں زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش کرنا ناپسند تھا اس وقت لوگوں پر حال کا غلبہ تھا۔مال کے لیے بہت دوڑ دھوپ اس میں نقصان دہ ہوتی تھی،اس کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ مال حرام یا مکروہ یا ناپسند تھا،مال سے
زکوۃ،حج،قربانی،جہاد ہوتے ہیں۔اچھی چیزوں کا ذریعہ اچھا ہوتا ہے گویا اس زمانہ میں لوگوں کو زہد و قناعت مرغوب تھی۔

۲؎ یعنی اب اس زمانہ میں مال حلال بہت سے گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے کہ مؤمن کا اس کے ذریعہ چوری،حرام خوری،نام نمود،دکھاوا،محتاجی سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

۳؎ یعنی اگر میرے پاس دولت نہ ہوتی تو مجھے حکام رومال کی طرح استعمال کرتے کہ اپنی گندگی مجھ سے صاف کرتے،مجھے پیسوں کا لالچ دے کر غلط فتویٰ لیتے اور میرے فتووں سے اپنے ظلم جائز کرالیا کرتے،غریب مولوی کا علم امیروں کے پیسہ پر نچھاور ہوتاہے الا ماشاء اللہ۔مندیل بنا ہے ندل سے بمعنی میل،مندیل میل دور کرنے کا آلہ یعنی رومال،مالدار کا مولیٰ صرف اللہ تعالٰی ہے غریب کا مولیٰ ہر امیر ہے۔

۴؎ یعنی اپنے مال کو ضائع نہ ہونے دے اسے بڑھانے کی کوشش کرے،مال کی قدر کرے خصوصًا عالم دین کے لیے مال بہت ہی ضروری ہے کہ مالدار عالم کے وعظ میں تاثیر اور ہی ہوتی ہے۔

۵؎ دیکھ لو غریب مسلمانوں سے مال کے ذریعہ جھوٹی گواہیاں حرام پیسے بلکہ قتل و خون کرائے جاتے ہیں اور غریب علماء سے پیسہ کے ذریعہ غلط فتوے لکھوائے جاتے ہیں،غریب اماموں سے پیسہ دے کر ناجائز نکاح پڑھوائے جاتے ہیں،متھرا آگرہ کے علاقہ میں ہزار ہا غریب مسلمانوں کو پیسہ دے کر ہندو بنالیا گیا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

۶؎ یعنی حلال مال اس لائق نہیں کہ اسے فضول خرچی کرکے برباد کردیا جائے،اس کی قدرو منزلت کرنی چاہیے یا حلال مال میں فضول خرچی کی گنجائش نہیں وہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ اس میں فضول خرچی کی جائے۔اردو میں کہتے ہیں مال حرام بجائے حرام یا مال مفت دل بے رحم،یا یہ مطلب ہے کہ حلال روزی کو فضول خرچی سے اڑا کر دوسروں کا محتاج بن جانا حماقت ہے،اسے

سنبھالو تاکہ اوروں کے محتاج نہ بنو،قرآن کریم فرماتاہے:"لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوٰلَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا"اپنا مال ناسمجھ بچوں کو نہ دو اللہ نے مال کو تمہاری بقا کا ذریعہ بنایا ہےیا یہ مطلب ہے کہ حلال مال میں فضول خرچی بربادی نہیں واقع ہوتی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن پکارنے والا پکارے گا کہ ساٹھ سالہ لوگ کہاں ہیں ۱؎ یہ عمروہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالٰی فرماتا ہے کیا ہم نے تم کو اس قدر عمر نہ دی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑے ۲؎ اور آیا تمہارے پاس ڈرانے والا ۳؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی پہلے ساٹھ سالہ بوڑھے حاضر ہوں اپنی عمروں کا حساب دیں کہ انہوں نے اتنی دراز عمر کس کام میں خرچ کی۔

۲؎ کیونکہ انسانی عمر کے تین حصے ہوتے ہیں:بچپن،جوانی،بڑھاپا۔ساٹھ سالہ آدمی یہ تینوں حصہ پالیتا ہے،بچپن میں نہ سنبھلے تو جوانی میں سنبھل جائے،اگر جوانی میں نہ سنبھلے تو بڑھاپے میں ٹھیک ہو لیکن اگر بڑھاپے میں بھی نہ درست ہو تو پھر کب ہوگا اب تو صرف موت ہی باقی ہے لہذا بڈھا گنہگار کوئی عذر و معذرت نہیں کرسکتا۔

۳؎ ڈرانے والے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید یا بڑھاپا یا موت ہے،بوڑھے کے پاس یہ سارے ڈرانے والے پہنچ جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شداد سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ بنی عذرہ کے تین شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ مسلمان ہوگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں ہماری طرف سے کوئی سنبھالے گا ۲؎ جناب طلحہ بولے میں،تو وہ ان کے پاس رہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تو ان میں سے ایک اس لشکر میں گیا وہ شہید ہوگیا ۳؎ پھر اور لشکر بھیجا تو ان میں دوسرا گیا تو وہ شہید کردیا گیا پھر مرگیا تیسرا اپنے بستر پر ۴؎ راوی کہتے ہیں کہ جناب طلحہ نے فرمایا کہ میں نے ان تینوں کو جنت میں دیکھا ۵؎ اور اپنے بستر پر مرنے والے کو ان سب کے آگے دیکھا اور جو پیچھے شہید ہوا تھا اسے اس کے قریب دیکھا اور پہلے کو اس کے قریب دیکھا ۶؎ میرے دل میں اس سے کچھ آگیا ۷؎ تب پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو فرمایا کہ تم نے

	اس میں سے کس چیز پر تعجب کیا اللہ کے نزدیک اس مؤمن سے کوئی افضل نہیں جسے اسلام میں زیادہ عمر دی جاوے ۸؎ اس کی تسبیح اس کی تکبیر اس کے کلمہ کی وجہ سے ۹؎

۱؎ آپ تابعی ہیں،آپ کے والد شداد ابن اوس صحابی ہیں،حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خالہ ہیں،بڑے عالم متقی تھے، حضرت عمر،علی،معاذ ابن جبل،ابن عباس سے روایات لی ہیں رضی اللہ عنہ بلکہ اپنے والد،اپنی خالہ سے بھی روایات لی ہیں۔

۲؎ یعنی ان نو مسلم فقراء کا کھانا کپڑا وغیرہ ہمارے ذمہ ہے جو ہماری طرف سے ان کا خرچ برداشت کرے تاقیامت ہم جیسے فقیروں کا گزارہ حضور کے دروازے سے ہوتا رہے گا،دنیاوی وسیلے انہیں کے کرم کا مظہر ہیں۔

۳؎ یعنی یہ تینوں حضرات جناب ابو طلحہ کے مہمان دائمی رہے حتی کہ ایک جہاد میں ان تینوں میں سے ایک شخص شہید ہوگیا۔

۴؎ یہ تیسرے صاحب یا تو ان دو جہاد میں گئے ہی نہ تھے یا گئے تھے مگر شہید نہیں ہوئے تھے بعد میں بیماری سے اپنے بستر پر فوت ہوئے مگر تھے جہاد کے لیے بالکل تیار یعنی مرابط فی سبیل اللہ یہ قیود بہت خیال میں رہیں۔(مرقات)

۵؎ خواب میں دیکھا یا کشف سے۔(مرقات)یہ حدیث الہام اولیاء،کشف اولیاء کی دلیل ہے،بعض حضرات کشف قبور کرلیتے ہیں اس کا ماخذ بھی یہی ہوتا ہے۔

۶؎ یعنی انہیں جنت میں اس طرح دیکھا کہ تیسرے صاحب جو شہید نہ ہوئے تھے ان میں نمبر اول تھے،دوسرے شہید نمبر دوم ہیں اور پہلے شہید نمبر سوم ہیں یہ اولیت آخریت درجہ اور مرتبہ کی تھی کہ جیسا درجہ انہیں ملا تھا ویسا ہی انہوں نے دیکھا۔

۷؎ یعنی یہ ترتیب دیکھ کر مجھے ایسا سوال یا اشکال پیدا ہوا جس کو میں خود حل نہ کرسکا کہ غیر شہید تو نمبر اول اور شہداء اس کے ماتحت۔

۸؎ مقصد یہ ہے کہ دوسرے شہید کو پہلے شہید سے کچھ زیادہ عمر مل گئی اور تیسرے صاحب کو ان دونوں سے زیادہ عمر ملی،چونکہ انہیں ذکر اللہ،عبادت،اطاعت کا موقعہ زیادہ ملا اس لیے یہ دونوں اس پہلے شہید سے افضل ہوئے اور ان دونوں میں یہ تیسرے صاحب دوسرے شہید سے اعلیٰ ہوئے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ تیسرے صاحب بھی شہادت جہاد کے لیے تیار تھے اس لیے انہیں حکمی شہادت تو مل گئی ذکر اللہ میں بڑھ گئے لہذا ان کا درجہ زیادہ ہوگیا۔

۹؎ معلوم ہوا کہ مسلمان کی زندگی کا ہر دن بلکہ ہر ساعت اس کی نیکیاں بڑھ جانے کا ذریعہ ہے اللہ تعالٰی ایسی زندگی نصیب فرمائے۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن ابو عمیرہ سے ۱؎ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے تھے،حضور نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ اپنی پیدائش کے دن سے اپنے چہرے کے بل گر جاوے حتی کہ اللہ کی اطاعت میں بوڑھا ہوکر مرجاوے ۲؎ تو اس دن اس عبادت کو حقیر سمجھے گا ۳؎ اور تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹایا جاوے تاکہ اجروثواب اور زیادہ کرے ۴؎ دونوں

	حدیثیں احمد نے روایت کیں۔

۱؎ چونکہ محمد ابن ابو عمیرہ کی صحابیت مشہور نہ تھی اس لیے راوی نے یہ کہہ دیا کہ آپ حضور کے صحابی تھے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔(اشعہ)

۲؎ یہ فرضی صورت ہے جس سے بہت بڑا مسئلہ حل فرمایا گیا ہے یعنی فرض کرلو کہ کوئی شخص پیدا ہوتے ہی عبادت میں ایسے مشغول ہوجائے کہ کبھی کوئی کام نفس کے لیے نہ کرے اور اسی حال میں بوڑھا ہوکر مرجائے۔چہرے کے بل گر جانے کا مطلب ہے عبادات میں مشغول ہوجائے،ممکن ہے کہ اس سے سجدہ میں گرجانا مراد ہو بہرحال مطلب ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی یہی کہے گا کہ میں نے کچھ نہ کیا اور موقعہ ملتا تو اور کچھ کرلیتا۔

کچھ نہ کیا مگر چلا عمر کو مفت کھوچلا　　　عرض ہے تم سے یا شہا میری طرف کو دیکھنا

۴؎ یعنی عبادات،ریاضات کے لیے دنیا میں پھر بھیج دیا جاوے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ جسے رب تعالٰی بخش دے گا وہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا نہ کرے گا کہ وہاں مطلب یہ ہے کہ یہاں رہنے سہنے یہاں کے عیش کرنے کے لیے یہاں آنے کی تمنا نہ کرے گا یہ آرزو دوسرے مقصد کے لیے ہے۔

باب التوکل و الصبر

توکل اور صبر کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ توکل بنا ہے وکل سے یا وکول سے جس کے معنی ہیں اپنا کام دوسرے کے سپرد کردینا،اسی سے ہے وکیل۔اصطلاح میں توکل یہ ہے کہ اپنی عاجزی کا اظہار دوسرے پر بھروسہ کرنا،اسی سے ہے تکلان۔شریعت میں توکل کے معنی ہیں اپنے کام حوالہ بہ خدا کردینا۔توکل دو قسم کا ہے: توکل عوام،اسباب پر عمل کرکے نتیجہ خدا کے حوالے کردینا۔توکل خواص،اسباب چھوڑ کر مسبّب الاسباب پر نظر کرنا۔صبر کے معنی ہیں روکنا،شریعت میں صبر ہے مصیبت میں اپنے کو گھبراہٹ سے روکنا راضی بہ رضا رہنا۔صبر کی بہت قسمیں ہیں: عبادت پر صبر،گناہوں سے صبر،مصیبت میں صبر،یہ تینوں صبر بہت اچھے ہیں،یہاں تیسرے معنی کا صبر مراد ہے جیسا کہ آئندہ احادیث سے معلوم ہوگا۔یہ تیسری قسم کا صبر کئی طرح ہے عوام کا صبر اور ہے،خواص الخواص کا اور،خواص کا کچھ اور۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر جنتر نہیں کرتے۱ فال کے لیے چڑیاں نہیں اڑاتے۲ اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۳(مسلم،بخاری)	

۱ یعنی کفار کے چھوچھا سے بچتے ہیں ورنہ قرآنی آیات،دعاء ماثورہ سے دم کرنا سنت ہے بلکہ نامعلوم منتر پڑھنا ہی گناہ ہے جس کے معنی کی خبر نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ ان الفاظ کے شرکیہ معانی ہوں لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۲ اہل عرب جب کسی کام کو جاتے تو چڑیوں سے فال لیتے تھے کہ کوئی چڑیا دیکھتے تو اسے اڑاتے اگر داہنی طرف اڑ جاتی تو کہتے کہ ہمارا کام ہو جاوے گا،اگر بائیں طرف اڑتی تو کہتے کہ ہمارا کام نہ ہوگا واپس لوٹ آتے یہ حرام ہے۔

۳ توکل کے معانی ابھی عرض ہوئے۔یہاں شاید خواص کا توکل مراد ہے یعنی ترک اسباب اور نظر بر مسبّب الاسباب۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھ پر امتیں پیش کی گئیں ۱ تو نبی گزرنے لگے جن کے ساتھ صرف ایک شخص تھا کوئی نبی کہ ان کے ساتھ دو شخص تھے اور کوئی نبی کہ ان کے ساتھ جماعت تھی اور کوئی نبی کہ ان کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۲ پھر میں نے بڑی جماعت دیکھی جس نے کنارہ آسمان گھیر رکھے تھے میں نے امید کی کہ یہ میری امت ہو۳ تو مجھ سے	

فرمایا گیا کہ یہ موسیٰ ہی کی اپنی قوم ہے ۴؎ پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھئے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی جس نے کنارہ آسمان گھیرے ہوئے تھا پھر مجھ سے کہا گیا ادھر اور ادھر دیکھئے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی جس نے کنارے گھیرے ہوئے تھے ۵؎ کہا گیا یہ ہے آپ کی امت اور ان کے ساتھ ان کے آگے ستر ہزار وہ ہیں جو بلا حساب جنت میں جائیں گے ۶؎ وہ وہ ہیں جو نہ تو پرندے اڑاتے ہیں، نہ منتر جنتر کرتے ہیں اور نہ داغ لگاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ۷؎ حضرت عکاشہ ابن محصن کھڑے ہوگئے ۸؎ بولے حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے ان میں سے کرے، فرمایا الٰہی انہیں ان میں سے کردے ۹؎ پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا بولا دعا کیجئے اللہ مجھے ان میں سے کرے، فرمایا اس دعا میں تم پر عکاشہ سبقت لے گئے ۱۰؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہ پیشی یا تو میثاق کے دن ہوئی یا کسی خوابی معراج میں یا جسمانی معراج ہیں، تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جہاں اور چیزیں ملاحظہ فرمائیں وہاں ہی سارے نبی مع ان کی اپنی امتوں کے حال آنکھوں سے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے کوئی نبی اور ہر نبی کا کوئی امتی غائب نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا ہے۔

۲؎ یعنی بعض نبی دنیا میں بھی گزرے جن کی بات ایک شخص نے بھی نہیں مانی وہ ہمارے سامنے اکیلے ہی پیش ہوئے، بعض نبی وہ جن کی دعوت صرف ایک نے یا دو نے یا جماعت نے قبول کی وہ نبی ہمارے سامنے اسی طرح ایک دو یا زیادہ کے ساتھ پیش ہوئے۔ معلوم ہوا کہ امت سے مراد امت اجابت ہے۔

۳؎ یعنی اس جماعت کی یہ زیادتی دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ میری امت ہوگی کیونکہ میرا دن قیامت تک ہے اور ہر زمانہ میں لاکھوں آدمی مسلمان ہیں۔

۴؎ یعنی یہ امت آپ کی نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ہے جو ان پر ایمان لائے اور ایمان پر ہی مرے مرتد نہ ہوئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کے اندازہ میں غلطی ہوسکتی ہے تبلیغی احکام میں غلطی نہیں ہوسکتی ورنہ شریعت محفوظ نہ رہے گی، یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کو علم آہستگی سے دیا گیا۔ خیال رہے کہ یہ لوگ صرف سامنے ہی تھے مگر تھے بہت کہ تاحد نظر آدمی ہی آدمی تھے۔

۵؎ یعنی اس جماعت کی کثرت کا یہ حال تھا کہ آگے داہنے بائیں ہر طرف اس کثرت سے آدمی تھے کہ تاحد نظر آدمی ہی آدمی تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری امت کو ملاحظہ فرمایا حضور سے کوئی شخص پوشیدہ نہیں۔

۶؎ مع ھولاء میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اسی جماعت میں یہ لوگ بھی ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کے علاوہ ستر ہزار وہ بھی ہیں جو بغیر حساب جنتی ہیں، پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ ستر ہزار سے مراد بے شمار لوگ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ خاص تعداد ہی مراد ہو، یعنی ساری امت میں ستر ہزار بے حساب جنتی ہیں۔ اس دوسرے احتمال کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ فرمایا کہ ان ستر ہزار میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار ہوں گے، قرآن مجید میں ہے "یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ"۔ اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا حساب نہ ہوگا بعض لوگ حساب سے مستثنٰی بھی ہوں گے۔

۷؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ بے حساب جنتی وہ ہیں جو ان اعمال کی وجہ سے بے حساب بہشت میں جائیں گے،ان کے علاوہ اور بہت سی قسم کے لوگ بے حساب جنتی ہیں جیسے نابالغ فوت شدہ بچے،دیوانے صدیقین وغیرہ۔خیال رہے کہ یہاں حساب سے محشر کا حساب مراد ہے نہ کہ قبر کا حساب۔قبر کے حساب سے تو بہت سے لوگ مستثنٰی ہیں،قبر کے حساب سے آٹھ قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے حتی کہ جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہوا بلکہ جو روزانہ موت کو یاد کرلیا کرے وہ بھی حساب سے محفوظ ہے،قبر میں ایمان کا حساب ہے محشر میں اعمال کا حساب۔

۸؎ حضرت عکاشہ مشہور صحابی ہیں،بدر اور بعد بدر تمام غزوات میں شریک ہوئے،بدر میں آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور انور نے آپ کو کھجور کی چھڑی عنایت فرمائی جو آپ کے ہاتھ میں پہنچتے ہی تلوار بن گئی،حضور نے آپ کو جنت کی بشارت دی،۴۵ پینتالیس سال عمر پائی،خلافت صدیقی میں وفات ہوئی،آپ سے حضرت ابوہریرہ عبداللہ ابن عباس اور خود آپ کی بہن ام قیس بنت محصن نے روایات لی ہیں،آپ کا کھڑا ہونا عرض معروض کے لیے تھا۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنا سنت صحابی ہے۔

۹؎ بعض روایات میں ہے کہ فرمایا **انت منھم**،ہوسکتا ہے کہ دعا بھی دی ہو اور بشارت بھی۔اس دعا سے معلوم ہوا کہ حضرت عکاشہ اس جماعت میں حضور کی دعا کی برکت سے داخل ہوئے۔(مرقات)

۱۰؎ یہ دوسرے صاحب حضرت سعد ابن عبادہ تھے۔(اشعہ و مرقات)اسی جواب عالی سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے انجام سب کے مقام و درجات کی خبر ہے کہ ایک صاحب کے لیے دعا فرمائی خبر تھی کہ یہ ان میں سے ہیں دوسرے کے لیے خبر تھی یہ ان میں سے نہیں،اب جواب کا مطلب یہ نہیں کہ جنت میں اب کوئی سیٹ خالی نہیں رہی یا وہ جماعت پوری ہوچکی تم کیسے داخل ہوؤ گے،مطلب یہ ہی ہے کہ تم اس جماعت سے نہیں تمہارے لیے دعا کیسے کی جائے۔

روایت ہے حضرت صہیب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب ہے مرد مسلمان پر کہ اس کے سارے کام خیر ہیں ۲؎ یہ بات کسی کو حاصل نہیں ہوتی سواء مرد مؤمن کے کہ اگر اسے راحت پہنچے تو شکر کرے تو اس کے لیے راحت خیر ہو اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرے تو صبر اس کے لیے بہتر ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ آپ صہیب ابن سنان ہیں،حضرت عبداللہ ابن جدعان کے آزاد کردہ،آپ کی کنیت ابو یحیٰی ہے،اصلی باشندے موصل کے ہیں مگر رومیوں نے آپ کو قید کرکے روم پہنچا دیا،پھر مکہ معظمہ میں آپ فروخت ہو کر آئے،مکہ میں ہی ایمان لائے،اللہ کی راہ میں بہت ستائے گئے،آپ کے متعلق یہ آیت اتری "وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللہِ" نوے سال کی عمر ہوئی، ۸۰ھ میں وفات پائی،جنت البقیع میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ یعنی مؤمن کے لیے دنیا میں خیر بھی خیر ہے،شر بھی خیر،راحت و آرام بھی خیر ہے،مصیبت و آلام بھی خیر،وہ ہر طرح نفع میں ہے۔

۳؎ یعنی مؤمن نعمتیں پاکر شاکر بن جاتا ہے اور مصیبتیں پاکر صابر بن جاتا ہے۔خیال رہے کہ شکر و صبر دونوں تین قسم کے ہوتے ہیں: دلی،قولی،عملی،یعنی جنانی،لسانی،ارکانی۔مالدار کا زکوۃ نکالنا عملی شکر ہے،یہ ہی حال صبر کا ہے۔حضرت عمر فرماتے ہیں کہ امیری،فقیری دو سواریاں ہیں مجھے پرواہ نہیں کہ کس سواری پر سوار ہوجاؤں۔(مرقات)

فقر و شاہی واردات مصطفٰی است

کافر فقیر ہو تو رب کی شکایتیں کرکے کافر رہتا ہے،امیر ہو تو فخر و تکبر کرکے اپنا کفر اور زیادہ کرلیتا ہے،مؤمن کا ہر حال اچھا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوی مسلمان کمزور مسلمان سے اچھا ہے اور اللہ کو پیارا ہے ا؎ بھلائی سب میں ہے ۲؎ اس پر حرص کرو جو تمہیں نفع دے اور اللہ سے مدد مانگو عاجز نہ ہو ۳؎ اور اگر تمہیں کچھ تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں وہ کام کرلیتا تو ایسا ہو جاتا ۴؎ لیکن کہو کہ اللہ نے یہ ہی مقدر کیا تھا جو اس نے چاہا کیا کیونکہ اگر مگر شیطان کام کھولتا ہے ۵؎ (مسلم)	

ا؎ یہاں قوی اور ضعیف سے بدن کا قوی ضعیف مراد ہے یعنی تندرستی وصحت اور مضبوط بدن والا مسلمان کمزور بیمار مسلمانوں سے زیادہ اچھا ہے کہ تندرست مسلمان نماز وروزہ حج بلکہ جہاد وغیرہ عبادات بے تکلف کرسکتا ہے لہذا مسلمان بیمار رہنے کی تمنا نہ کرے بیماری کا فورًا علاج کرکے تندرست ہوجائے۔ ممکن ہے کہ قوی وضعیف سے مراد دل کا قوی وضعیف ہو یعنی وہ مسلمان جو لوگوں میں رہ کر انکی سختی برداشت کرکے ان کو راہ راست پر لگائے وہ اس مسلمان سے اچھا ہے کہ کسی کی برداشت نہ کرسکے، گوشہ نشین ہوکر زندگی گزار دے اور ہوسکتا ہے کہ قوی وضعیف اعتقاد کا قوی وضعیف مراد ہو کہ وہ مؤمن جو ہر راحت وتکلیف کو جھیل جاوے، رب کے دروازے سے نہ ہٹے وہ اس مؤمن سے اچھا ہے جو اعتقاد کا کمزور ہو، ذرا سی خوشی یا رنج میں رب کے دروازے سے بھاگ جائے، بہر حال اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔

۲؎ یعنی مؤمن خواہ قوی ہو یا ضعیف دونوں میں خیر ہے ان میں سے کوئی شر نہیں، کافر شر بھی ہے شریر بھی مگر فرق مراتب ضروری ہے۔

۳؎ یعنی جو چیز تم کو دینی نفع دے اس میں قناعت نہ کرو، خوب حرص کرو، اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو مگر اپنی کوشش پر بھروسہ نہ کرو اللہ پر توکل کرو۔ خیال رہے کہ دنیاوی چیزوں میں قناعت اور صبر اچھا ہے مگر آخرت کی چیزوں میں حرص اور بے صبری اعلیٰ ہے، دین کے کسی درجہ پر پہنچ کر قناعت نہ کرلو آگے بڑھنے کی کوشش کرو، رب فرماتا ہے: "فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ"۔ ؎

حاجتے نیست مرا سیر ازیں آبحیات　　　　ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

حریص مال برا مگر حریص اعمال اچھا، رب تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا: "حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ"۔

۴؎ کیونکہ یہ کہنے میں دل کو رنج بھی بہت ہوتا ہے رب تعالٰی ناراض بھی ہوتا ہے اگر میں اپنا فلاں وقت فروخت کردیتا تو بڑا نفع ہوتا مگر میں نے غلطی کی کہ اب فروخت کیا ہائے بڑی غلطی کی یہ برا ہے لیکن دینی معاملات میں ایسی گفتگو اچھی یہاں دنیاوی نقصانات مراد ہیں۔

۵؎ یعنی اس اگر مگر سے انسان کا بھروسہ رب تعالٰی پر نہیں رہتا اپنے پر یا اسباب پر ہوجاتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں دنیا کے اگر مگر کا ذکر ہے، دینی کاموں میں اگر مگر اور افسوس وندامت اچھی چیز ہے، اگر میں اتنی زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارتا تو متقی ہوجاتا مگر میں نے گناہوں میں گزاری ہائے افسوس! یہ اگر مگر عبادت ہے اگر میں حضور کے زمانہ میں ہوتا تو حضور کے قدموں پر جان قربان کردیتا مگر میں اتنے عرصہ بعد پیدا ہوا ہائے افسوس یہ عبادت ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

جو ہم بھی وہاں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر اللہ پر جیسا چاہیے ویسا توکل کرو۱؎ تو تم کو ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر لوٹتے ہیں۲؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎حق توکل یہ ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالٰی کو ہی جانے،بعض نے فرمایا کہ کسب کرنا نتیجہ اللہ پر چھوڑنا حق توکل ہے،جسم کو کام میں لگائے دل کو اللہ سے وابستہ رکھے۔

۲؎ تجربہ بھی ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والے بھوکے نہیں مرتے۔کسی نے کیا خوب کہا شعر

رزق نہ رکھیں ساتھ میں پنچھی اور درویش　　　جن کا رب پر آسرا ان کو رزق ہمیش

خیال رہے کہ پرندے تلاش رزق کے لیے آشیانہ سے باہر ضرور جاتے ہیں،ہاں درختوں میں چلنے کی طاقت نہیں تو انہیں وہاں ہی کھڑے کھڑے کھاد پانی پہنچتا ہے،کوّے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے تو سفید ہوتا ہے،اس کے ماں باپ اس سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں،اللہ تعالٰی اس بچے کے منہ پر بھنگے جمع کردیتا ہے یہ بچہ انہیں کھا کر بڑا ہوتا ہے جب کالا پڑ جاتا ہے تب ماں باپ آتے ہیں۔(دیکھو مرقات)

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو نہیں ہے کوئی وہ چیز جو تم کو جنت سے نزدیک اور دوزخ سے دور کردے مگر میں نے تم کو اس کا حکم دے دیا اور نہیں ہے کوئی وہ چیز جو تمہیں آگ سے نزدیک اور جنت سے دور کردے مگر میں نے تمہیں اس سے منع کردیا۱؎اور روح الامین نے،ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں ڈالا۲؎ کہ کوئی جان نہ مرے گی حتی کہ اپنا رزق پورا کرے۳؎خیال رکھو کہ اللہ سے ڈرو تلاش رزق میں درمیانی راہ اختیار کرو۴؎ اور رزق میں دیر لگنا تم کو اس پر نہ اکسائے کہ تم اللہ کی نافرمانی سے رزق ڈھونڈو ۵؎کیونکہ اللہ کے پاس کی چیزیں اس کی فرماں برداری سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۶؎(شرح سنہ،بیہقی شعب الایمان) مگر بیہقی نے یہ عبارت روایت نہ کی انّ روح القدس۔	

۱؎یعنی تبلیغ مکمل کردی کوئی حکم چھپایا نہیں۔

۲؎روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یہ حدیث وحی خفی ہے۔

۳؎ رزق سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ کھانا پانی،ہوا،دھوپ،زمین پر چلنا وغیرہ سب ہی ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی دی ہوئی روزی ہیں۔بندہ کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی سانسیں،پانی غذا سب مقرر ہو جاتی ہیں۔جب بندہ اپنا طے شدہ حصہ استعمال کرلیتا ہے تب اسے موت آتی ہے۔دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ مرتے وقت تین چار دن تک بے ہوش پڑے رہتے ہیں صرف سانس لیتے رہتے ہیں،کچھ کھاتے پیتے نہیں کیونکہ ابھی ان کے حصے کی

ہوا میں کچھ سانسیں باقی ہوتی ہیں، اپنا پانی کھانا پورا استعمال کرچکتے ہیں وہ سانسیں پوری کرنے کے لیے اس طرح پڑے رہتے ہیں یہ ہے اس حدیث کا ظہور، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ" یہ ہے اس حدیث کی تائید۔

۴؎ یعنی حلال ذریعہ سے روزی کماؤ حرام ذریعوں سے بچو، حرام ذریعوں سے کمانا افراط ہے اور بالکل کمائی نہ کرنا بیکار بیٹھ رہنا تفریط درمیانی راہ یہ ہے۔

۵؎ یعنی اگر کبھی روزی کم ملے یا کچھ روز کے لیے نہ ملے تو چوری، جوا، رشوت، خیانت، غصب وغیرہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو حلال کام کیے جاؤ اس کی مہربانی سے امید رکھو ؎

گر زمیں رابہ آسماں روزی نہ دہندت زیادہ از روزی

۶؎ یعنی سب کی روزی اللہ کے ہی پاس ہے اگر تم نے اسے حرام ذریعہ سے حاصل کیا تو وہ حرام ہو کر تم تک پہنچی رب بھی ناراض ہوا مگر ملا وہ ہی جو تمہارا حصہ تھا اور اگر حلال ذریعہ سے حاصل کیا تو وہ حلال ہو کر تمہارے پاس پہنچا اللہ تعالٰی بھی راضی ہو گیا ملا تمہارا حصہ ہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرام روزی بھی اللہ کا رزق ہے، نیز اس میں قاعدہ بتایا گیا کہ کسی سے کچھ لینا ہو تو اسے راضی کرکے لو، اللہ سے سب کچھ لینا ہے تو اسے ہمیشہ خوش کرنے کی کوشش کرو۔ یہاں **ما عند الله** سے مراد وہ روزی ہے جو ہم تک حلال راستہ سے پہنچے، بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنت ہے۔ واللہ اعلم! (اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دنیا میں زہد و تقویٰ نہ تو حلال کو حرام کرلینے سے ہے۱؎ اور نہ مال برباد کرنے سے ۲؎ لیکن دنیا میں زہد یہ ہے کہ اپنے قبضہ کی چیز پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ کر جو اللہ کے قبضہ میں ہے ۳؎ اور جب تو مصیبت میں گرفتار ہو تو مصیبت کے ثواب میں زیادہ راغب ہو اگر وہ تجھ پر باقی رکھی جاوے ۴؎ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب اور عمرو ابن واقد راوی منکر الحدیث ہے۔

۱؎ بعض جھوٹے پیروں فقیروں کو دیکھا گیا کہ وہ گوشت اور دوسرے اعلیٰ کھانے نہیں کھاتے ہمیشہ موٹا کھاتے موٹا پہنتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی جھوٹ غیبت، بھنگ چرس، ترک نماز میں مبتلا رہتے ہیں اور اسے فقیری بلکہ اولیائی سمجھتے ہیں وہ لوگ اس فرمان عالی کے مظہر ہیں، یہ لوگ پیر نہیں شیاطین ہیں کہ حرام چیز چھوڑتے نہیں حلال سے محروم ہو جاتے ہیں، فقیری کے لیے بھی علم شریعت کی ضرورت ہے۔

۲؎ مال برباد کرنے کی چند صورتیں ہیں اور وہ سب حرام ہیں: (۱) ناجائز جگہ خرچ کرنا (۲) بلاوجہ مال لٹا دینا (۳) بال بچے ہوتے ہوئے لوگوں میں مال بانٹ دینا (۴) سارا مال خیرات کرکے اپنے اور اپنی اولاد کو بھکاری فقیر بنا دینا۔ ہاں حضرت ابوبکر صدیق اور انکے بال بچوں کی طرح جو صابر شاکر متوکل ہو وہ سب خیرات کرے ورنہ آج خیرات کرکے کل بھیک مانگے گا یہ حرام ہے۔

۳؎ یعنی تو متقی جب بنے گا جب تیرے دو اعتقاد ہو جاویں: ایک یہ کہ جو چیز تیرے ملک تیرے قبضہ میں ہے اگر اللہ نہ چاہے تو تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ دوسرے یہ کہ جو چیز نہ تیری ملک ہو نہ تیرے قبضہ میں مگر رب تعالٰی چاہے کہ تو اس سے نفع اٹھائے تو عنقریب وہ چیز تیرے پاس پہنچے گی اور تو اس سے نفع اٹھائے گا۔ غرضکہ تیرا توکل اللہ پر ہو اپنے پر یا اپنی ملک پر یا اپنے قبضہ پر نہ ہو، یہ توکل انسان کو سچا بندہ بنا دیتا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے

کہ خود اپنے گھر میں پکا ہوا کھانا نصیب نہیں ہوا اور جہاں کا خیال بھی نہ ہو وہاں کھانا مل جاتا ہے خود فقیر نے آزمایا ہے یہ واقعات اس فرمان عالی کی شرح ہیں۔

۴؎ یعنی نیز متقی ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ اگر تجھ پر کوئی آفت آجائے اور تیرا دل چاہے کہ یہ آفت جلد ٹل جاوے پھر تجھے خیال آجائے کہ یہ مصیبت ثواب کا ذریعہ ہے تو تمہارے دل میں اس کی رغبت واقع ہو جانے کی رغبت سے زیادہ ہو، یہاں رغبت کا ذکر ہے دعا کا ذکر نہیں۔ مصیبت کی دعا کرنا ممنوع ہے مگر اس کے ثواب کی رغبت کرنا اچھا ہے، جب مصیبت آپڑے تو اس کی تکلیف پر نہ ہو اس کے ثواب پر نظر ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا ۱؎ تو فرمایا اے لڑکے حقوق الٰہی کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا ۲؎ تو اسے اپنے سامنے پائے گا ۳؎ اور جب مانگو تو اللہ سے مانگو جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو ۴؎ اور یقین رکھو کہ اگر پوری امت اس پر متفق ہو جائے کہ تم کو نفع پہنچائے تو وہ تم کو کچھ نفع نہیں پہنچاسکتی مگر اس چیز کا جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ۵؎ اور اگر اس پر متفق ہو جاویں کہ تمہیں کچھ نقصان پہنچادیں تو ہر گز نقصان نہیں پہنچاسکتے مگر اس چیز سے جو اللہ نے لکھی ۶؎ قلم اٹھ چکے دفتر خشک ہو چکے ۷؎ (احمد، ترمذی)	

۱؎ یعنی میں حضور کے ساتھ ایک سواری پر سوار تھا بہت ہی قریب سے میں نے یہ فرمان عالی سنا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت ابن عباس کی اکثر روایتیں ارسالاً ہوتی ہیں کہ صحابی واسطہ ہوتا ہے جسے آپ اکثر بیان نہیں کرتے یہ روایت اتصالاً ہے۔ (مرقات) آپ کی پیدائش ہجرت سے تین سال پہلے ہے، حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی مگر اس امت کے بڑے عالم تھے، آپ نے دوبارہ جبریل کو دیکھا، آخری عمر شریف میں نابینا ہوگئے تھے، طائف میں قیام رہا، ۶۸ھ میں وفات پائی، اکہتر سال عمر پائی۔ (مرقات)

۲؎ یعنی تم دنیا میں اپنے ہر کام ہر چیز میں احکام الٰہیہ کا لحاظ رکھو، جائز کام کرو ناجائز سے بچو، اللہ کی رضا کے کام کرو ناراضی کے کاموں سے بچو تو اللہ تعالٰی تم کو دینی و دنیاوی آفتوں سے بچائے گا۔

۳؎ یعنی ہر مصیبت میں رب تعالٰی کی رحمت تمہارے دل پر وارد ہو گی جس کے اثر سے تمہارے دل پر غم طاری نہ ہوگا۔

۴؎ یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز، اعلٰی ادنی مدد اللہ تعالٰی سے مانگو، یہ خیال نہ کرو کہ اتنے بڑے دربار میں ایسی ادنی چیز کیوں مانگو، دوسرے کریم مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں اللہ تعالٰی نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ مجازی طور پر بادشاہ، حاکم، اولیاء، حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنا خدا تعالٰی سے ہی مانگنا ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالٰی کے خدام اللہ کے حکم سے اللہ کی نعمت دیتے ہیں، ان سے مانگنا بالواسطہ رب سے ہی مانگنا ہے لہٰذا یہ حدیث ان قرآنی آیات اور احادیث کے خلاف نہیں جن میں بندوں سے مانگنے کا ذکر یا حکم ہے۔

۵؎ یعنی ساری دنیا مل کر تم کو نفع نہیں پہنچاسکتی اگر کچھ پہنچائے گی تو وہ ہی جو تمہارے مقدر میں لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کا لکھا ہوا نفع دنیا پہنچاسکتی ہے۔ طبیب کی دوا شفا دے سکتی ہے، سانپ کا زہر جان لے سکتا ہے مگر یہ اللہ تعالٰی کا طے شدہ اس کی طرف سے، حضرت یوسف کی قمیص نے دیدۂ یعقوبی کو شفا بخشی، حضرت عیسٰی مردے زندہ، بیمار اچھے کرتے تھے مگر اللہ کے اذن سے۔

۶؎ لکھنے سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہے اگرچہ وہ تحریر قلم نے کی مگر چونکہ اللہ کے حکم سے کی تھی اس لیے کہا گیا کہ اللہ نے لکھا۔مطلب ظاہر ہے کہ اگر سارا جہاں مل کر تمہیں کوئی نقصان دے تو وہ بھی طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہوگا کہ لوح محفوظ میں یوں ہی لکھا جاچکا تھا۔خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی نافع،حقیقی ضار اللہ تعالٰی ہی ہے دنیا اس کی مظہر ہے۔شعر

گرچہ تیر از کماں ہمی گزرد　　　از کماں دار بیند اہل خرد

۷؎ یعنی تا قیامت جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب سے پہلے ہی لکھا جاچکا ہے بار بار ہر واقعہ کی تحریر نہیں ہوتی۔ہم مسئلہ تقدیر میں عرض کرچکے ہیں تقدیر تین قسم کی ہے: مبرم،معلق اور معلق مشابہ مبرم۔تقدیر مبرم میں ترمیم تبدیلی ناممکن ہے مگر تقدیر معلق میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے،تقدیر مبرم علم الٰہی سے اور معلق لوح محفوظ کی تحریر،اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:"یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الْکِتٰبِ"۔خیال رہے کہ تدبیر بھی تقدیر میں آچکی ہے لہذا تدبیر سے غافل نہ رہو مگر اس پر اعتماد نہ کرو نظر اللہ کی قدرت و رحمت پر رکھو۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ انسان کی نیک بختی سے ہے اس کا اللہ کے فیصلہ سے راضی ہونا ۱؎ اور انسان کی بدبختی اس کا اللہ سے خیر مانگنا چھوڑ دینا ہے ۲؎ انسان کی بدبختی سے ہے کہ اس کا اپنے متعلق اللہ کے فیصلہ سے ناراض ہونا ہے ۳؎(احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یعنی سعادت،شقاوت ایک غیبی چیز ہے مگر ان دونوں کی علامات ہیں جو بندہ اللہ تعالٰی کی رضا پر راضی اس کی قضا پر سر جھکائے رہے سمجھ لو کہ ان شاء اللہ یہ سعید ہے،اس کا خاتمہ اچھا ہونے والا ہے اس کے برعکس ہو تو علامت بدبختی کی ہے۔

۲؎ حضرت انس نے مرفوعًا روایت فرمایا کہ جو استخارہ کرے گا نقصان نہ اٹھائے گا،جو مشورہ کرے گا وہ شرمندہ نہ ہوگا،جو درمیانی خرچ رکھے گا وہ فقیر نہ ہوگا۔(طبرانی،مرقات)بعض علماء فرماتے ہیں کہ چار شخص چار نعمتوں سے محروم نہ ہوں گے: شکر گزار بندہ زیادتی نعمت سے محروم نہیں ہوتا،توبہ کرنے والا بندہ قبولیت سے،استخارہ کرنے والا خیر سے،مشورہ کرنے والا درستی سے محروم نہیں۔

۳؎ یعنی جو اللہ کے حکم سے ناراض ہے اس کی شکایتیں کرتا رہے وہ بدنصیب ہے۔خیال رہے کہ مصیبتوں کو دفع کرنے کے لیے تدبیریں کرنا برا نہیں بلکہ اس کا حکم ہے،رب کے فیصلے سے ناراض ہوکر اس کی شان میں بکواس کرنا برا ہے جیسا کہ بعض جاہلوں کا طریقہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا ۱؎ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم واپس ہوئے تو وہ بھی حضور کے ساتھ واپس ہوئے ایک بہت خاردار درختوں والے جنگل میں انہیں دوپہری آئی ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اترے اور لوگ درختوں سے سایہ لینے کے لیے الگ الگ ہوگئے رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک خار دار درخت کے نیچے اترے اس سے اپنی تلوار لٹکادی ہم کچھ سوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو پکارنے لگے ۳؎ آپ کے پاس ایک دیہاتی تھا تو فرمایا کہ اس شخص نے مجھ پر میری تلوار سونت لی میں سورہا تھا میں جاگا تو تلوار اس کے ہاتھ میں پڑی تھی ۴؎ بولا مجھ سے آپ کو کون بچائے گا تو میں نے تین بار کہا اللہ ۵؎ حضور نے اس سے بدلہ نہ لیا وہ بیٹھ گیا ۶؎ (مسلم، بخاری) ابو بکر اسماعیل کی صحیح روایت میں یوں ہے کہ وہ بولا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی ۷؎ تو تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی پھر فرمایا تجھے مجھ سے کون بچائے گا وہ بولا آپ بہترین پکڑ فرمانے والے ہو ۸؎ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں وہ بولا نہیں لیکن میں آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ نہ آپ سے جنگ کروں گا اور نہ آپ سے لڑنے والی قوم کے ساتھ رہوں گا ۹؎ تو حضور نے اس کا راستہ چھوڑ دیا ۱۰؎ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا بولا میں تمہارے لوگوں میں سب سے بہترین کے پاس سے آرہا ہوں ۱۱؎ کتاب حمیدی اور ریاض میں یوں ہی ہے۔

۱؎ نجد کے لفظی معنی ہیں اونچی زمین، اصطلاح میں عرب کے ایک مشہور صوبہ کا نام نجد ہے۔ عرب کے پانچ صوبے ہیں: حجاز، عراق، بحرین، نجد، یمن۔ چونکہ نجد کی زمین حجاز سے اونچی ہے اس لیے اسے نجد کہتے ہیں، وسیع راستہ کو نجد کہا جاتا ہے، رب فرماتا ہے: "وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" نجد کا علاقہ تہامہ اور عراق کے درمیان ہے۔ (اشعہ، مرقات)

۲؎ یعنی واپسی میں ایک دن ایسے جنگل میں ان صحابہ کو دوپہری کا آرام کرنا پڑا جہاں خار دار درخت بہت تھے، حسب معمول صحابہ کرام اس جنگل میں الگ ٹھہر گئے اور ایک گھنا درخت جس کا سایہ زیادہ تھا حضور انور کے آرام کے لیے چھوڑ دیا جہاں حضور نے تنہا آرام کیا ان حضرات کا پہلے سے ہی یہ ہی دستور تھا۔

۳؎ یعنی آج خلاف معمول وقت سے پہلے ہی حضور انور بیدار ہوگئے اور ہم کو بھی آواز دے کر جگایا اپنے پاس بلایا۔

۴؎ اس بدوی کا نام معلوم نہ ہوسکا غالبًا یہ عرصہ سے اسی موقعہ کی تاک میں تھا جو اس نے آج پایا تھا اور اس نے اس موقعہ سے اپنا خیال میں پورا فائدہ اٹھایا۔

۵؎ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل خاص اور مخلوق سے بے خوفی کہ ایسے نازک موقعہ پر بھی دل میں گھبراہٹ نہ آئی نہایت سکون سے یہ جواب دیا، اس توکل کا نتیجہ وہ ہوا جو یہاں مذکور ہے، اللہ تعالٰی اپنے بندوں کا حافظ و ناصر ہوتا ہے۔

۶؎ وہ شخص یہ اخلاص کریمانہ دیکھ کر گرویدہ ہوگیا اور بیٹھ گیا ورنہ حضور نے اسے بیٹھنے کو نہ فرمایا تھا۔

۷؎ حضور کے اس فرمان سے اس پر ہیبت طاری ہوگئی جس کے نتیجہ میں تلوار چھوٹ پڑی۔

اس کی باتوں کی لذت پہ دائم درود — اس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

۸؎ اخذ کے معنی ہیں پکڑ کرنے والا، بدلہ لینے والا یا تلوار پکڑنے والا یعنی آپ مجھے اس حرکت کا بہترین بدلہ دیجئے کہ خطا میں نے کرلی ہے عطا آپ کر دو، گناہ میں نے کرلیا معافی آپ دے دیجئے، جس لائق میں تھا وہ میں نے کرلیا جو آپ کی شان عالی کے لائق ہے وہ آپ کرو، پھل والے درخت کو پتھر مارتے ہیں تو وہ ان پر پھل گراتا ہے۔

۹؎ یعنی میں منافق نہیں ہوں کہ دل میں کفر رکھوں اور زبان سے کلمہ پڑھ دوں، ہاں اتنا وعدہ ہے کہ کبھی آپ سے مقابل نہ آؤں گا آپ کے سامنے میری آنکھ نہ اٹھے گی۔

۱۰؎ یعنی اس سے فرمایا جا تجھے اجازت ہے ہم تجھے معافی دیتے ہیں، حضور نے اسے اپنے دامن کرم میں بلایا تھا مگر وہ آیا نہیں۔

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ   تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اے میرے رب جب تیرے بندہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم خسروانہ عنایت شاہانہ کا یہ حال ہے تو مولیٰ تو توان کا رب ہے، **ارحم الراحمین** ہے، تیرے کرم و عفو و سخا کا کیا پوچھنا میرے مولیٰ انہیں رؤف رحیم محبوب کا صدقہ ہم مجرموں سے درگزر فرما معافی دے دے۔

مہ فشاند نور سگ عوعو کند   ہر کے بر طینت خود می کند

جب چاند چمکتا ہے تو کتا اس پر بھونکتا ہوا حملہ کرتا ہوا اچھلتا ہے تو چاند اس کے کھلے ہوئے منہ میں نور ڈال دیتا ہے، حضور چاند ہیں اس دشمن کو بھی ایمان دے رہے ہیں۔

۱۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بدن تو آزاد ہوگیا مگر دل مقید ہوگیا کیا تعجب ہے کہ بعد میں اسے ایمان بھی نصیب ہوگیا ہو۔ **واللہ ورسولہ اعلم!**

روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اسے اختیار کرلیں تو وہ انہیں کافی ہو ۱؎ کہ جو اللہ سے ڈرے گا ۲؎ تو اللہ اس کے لیے چھٹکارا بنادے گا اور بے گمان جگہ سے اسے روزی دے گا ۳؎ (احمد، ابن ماجہ، دارمی)	

۱؎ یعنی اگر اس آیت کریمہ پر تمام دنیا عمل کرے دین و دنیا کے رنج و غم سے اور فکروں سے آزاد ہوجاوے، یہ ایک آیت سب کے لیے کافی ہے۔

۲؎ یہاں تقویٰ سے مراد تقویٰ عامہ ہے یعنی اللہ رسول کے احکام پر عمل کرنا اور جن چیزوں سے انہوں نے منع فرمایا ہے ان سے بچے رہنا تقویٰ ہے، اللہ کی بڑی نعمت ہے جس پر اس کا کرم ہوتا ہے اسے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔

۳؎ اللہ تعالٰی نے اس آیت میں تقویٰ پر وعدے فرمائے ایک تو ہر مشکل و مصیبت سے نجات ملنا اور غیب سے روزی عطا ہونا۔ خیال رہے کہ مصیبت و بلا اور چیز ہے رب تعالٰی کا امتحان کچھ اور، مصیبت سے نجات ملنا چاہیے مگر امتحان میں کامیابی ہونی چاہیے۔ حضرت حسین امام المتقین ہے کربلا میں اللہ نے آپ کو ایسی کامیابی عطا فرمائی جس کی مثال نہیں۔ شعر

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے   اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

لہذا اس آیت کریمہ پر یہ اعتراض نہیں کہ جناب حسین یا امام احمد بن حنبل متقی تھے مگر ان سے مصیبت نہ ٹلی، وہ مصیبت نہ تھی آزمائش تھی۔ جو شخص اس آیت کریمہ کو ورد میں رکھے اسے دست غیب نصیب ہوجاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

اذا المرء امسی حلیف التقی   فلم یخشی من طارق حله

الم تسمع الله سبحانہ　　　　ومن یتق الله یجعل له

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھائی میں ہوں روزی رساں بڑی قوت والا۱ (ابوداؤد،ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ یہ قرأۃ شاذہ ہے،قرأۃ متواترہ یہ ہے "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ" متین کے معنی ہیں شدید،یہ شاذہ قرأت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے ۱؎ جن میں سے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تھا۲؎ اور دوسرا کوئی پیشہ کرتا تھا۳؎ تو کماؤ پیشہ والے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی ۴؎ تو فرمایا شاید تجھے اس کی برکت سے روزی مل رہی ہے ۵؎(ترمذی اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے)

۱؎ غالبًا سگے بھائی تھے جن کا کھانا پینا مشترک تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یہ شخص اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف کرچکا تھا حضور کے پاس علم دین سیکھنے آتا تھا۔یہ رسم آج تک چلی آرہی ہے کہ بعض لوگ اپنے کو علم دین کے لیے وقف کردیتے ہیں اور مسلمان ان کا خرچہ اٹھاتے ہیں،اصحاب صفہ بھی ایسے ہی لوگ تھے رضی اللہ عنہم۔

۳؎ مرقات نے فرمایا کہ وہ طالب علم غیر شادی شدہ تھا اور یہ کمانے والا بال بچوں والا تھا اس طالب علم کا خرچہ یہ کماؤ بھائی ہی اٹھاتا تھا۔معلوم ہوا کہ طالب علم کی خدمت کرنا خرچہ دینا بہت بڑی عبادت ہے۔

۴؎ اور عرض کیا حضور اس کو طلب علم سے منع فرمادیں اور اسے کمائی کرنے کا حکم دے دیں تاکہ یہ اپنی دنیا سنبھال لے اس کی شادی وغیرہ کا انتظام ہوسکے مجھ سے اس کا بوجھ اتر جائے۔

۵؎ یعنی تو اسے علم دین سیکھنے دے اس کا خرچہ تو برداشت کیے جا اللہ تعالٰی اس کا رزق تیرے دستر خوان پر بھیجے گا،تجھے برکتیں ہوں گی۔اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بعض لوگوں کا اپنے کو علم دین کے لیے وقف کردینا سنت صحابہ ہے۔عالم دین بننا فرض کفایہ ہے،بقدر ضرورت علم دین سیکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔دوسرے یہ کہ ان طالب علموں کا خرچ مسلمانوں کو اٹھانا چاہیے ان شاء اللہ اس میں بڑی برکت اور بڑا ثواب ہے۔تیسرے یہ کہ اپنے غریب قرابت داروں کی مدد کرنا بڑی برکت کا باعث ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ" اور جب ایک شخص غریب بھی ہو،قرابت دار بھی اور طالب علم بھی اس پر خرچہ کرنا نور علی نور ہے۔خیال رہے کہ حضور انور کا لعل فرمانا شک کے لیے نہیں،کریموں کی شاید بھی یقینی بلکہ حق الیقینی ہوتی ہے۔حدیث شریف میں ہے وھل ترزقون الا بضعفاءکم وہ حدیث اس فرمان عالی کی شرح ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسانی دل کی ہر جنگل میں ایک شاخ ہے ۱؎ تو جو اپنے

	دل کو ان تمام شاخوں کے پیچھے ڈال دے ۲؎ اللہ پرواہ نہیں کرے گا کہ کسی جنگل میں اسے ہلاک کردے ۳؎ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اسے گھاٹیوں سے بچائے گا ۴؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی انسان کا دل ایک ہے مگر اس کے لیے فکریں غم بہت ہیں روٹی کپڑا، مکان، بیماریوں میں علاج آپس کی مخالفتیں وغیرہ وغیرہ فکروں غموں کے جنگل ہیں جن سے ہر ایک کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔

۲؎ اس طرح کہ اپنے دل میں ہر فکر و غم کو جگہ دے دے آخرت کی فکروں سے نکل جاوے ہر فکر کے پیچھے بھاگا پھرے۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ ایسے دنیا دار کی طرف اللہ تعالٰی توجہ کرم نہ کرے گا، اسے ان غموں سے آزاد نہ کرے گا، مرتے وقت تک وہ انہیں میں گرفتار رہے گا، آخر اسی حال میں مرجائے گا، عام دنیاداروں کا یہ ہی حال دیکھا جاتا ہے، اللہ تعالٰی ایسی زندگی سے محفوظ رکھے، رب تعالٰی فرماتا ہے کہ دنیادار مالداروں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو کیونکہ "یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّعَذِّبَہُمۡ بِہَا فِی الدُّنۡیَا وَ تَزۡہَقَ اَنۡفُسُہُمۡ وَ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ"۔

۴؎ ایسے متوکل مؤمن پر رنج و غم اولًا آئیں گے نہیں اگر آئیں گے تو پانی کی طرح بہہ جائیں گے، اگر کچھ ٹھہر بھی گئے تو دل ان کا اثر نہیں لیتا دل اللہ کی یاد میں مخمور رہتا ہے۔

ترا درد مرا درماں ترا غم مری خوشی ہے — مجھے درد دینے والے تیری بندہ پروری ہے
اسے فتنہائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز — ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آگئی ہے

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں عظمت و جلالت والا رب فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش برسایا کروں ۱؎ اور دن میں دھوپ نکالا کروں ۲؎ اور انہیں گرج کی آواز بھی نہ سناؤں ۳؎ (احمد)

۱؎ اس طرح کہ انہیں بادل کی گرج بجلی کی کڑک و چمک کی خبر بھی نہ ہوا کرے کہ ان آوازوں میں کچھ نہ کچھ خوف ضرور ہوتا ہے، یہ فرمان عالی مثال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں کسی قسم کا خوف نہ دکھاؤں۔

۲؎ یعنی ہمیشہ دن میں دھوپ ہی نکالا کروں کبھی دن میں بارش نہ بھیجوں تاکہ انہیں آمدورفت کام کاج میں دشواری اور حرج نہ ہو۔

۳؎ نہ دن میں گرج کی آواز سناؤں نہ رات میں، دوسرے ڈر و خوف کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ غرضکہ ہر طرح انہیں آرام چین بے خوفی کی زندگی عطا کروں مگر بندوں کا حال یہ ہے کہ تھوڑا سا آرام پا کر سرکش ہوجاتے ہیں اگر اتنا آرام ملے تو ان کا کیا حال ہو اس لیے دنیا میں مصیبتیں تکلیفیں آتی رہتی ہیں، یہ تکلیف مصیبتیں ہم کو بندہ بنا کر رکھتی ہیں، فرعون نے آرام پا کر دعوٰی خدائی کیا ڈوبنے لگا تو بندہ بنا۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس گیا ۱؎ جب ان کی محتاجی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا ۲؎ جب اس کی بیوی نے یہ دیکھا تو وہ چکی کی طرف اٹھی اسے رکھا ۳؎ اور تنور کی طرف گئی اسے جھونک دیا ۴؎ پھر بولی الٰہی ہمیں روزی دے ۵؎ تو پیالہ بھر گیا ۶؎ راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت تنور کی طرف گئی تو اسے بھرا ہوا پایا ۷؎ فرماتے ہیں کہ پھر خاوند لوٹا بولا کیا تم نے میرے پیچھے کچھ پایا ۸؎ اس کی

	بیوی نے کہا کہ ہاں اپنے رب کی طرف سے اور وہ شخص چکی طرف اٹھا۹ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۱۰ تو فرمایا کہ یقینًا اگر وہ شخص اسے نہ اٹھاتا تو چکی قیامت تک گھومتی رہتی۱۱(احمد)

۱؎ یہ واقعہ ایک صحابی کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا یہ حضور کا معجزہ تھا۔ان صحابی کی بلکہ ان کے سارے گھر والوں کی کرامت سارے صحابی ولی ہیں اور ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتی ہے،ان صحابی کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۲؎ اپنی تنگ دستی کی وجہ سے بال بچوں سے شرما گیا اور جنگل میں چلا گیا کیونکہ اسے شہر میں مزدوری نہ ملی یا وہ مزدوری کرنہ سکتا تھا یا تلاش روزی کے لیے جنگل گیا۔(اشعہ)

۳؎ یعنی جب اس کی بیوی نے اپنے خاوند کی تنگ دستی اور شرمندگی دیکھی تو اس نے چکی کے اوپر کا پاٹ نیچے والے پاٹ پر رکھ دیا۔دیہات کی عورتیں جب کچھ پیسنا چاہتی ہیں تب چکی کا اوپر کا پاٹ رکھتی ہیں ورنہ یہ پاٹ الگ کھڑا کردیا جاتا ہے۔گھر میں تو ایک دانہ نہ تھا مگر اپنی غریبی چھپانے اللہ پر توکل کرنے کی بنا پر یہ کام کیا تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ گھر میں دانہ ہے جو پیسا جائے گا۔

۴؎ تنور اس لیے جھونکا تاکہ پڑوسی دھواں دیکھ کر سمجھیں کہ ان کے ہاں روٹی پک رہی ہے،ان کا فقر کسی پر ظاہر نہ ہو بندے کی یہ ادا رب کو بہت پیاری ہے۔

۵؎ اس دعا کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ابھی روزی دے دے تاکہ ہمارے عیب چھپے رہیں کسی کو ہماری غریبی کا پتہ نہ چل سکے ہماری یہ تدبیر کارگر ہوجائے یا یہ ہے کہ خداوند آج تو ہم جھوٹ موٹ کے لیے تنور جھونک رہے ہیں ہمیں روزی دے کہ سچا تنور جھونکا کریں،پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

۶؎ عربی میں **جفنة** بڑے پیالہ کو کہتے ہیں یہاں اس سے چکی کا گھیرا مراد ہے جو چکی کے نچلے پاٹ کے آس پاس ہوتا ہے جس میں آٹا جمع ہوتا ہے،اردو میں اسے گھیرا کہتے ہیں،پنجابی میں گنڈ۔

۷؎ **سبحان اللہ!** ادھر چکی کا گھیرا غیبی آٹے سے بھرا اور تنور غیبی روٹیوں سے،یہ ہے توکل حقیقی اور اللہ کی یاد کی برکت۔حضرت مریم کو غیبی روزی ملی تھی،حضور کے صحابہ کو غیبی آٹا غیبی روٹیاں بعض موقعوں پر غیبی پانی عطا ہوئے۔

۸؎ یعنی تم نے یہ آٹا روٹیاں قرض منگالی ہیں یا قدرت نے دی ہیں،ممکن ہے کہ اسے جنگل میں اس کی اطلاع دے دی گئی ہو دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کہ اس نے یہ نہ پوچھا کہ یہ رزق کہاں سے آیا بلکہ یہ پوچھا کہ تم کو کچھ ملا یا نہیں،مرقات نے پہلے معنی بیان فرمائے۔

۹؎ یعنی اس نے تنور کا نظارہ دیکھ کر چکی کا نظارہ کیا وہاں آٹا دیکھ کر چکی کا اوپری پاٹ اٹھا کر ہٹا کر اور جگہ کھڑا کردیا۔(مرقات،اشعہ)

۱۰؎ یا تو خود اس شخص نے ہی حاضر ہوکر عرض کیا یا کسی اور شخص نے کہا جو اس واقعہ پر مطلع تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ کسی صحابی کا ہے۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چکی چلی تھی اور آٹا پس کر اس سے نکلا تھا اور گھیرے میں جمع ہوا تھا اور جب اس شخص نے دیکھا تب بھی چکی چل رہی تھی اگر وہ چلتی رہتی تو قیامت تک لوگ اس کا آٹا کھاتے رہتے عجیب نظارہ ہوتا۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزی بندے کو ایسی ڈھونڈھتی ہے جیسے اسے اس کی موت ڈھونڈتی ہے ۱؎(ابونعیم حلیہ)

۱؎ بلکہ رزق کی تلاش موت کی تلاش سے زیادہ قوی ہے کیونکہ موت عمر ختم ہو جانے پوری روزی کھالینے کے بعد آتی ہے مگر رزق ہر وقت آتا رہتا ہے،رب فرماتا ہے: "ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ"۔(مرقات) مقصد یہ ہے کہ موت کو تم تلاش کرو یا نہ کرو۔بہرحال تمہیں پہنچے گی،یوں ہی تم رزق تلاش کرو یا نہ کرو ضرور پہنچے گا،ہاں رزق کی تلاش سنت ہے موت کی تلاش ممنوع مگر ہیں دونوں یقینی۔برادران یوسف علیہ السلام رزق کی تلاش میں مصر گئے گے ہوئے یوسف کو پالیا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں ۱؎ کہ آپ نبیوں میں سے ایک نبی کی حکایت فرمارہے ہیں جنہیں ان کی قوم نے مارا ۲؎ تو انہیں خونا خون کردیا وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے تھے ۳؎ اور کہتے تھے الٰہی میری قوم کو بخش دے کہ یہ جانتے نہیں ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ ہے تصور رسول حضرات صحابہ کرام حضور کی اداؤں کے تصور میں رہتے تھے ؎

تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا

۲؎ نبی سے مراد یا نوح علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے بڑی مصیبت اٹھاتے تھے حتی کہ کئی کئی دن بے ہوش رہتے تھے،ہوش آنے پر پھر جاتے، تبلیغ فرماتے یا خود حضور کی ذات ہے،یہ واقعہ طائف کی تبلیغ اور احد شریف کے جہاد کا ہے کہ حضور انور ان ظالم کفار کو دعائیں دیتے جاتے تھے،چہرہ پاک سے خون صاف کرتے جاتے تھے۔(اشعہ)

۳؎ تاکہ خون آنکھوں یا منہ میں نہ پڑے یا زمین پر نہ گرے،زمیں پر گرنے سے عذاب الٰہی آجانے کا اندیشہ تھا۔

۴؎ بخش دے کے معنی یہ ہیں کہ تو انہیں ایمان کی توفیق دے عذاب نہ دے،ورنہ کفار کے لیے بخشش کی دعا بحکم قرآن ممنوع ہے۔نہ جانتے کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں اگر پہچانتے ہوتے تو یہ حرکت نہ کرتے۔معلوم ہوا کہ جاہل کا گناہ ہلکا ہوتا ہے عالم کے گناہ سے۔

باب الریاء و السمعۃ

دکھلاوے اور شہرت کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ ریا بناہے رؤیۃ سے بمعنی دیکھنادکھانا،ریا بمعنی دکھانا،**سمعۃ** بناہے **سمع** سے بمعنی سنناسنانا یہاں بمعنی سناناہے۔اصطلاح شریعت میں ریا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان لوگوں کو دکھانے کے لیے عبادت کرے اور دکھانا اپنی بڑائی وشیخی کے لیے ہو۔ریا صرف عبادات میں ہے،اپنی مالداری، زور،نسب کا دکھاوا ریا نہیں بلکہ تکبر و غرور ہے،یوں ہی عبادت نہ کرنا مگر اس کا اظہار کرنا ریا نہیں بلکہ جھوٹ یا منافقت ہے جیسے کوئی روزہ رکھے نہیں مگر لوگوں کے سامنے روزہ دار بن کر آئے وہ ریاکار نہیں بلکہ جھوٹا ہے،یوں ہی اپنی عبادات لوگوں کو دکھانا تعلیم کے لیے یہ ریا نہیں بلکہ عملی تبلیغ و تعلیم ہے اس پر ثواب ہے۔مشائخ فرماتے ہیں صدیقین کی ریا مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے اس کا یہ ہی مطلب ہے۔ریا کے بہت درجے ہیں ہر درجے کا حکم علیحدہ ہے،بعض ریا شرک اصغر ہیں،بعض ریا حرام،بعض ریا مکروہ،بعض ثواب۔مگر جب ریا مطلقًا بولی جاتی ہے تو اس سے ممنوع ریا مراد ہوتی ہے۔خیال رہے کہ ریا سے عبادت ناجائز نہیں ہوجاتی بلکہ نامقبول ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے،اگر ریاکار آخر میں ریا سے توبہ کرے تو اس پر ریا کی عبادت کی قضا واجب نہیں بلکہ اس توبہ کی برکت سے گزشتہ نامقبول ریا کی عبادات بھی قبول ہوجائیں گی،مطلقًا ریا سے خالی ہونا بہت مشکل ہے۔کوئی شخص ریا کے اندیشہ سے عبادات نہ چھوڑے بلکہ ریا سے بچنے کی دعا کرے۔ریا کی بحث علم کلام اور کتب تصوف میں خصوصًا احیاء العلوم میں ملاحظہ کرو۔**سمعہ** یعنی شہرت میں بھی یہی گفتگو ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی تمہاری صرف صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا ۱ لیکن وہ تمہارے دلوں تمہارے عملوں کو بھی دیکھتا ہے ۲(مسلم)

۱ یعنی تمہاری اچھی صورتیں جب سیرت سے خالی ہوں ظاہر باطن سے خالی ہوں،مال خیرات و صدقات سے خالی ہوں تو رب تعالٰی اسے نظر رحمت سے نہیں دیکھتا۔اے مسلمانوں صورت بھی اچھی بناؤ سیرت بھی اچھی لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں اعمال اچھے کرو اور صورت بھگوان داس کی سی بناؤ،یا مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی فقط صورت نہیں دیکھتا سیرت بھی دیکھتا ہے۔

۲ اس حدیث میں دیکھنے سے مراد کرم و محبت سے دیکھنا ہے،مطلب وہ ہی ہے کہ تمہارے دلوں عملوں کو بھی دیکھتا ہے۔خیال رہے کہ کوئی شریف آدمی گندے برتن میں اچھا کھانا نہیں کھاتا،رب تعالٰی صورت بگاڑنے والوں کے اچھے اعمال سے بھی خوش نہیں ہوتا **من تشبه بقوم فهو منهم**۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں تمام شریکوں سے شرک سے بے نیاز ہوں ۱ جو کوئی کوئی عمل کرے جس میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک

	کرے تو میں اسے اس کے شرک کے ساتھ چھوڑوں گا۲ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس سے بری ہوں وہ اس کے لیے ہے جس کے لیے عمل کرے۳ (مسلم)

۱؎ یعنی دنیا والے اپنے حصہ داروں شریکوں سے راضی وخوش ہوتے ہیں کیونکہ وہ اکیلے اپنا کام نہیں کرسکتے مگر میں شریکوں سے پاک بے نیاز ہوں مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں۔شرکاء سے مراد دنیا کے شریک ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے حصہ دار ہوتے ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن مشرکین سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم لوگوں نے جن چیزوں کو میرا شریک ٹھہرایا ہے میں ان سے بے نیاز بھی ہوں بے زار بھی،بے نیاز کو شریک کی کیا ضرورت ہے۔

۲؎ یعنی جو شخص میری عبادات میں میرے ساتھ میرے بندوں کو بھی راضی کرنا چاہے خالص میرے لیے عبادت نہ کرے تو میں اس پر نظر کرم نہ کروں گا،اس سے فرماؤں گا کہ جاؤ انہیں سے ثواب لو جنہیں راضی کرنے کی تم نے نیت کی تھی۔حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادت میں جنت حاصل کرنے،دوزخ سے بچنے کی نیت کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے،اللہ کے بندے بنو جنت یا دوزخ کے بندے نہ بنو،اگر اللہ تعالٰی جنت دوزخ پیدا نہ کرتا تو کیا وہ عبادت کا مستحق نہ ہوتا۔

۳؎ یعنی جو شخص دوسروں کی رضا کے لیے ہی عبادت یا میری رضا کے لیے بھی کرے دوسروں کی رضا کے لیے بھی وہ عمل میرے لیے نہیں،انہیں دوسروں کے لیے ہے ان سے ہی ثواب لے۔خیال رہے کہ عبادات میں اللہ تعالٰی کے ساتھ اس کے رسول کی رضا کی نیت ریا نہیں بلکہ عبادت کا کمال ہے کہ حضور کی رضا اللہ کی رضاء ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ"یہاں اہلِ دنیا مراد ہیں چودھری امیر یا عوام۔

	روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سنانا چاہے گا اللہ اسے سنادے گا اور جو دکھانا چاہے گا اللہ اسے دکھادے گا۱ (مسلم)

۱؎ یعنی جو کوئی عبادات لوگوں کے دکھلاوے سنانے کے لیے کرے گا تو اللہ تعالٰی دنیا میں یا آخرت میں اس کے عمل لوگوں میں مشہور کردے گا مگر عزت کے ساتھ نہیں بلکہ ذلت کے ساتھ کہ لوگ اس کی عمل سن کر اس پر پھٹکار ہی کریں گے اس کی شرح ابھی کچھ آگے آرہی ہے۔ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے صدقات خیرات شہرت کے لیے اخباروں میں دیواروں پر لکھواتے ہیں،لوگ پڑھ پڑھ کر ان پر لعن طعن کی بوچھاڑ کرتے ہیں کہ اس شہرت کی کیا ضرورت تھی،بعض لوگ شہرت کے لیے اولاد کی شادیوں میں بہت خرچ کرتے ہیں مگر چو طرفہ سے ان پر وہ پھٹکار پڑتی ہے کہ خدا کی پناہ۔اس حدیث کا ظہور آج بھی ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ فرمایئے تو ایک شخص اچھا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں ۱ اور ایک روایت میں ہے کہ اس عمل پر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں فرمایا یہ مؤمن کی فوری بشارت ہے ۲ (مسلم)

۱؎ آزمائش کرلو کہ جو کام اللہ کے لیے چھپ کر کرو خود بخود اس کا چرچہ ہوجاتا ہے اور لوگ اس کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں،لوگ چھپ کر تہجد پڑھتے ہیں مگر ان کے چہرے کا نور ان کا یہ عمل شائع کردیتا ہے۔اشارتًا اس سوال میں یہ صورت بھی داخل ہے سوال یہ ہے کہ یارسول اللہ کیا یہ بھی ریا ہے۔
۲؎ یعنی یہ ریا نہیں ہے بلکہ قبولیت کی علامت ہے کہ لوگوں کے منہ سے خود بخود اس کی تعریف نکلتی ہے۔صحابہ کرام کے چھپے ہوئے عمل اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں حضور نے احادیث میں ایسے شائع کیے کہ آج تک دنیا میں مشہور ہیں یہ بشارت ربانی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ"غرضکہ ریا کا تعلق عامل کی نیت سے ہے کہ وہ دکھلاوے شہرت کی نیت سے نیکی کرے یہ ہے ریا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید ابن ابی فضالہ سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور نے فرمایا کہ جب قیامت کے دن اللہ لوگوں کو جمع فرمائے گا اس دن جس میں کوئی شک نہیں تو پکارنے والا پکارے گا ۲؎ کہ جس نے ایسے کام میں جو اللہ کے لیے کئے کسی کو شریک ٹھہرایا ۳؎ تو وہ اس کا ثواب بھی غیر خدا سے مانگے ۴؎ کیونکہ اللہ شریکوں میں شرک سے بے نیاز ہے ۵؎ (احمد)

۱؎ آپ کی کنیت ہی آپ کا نام ہے،آپ انصاری حارثی ہیں،اہلِ مدینہ سے ہیں،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف ابوسعید ہے لوگ ابوسعید خدری سمجھے یہ غلط ہے۔
۲؎ یعنی قیامت کے دن ایک فرشتہ اللہ تعالٰی کی طرف سے اعلان فرمائے گا یہ اعلان تمام لوگوں کو سنانے کے لیے ہوگا۔
۳؎ یعنی جو کام رضائے الٰہی کے لیے کیے جاتے ہیں ان میں کسی بندے کے رضا کی نیت کرے۔بندے سے مراد دنیا دار بندہ ہے اور ظاہر کرنا بھی اپنی ناموری کے لیے ہونا مراد ہے لہذا جو شخص اپنی عبادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی بھی نیت کرے یا جو کوئی مسلمانوں کو سکھانے کی نیت سے لوگوں کو اپنے اعمال دکھائے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریا صرف عبادات میں ہوتی ہے معاملات اور دوسرے دنیاوی کام تو دکھانے کے لیے ہی کیے جاتے ہیں ان میں ریا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لیے عمل کے ساتھ **عمله لله** فرمایا گیا۔
۴؎ یعنی آج اعمال کے بدلہ کا دن ہے دنیا میں جس کی رضا کے لیے عبادت کی تھی آج اسی سے جنت بھی مانگو یہ انتہائی سختی و ناراضی کا اظہار ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ ریاکار کبھی بخشا ہی نہ جائے گا ہر مؤمن آخر کار بخشا جائے گا۔
۵؎ اس فرمان عالی کی دو شرحیں ابھی گزشتہ حدیث میں عرض کی جاچکی ہیں۔شرکاء سے مراد دنیا کے شریک و حصہ دار ہیں یا مشرکین کے بت وغیرہ جنہیں وہ اللہ کے شریک جانتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے عمل لوگوں کو سنائے تو اللہ اپنی مخلوق کی کانوں کو سنادے گا اور اسے حقیر ذلیل اور جھوٹا کردے گا ۱؎ (بیہقی

شعب الایمان)	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے۔اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ ریاکار کی عبادات قیامت میں مشہور تو کی جائے گی مگر اس طرح کہ اس شہرت سے اس کی عزت نہ ہوگی،بلکہ ذلت و رسوائی ہوگی مثلًا پکارا جاوے گا کہ فلاں ریاکار نے دکھلاوے کے لیے اتنی نمازیں پڑھیں،اتنے صدقات دیئے،اتنے حج کیے یہ شخص بڑا خبیث ہے وغیرہ وغیرہ۔دوسرے یہ کہ دنیا میں ریاکار شہرت پسند آدمی کے عیوب شائع ہوجاتے ہیں جس سے وہ بجائے نیک نام ہونے کے بدنام ہوجاتا ہے یعنی اس کی عبادات تو مشہور نہیں ہوتیں اس کے خفیہ گناہ مشہور ہوجاتے ہیں۔خدا کی پناہ! یہ بھی مجرب ہے اللہ تعالٰی اخلاص نصیب کرے۔ریاء کے نیک اعمال بھی مشہور ہوتے ہیں تو بدنامی کے ساتھ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔اسامع جمع ہے اسمع کی(میم کے پیش سے)جیسے اکالب جمع ہے اکلب کی اسمع کے معنی ہیں سننے کی جگہ یعنی کان۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی نیت آخرت کمانا ہو تو اللہ اس کی غنا اس کے دل میں ڈال دے گا اور اس کی متفرقات کو جمع کردے گا ۱؎ اور اس کے پاس دنیا ذلیل ہوکر آوے گی ۲؎ اور جس کی نیت دنیا طلبی ہو تو اللہ فقیری اس کے آنکھوں کے سامنے کردے گا ۳؎ اور اس پر اس کے کام پراگندہ کردے گا ۴؎ اور اس کے پاس آئے گی اتنی جتنی اس کے لیے لکھی گئی ۵؎(ترمذی)احمد اور دارمی نے حضرت ابان سے انہوں نے زید ابن ثابت سے۔	

۱؎ شمل جمع ہے شملۃ کی بمعنی حاجت یا عادت یعنی اخلاص والے کو رب تعالٰی دلی استغناء بھی بخشتا ہے اور اس کی متفرق حاجتیں یکجا جمع بھی فرمادیتا ہے کہ گھر بیٹھے اس کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں،ضرورتوں کے پاس وہ نہیں جاتا ضروریات اس کے پاس آتی ہیں۔جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔جس جانور کو کیلے سے باندھ دیتے ہیں اس کی ہر ضرورت وہاں ہی پہنچ جاتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۲؎ دنیا سے مراد دنیاوی نعمتیں بھی ہیں اور دنیا کے لوگ بھی یعنی دنیا اور دنیادار اس کے پاس خادم بن کر حاضری دیتے ہیں جیسا کہ اولیاء اللہ کے آستانوں پر دیکھا جارہا ہے۔شعر

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

۳؎ فقیری سے مراد ہے لوگوں کی محتاجی،ان کا حاجت مند رہنا ہے،ان کے دروازوں پر دھکے کھانا،انکی خوشامدیں کرنا۔

۴؎ یعنی اس کا دل پریشان رہے کبھی روٹی کے پیچھے دوڑے گا،کبھی کپڑے کی فکر میں مارامارا پھرے گا،کبھی دیگر ضروریات کے لیے پریشان پھرے گا،اللہ اللہ کرنے کا وقت ہی نہ پائے گا یہ بھی تجربہ سے ثابت ہے۔

۵؎ یعنی اس کی ایسی دوڑ دھوپ سے اس کی دنیا میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ اس کی پریشانیوں میں ہی اضافہ ہوگا،دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی مقدر میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب کہ میں اپنے گھر میں اپنے مصلے پر تھا ۱؎ کہ میرے پاس ایک شخص آگیا ۲؎ تو مجھے اپنی حالت پسند آئی جس پر مجھے اس نے دیکھا ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ تم پر اللہ رحمت کرے تم کو دو	

ثواب ہیں علانیہ کا ثواب اور خفیہ کا ثواب ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎یعنی اپنے گھر میں مصلے پر نوافل نماز یا ورد وظیفہ پڑھ رہا تھا کیونکہ حضرات صحابہ فرض نمازیں مسجد میں جماعت سے پڑھا کرتے تھے۔گھر کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ میں ریاکاری کے لیے یہ عمل نہ کررہا تھا ورنہ لوگوں کے مجمع میں کرتا گھر کے گوشہ میں نہ کرتا۔

۲؎اور اس آنے والے نے مجھے مصلے پر یہ عمل کرتے دیکھا۔آگیا فرما کر یہ بتایا کہ میں نے اسے نہ بلایا تھا نہ اس کا آنا چاہا تھا اتفاقًا ہی آگیا،آنے والا ان کا کوئی ایسا عزیز وقریبی ہوگا جو بغیر اذن مانگے اس کے یا آپ کے گھر والوں نے اسے اجازت دے دی ہوگی۔

۳؎آپ کو یہ خوشی یا تو اس لیے تھی کہ وہ آنے والا بھی میری طرح یہ اعمال کرے مجھے دیکھ کر تو اس کے اعمال میں مجھے بھی ثواب ملے یا اس لیے کہ وہ مسلمان میرے اس عمل پر بلکہ میرے ایمان واسلام پر گواہ ہوجاوے کل قیامت میں بارگاہِ الٰہی میں مسلمانوں بلکہ لوگوں بلکہ اللہ کی مخلوق کی گواہیاں بہت ہی کام آویں گی۔بہرحال یہ غرور کی خوشی نہ تھی اللہ کے اس کرم کی خوشی تھی۔

۴؎یعنی تمہارے اس کام کی ابتداء محض اخلاص پر تھی اسی سے تم گھر کے گوشہ میں یہ کام کررہے تھے اللہ تعالٰی نے تمہارے اس کام کو ظاہر فرمادیا یہ بھی اس کرم ہے۔تمہارا اس پر خوش ہونا کہ مجھے مسلمان نے برے کام پر نہ دیکھا اچھے کام پر دیکھا یہ خوشی بھی اللہ کا کرم ہے اس پر بھی ثواب ہے کہ یہ خوشی شکر کی ہے نہ کہ فخر کی۔غافل زیادتی مال سے خوش ہوتا ہے مؤمن عاقل توفیق اعمال سے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے گناہ پر رنج ہو نیکی پر خوشی وہ کامل مؤمن ہے لہذا تمہیں اس خوشی پر ثواب ہے۔(مرقات و اشعہ)بہرحال ریا اور اخلاص کا مدار نیت پر ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو دین کے بہانہ سے دنیا کمائیں گے ۱؎ لوگوں کے سامنے بھیڑیوں کی کھال پہنیں گے ۲؎ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے ۳؎اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کیا مجھ سے دھوکا کھاتے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں ۴؎میں اپنی قسم فرماتا ہوں کہ ان لوگوں پر انہیں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا جو بردبار کو حیران کر چھوڑے گا ۵؎(ترمذی)	

۱؎یختلون بنا ہے ختل سے،باب ضرب کا مضارع ہے ختل کے معنی ہیں دھوکا دینا یا دھوکے سے کچھ حاصل کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی دنیا کو دین کے ذریعہ دھوکا دیں گے یا دین کے بہانہ دنیا کمائیں گے،لوگ اسلام کا نام لے کر قرآن کی آڑ میں جبہ ودستار سے فریب دے کر دنیا کماتے ہیں یہ لوگ بدترین خلق ہیں۔حافظ شیرازی کہتے ہیں

حافظا مئے خور ورندی کن وخوش باش لے　　　　دام تزویر مکن چو دگراں قرآن را

یہ بیماری جھوٹے عالموں فریبی فقیروں اور بعض سیاسی رہنماؤں میں بہت زیادہ ہے نام اسلامی جماعت مگر اس بہانہ سے سیاسی غرض رکھنا۔

۲؎یعنی صرف ان کے کپڑے پہن کر صوفی بنیں گے یا بھیڑ کی کھال۔پہننے سے مراد ہے اپنے کو بہت نرم ظاہر کرنا،گفتار شیریں باتیں نہایت نرم عاجزی تواضع کا اظہار کرنا تاکہ لوگ انہیں تارک الدنیا خدارسیدہ بزرگ سمجھیں۔

۳؎ بھیڑیا دھوکہ سے جھپٹ کر شکار کرتا ہے،اس کے پاؤں کی آہٹ سنی نہیں جاتی وہ شکاری بھی ہے دھوکا باز بھی حیلہ ساز بھی اس لیے حضور انور نے انہیں بھیڑیا فرمایا شیر نہ فرمایا۔شیر بہادر ہے حیلہ ساز نہیں، غیرت مند ہے اپنے گھر پر کسی کا شکار نہیں کرتا باہر جا کر مارتا ہے، کسی جانور کا جھوٹا نہیں کھاتا دوسرے اس کا جھوٹا کھاتے ہیں، بھیڑیئے میں یہ اوصاف نہیں، حضور کا ایک کلمہ سچا موتیوں کی لڑی ہوتا ہے۔

۴؎ یعنی یہ لوگ میرے تحمل میری ڈھیل سے دھوکا کھاتے ہیں اور اسی ڈھیل کی وجہ سے اس حرکت پر دلیر ہو جاتے ہیں۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

۵؎ یعنی اس جرم کی سزا آخرت میں جو ملے گی وہ ملے گی دنیا میں یہ سزا ملے گی،ایسے لوگوں پر ظالم بادشاہ مسلط ہوں گے یا قوم میں خون خرابے فساد برپا ہوں گے یا عام قحط سالی عام وبائی بیماریاں پھلیں گی جس سے بڑے حوصلے والے لوگ بھی حیران ہو جائیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں نے ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جن کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ۱؎ تو اپنی ہی قسم فرماتا ہوں کہ ایسا فتنہ مسلط کروں گا جو بردبار کو حیران کردے گا ۲؎ میری وجہ سے دھوکہ کھاتے ہیں یا جرأت کرتے ہیں۔(ترمذی)اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ آج کل یہ دونوں باتیں بدمذہبوں خصوصًا مرزائیوں،وہابیوں میں بہت دیکھی جاتی ہیں یہ لوگ زبان کے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں دلوں میں کفر و بے دینی کا زہر ہوتا ہے۔بعض سانپ بہت ہی خوبصورت ہوتے ہیں مگر بڑے زہریلے ان کو دور سے ہی دیکھو قریب نہ جاؤ۔خیال رکھو کہ کھوٹے سونے کا بیوپاری بڑا میٹھا ہوتا ہے مگر کرتا ہے شکار۔

۲؎ لأتیحنهم بنا ہے اناحة سے جس کا مادہ ہے تح بمعنی تقدیر و تسلیط،اس کی تحقیق ابھی ہو چکی کہ ایسے لوگوں پر کیسے فتنے آئیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر چیز کی ایک خوشی ہے اور ہر خوشی کی ایک کمزوری ہے ۱؎ تو اگر خوشی والا درست رہے اور قریب رہے تو اس کی کامیابی کی امید کرو ۲؎ اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاویں تو اسے کچھ گنتی میں نہ لاؤ ۳؎(ترمذی)

۱؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ ہر عمل کے دو طرف ہیں زیادہ رغبت اور بے رغبتی یہ دونوں چیزیں ناقص ہیں درمیانی چال اچھی ہے۔نماز روزہ سے ایسی رغبت کہ انسان تارک الدنیا ہو کر انہیں میں مشغول رہے یہ بھی ناقص ہے اور بالکل بے رغبت ہو جاوے کہ اس کے قریب نہ جاوے یہ بھی برا ہے،درمیانی حال کہ نماز روزہ بھی کرے دوسرے کام بھی کرے یہ اچھا ہے،اشعۃ اللمعات نے اس کو اختیار کیا ہے۔دوسرے یہ کہ ہر عمل میں پہلے تو خوب رغبت ہوتی ہے بعد میں بے رغبتی ہو جاتی ہے یہ برا ہے،بعض لوگ نماز شروع کرتے ہیں تو پہلے تہجد،اشراق،چاشت سب کچھ پڑھتے ہیں،چند روز بعد پنجگانہ بھی چھوڑ دیتے ہیں یہ برا ہے،بقدر طاقت کام کرو ہمیشہ کرو،صرف پنج گانہ پڑھو نوافل بہت سے نہ پڑھو صرف پنج گانہ پڑھو مگر پڑھو ہمیشہ یہ محبوب ہے۔مرقات نے یہ ہی معنی کیے۔شرۃ شین کے کسرہ سے،رے کے فتحہ سے بمعنی خوشی،حرص،افراط،انہاک ہے۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی جو شخص بقدر طاقت اعمال کرے مگر کرے ہمیشہ وہ کامیاب ہے۔سدد سے مراد ہے ہمیشہ کرنا اور قارب سے مراد ہے درمیانی راہ چلنا جو افراط و تفریط سے خالی ہو اور۔ارجو یا تو امر جمع مذکر ہے یعنی امید کرو یا واحد متکلم مضارع ہے یعنی میں امید کرتا ہوں پہلے معنی زیادہ قریب ہیں،یعنی تم جس کو درمیانی چال والا ہمیشہ عمل کرنے والا دیکھو تو اس کی کامیابی کی امید کرو کہ وہ مرتے دم تک قائم رہے گا۔

۳؎ یعنی اگر کوئی شخص زیادہ عبادات کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو جاوے کہ ہر طرف سے لوگ اس کی طرف اشارہ کریں کہ یہ صاحب بڑے عبادت گزار شب بیدار ہیں،اسے دھیان میں نہ لاؤ کہ ایسے لوگ کچھ ہوتے نہیں اگر ہوتے ہیں تو کچھ رہتے نہیں،ان میں ریا تکبر پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے خاتمہ کا اعتبار ہے۔شعر

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتم است　　　　کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

شیخ نے فرمایا کہ عادۃ الہیہ ہے کہ وہ کریم زیادہ تر بروں کا خاتمہ اچھا کردیتا ہے اور اچھوں کا خاتمہ بہت کم خراب کرتا ہے دیکھو اشعۃ اللمعات،اللہ تعالٰی خاتمہ بالخیر کرے۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ انسان کی شر کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا میں انگلیوں سے اشارہ کیا جاوے ۱؎ سواء اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے ۲؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی دنیاوی کمالات دولت،صحت،طاقت میں یوں ہی دینی کمالات علم،عبادت،ریاضت میں مشہور ہونا عوام کے لیے خطرناک ہی ہے کہ اس سے عموماً دل میں غرور تکبر پیدا ہو جاتے ہیں اس سے گمنامی اچھی چیز ہے۔

۲؎ یعنی ہاں بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ شہرت سے متکبر نہیں ہوتے وہ سمجھتے ہیں کہ نیک نامی و بدنامی اللہ کے قبضہ میں ہے اور لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں،انہیں زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگاتے دیر نہیں لگتی۔حضور کے تحمل کا یہ حال ہے کہ

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است　　　　خویشتن را عبدہ فرمودہ است

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو تمیمہ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت صفوان اور انکے ساتھیوں کے پاس گیا ۱؎ جب کہ حضرت جندب انہیں وصیت کررہے تھے ۲؎ لوگوں نے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے ۳؎ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنی شہرت چاہے گا اللہ قیامت کے دن اس کی شہرت کردے گا ۴؎ جو مشقت میں ڈالے گا اللہ قیامت کے دن اس پر مشقت ڈالے گا ۵؎ لوگوں نے کہا ہم کو وصیت کیجئے فرمایا انسان کی پہلی چیز جو بگڑتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے تو جو طاقت رکھے کہ طیب کے سوا کچھ نہ کھائے وہ ضرور ایسا

کرے ۶ اور جو طاقت رکھے کہ اس کے اور جنت کے درمیان مٹھی بھر خون آڑ نہ بنے جسے وہ بہائے تو وہ ایسا ضرور کرے ۷ (بخاری)	

۱ ابو تمیمہ کا نام طریف ابن مجالد جہمی ہے،آپ تابعی ہیں،بصری ہیں،۹۵ پچانوے میں آپ کی وفات ہے،صفوان ابن سلیم زہری بھی تابعی ہیں،حمید ابن عبدالرحمٰن ابن عوف کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ نے چالیس سال کروٹ زمین پر نہ لگائی۔اصحاب سے مراد ان کے شاگرد ہیں۔(مرقات)

۲ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام شریف ہے،آپ مشہور صحابی ہیں،آپ ان حضرات کو ریا،شہرت سے بچنے کی نصیحت فرمارہے تھے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳ یعنی اے صحابی رسول اگرآپ نے ریاکاری شہرت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو تو ہم کو سنایئے۔

۴ اس فرمان عالی کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر چکی کہ جو دنیا میں ریاکار شہرت پسند ہوگا رب تعالٰی اسے قیامت میں رسواء عام فرمادے گا یعنی اسے شہرت تو دے گا مگر بدنامی کی۔

۵ یعنی جو اپنے نفس پر غیر ضروری مشقت ڈال لے گا جیسے رات کو نہ سونا،نکاح نہ کرنا،اچھا نہ کھانا،تارک الدنیا ہو کر رہنا وغیرہ یا جو دوسروں پر مشقت ڈالے گا کہ اپنے نوکروں ماتحتوں سے سخت بھاری کام لے گا تو قیامت میں اس پر عتاب الٰہی کا بوجھ و مشقت ڈالا جاوے گا۔

۶ یہ فرمان رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ! کیسا پیارا فرمان ہے۔طب یونانی کہتی ہے کہ نوے فیصدی بیماریاں پیٹ سے پیدا ہوتی ہیں، طب ایمانی بھی کہتی ہے کہ نوے فیصدی گناہ پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں،حرام غذا صدہا بیماریوں کی جڑ ہے۔گندا پیٹرول موٹر کی مشین کو خراب کرتا ہے،گندی حرام غذا انسان کی مشینری بگاڑ دیتی ہے لہذا کوشش کرنی چاہیے کہ اکل حلال صدق مقال ہو۔

۷ یعنی اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کا لپ بھر خون بھی ظلمًا بہائے گا کہ اسے ظلمًا قتل کرے یا ظلمًا زخمی کرے تو یہ ظلمًا خون اس کے اور جنت کے درمیان حائل ہوجائے گا کہ اسے جنت میں داخل نہ ہونے دے گا لہذا اس سے بچے رہو ایسا نہ ہو کہ حقیر سا گناہ تم کو ایسی عظیم نعمت سے محروم کردے۔خیال رکھو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا ڈالتی ہے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی طرف گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس معاذ ابن جبل کو بیٹھا ہوا پایا جو رو رہے تھے ۱ تو فرمایا کہ آپ کو کون سی چیز رلاتی ہے ۲ بولے مجھے وہ چیز رلاتی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی ۳ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے ۴ اور جو اللہ کے ولی سے دشمنی کرے وہ اللہ کے سامنے جنگ کے لیے آگیا ۵ اللہ تعالٰی پسند کرتا ہے ان نیکوں پرہیزگاروں چھپے ہوؤں کو کہ جب وہ غائب ہوجاویں تو ڈھونڈے نہ جائیں اور اگر حاضر ہوں تو نہ بلائے جاویں نہ قریب کیے جاویں ۶ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہوں ۷ ہر تاریک گرد آلود سے نکلیں ۸ (ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ اس زمانہ میں حجرہ شریف میں دروازہ تھا جس سے لوگ قبر انور تک پہنچ جاتے بہت عرصہ کے بعد دروازہ بند کردیا گیا اب قبر انور تک کوئی نہیں پہنچ سکتا آپ خاص قبر انور سے متصل بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔

۲؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے معاذ کیوں رو رہے ہو فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم رلا رہا ہے یا کوئی اور تکلیف۔ معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کو تکلیف میں دیکھے تو ضرور وجہ پوچھے اگر ہو سکے تو اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرے۔

۳؎ یعنی میں نے ایک نصیحت حضور سے سنی مگر اس پر عمل نہ کرسکا اپنی اس محرومی یا معذوری پر رو رہا ہوں۔

۴؎ علماء فرماتے ہیں کہ ریا کے بہت درجے ہیں کچھ درجے چھوٹی چیونٹی سے زیادہ باریک ہیں۔انسان ان کو ریا نہیں سمجھتا مگر وہ ہے ریا،ان سے بچنا بہت مشکل ہے اس سے تو خاص لوگوں کا بچنا مشکل ہے عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے مجھے خطرہ ہے کہ میں بھی ریا کے کسی درجہ میں مبتلا ہوں۔

۵؎ یعنی میرے رونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے دوستوں کی ایذا رب سے جنگ ہے اور اللہ کے اولیاء ایسے چھپے ہوئے ہیں کہ ان کی پہچان بہت مشکل ہے،بہت دفعہ پڑوسیوں دوستوں سے شکر رنجی ہو جاتی ہے،ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ولی اللہ ہو ان کی تکلیف میرے لیے مصیبت بن جاوے۔حدیث قدسی میں ہے **اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری** میرے ولی میری قبا میں رہتے ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔(مرقات) خیال رہے کہ اولیاء اللہ دو قسم کے ہیں:تکوینی ولی اور تشریعی ولی۔تکوینی ولی جو دنیا کے سیاہ سفید کے مالک و مختار بنادیئے جاتے ہیں،ان کی تعداد مقرر ہے مگر تشریعی اولیاء اللہ تعداد میں جہاں چالیس متقی مسلمان جمع ہوں وہاں ان شاء اللہ ایک ولی ضرور ہوتا ہے،اس ولی کو خود بھی خبر نہیں ہوتی کی میں ولی ہوں مگر ہوتا ہے ولی۔اس کی بحث ان شاء اللہ مشکوۃ شریف آخری باب میں ہوگی۔

۶؎ غالبًا اس سے وہ ہی اولیاء تشریعی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اولیاء تکوینی بھی اسی میں داخل ہوں کہ اکثر ان میں سے چھپے ہوئے رہتے ہیں کم وہ حضرات ہیں جنہیں مخلوق پہچانتی ہے جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری یا داتا گنج بخش ہجویری وغیرہم۔خیال رہے کہ نبوت کا اعلان ضروری ہے مگر ولایت کا اعلان ضروری نہیں،اکثر اعلان ولایت کرنے والے خالی ہوتے ہیں۔شیخ سعدی نے فرمایا شعر

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر اند آنرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

علماء کے لیے اعلان ضروری ہے کہ یہ نائبین رسول ہیں،نبوت کا اعلان ضروری،اولیاء اللہ اکثر چھپے رہتے ہیں،علماء دین اسلام کی ظاہری پولیس ہیں،اکثر اولیاء اللہ خفیہ پولیس یہ حضرات بھی اپنے کو ولی نہیں کہتے۔بعض اولیاء کے متعلق لوگوں کی زبان سے خواہ مخواہ ولی نکلتا ہے۔

۷؎ جیسے چراغ سے ہدایت و نور ملتا ہے ایسے ہی ان کے دلوں ان کی نگاہوں سے لوگوں کو نور ملتا ہے یہ حضرات حقانیت اسلام کی دلیلیں ہیں۔حق دین وہ ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں انہیں کا راستہ صراط مستقیم ہے،رب فرماتا ہے:"صِرٰطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ"اور فرماتا ہے:"وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ"۔اسی شاخ کا تعلق جڑ سے قائم ہے جس میں سبزہ پھول ہیں،سوکھی شاخ کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا وہ آگ کے لائق ہے،اسلام کی اسی شاخ کا تعلق حضور سے قائم ہے جس میں ولایت کے پھول ہوں۔

۸؎ یعنی یہ اولیاء اللہ تاریک گھروں غیر مشہور محلوں نامعلوم بستیوں سے پیدا ہوتے رہیں گے۔شعر

خاک ساران جہاں را بحقارت منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یا یہ مطلب ہے کہ وہ حضرات تاریک گرد و غبار والے عقائد و اعمال و شبہات سے نکل جائیں گے کبھی اس میں پھنسیں گے نہیں۔(مرقات)امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہر عالم دین متقی ولی اللہ ہے اگر متقی عالم ولی نہ ہو تو کوئی ولی ہی نہیں۔(مرقات) مشہور یہ ہے کہ جس سے روحانی فیوض جاری ہوں انہیں صوفیاء اولیاء کہا جاتا ہے،جن سے شرعی فیوض جاری ہوں انہیں علماء کہتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ علانیہ نماز پڑھے تو بھی اچھی اور خفیہ نماز پڑھے تو بھی اچھی تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے [1](ابن ماجہ)

[1] یعنی اس بندے میں ریاکاری نہیں ہے یہ بندہ مخلص ہے،اگر ریاکار ہوتا تو علانیہ نماز اچھی طرح پڑھتا خفیہ میں معمولی طرح،جب یہ خفیہ میں بھی اچھی طرح پڑھتا ہے تو مخلص ہی ہے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو ظاہریت کی دوست ہوں گی اور پوشیدہ کی دشمن [1] تو عرض کیا گیا یارسول اللہ یہ کیوں کر ہوگا فرمایا یہ انکے بعض کے بعض سے رغبت اور بعض کے بعض سے ڈرنے کی وجہ سے ہوگا [2]

[1] یعنی قریب قیامت ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی نیکیاں علانیہ پسند کریں گے تاکہ لوگ ان کی واہ واہ کریں،تنہائی میں یا تو اعمال کریں گے ہی نہیں یا کریں گے تو معمولی طریقہ سے۔

[2] یعنی ان لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف اللہ سے امید نہ ہوگی یا کم ہوگی،لوگوں کا خوف لوگوں سے امید ان پر غالب ہوگی۔اس فرمان عالی میں علماء،عابدین،زاہدین،سخی،مجاہد وغیرہ سب ہی داخل ہیں،ہر عمل اخلاص سے قبول ہوتا ہے۔یہاں اشعۃ اللمعات میں ہے کہ اس میں وہ بھی داخل ہیں جو لوگوں سے ظاہری محبت کریں وہ بھی غرض کے لیے جب غرض نکل جاوے دوستی بھی ختم ہو جاوے۔

	روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو دکھلاوے کے لیے نماز پڑھے اس نے شرک کیا اور جو دکھلاوے کے لیے روزہ رکھے اس نے شرک کیا اور جو دکھلاوے کے لیے صدقہ دے اس نے شرک کیا [1] یہ دونوں حدیثیں احمد نے روایت کیں۔

[1] شرک دو قسم کا ہے:شرک جلی،شرک خفی۔شرک جلی تو کھلم کھلا شرک و بت پرستی کرنا ہے۔شرک خفی ریاکاری ہے،یوں کہو کہ شرک اعتقادی تو کھلا ہوا شرک ہے اور شرک عملی ریاکاری ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کل ما صدك عن الله فھو صنمك جو تمہیں اللہ سے روکے وہ ہی تمہارا بت ہے،نفس امارہ بھی بت ہے۔اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ روزے میں بھی ریاکاری ہوسکتی ہے،ہاں روزے میں ریا خالص نہیں ہوسکتی اسی لیے ارشاد ہے الصوم لی وانا اجزی بہ۔بعض لوگ روزہ رکھ کر لوگوں کے سامنے بہت کلیاں کرتے،سر پر پانی ڈالتے رہتے ہیں،کہتے پھرتے ہیں ہائے روزہ بہت لگا ہے،بڑی پیاس لگی ہے وغیرہ وغیرہ یہ بھی روزے کی ریاء ہے اور اس حدیث میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ ریاء کی دو قسمیں ہیں:ایک ریا اصل عمل میں،دوسری ریا وصف عمل میں۔اصل عمل میں ریا یہ ہے کہ کوئی دیکھے تو یہ نماز پڑھ لے نہ دیکھے تو نماز پڑھے ہی نہیں۔وصف عمل

میں ریاء یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے نماز خوب اچھی طرح پڑھے تنہائی میں معمولی طرح پڑھے،پہلی ریا بہت بری ہے دوسری ریاء پہلی سے کم۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

کلید در دوزخ است آں نماز   کہ در روئے مردم گزاری دراز

	روایت ہے انہیں سے کہ وہ روئے ان سے کہا گیا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے فرمایا وہ بات جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی وہ مجھے یاد آگئی اس نے مجھے رلادیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں اپنی امت پر شرک اور خفیہ شہوت کا خوف کرتا ہوں ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی فرمایا ہاں ۲؎ خیال رہے کہ وہ لوگ نہ سورج کو پوجیں گی نہ چاند کو نہ پتھر کو نہ بت کو ۳؎ لیکن ریاکاری کریں گے ۴؎ خفیہ شہوت یہ ہے کہ ان میں سے ایک روزہ رکھے گا ۵؎ پھر اس کے سامنے اس کی خواہشات میں سے کوئی خواہش آجاوے تو وہ اپنا روزہ چھوڑ دے ۶؎ (احمد،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ **اتخوف** بنا ہے **تخوف** سے بمعنی بہت ہی ڈرنا۔خوف عام ہے معمولی ڈر ہو یا سخت ڈر،**تخوف** خاص ہے،بہت ڈر،یا**تخوف** وہ خوف ہے جس کی علامات ظاہر ہوچکی ہوں،خوف میں یہ قید نہیں یعنی میں اپنی امت پر بہت ہی ڈرتا ہوں۔یاعلامات ریا دیکھ کر ڈرتا ہوں۔اس فرمان عالی میں **الخفیة** **شرك** اور شہوت دونوں کی صفت۔معنی یہ ہے کہ میں اپنی امت پر خفیہ شرک اور خفیہ شہوت سے ڈرتا ہوں۔خفیہ وہ شرک و شہوت ہے جو مجاہدہ و ریاضت کرنے والوں پر بھی ظاہر نہ ہو،وہ حضرات بھی اس سے دھوکا کھاجاویں صرف قوت قدسیہ والے ہی اس کی خبر رکھ سکتے ہیں۔(مرقات)

۲؎ سائل کو شبہ یہ ہوا کہ امت محمدیہ تو امت مرحومہ ہے یہ کبھی نہ بگڑے گی اس لیے یہ سوال کیا۔**بعدك** سے مراد حضرات صحابہ کرام نہیں بلکہ بعد کی نسلیں ہیں،حضرات صحابہ کے ایمان واخلاص کی گواہی قرآن مجید واحادیث نبویہ میں دی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا"۔

۳؎ **وثن** ہر بت کو کہتے ہیں جس کی پوجا کی جاوے خواہ چاند سورج ہو،یا پتھر درخت وغیرہ یہاں خاص کے بعد عام کا ذکر ہے۔

۴؎ اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہے"فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا"۔اس آیت میں شرک سے مراد یہ ہی ریاکاری ہے اسی کو حضور انور نے شرک فرمایا بالکل حق ہے۔

۵؎ یا تو روزہ رکھ لے گا یا رکھنے کی نیت کرے گا پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۶؎ اس طرح کہ اس نے روزہ رکھ لیا ہوگا کوئی اچھے کھانے کی دعوت آگئی یا کسی نے شربت سوڈا پیش کیا تو اس کھانے شربت کی وجہ سے روزہ توڑ دیا یا روزہ کی نیت تھی کہ آج روزہ رکھوں گا مگر یہ چیزیں دیکھیں ارادہ بدل دیا محض نفسانی لذت وخواہش کے لیے کہ ایسا مزہ دار کھانا کون چھوڑے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کھانا ہے عرض کیا گیا ہاں،فرمایا لاؤ ہم نے تو آج روزہ رکھ لیا تھا

پھر کھانا ملاحظہ فرمایا کہ افطار فرمالینا خواہش نفس کے لیے نہ تھا بلکہ حکم شرعی بیان کرنے کے لیے تھا کہ نفل روزہ رکھ کر توڑ دینا جائز ہے اگرچہ قضا واجب ہو گی۔ حضرت ام ہانی کو حضور انور نے اپنا پس خواہ پانی دیا آپ نے پی کر پوچھا کہ حضور میرا روزہ تھا فرمایا کوئی حرج نہیں، وہ روزہ توڑنا حضور کے تبرک سے برکت حاصل کرنے کے لیے تھا نہ کہ نفسانی خواہش سے لہذا احادیث سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۱؎ جب کہ ہم مسیح دجال کا تذکرہ کررہے تھے تو فرمایا کہ کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے ۲؎ ہم نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا وہ خفیہ شرک ہے یعنی یہ کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اپنی نماز اس لیے زیادہ کرے کہ کسی شخص کو دیکھے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے ۳؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ دولت خانہ سے یا باہر سے مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے نماز کا وقت تھا یا ویسے ہی حضرات صحابہ کا مجمع تھا اور اتفاقًا دجال کے خطرناک کا ہم لوگ تذکرہ کررہے تھے۔

۲؎ کیونکہ دجال کو تو کوئی شخص ہی پائے گا وہ بھی قیامت کے قریب پھر انسان اس سے بچ بھی سکے گا کہ نہ اس کے پاس جائے نہ اس کے پھندے میں پھنسے مگر ریاکاری کی مصیبت ہر شخص کو ہر وقت درپیش ہے اس لیے یہ آفت دجال سے زیادہ خطرناک ہے۔

۳؎ یعنی اگر اکیلے میں نماز پڑھے تو تھوڑی اور ہلکی پڑھے مگر جب اسے کوئی دیکھ رہا ہو تو نوافل بہت تعداد میں پڑھے اور خوب لمبے دراز پڑھے، یہ ہے وصف میں ریا جب یہ بھی شرک خفی ہوا تو اصل نماز میں ریا بہت ہی خطرناک ہے۔ہم ریا کی یہ دو قسمیں پہلے بیان کرچکے ہیں اور یہ بھی بتاچکے ہیں کہ اصل عبادت میں ریا زیادہ خطرناک ہے نماز کا ذکر مثالًا فرمایا ہر نیکی کا یہی حال ہے۔اس بیماری میں واعظین زیادہ مبتلا ہیں،اکثر ہر واعظ کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میرا وعظ سب سے اچھا رہے لوگ خوب واہ واہ کہیں،بعض واعظین بغیر داد لیے وعظ نہیں کہہ سکتے،اللہ تعالٰی اخلاص عطا فرمائے۔ریا والی عبادت گھنے ہوئے تخم کی طرح ہے جس سے پیداوار نہیں ہوتی۔

روایت ہے محمود ابن لبید سے ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں سے میں تم پر ۲؎ خوف کرتا ہوں ان سب میں زیادہ خوفناک چیز چھوٹا شرک ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ چھوٹا شرک کیا ہے فرمایا ریاکاری ۳؎ (احمد) بیہقی نے شعب الایمان میں یہ زیادتی کی کہ اللہ تعالٰی ان سے فرمائے گا اس دن جس دن بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا ۴؎ کہ ان کے پاس جاؤ جنہیں تم دنیا میں اعمال دکھاتے رہے کہ کیا انکے پاس تم جزا یا بھلائی پاتے ہو ۵؎	

۱؎ آپ انصاری ہیں،اشہلی ہیں،آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،امام مسلم نے آپ کو تابعی مانا ہے،امام بخاری آپ کو صحابی کہتے ہیں،امام بخاری کا قول قوی ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف پانچ سال تھی۔(مرقات،اشعہ امیر علی)

۲؎ علیکم میں خطاب یاتو حضرات صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے۔مطلب یہ ہے کہ ہر مؤمن کے لیے خطرات بہت ہیں مگر ریا کا خطرہ سب سے زیادہ خطرناک ہے کہ اس سے بچنا بہت مشکل،بڑے بڑے اس میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔

۳؎ یہ پہلی وہ حدیث ہے جس میں ریا کو شرک اصغر فرمایا گیاہے۔مشرک اپنی عبادات سے اپنے جھوٹے معبودوں کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے،ریاکار اپنی عبادات سے اپنے چھوٹے مقصودوں یعنی لوگوں کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے اس لیے ریاکار چھوٹے درجہ کا مشرک ہے اور اس کا یہ عمل چھوٹے درجہ کا شرک ہے،چونکہ ریاکار کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا عمل و ارادہ خراب ہوتا ہے اور کھلے مشرک کا عقیدہ بھی خراب ہوتا ہے اس لیے ریا کو چھوٹا شرک فرمایا۔

۴؎ یعنی قیامت کے دن جب اعمال کے بدلے دیئے جانے کا وقت آوے گا تو ریاکار بھی مخلصین کے ساتھ جزا اعمال کا انتظار کریں گے تب ان سے کہا جاوے گا۔

۵؎ یعنی ان مخلصین کے ٹولہ سے الگ ہوجاؤ جنہیں خوش کرنے کے لیے تم اعمال کرتے تھے،ان سے اپنے اعمال کا بدلہ لو وہ ہی تم کو بدلہ دیں،یہ فرمان عالی انتہائی غضب کے اظہار کے لیے ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کوئی شخص پتھر کی چٹان میں بیٹھ کر عمل کرے جس کا کوئی نہ دروازہ ہو نہ روزن ۱؎ تو بھی اس کا عمل لوگوں تک نکل آوے گا جو عمل بھی ہوگا ۲؎	

۱؎ یعنی فرض کرو کہ کوئی شخص ایسے بند غار میں نیکی کرے جس میں نہ تو دروازہ ہو کہ کوئی وہاں پہنچ سکے،نہ کوئی روزن و سوراخ ہو جس سے کوئی وہاں جھانک سکے،مطلب یہ ہے کہ کیسے ہی خلوت خانہ میں کیسے ہی چھپ کر عبادت کرے۔

۲؎ اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ تم ریا کرکے اپنے ثواب کیوں برباد کرتے ہو،تم اخلاص سے نیکیاں کرو خفیہ کرو اللہ تعالٰی تمہاری نیکیاں خود بخود لوگوں کو بتادے گا،لوگوں کے دل تمہیں نیک ماننے لگیں گے یہ نہایت ہی مجرب ہے۔بعض لوگ خفیہ تہجد پڑھتے ہیں لوگ خواہ مخواہ انہیں تہجد خواں کہنے لگتے ہیں،تہجد بلکہ ہر نیکی کا نور چہرے پر نمودار ہوجاتا ہے جس کا دن رات مشاہدہ ہورہا ہے،لوگ خواہ مخواہ حضور غوث پاک،خواجہ اجمیری کو ولی کہتے ہیں کیونکہ رب تعالٰی کہلوا رہا ہے یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور۔

روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی جو سیرت ہوگی اچھی یا بری اللہ تعالٰی اس کی علامت ظاہر فرمائے گا جس سے وہ پہچانا جاوے گا ۱؎	

۱؎ یہ حدیث ابھی گزری ہوئی حدیث کی شرح ہے اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ نیک اعمال کا نور چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ"۔تجربہ تو یہ ہے کہ خوف خدا عشق جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم دل میں ہو تو چہرہ اور ہی طرح کا ہوجاتا ہے،بعض بزرگوں کے چہرے دیکھ کر کافر مسلمان ہوگئے اور گنہگاروں نے صرف چہرہ دیکھ کر گناہوں سے توبہ کرلی متقی بن گئے آخرت میں تو نیک و بداعمال چہرہ سے ظاہر ہو ہی جائیں گے،کچھ دنیا میں بھی ظہور ہوجاتا ہے،بعض بدکاریوں سے منہ کالا ہوجاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے	

	راوی فرمایا میں اس امت پر ہر اس منافق سے ڈرتا ہوں جو باتیں حکمت کی کرے گا اور عمل ظلم کے ا۔ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔

ا۔یعنی قیامت تک میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کے قول اور قسم کے ہوں گے عمل اور طرح کے، قول نہایت ہی اچھے ہوں گے عمل نہایت برے، لوگ ان کی خوش گفتاری سے دھوکا کھا کر ان کے جال میں پھنس جایا کریں گے۔چونکہ ان کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہو گی اس لیے انہیں منافق فرمایا یعنی منافق عملی، رب تعالٰی ہمارا علماء و واعظین کو ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے۔

	روایت ہے حضرت مہاجر ابن حبیب سے ا۔فرماتے ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ میں حکمت والے کا ہر کلام قبول نہیں کرتا لیکن میں اس کا ارادہ اس کی خواہش قبول کرتا ہوں ۲۔ تو اگر اس کا ارادہ اور اس کی خواہش میری فرمانبرداری میں ہو تو اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد اور وقار بنادیتا ہوں اگرچہ کچھ نہ بولے ۳۔(دارمی)

ا۔مہاجر ابن حبیب غالبًا صحابی ہیں اور یہ حدیث مرسل نہیں مگر آپ کے حالات قطعًا معلوم نہ ہوسکے حتی کہ صاحب مشکوۃ نے آپ کا ذکر نہ کیا اپنی کتاب الاکمال میں۔

۲۔ یعنی ہماری بارگاہ میں الفاظ مقبول نہیں نیت و ارادہ قبول ہے، الفاظ بغیر اخلاص ایسے ہیں جیسے بادام بغیر مغز یا درخت بغیر پھل یعنی محض بیکار۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما بروں رانگریم و قال را　　　ما دروں رابنگریم و حال را

قال رابگزار مرد حال شو　　　زیر پائے کاملے پامال شو

۳۔ یعنی اخلاص والے کی خاموشی بھی عبادت ہے حمد الٰہی ہے، اس خاموشی سے لوگوں کو فیض پہنچ جاتا ہے، بغیر اخلاص کی گفتگو بھی بیکار ہے۔ ہمارے ہاں پنجاب میں ایک بار مولانا یار محمد صاحب بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ آج ہم نے چپ کا وعظ کرنا ہے یہ کہہ کر خاموش ہوگئے، دس منٹ کے بعد لوگوں میں جوش پھیل گیا، بعض لوگوں کو غشی بے ہوشی طاری ہو گئی، اگر زیادہ دیر یہ سلسلہ جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ بعض لوگوں کی موت واقع ہو جائے یہ ہے خاموشی والی عبادت، بعض بزرگ مراقبہ میں فیض دیدیتے ہیں۔ غرضکہ

مصرع　　　خموشی معنی وارد کہ در گفتن نمی آید

بعض لوگ چیخ چیخ کر گلا پھاڑ لیتے ہیں کوئی اثر نہیں ہوتا۔

باب البکاء و الخوف

رونے اور ڈرنے کا بیان [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] **بکا** بغیر ہمزہ کے بمعنی آنسو ہوتا ہے اور **بکاء** ہمزہ کے ساتھ بمعنی رونا۔**ابکاء** باب افعال سے بمعنی کسی دوسرے کو رلانا۔رونا بہت قسم کا ہے:غم سے رونا،بہت خوشی سے رونا ہے،عشق رسول یا عشق الٰہی میں رونا،ڈر سے رونا یہاں آخری رونا مراد ہے یعنی اللہ تعالٰی کے عذاب کے خوف سے رونا اسی لیے رونے کے ساتھ ڈر کا ذکر فرمایا۔اپنے حال زار پر رونا بھی اسی آخری رونے میں داخل ہے یہ رونا اللہ کی بڑی رحمت ہے۔مولانا فرماتے ہیں ؎

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست	مرد آخر میں مبارک بندہ زیست
باش چوں دولاب دائم چشم تر	تادروں صحن تو روید خضر
تانہ گرید طفل کے جوشد لبن	تانہ گرید ابر کے خندو چمن

اللہ تعالٰی تڑپنے پھڑکنے اپنے خوف سے رونے کی توفیق دے۔بادل روتاہے تو چمن ہنستا ہے،بچہ روتا ہے تو ماں کے پستان میں دودھ جوش مارتا ہے،ہمیشہ آنکھوں کے پانی سے ایمان کے کھیت کو سینچو تاکہ یہ باغ ہرا بھرا رہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں [1] تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم [2] (بخاری)	

[1] یعنی قیامت کے خوف و دہشت،دوزخ کے عذاب،اللہ تعالٰی کی پکڑ،عالم غیب کے اسرار جتنے مجھے معلوم ہیں تم کو ان کا لاکھواں حصہ بھی حاصل نہیں،نیز تم کو جس قدر علم ہے وہ ہم سے سن کر ہے،ہم کو علم ہے دیکھ کر اور دیکھے سنے علم میں فرق ہے۔

[2] یعنی اگر تم کو وہ چیزیں معلوم ہوجائیں یا تو تم ہنسنا بھول ہی جاؤ یا ہنسو بہت کم اور ڈرو بہت زیادہ،تم پر خوف کا غلبہ ہوجاوے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ساری مخلوق کا علم حضور کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے سمندر کے آگے قطرہ کیونکہ **لو تعلمون** میں سارے صحابہ سے خطاب ہے۔دوسرے یہ کہ حضور کے قلب پاک کو اللہ تعالٰی نے بڑی برداشت کی طاقت دی ہے کہ اس قدر عذاب وغیرہ کو جانتے بلکہ دیکھتے ہوئے بھی اپنے کو سنبھالے ہوئے ہیں،لوگوں سے تعلقات بھی رکھتے ہیں،سب سے ہنستے بولتے بھی ہیں۔ہم لوگ تو تارک الدنیا ہوجاتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے"کہ اگر ہم

قرآن مجید پہاڑ پر اتارتے تو وہ بھی اللہ کی ہیبت سے پھٹ جاتا"جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کا دل پہاڑ سے زیادہ قوی ہے۔

	روایت ہے جناب ام العلاء انصاریہ سے ۱؎فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں رسول اللہ ہوں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جاوے گا۲؎(بخاری)

۱؎آپ صحابیہ حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت کی والدہ ہیں یعنی زید ابن ثابت کی بیوی،حضور انور کو آپ سے بہت محبت تھی۔

۲؎یعنی مجھے خبر نہیں کہ دنیا و آخرت میں رب تعالٰی میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔اس حدیث کے متعلق محدثین کے بہت قول ہیں: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اور وہ آیت"وَمَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ"منسوخ ہیں اس آیت سے"لِیَغۡفِرَ لَکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ"بعض چیزیں قابل نسخ ہوتی ہیں۔(مرقات)فقیر کے نزدیک وہ آیت یہ حدیث منسوخ نہیں،یہاں علم کی نفی نہیں درایت کی نفی ہے۔درایت کہتے ہیں کوئی چیز اپنے قیاس اٹکل اندازے سے معلوم کرنا،علم عام ہے۔مطلب یہ ہے کہ میں باوجودیکہ نبی ہوں اور نبی کی عقل تمام جہان سے زیادہ ہوتی ہے مگر اپنے یا دوسروں کا انجام میں بھی عقل و قیاس سے معلوم نہیں کرسکتا بلکہ مجھے یہ علم وحی الٰہی سے ہے اس لیے اس آیت کے آخر میں ہے "اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ"لہذا یہ حدیث دوسری آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔حضور فرماتے ہیں میں اولاد آدم کا سردار ہوں،حمد کا جھنڈا قیامت میں میرے ہاتھ ہوگا،میں گنہگاروں کی شفاعت کروں گا یا کہ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں،ابوبکر و عمر جنتی ہیں وغیرہ،حضور تا قیامت ہر جنتی و دوزخی کو جانتے پہچانتے ہیں"وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا"۔خیال رہے کہ حضرت ام العلاء نے حضرت عثمان ابن مظعون کی وفات پر فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ تم جنتی ہو،اس پر یہ ارشاد عالی ہوا تھا کہ تم محض اپنی عقل سے یہ کیوں کہہ رہی ہو یہ بات تو میں بھی عقل سے نہیں جان سکتا لہذا حدیث واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر آگ پیش کی گئی ۱؎تو میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جو اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب دی جارہی ہے۲؎جسے اس نے باندھ دیا تھا کہ نہ اسے کھلایا نہ چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی حتی کہ بھوک سے مرگئی۳؎اور میں نے عمرو ابن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ آگ میں انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا یہ پہلا وہ شخص ہے جس نے سائبہ جانور ایجاد کیے۴؎(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ شبِ معراج کا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت دوزخ کی سیر فرمائی اور ہر جگہ کے لوگ ملاحظہ کیے،ممکن ہے کہ کسی خواب کا واقعہ ہو مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

۲؎ یہ عورت بنی اسرائیل کی مؤمنہ تھی کافرہ نہ تھی اسے اس گناہ کی وجہ سے یہ عذاب ہورہا تھا۔(مرقات)معلوم ہوا کہ مؤمن کو بھی بعض گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوجاوے گا۔حدیث شریف میں ہے کہ چغل خور اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے والے کو عذاب قبر ہوگا۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی عذاب کا باعث ہے ان کا حق بھی ضرور ادا کرنا چاہیے،تو جو انسان خصوصًا مسلمان پر ظلم کریں وہ کیسی سزا کے مستحق ہوں گے۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آئندہ واقعات کو بھی دیکھتی ہے۔مجرموں کا دوزخ میں جانا قیامت کے بعد ہوگا مگر حضور انور نے آج ہی ملاحظہ فرمالیا۔حضور نے اس رات جنت میں جاتے ہوئے اپنے آگے حضرت بلال کی جوتوں کی آہٹ سنی یہ آہٹ آج کی نہ تھی بلکہ بعد قیامت جب جنت میں حضور داخل ہوں گے تب حضرت بلال ہٹو بچو کرتے آگے ہوں گے وہ آہٹ حضور آج سن رہے ہیں۔تیسرے یہ کہ حضور لوگوں کے اعمال پر مطلع ہیں کہ کون کیا کرتا ہے۔

۴؎ عمرو ابن عامر قبیلہ بنی خزاعہ کا ایک شخص تھا جس نے عرب میں بت پرستی اور بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیا،اسے بھی حضور انور نے اسی عذاب میں گرفتار دیکھا۔سائبہ وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر چھوڑ دی جاوے اس پر کوئی سواری نہ کرے،وہ جہاں چاہے چرتی پھرے کوئی اسے روک ٹوک نہ کرے جیسے ہندوؤں کے سانڈ بجار۔بعض روایات میں عمرو ابن لُحی آیا ہے،ہوسکتا ہے کہ عامر اس کے باپ کا نام ہو اور لُحی اس کے دادا کا نام لہذا حدیثوں میں تعارض نہیں۔(اشعہ)حضور انور نے اس کو آگ میں جلتے نماز کسوف میں بھی دیکھا ہے۔

	روایت ہے حضرت زینب بنت جحش سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس گھبراہٹ میں تشریف لائے فرماتے تھے لا الہ الا اللہ عرب کی خرابی ہے اس شر سے جو قریب آگئی ۱؎ آج یا جوج ماجوج کی دیوار سے اس کی برابر کھل گئی ۲؎ اور اپنے انگوٹھے اور اس سے ملی ہوئی انگلی کا حلقہ بنا لیا،جناب زینب فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم ہلاک کردیئے جاویں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ ہوں ۳؎ فرمایا ہاں جب کہ خباثت بڑھ جاوے ۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس شر سے مراد وہ جنگیں اور فتنے ہیں جو حضور انور بلکہ عہد فاروقی کے بعد عرب میں ظاہر ہوئے حضور نے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے،حضور کی یہ گھبراہٹ ان لوگوں پر شفقت کی وجہ سے تھی۔(اشعہ)

۲؎ یہ دوسری آفت کی خبر ہے۔دیوار سے مراد وہ آہنی دیوار ہے جو سکندر ذوالقرنین نے قوم یا جوج ماجوج کو بند کرنے کے لیے دو پہاڑوں کے درمیان بنائی تاکہ وہ لوگ اس دنیا میں نہ آسکیں۔یاجوج ماجوج کافر انسان ہیں جو بہت قوی بڑی جسامت والے قد آور ہیں،قریب قیامت یہ دیوار گرے گی اور یاجوج ماجوج نکل کر اس دنیا میں آکر آفت ڈھادیں گے۔اس دیوار میں

سوراخ ہوجانا اس کے گرنے کا قرب بتاتا ہے یہ بھی علامت قیامت ہے۔اس سے پتہ لگا کہ حضور کی نظر سارے جہان پر ہے کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے یاجوج ماجوج کی دیوار اس کا سوراخ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد چنگیزی ترکوں کا نکلنا ہے،دنیا خصوصًا اہل عراق کا ان کے ہاتھوں ہلاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔(اشعہ)مگر پہلے معنی قوی تر ہیں۔

۳؎ یہ سوال پہلے فرمان کے متعلق ہے کہ حضور نے فرمایا شر قریب آگئی۔سوال کا مقصد یہ ہے کہ ہم اہل عرب میں مؤمنین صالحین ہیں اور رہیں گے تو کیا انکے ہوتے ہوئے عرب میں یہ شر پھیل جاوے گی۔

۴؎ یعنی جب مسلمانوں میں فسق و فجور عام ہوجاوے تو نیک بندوں کی موجودگی انہیں ان آفات سے بچا نہ سکے گی،کبھی نیک لوگوں کی نیکی بروں کو عذاب سے بچالیتی ہے اور کبھی بروں کی کثرت نیکوں کوعذاب میں گرفتار کردیتی ہے۔

روایت ہے ابو عامر سے یا ابو مالک اشعری سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں وہ قومیں ہوں گی جو موٹے پتلے ریشم ۲؎ اور شراب باجوں کو حلال سمجھ لیں گی ۳؎ اور کچھ قومیں ایک پہاڑی کے برابر اتریں گی جب ان پر ان کے جانور آئیں گے ۴؎ ان کے پاس ایک شخص کسی کام کے لیے آئے گا وہ کہیں گے ہمارے پاس کل لوٹ کر آنا ۵؎ پھر اللہ انہیں رات میں ہلاک کردے گا اور پہاڑ گرادے گا ۶؎ اور دوسروں کو بندر سؤروں میں مسخ کردے گا ۷؎ قیامت کے دن تک ۸؎ (بخاری)اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ہے حر ہے بے نقطہ ہے اور رے سے ۹؎ یہ غلط ہے وہ خ اور ز نقطہ والے سے ہے،اس کی اسی حدیث میں حمیدی اور ابن اثیر نے تصریح کی اور کتاب حمیدی میں ہے ۱۰؎ بخاری سے اور یوں ہی خطابی نے شرح بخاری میں کہا **تروح علیھم سارحة لھم یاتیھم لحاجة** ۱۱؎

۱؎ ابو عامر اشعری حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا ہیں،صحابی ہیں،غزوہ حنین میں شہید ہوئے اور ابو مالک اشجعی بھی کہتے ہیں یہ بھی صحابی ہیں،چونکہ سارے صحابہ عادل ہیں اس لیے ان کے نام میں تردد سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔

۲؎ **خز** موٹا ریشم،**حریر** باریک ریشم،مرد کے لیے دونوں حرام ہیں۔

۳؎ **معازف** بنا ہے **عزف** سے بمعنی جنات کی یا ہوا کی آواز،اصطلاح میں باجوں کی آواز کو یا اس آواز کو جس کے ذریعہ سے انسانی آواز کو اچھا بنایا جاوے معازف یا ملاہی کہتے ہیں۔یعنی میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ان محرمات کو حلال ہی جان لیں گے،یا حلال کی طرح بے دھڑک استعمال کریں گے،یا ان چیزوں کی حلت کے لیے تاویلیں کریں گے مثلًا کہیں گے کہ ریشم اگر جسم سے متصل ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں،ہم نے کرتا سوتی پہنا ہے اوپر سے اچکن ریشمی ہے،یا کہیں گے

کہ باجے وغیرہ قوالی میں حلال ہیں مجازی عشق کے لیے باجے حرام ہیں ہم تو اللہ رسول کے عشق کے لیے سنتے ہیں وغیرہ۔(مرقات)

۴؎ یعنی یہ لوگ بڑے امیر ہوں گے،پہاڑوں پر اپنی کوٹھیاں بنائیں گے،ان کے پاس بہت نوکر جانور ہوں گے،ان کے نوکر دن بھر انکے جانور چرا کر شام کو واپس لایا کریں گے۔

۵؎ یعنی یہ لوگ نکمّے اور کنجوس و بخیل ہوں گے کہ ان کے پاس کوئی حاجت مند اپنی حاجت کے لیے آوے گا تو اسے ٹالنے کے لیے کہہ دیں گے کہ کل آنا۔

۶؎ یعنی رات میں ان پر غیبی آواز آجاوے گی جس سے ان کے بعض لوگ ہلاک ہوجائیں گے اور بعض پر یہ ہی پہاڑ گر پڑے گا جس سے دب کر یہ لوگ ہلاک ہوجائیں گے اور بعض کا وہ حال ہوگا جو آگے مذکور ہے۔غرضکہ لوگ تین حصہ ہوکر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔

۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی امت کے کچھ لوگوں پر قریب قیامت غیبی عذاب بھی آئیں گے اور کچھ لوگ بندر سؤر بھی بنیں گے۔جہاں ارشاد ہے کہ اس امت پر عذاب نہ آوے گا وہاں عام عذاب مراد ہے۔

۸؎ اس لفظ کے تین مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ لوگ روز قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے،یہ عذاب عارضی نہ ہوگا دائمی ہوگا یعنی اس کا تعلق مسخ سے نہیں عذاب سے ہے۔دوسرے یہ کہ وہ لوگ قیامت کے دن اسی مسخ شدہ صورت میں اٹھیں گے بندروں سؤروں کی شکل میں یا قیامت سے مراد ان کی موت کا دن ہے کہ موت بھی ایک طرح کی قیامت ہی ہے یعنی وہ لوگ مرتے دم تک بندر سؤر رہیں گے لہذا حدیث ظاہر ہے،اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ قیامت تک زندہ رہیں اور بندر سؤر بنے رہیں گے۔

۹؎ حر ح کے کسرہ اور ر کے سکون سے بمعنی فرج یعنی زنا کو حلال سمجھ لیں گے کہ بے دھڑک زنا کریں گے،ان کے نزدیک زنا عیب ہی نہ ہوگا۔

۱۰؎ مگر شیخ ابن حجر نے فرمایا کہ بخاری کے بعض نسخوں میں **خز** خ کے کسرہ اور ز کے سکون سے ہے۔معلوم ہوا کہ دونوں لفظ حدیث میں وارد ہیں۔(اشعہ)آج کل یہ عیوب مسلمانوں کے امیر گھرانوں میں پہنچ رہے ہیں۔

۱۱؎ یعنی اس روایت میں **بسارحة** ب کے ساتھ نہیں ہے صرف **سارحة** ہے،مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔**سارحة** وہ جانور جو جنگل میں چرنے جائیں۔یہاں بھی **یاتیھم** کا فاعل **رجل** محتاج ہے،مطلب وہ ہی ہے کہ ان کے پاس کوئی محتاج آدمی اپنی حاجت لے کر آوے۔اس حدیث میں اس قوم کی تین صفات بیان ہوئیں: وہ بنگلوں کوٹھیوں کے مالک ہوں گے،ان کے پاس دودھ وغیرہ کے جانور بہت ہوں گے جنہیں جنگل میں چرانے کے لیے ان کے نوکر چاکر لے جایا کریں گے،وہ بڑے بخیل و کنجوس ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ کسی قوم پر عذاب اتارتا ہے ان سب پر عذاب بھیج دیتا ہے جو ان میں ہوں ۱؎ پھر اپنے اعمال کے اٹھائے جائیں گے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو صرف گنہگاروں پر ہی نہیں آتا بلکہ گنہگار نیک کار جو بھی وہاں ہوں سب پر آتا ہے،جب چکی چلتی ہے تو گندم اور اس میں رہنے والے گھن سب کو ہی پیس ڈالتی ہے۔خیال رہے کہ یہ قانون کلی نہیں ہے کبھی نیکوں کو بچا بھی لیا جاتا ہے،کبھی وہاں سے نیکوں کو نکال دیا جاتا ہے،رب فرماتاہے:" فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ كَانَ فِيۡهَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ"۔

۲؎یعنی ان بے قصور نیک لوگوں کو کل قیامت میں اس تکلیف کی جزا دے دی جاوے گی جو انہیں بے قصور پہنچ گئی جیسے باغیوں کی بستیوں پر حکومت بم باری کرے جس سے حکومت کے وفاداروں کے مکانات جائیداد بھی تباہ ہوجاویں تو انہیں ان کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بندہ اس پر اٹھایا جاوے گا جس پر مرے گا ۱؎ (مسلم)	

۱؎یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے اگر کوئی کفر پر مرے تو کفر پر ہی اٹھے گا اگرچہ زندگی میں مؤمن رہا ہواور اگر ایمان پر مرے تو ایمان پر اٹھے گا اگرچہ زندگی میں کافر رہا ہو۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان جو مشغلہ زندگی میں کرے گا اسی پر ان شاء اللہ مرے گا اور جس پر مرے گا اسی پر اٹھے گا ان شاءاللہ،ذاکرین ذکر الٰہی کرتے ہوئے اٹھیں گے،شاغلین یار کے شغل میں،واصلین وصال میں،کاملین کمال میں حتی کہ بلال اذان دیتے ہوئے اٹھیں گے،اللہ تعالٰی زندگی میں اچھا شغل عطا کرے اسی پر موت دے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے دوزخ کی طرف نہ دیکھا جس سے بھاگنے والا سورہا ہے اور نہ جنت کی مثل جس کا طلبگار سورہا ہے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یہ فرمان عالی اظہار تعجب کے لیے ہے کہ دوزخ بڑی ہی خطرناک چیز ہے مگر لوگ اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے صرف منہ سے خوف کا اظہار کرتے ہیں۔جنت بڑی ہی اعلیٰ نعمت ہے مگر لوگ اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے،صرف زبانی رغبت ہی کرتے ہیں،اس بیماری میں ہم سب ہی گرفتار ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے ۱؎آسمان چرچرارہا ہے اور اس	

کا حق ہے کہ چرچرائے۲؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ نہ آسمانوں میں چار انگل جگہ ہے مگر فرشتہ وہاں اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے۳؎ اللہ کی قسم اگر تم وہ چیزیں جانتے جو میں جانتاہوں تو تم ہنستے تھوڑا روتے بہت اور بیویوں سے بستروں پر لذت حاصل نہ کرتے۴؎ اور اللہ کی پناہ لیتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے ۵؎ ابوذر کہنے لگے ہائے کاش کہ میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا ۶؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ غیبی چیزیں دیکھتی ہے اور حضور کے کان غیبی آوازیں سنتے ہیں،جس نگاہ سے اللہ تعالٰی ہی نہ چھپا اس سے اور کیا چیز چھپے گی۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

ما لاترون میں ما عام ہے ہر غیبی چیز حضور پر ظاہر ہے۔

۲؎ اطت بنا ہے اطیط سے،اطیط کے معنی چرچرانا بھی ہے اور رونا بھی اور مطلقًا آواز بھی یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔فرشتوں کے بوجھ سے چرچرانا جیسے اونٹ کا بھرا ہوا پالان بوجھ سے چرچر کرتا ہے یا خوف الٰہی میں روتا ہے، فرشتوں کی تسبیح و تہلیل سن کر یا خود اللہ کا ذکر اس کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے فرشتوں کے ساتھ۔(مرقات،اشعہ)غرض کہ آسمان آواز ضرور کررہا ہے اس لیے اس کے لیے سننا فرمایا گیا کہ میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان کی یہ آواز میں سن رہا ہوں۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سجدہ کرنے والے فرشتوں کی کثرت کا ذکر ہے کہ آسمان کا ایک چپہ فرشتے کی پیشانی سے خالی نہیں،رکوع، قیام، قعود والے فرشتے ان کے سواء ہیں،رب تعالٰی نے فرشتوں کا قول نقل فرمایا:"مَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ"سجدہ والوں کی جگہ اور ہے رکوع،قیام والوں کی جگہ اور۔

۴؎ اس سے حضور کے تحمل و برداشت کا پتہ لگتا ہے کہ حضور یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے پھر بھی دنیا و دین دونوں سنبھالے ہوئے ہیں۔

۵؎ صعدات جمع ہے صعید کی بمعنی زمین کی ظاہری مٹی،اس سے مراد ہے جنگل جہاں سفیدہ زمین اور مٹی ہی ہوتی ہے مکان پہاڑ وغیرہ نہیں ہوتے یعنی تم خوف و ڈر کی وجہ سے آبادیوں میں رہنا،آرام کرنا بھول جاتے، جنگلوں میں چیختے روتے پھرتے، منزلیں بہت بھاری ہیں۔

۶؎ دردناک تمنا راوی حدیث حضرت ابوذر کی ہے، بعض صحابہ فرماتے تھے کہ کاش میں جانور ہوتا جسے ذبح کرکے کھالیا جاتا، بعض فرماتے تھے کاش میں چڑیا ہوتا کہ جہاں چاہتا بیٹھتا۔مطلب یہ ہے کہ میں انسان نہ ہوتا جو احکام کے مکلّف ہیں اور گناہ کرتے ہیں۔یہ ان لوگوں کا خوف ہے جن کے جنتی ہونے کی خبر قرآن کریم اور صاحب قرآن نے دے دی ہے۔اب سوچو! کہ ہم کس شمار میں ہیں، بات یہ ہے کہ جتنا قرب زیادہ اتنا ہی خوف زیادہ،اللہ اپنا خوف عطا کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ڈرتا ہے وہ اندھیرے اٹھاتا ہے،جو اندھیرے اٹھاتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے ۱؎ خبردار اللہ کا سودا مہنگا ہے اللہ کا سودا جنت ہے ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جو دشمن کے شب خون مارنے کا اندیشہ کرتا ہے وہ جنگل میں رات غفلت سے نہیں گزارتاورنہ مارا جاتا ہے،لٹ جاتا ہے۔شیطان شب خون مارنے والا دشمن ہے،ہم دنیا میں راہِ آخرت طے کرنے والے مسافر،ایمان کی دولت ہمارے پاس ہے یہاں غفلت نہ کرو ورنہ لٹ جاؤ گے۔

۲؎ اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوٰلَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ"۔جنت سودا ہے رب تعالٰی فروخت فرمانے والا ہے،ہم خریدار ہیں ہمارے مال جان اس سودے کی قیمت ہے،اس کا عکس یہ ہے کہ اللہ تعالٰی خریدار ہے ہمارے جان و مال سودے ہیں جنت اس کی قیمت ہے، اگر جان دے کر بھی یہ سودا مل جاوے تو سستا ہے مگر ہمارا حال یہ ہے۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

اللہ تعالٰی ہم محتاجوں کو اپنے محبوب کے نام کی خیرات دیدے فقیروں بھکاریوں سے قیمت نہیں مانگی جاتی اس پر ہر کرم کریمانہ ہوتا ہے۔

چہ باشدکہ مشتے گدایان خیل بیایند دار السلام از طفیل

یعنی یارسول اللہ اگر ہم جیسے مٹھی بھر فقیر آپ کے طفیل جنت میں پہنچ جاویں تو تمہارا کیا بگڑتا ہے ہمارا بھلا ہوجاوے گا۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ آگ سے اسے نکال لو جس نے مجھے ایک دن یاد کیا ہو یا ایک جگہ میں مجھ سے خوف کیا ہو ۱؎(ترمذی،بیہقی کتاب البعث والنشور)

۱؎ من سے مراد مسلمان مخلص ہے اور خوف سے مراد دل کا ڈر ہے،اس کے عمل کے ہے یعنی جو مسلمان عمر بھر میں ایک بار بھی مجھ سے ڈرا ہو اور ڈر کر گناہ سے توبہ کرلی ہو یا جسے میں ایک بار بھی گناہ کرتے وقت یاد آگیا ہوں اور اس یاد کی وجہ سے وہ گناہ سے باز رہا ہو اسے دوزخ سے نکال لو یا بچا لو۔یہ فرمان عالی اس آیت شریفہ کی تفسیر بھی ہوسکتی ہے"وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى"۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کے متعلق پوچھا کہ وہ لوگ کہ جو کچھ کریں ان کے دل ڈرتے کیا ہیں وہ وہ لوگ

ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں ۱؎ فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی ۲؎ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے نمازیں پڑھتے اور صدقات دیتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں کہ ان کا عمل قبول نہ ہو ۳؎ یہ لوگ بھلائیوں سے جلدی کرتے ہیں ۴؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ **یؤتون ایتان** سے بھی بن سکتا ہے بمعنی آنا،لانا کرنا اور **ایتاء** سے بھی بمعنی دینا خیرات کرنا۔حضرت اُم المؤمنین کا یہ سوال شریف اسی بنا پر ہے کہ وہ **یؤتون** کو **ایتان** سے بنا رہی ہیں اور مطلب یہ قرار دیتی ہیں کہ وہ لوگ جو کرتے ہیں کام رب سے ڈرتے ہوئے،کام سے برے کام مراد لیتی ہیں۔(لمعات)یعنی جو برے کام کرتے ہیں رب سے ڈرتے ہوئے لہذا خوفِ خدا گناہ کے وقت چاہیے۔

۲؎ جواب شریف کا مطلب ہے کہ **یؤتون** میں دونوں احتمال ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

۳؎ یعنی یہاں **یؤتون** بنا ہے **ایتان** بمعنی لانے کرنے سے مگر اس سے مراد ہے نیک عمل بدنی ہو یا مالی یعنی جو نیک کام کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ عبارت "**اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ**"الخ بتارہی ہے کہ یہاں نیک اعمال مراد ہیں کہ وہ لوگ اس خوف کی وجہ سے نیکیاں زیادہ کرتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ متقی لوگ وہ ہیں جو گناہ نہیں کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے ہیں۔کرنا اور ڈرنا ان کی صفت نہ کرنا اور اکڑنا فساق کا کام ہے۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے دو تہائی حصے گزر جاتے تو اٹھتے فرماتے اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اللہ کا ذکر کرو ۱؎ دینے والی چیز آن پہنچی جس سے متصل پیچھے آنے والی آ پہنچی ۲؎ موت آ پہنچی موت آ پہنچی مع ان تکالیف کے جو اس میں ہے ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ اس واقعہ سے تین مسئلہ معلوم ہوئے: ایک یہ کہ تہجد کے لیے دو تہائی رات کے بعد اٹھنا چاہیے اس سے پہلے نہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے خاص خدام خاص گھر والوں کو بھی جگانا چاہیے۔تیسرے یہ کہ اس وقت عبادت کی ترغیب کے لیے انہیں ڈرانا یا اللہ کی رحمت سے امید دلانا بہت اچھا ہے۔

۲؎ **راجفة** سے مراد ہے قیامت کا پہلا نفخہ،چونکہ اس نفخہ سے زمین میں سخت زلزلہ پڑ جاوے گا اور **رادفة** سے مراد ہے دوسرا نفخہ جس سے مردے جی اٹھیں گے یعنی قیامت قریب ہے جو کرنا ہے کرلو۔

۳؎ موت ہر شخص کی چھوٹی قیامت ہے اور بڑی قیامت کی دلیل اس کی تکالیف بیان سے باہر ہیں۔مطلب یہ ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے اعمال میں جلدی کرو۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے   اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے ۱؎ لوگوں کو دیکھا گویا وہ ہنس رہے ہیں ۲؎ فرمایا اگر تم لذتیں ختم کرنے والی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو تو وہ تم کو اس سے روک دے جو میں دیکھ رہا ہوں ۳؎ تو لذتیں ختم کردینے والی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں آتا مگر وہ کلام کرتی ہے تو کہتی ہے ۴؎ کہ میں مسافری کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں میں مٹی کا گھر ہوں اور میں کیڑوں کا گھر ہوں ۵؎ اور جب بندہ مؤمن دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے تو خوب ہی آیا تو اپنے گھر میں آیا ۶؎ جو لوگ میری پیٹھ پر چلتے ہیں ان سب میں تو بہت پیارا تھا ۷؎ اب جب کہ آج میں تیری والی بنائی گئی ہوں اور میرے پاس لوٹا تو تو دیکھ لے گا میرا برتاوا اپنے ساتھ ۸؎ فرمایا پھر قبر تاحد نظر فراخ ہوجاتی ہے اور جب بدکار یا کافر بندہ دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے کہ نہ تو خوش آمدید ہے نہ تو گھر میں آیا ۹؎ مجھے ان سب ہی سے زیادہ ناپسند تھا جو میری پشت پر چلتے تھے ۱۰؎ تو آج جب کہ میں تیری والی بنائی گئی اور تو میری طرف لوٹا تو میرا معاملہ اپنے ساتھ دیکھ لینا ۱۱؎ فرماتے ہیں کہ پھر قبر اس سے سکڑ جاتی ہے حتی کہ مردہ کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں ۱۲؎ فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا تو بعض کو بعض کے اندر داخل کردیا فرماتے ہیں اور اس پر ستر پتلے سانپ مسلط کردیئے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک زمین میں پھونک مار دے تو رہتی دنیا تک زمین کچھ نہ اگائے ۱۳؎ وہ اسے کاٹتے اور نوچتے ہیں حتی کہ اسے حساب تک پہنچایا جاوے فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت	

	کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوذخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔(ترمذی)

۱؎غالبًا نماز سے مراد نماز جنازہ ہے اگلا مضمون یہ ہی بتارہا ہے۔(مرقات)جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے ہنسا ممنوع ہے۔

۲؎ یکتشرون کا مادہ کشرؒ ہے بمعنی دانت ظاہر ہونا،ہنسنے کو اکتشار اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں دانت ظاہر ہوجاتے ہیں،تبسم کوکشر نہیں کہا جاتا۔

۳؎یوں تو ویسے ہی موت کا ذکر چاہیے خصوصًا میت کے ساتھ جاتے وہاں سے لوٹتے ہوئے زیادہ چاہیے۔

کلیاں من میں سوچت ہیں جب کلی کوئی کملاوت ہے　　جو دن ان پر بیت گیا وہ کل ہم پر بھی آوت ہے

مالی آیا باغ میں اور کلیاں کریں پکار　　کھلی کھلی سب توڑ لو کل ہم ری ہے بار

۴؎ان جیسی احادیث میں قبر سے مراد بزرخ کا عالم ہے خواہ اس قبر کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔(مرقات)ہم اس کی تحقیق مرات جلد اول میں باب عذاب قبر کی شرح میں کرچکے ہیں۔

۵؎لہذا قبر میں واحد قہار کا کرم ہی کام آوے گا،تم لوگ دنیا میں اپنے کو مسافر سمجھو تمہاری حقیقت مٹھی بھر مٹی ہے،کسی بات پر فخر و شیخی نہ کرو،چونکہ تم کو دنیا سے کھانا ہے لہذا کھانے پینے میں حرام حلال کا خیال رکھو کہ انجام فنا ہے۔قبر عمل کا صندوق ہے،اس قبر میں ہمارے گوشت گل سڑ کر کیڑے بنے گا جو اولًا ہمارے اعضاء کھائیں گے،پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھالیں گے،ان حالات سے حضرات انبیاء،شہداء،اولیاء،علماء،عاملین علیحدہ ہیں کیونکہ علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے۔(مرقات)جب شہید کا خون پاک ہے تو علماء کی روشنائی کا کیا پوچھنا اس روشنائی سے دین قائم ہے اس لیے یہ حضرات ان احکام سے علیحدہ ہیں۔(شعر)

اندھیرا گھر اکیلی جان دم گھٹتا دل اکتاتا　　خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے

۶؎یعنی اے مردہ میں بظاہر تیری قبر ہوں مگر درحقیقت تیرا گھر ہوں جیسے انسان اپنے گھر میں اجنبی نہیں ہوتا خوش و خرم رہتا ہے تو بھی یہاں اجنبی نہیں۔

۷؎کیونکہ تو زندگی میں مجھ پر اللہ کی عبادت کرتا تھا جس سے میں خوش ہوتی تھی۔معلوم ہوا کہ مؤمن بندہ زمین کو بھی پیارا ہوتاہے۔

۸؎یعنی میری پشت پر رہ کر تو نے مجھے خوش کیا اب جب تو میرے پیٹ میں آیا ہے تو میں تجھے خوش کروں گی۔معلوم ہوا کہ نیک بندے سے ساری روئے زمین خوش رہتی ہے۔

۹؎یعنی اے کافر تو اپنے گھر سے سفر میں آیا ہے کیونکہ کافرکا گھر دنیا ہے اور مؤمن کا گھر آخرت لہذا مؤمن مرکر اپنے گھر میں جاتا ہے کافر مرکر گھر سے جاتا ہے،کافر کی موت چھوٹنے کا ذریعہ ہے مؤمن کی موت ملنے کا ذریعہ،مؤمن ہنستا ہوا مرتا ہے کافر روتا ہوا۔ع　یار خنداں رو و بجانب یار۔

خیال رہے کہ قرآن و حدیث میں مؤمن و کافر کی جزا و سزا کا ذکر ہوتا ہے مگر گنہگاروں کا ذکر نہیں ہوتا ان کی پردہ پوشی کے لیے اور تاکہ گنہگار امید و ڈر کے درمیان رہیں۔(مرقات)

۱۰؎ یعنی تو میری پشت پر تو شرک و کفر و گناہ کرتا تھا جس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی۔معلوم ہوا کہ انسان کے کفر و گناہ سے زمین بلکہ ہر چیز کو تکلیف ہوتی ہے۔

۱۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین اور فرشتوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے سزا دینے کا اختیار ملتا ہے وہ بااختیار سزا دیتے ہیں ورنہ ولیت اور صنیعی کے کچھ معنی نہ ہوں گے۔

۱۲؎ خیال رہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے گنہگار مؤمن پر بھی عذاب قبر ہوجاتا ہے مگر وہ عذاب عارضی ہوتا ہے کسی نیک بندہ کے وہاں گزر جانے،زندوں کی دعا کردینے،جمعہ یا بڑے دن کے آجانے سے ختم ہوجاتا ہے مگر کافر کا یہ عذاب دائمی ہوتا ہے،یہاں دائمی عذاب مراد ہے اللہ تعالٰی محفوظ رکھے۔

۱۳؎ پتلے سانپ میں زہر زیادہ ہوتا ہے موٹے سانپ یعنی اژدھے میں زہر یا تو ہوتا نہیں یا بہت ہی کم ہوتا ہے یعنی وہ سانپ اس قدر زہریلے ہوتے ہیں،ان کی سانس ایسی گرم ہوتی ہے کہ زمین کو لگ جاوے تو زمین قابل کاشت نہ رہے،آج جہاں ایٹم بم پھٹ جاوے وہاں کی زمین پختہ اینٹ کی طرح ہوکر ناقابل کاشت بن جاتی ہے،وہ تو قدرتی زہر ہے اس پر تعجب یا اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔اللہ کا عذاب اس کی پکڑ بہت سخت ہے"اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ"یعنی یہ عذاب قبر کافر کو قیامت تک ہوگا،محشر اور دوزخ کا عذاب جو بعد قیامت ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے۔اس طرح کہ مؤمن کی قبر میں جنت کی خوشبوئیں وہاں کی ترو تازگی آتی رہتی ہیں،کافر کی قبر میں دوزخ کی گرمی وہاں کی بدبو پہنچتی رہتی ہے۔بزرگوں کی قبر کو اردو میں روضہ کہتے ہیں فلاں بزرگ کا روضہ،یہ لفظ اسی حدیث سے ماخوذ ہے یعنی جنت کا باغ۔

	روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا یارسول اللہ آپ بوڑھے ہوگئے ۱؎ فرمایا مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا ۲؎ (ترمذی)

۱؎ اس طرح کہ حضور پر ضعف کے آثار نمودار ہیں حتی کہ اکثر نماز بھی بیٹھ کر پڑھتے ہیں،یہ مطلب نہیں کہ آپ کے بال سفید یا نگاہ کمزور ہوگئی کیونکہ حضور انور کے سر مبارک داڑھی شریف اور ریش شریف میں بیس سے کم بال سفید تھے۔(ازمرقات)حتی کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے شمار کی ہے آپ کے کل چودہ بال سفید تھے۔(مرقات)بعض روایات میں ہے کہ چودہ بال سر شریف میں،پانچ بال داڑھی میں،ایک بال ریش بچی میں۔

۲؎ یعنی جن سورتوں میں عذاب الٰہی کا ذکر ہے ان کے عذاب سے مجھے اپنی امت پر خوف ان کی فکر اس قدر ہے کہ اس فکر نے مجھے بوڑھا کردیا۔ایک بزرگ نے خواب میں حضور کی زیارت کی یہ ہی حدیث پیش کی،فرمایاحدیث صحیح ہے ہم نے یہ فرمایا ہے اس نے پوچھا کون سی آیت نے حضور کو بوڑھا کیا،فرمایا"فَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ وَمَنۡ تَابَ مَعَکَ"۔(مرقات)امت کی استقامت بڑی مشکل چیز ہے جس کی فکر حضور کو ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یارسول اللہ آپ بوڑھے ہوگئے فرمایا مجھے سورۂ ہود،سورۂ واقعہ،سورۂ المرسلات اور عمّ

	یتساءلون اور اذا الشّمس کوّرت نے بوڑھا کردیا ۱؎ (ترمذی)اور جناب ابوہریرہ کی حدیث کہ آگ میں داخل نہ ہوگا،الخ کتاب الجهاد میں ذکر کردی گئی۔

۱؎ یعنی ان سورتوں میں عذابِ الٰہی کا ذکر ہے جن سے مجھے اپنی امت کی فکر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نگاہوں میں بال سے زیادہ باریک ہیں ۱؎ ہم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موبقات یعنی ہلاک کرنے والے سمجھتے تھے ۲؎ (بخاری)

۱؎ یعنی معمولی روز مرہ کے گناہ جو عادۃً ہوتے رہتے ہیں جیسے بدنظری یا زبان سے جھوٹ غیبت کا نکل جانا جنہیں تم نہایت معمولی سمجھتے ہو۔مرقات نے اس عبارت کے یہ معنی کیے کہ وہ اعمال جنہیں تم باریک نظری سے نیکیاں سمجھتے ہوانہیں کھینچ تان کراچھا جانتے ہو۔

۲؎ یعنی ہم انہیں ہلاک کردینے والے گناہ سمجھتے تھے۔معلوم ہوا کہ چھوٹے گناہوں کو بڑا سمجھنا،ان سے بہت ڈرنا بچنا قوت ایمانی کی دلیل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ تابعین کے زمانہ میں بہت سے بری بدعتیں ایجاد ہوچکی تھیں جنہیں لوگ نیکی سمجھتے تھے اور واقع میں وہ گناہ تھے۔آج بعض لوگ نماز کی پرواہ نہیں کرتے،تلاوت قرآن کے قریب نہیں جاتے،دن رات گانا بجانا،ڈھول ڈھماکا حتی کہ بھنگ چرس میں مشغول رہتے ہیں اور اسے خدا رسی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھتے ہیں۔

کار شیطان می کند نامش ولی   گرولی ایں است لعنت برولی

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم حقیر و معمولی گناہوں سے بچی رہو ۱؎ کہ ان کے متعلق بھی اللہ کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہے ۲؎(ابن ماجہ،دارمی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی صرف گناہ کبیرہ سے بچنے پر کفایت نہ کرو بلکہ گناہ صغیرہ سے بھی بچتے رہو،اگر ہوجاویں تو ان کے کفارہ کے لیے نیک اعمال کرو اور جلد توبہ کرلو۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنا گناہ کبیرہ ہے،شیطان اولًا چھوٹے گناہ کراتا ہے پھر بڑے گناہوں میں لگادیتا ہے،پھر عقیدے خراب کرتا ہے۔سنتیں بلکہ مستحبات ایمان کے خزانہ کی پہلی دیوار ہے یہاں ہی شریعت کا پہرا رکھو۔

۲؎ طالب سے مراد یا اعمال لکھنے والا فرشتہ ہے یعنی چھوٹے گناہوں کی بھی تحریر ہورہی ہے یا قیامت میں باز پرس کرنے والا فرشتہ جو رب تعالٰی کی طرف سے اس پر مقرر ہے یا اس سے مراد ہے عذاب الٰہی جو گنہگاروں کے پیچھے لگا ہوا ہے۔خلاصہ یہ

ہے کہ کوئی گناہ چھوٹا سمجھ کر کرنہ لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے اور کوئی نیکی چھوٹی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک قطرہ پانی جان بچالیتا ہے،نہایت ہی اعلٰی تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابو بردہ ابن ابو موسیٰ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا کہا تھا ۲؎میں نے عرض کیا نہیں،فرمایا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے فرمایا کہ اے ابو موسیٰ کیا تم کو یہ پسند ہے کہ ہمارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنا آپ کے ساتھ جہاد کرنا اور حضور کے ساتھ ہمارے سارے اعمال جو ثابت ہوئے اور یہ کہ ہر کام جو ہم نے حضور کے بعد کئے ہم اس سے نجات پاجائیں پورا پورا ۳؎تو تمہارے والد نے میرے والد سے کہا نہیں واللہ ۴؎ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیے اور نمازیں پڑھیں،روزے رکھے اور سب سے اچھے عمل کیے اور ہمارے ہاتھوں پر بہت لوگ ایمان لائے اور ہم ان کی امید رکھتے ہیں ۵؎میرے والد نے کہا کہ لیکن میں تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو تمنا کرتاہوں ۶؎کہ یہ سب کچھ ہمارے لیے ثابت اور یہ کہ ہم نے اس کے بعد جو کام کیے ہیں ۷؎ان سے نجات پاجائیں برابر سربہ سر ۸؎تو میں نے کہا یقینًا تمہارے باپ اللہ کی قسم میرے باپ سے بہتر تھے ۹؎(بخاری)

۱؎آپ عامر ابن عبداللہ ابن قیس اشعری ہیں،مشہور تابعین سے ہیں،اپنے والد اور حضرت علی سے ملاقات کی،قاضی شریح کے بعد آپ ہی کوفے کے قاضی ہوئے،حجاج نے آپ کو معزول کیا۔

۲؎ یعنی ایک دفعہ حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو موسیٰ اشعری آپس میں باتیں کررہے تھے کہ دوران گفتگو میں کیا بات چیت ہوئی تھی کیا تمہیں خبر ہے کہ اس وقت حضرت عمر فاروق پر خوف الٰہی کا دریا موجیں ماررہا تھااس حال میں آپ نے یہ فرمایا۔

۳؎یعنی ہم نے کچھ نیک اعمال تو حضور انور کی موجودگی میں کیے اور کچھ نیک اعمال حضور کے بعد،اگر یہ تمام نیکیاں مل کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جاویں کہ ہم کو ثواب ملے نہ ہم کو عذاب تو کیا تم اس پر راضی ہو۔خیال رہے کہ **برد** ماضی ہے **برودۃ** کا بمعنی ٹھنڈک۔حدیث شریف میں سردی کے روزوں کو غنیمت باردہ فرمایا گیا۔**برد** کے معنی ہوئے نیک اعمال ہمارے لیے ٹھنڈک ہوگئے یعنی ضبط نہ ہوئے باقی رہے۔حضرت عمر جیسی ہستی کے اعمال حضور کے زمانہ میں اور بعد میں کتنے ہیں

جیسے آسمان کے تارے کہ نہ تاروں کی شمار ہے نہ حضرت عمر کی نیکیوں کی شماران کا یہ فرمان ہے،بولو اب ہم کس شمار میں ہیں۔

۴؎ یعنی ہم اس کفاف ہوجانے پر راضی نہیں،حضرت ابو موسیٰ پر امید کا غلبہ ہے،اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم رب تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر رب تعالیٰ ہم سے یہ پوچھے تو ہم راضی نہ ہوں ہم عرض کریں کہ مولیٰ ہم کو بڑا اجر دے ہم پر بڑا فضل کر۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ۔۔۔ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

۵؎ بندے پر بعض وقت ایسے آتے ہیں کہ رب تعالیٰ بندے کی رضا چاہتا ہے"وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"اور حضرت ابوبکر صدیق کے لیے فرماتا ہے:"وَلَسَوْفَ یَرْضٰى"۔

۶؎ یعنی اے ابو موسیٰ تمہاری امید کا یہ حال ہے اور میرے خوف کا یہ عالم ہے کہ میں تو یہ ہی غنیمت سمجھتا ہوں۔

۷؎ یعنی جو عبادات اور جہاد وغیرہ ہم نے حضور انور کے زمانہ میں کیے اور جو کچھ بعد میں کیے یہ سب ملا لئے جاویں۔

۸؎ یہ سارے اعمال ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جاویں کہ ہم کو اللہ کے عذاب سے نجات مل جاوے نہ جنت ملے نہ دوزخ۔

۹؎ اس عبارت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اس معاملہ میں آپ کے والد حضرت عمر میرے والد حضرت ابو موسیٰ سے بہتر تھے کہ ان پر خوف الٰہی کا غلبہ تھا اور میرے والد پر امید کا غلبہ،خوف امید سے افضل ہے کہ خوف ہی سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ اکبر آپ کے والد تو میرے والد سے کہیں بہتر تھے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے،خلیفۃ المسلمین،غازی اسلام،فاتح بلدان تھے پھر انکے خوف و خشیت کا یہ حال تھا تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔خیال رہے کہ بندہ کو رب سے جتنا قرب زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی خوف زیادہ،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"حضور فرماتے ہیں انا اعلمکم باللہ و اخشاکم۔اللہ تعالیٰ حضرت فاروق اعظم کے صدقہ میں ہم کو اپنا خوف دے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے میرے رب نے نو چیزوں کا حکم دیا اللہ سے ڈرنا خفیہ اور ظاہر ۱؎ اور انصاف کی بات کرنا غصہ اور رضا میں ۲؎ درمیانی چال فقیری اور امیری میں ۳؎ اور یہ کہ میں اس سے جوڑوں جو مجھ سے توڑے اور اسے دوں جو مجھے محروم کرے اور اس کو معافی دوں جو مجھ پر ظلم کرے ۴؎ اور یہ کہ میری خاموشی فکر ہو،میرا بولنا ذکر،میرا دیکھنا عبرت ہو اور حکم دوں اچھائی کا اور کہا گیا کہ اچھی باتوں کا ۵؎ (رزین)	

۱؎ خوف ہر ڈر کو کہتے ہیں مگر خشیت وہ ڈر جس کے ساتھ تعظیم و توقیر ہو۔تقویٰ وہ ڈر جس کے ساتھ اطاعت ہو۔خفیہ و ظاہر خوف یہ ہے کہ چہرہ پر آثار خوف نمودار ہوں اور دل میں بھی اللہ کا خوف ہو یا علانیہ بھی اچھے اعمال کرے اور تنہائی میں بھی ایسے کی وہاں قدر ہے۔

۲؎ انسان کسی سے خوش ہوتا ہے تو اس کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے اور جب اس پر غصہ آتا ہے تو اسے جھوٹے عیب لگاتا ہے یہ دونوں چیزیں بری ہیں،ہر حال میں اپنے اور دوسروں کے متعلق انصاف کی بات کرے۔

۳؎ اس طرح کہ نہ تو امیری میں اترائے نہ غریبی میں گھبرائے،دل کا حال اپنی چال ہر وقت یکساں رکھے اس سے انسان بہت آرام میں رہتا ہے۔

۴؎ یہاں معافی سے مراد اخلاقی معافی ہے نہ کہ مجبوری کی معافی یعنی بدلہ لینے پر قدرت ہو پھر معافی دے دی جاوے جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے دربار میں آئے ہوئے بھائیوں کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ فتح فرماکر سب اہل مکہ کو معافی دے دی یہ معافی کمال ہے،قرآن مجید کی جو معافی کی آیتیں منسوخ ہیں وہاں مجبوری و کمزوری کی معافی مراد ہے جیسے "فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ" یا "فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ"۔

۵؎ یعنی جب خاموش رہوں تو رب کی نعمتیں،اس کی قدرتیں سوچوں اور جب بولوں تو اللہ کی حمد،تلاوت،قرآن، تبلیغ، لوگوں کو رہبری کروں،کوئی ناجائز بات منہ سے نہ نکالوں،ہر دنیاوی گفتگو میں اللہ کا ذکر شامل رکھوں۔غرضکہ میری حرکت و سکون اطاعت الٰہی میں ہو۔عرف و معروف دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اچھی بات،بعض نے کہا کہ عرف عام ہے معروف خاص،معروف اچھے کام اور عرف اچھا کلام اور اچھے کام اچھی بات کا حکم دنیاوی چیز نہیں ہے بلکہ نطقی ذکر کا بیان ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی بندہ مؤمن نہیں جس کی آنکھوں سے آنسو نکلیں اگرچہ مکھی کے سر برابر ہوں اللہ کے خوف سے۱؎ پھر وہ آنسو اس کے چہرے کے ظاہری حصہ کو پونچھیں۲؎ مگر اسے اللہ آگ پر حرام فرمادے گا۔(ابن ماجہ)	

۱؎ خوف سے عام ڈر مراد ہے۔گنہگار کو اللہ کے عذاب کا خوف ہو خواہ نیک کار کو اللہ تعالٰی کی ہیبت ہو۔خیال رہے کہ یہاں خوف کے رونے کی جزاء کا ذکر ہے یعنی دوزخ سے نجات،ذوق شوق کا رونا اس سے افضل اس کی جزاء ان شاءاللہ جنت کی عطا ہوگی۔

۲؎ حر ح کے پیش ر کے شد سے بمعنی چہرے کا سامنے والا حصہ یعنی آنسو اس قدر نکلیں کہ اس کے چہرے پر بہہ کر آجاویں۔بہتا خون وضو توڑ دیتا ہے بہتا آنسو گناہ توڑ دیتا ہے۔

باب تغیر الناس

لوگوں میں تبدیلی کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی مختلف زمانوں میں لوگوں کے مختلف حالات ہوجانے کا بیان۔چنانچہ زمانہ نبوی میں لوگوں میں دین پر استقامت۔شریعت کی اتباع،دنیا سے بے رغبتی،دنیاوی دولت و عزت پر غرور نہ ہونا،نیک اعمال پر پابندی،دل کی نورانیت،باطنی صفائی کمال درجہ کی تھی بعد میں وہ کمال نہ رہا،آخر زمانہ میں اس کے برعکس ہوجاوے گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ ان سو اونٹوں کی طرح ہیں ۱؎ جن میں تم ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں الناس سے مراد آخر زمانہ کے لوگ ہیں،قریب قیامت لوگوں کا یہ حال ہوگا۔زمانہ رسالت میں اگرچہ حضرات صحابہ کے درجات مختلف تھے مگر سب عادل،ثقہ،مؤمن،صالح تھے لہذا اس حدیث سے شیعہ دلیل نہیں پکڑسکتے کہ سارے صحابہ گمراہ فاسق تھے سواء حضرت علی،بلال،سلمان وغیرہم چار پانچ صحابہ کے کہ یہ معنی قرآن کی صریحی آیات کے خلاف ہیں اس لیے یہ حدیث تغیر الناس میں مذکور ہوئی،اگلی حدیث بھی اس معنی کی تائید کررہی ہے۔حضور نے فرمایا اصحابی کالنجوم،قرآن کریم فرماتاہے:"فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ "اس آیت و حدیث نے صحابہ کو تارے فرمایا۔

۲؎ راحلۃ بنارحل سے بمعنی کجاوہ جس پر بوجھ رکھا جاوے یا آدمی سوار ہو یعنی جیسے سو اونٹ ہوں جو رنگ روپ جسامت میں یکساں معلوم ہوتے ہوں مگر سواری یا بوجھ لادنے کے قابل ایک بھی نہ ہو،صرف کھانے پینے کے لیے ہی ہوں ایسے ہی لوگ ہوجائیں گے شکل و صورت،بات چیت میں بڑے اچھے ہوں گے مگر معاملہ کے قابل ایک نہ ہوگا جیساکہ آج دیکھا جارہا ہے۔انسان کی آزمائش معاملہ پڑنے پر ہوتی ہے نماز روزہ،حج و زکوۃ آسان ہے معاملہ کی صفائی بڑی مشکل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ تم اپنے سے اگلوں کی راہ چلو گے بالشت بالشت کے مطابق اور گز گز کے مطابق ۱؎ حتی کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے چلو گے ۲؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا یہود و نصاریٰ کے،فرمایا تو اور کون ۳؎

	(مسلم،بخاری)

۱؎ سنن جمع ہے سنة کی بمعنی طریقہ،روشن خواہ اچھا ہو یا برا یہاں برا طریقہ مراد ہے۔اگلوں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں یعنی تم ان یہود و نصاریٰ کے نقال بنو گے اور رسم و رواج ان کی چال ڈھال پسند کرو گے،اسے ہی اختیار کرو گے،بالکل ان کے مطابق ہوجاؤ گے جیسے ایک ہاتھ کا بالشت دوسرے ہاتھ کے بالشت کے بالکل برابر ہوتا ہے یا جیسے ایک گزدوسرے گز کے بالکل برابر۔دیکھ لو آج ہمارا کیا حال ہے یہ فرمان سنو اور اپنا حال دیکھو۔ہندو،سکھ،پارسی،مجوسی سب اپنی شکل اپنے لباس کو اپنی وضع قطع کو پسند کرتے ہیں مگر مسلمان ہیں کہ عیسائیوں کی نقل میں فنا ہوئے جارہے ہیں،سردیسی ہے بال انگریزی،منہ دیسی ہے زبان انگریزی،غذا دیسی ہے اسے کھاتے ہیں انگریزی طریقے سے۔

۲؎ یعنی اگر عیسائی ایساکام کریں جس میں نفع کوئی نہ ہو نری تکلیف ہی ہو تو تم ان کی نقالی میں وہ کام ضرور کرو گے۔ہم نے دیکھا کہ سخت سردی ہے مگر صاحب بہادر سر نہیں ڈھکتے ننگے سر پھرتے ہیں،بیمار ہوجاتے ہیں،منہ سے بھی روتے ہیں اور آنکھوں ناک سے بھی،روٹی کھاتے ہیں کھڑے ہو کر بلکہ گھوم گھوم کر جنٹلمین اور ان کی عورتیں نیم عریاں لباس بنتے ہیں،پوچھو ان حرکتوں میں فائدہ کیا ہے،صرف نقصان اور تکلیف ہی ہے،یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور اس غیب دان نبی کے علم کے قربان۔

۳؎ یعنی اگلوں سے یہ ہی قومیں مراد ہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ انسان معجون مرکب ہے اس میں حیوانیت بھی ہے اور ملکیت بھی۔(فرشتہ کے صفات)اگر انسان پر ملکیت غالب آجاوے تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور اگر اس پر حیوانیت کا غلبہ ہوجاوے تو اسفل السافلین میں پہنچ جاتا ہے۔حاکم نے بروایت حضرت ابن عباس حدیث نقل کی کہ اگر عیسائی سڑکوں پر اپنی بیویوں سے صحبت کریں گے تو تم بھی ایسا ہی کرو گے۔(مرقات)

	روایت ہے مرادس اسلمی ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک لوگ آگے پیچھے چلے جائیں گے اور بھوسی رہ جاوے گی جیسے جو کی یا چھوہاروں کی بھوسی اللہ تعالٰی ان کی مطلقًا کوئی پرواہ نہ کرے گا ۲؎(بخاری)

۱؎ آپ صحابی ہیں،بیعت الرضوان میں شریک تھے،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے قیس ابن جازم کی روایت سے۔

۲؎ حثالہ اور حفالہ جو کی بھوسی یا خرمہ کا کوڑا جو کسی کام نہ آسکے۔اس سے مراد وہ نفس پرست مسلمان ہیں جن کے صرف نام مسلمانوں کے سے ہوں باقی وہ دین یا قوم یا وطن کے لیے مطلقًا مفید نہ ہوں۔اگر چھلکا مغز کے ساتھ رہے تو اس کی بھی قدر ہوجاتی ہے،مغز سے علیحدہ ہوکر پھینکا ہی جاتا ہے،اگر بروں کے ساتھ اچھے بھی ہوں تو یہ بھی تیر جاتے ہیں،اگر اچھے نکل جاویں تو ڈوب جاتے ہیں۔یہاں یہ ہی فرمایا گیا کہ جب تک ان میں اچھے رہیں گے تب تک رب تعالٰی ان کی پرواہ کرے گا،اچھوں کے اٹھ جانے پر ان بروں کی کوئی قدر نہ ہوگی ہر طرح غضب میں گرفتار ہوں گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت اکڑ کر چلے ۱؎ اور شاہزادے یعنی فارس و روم کے بچے ان کی خدمت کریں ۲؎ تو اللہ تعالٰی ان کے بہتروں پر بدتروں کو مسلط کردے گا ۳؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ مطیطیاء میم کے پیش اور پہلی ط کے فتحہ سے اس کا مادہ مطی ہے بمعنی اکڑ غرور،رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰى"۔معلوم ہوا کہ متکبرین کی طرح چلنا بھی اللہ کے عذاب کا سبب ہے،مسلمان کی نشست و برخاست چلنے پھرنے میں تواضع اور انکسار چاہیے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ"اور فرماتاہے:"وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا"۔

۲؎ یعنی مسلمان فارس و روم کے ملک فتح کریں وہاں کے شہزادے غلام اور شہزادیاں لونڈیاں بن جاویں تو ان مسلمانوں کا وہ حال ہوگا جو آگے مذکور ہے۔

۳؎ چنانچہ دیکھ لو عہد فاروقی میں روم و فارس فتح ہوئے تو مسلمانوں نے عثمان غنی کو شہید کیا اور کچھ عرصہ بعد یزید،حجاج جیسے ظالم بنی امیہ ان پر مسلط ہوگئے۔یہ خبر حضور کا معجزہ ہے نفس انسانی تکالیف میں ٹھیک رہتا ہے۔اس حدیث پاک میں تین غیبی خبریں ہیں:آئندہ فارس و روم کا فتح ہونا،شہزادوں شہزادیوں کا مسلمانوں کا غلام و لونڈیاں بننا،مسلمانوں پر بدترین لوگوں کا حاکم بن جانا۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تم لوگ اپنے امام کو قتل کرو گے اور اپنی تلواروں سے اور تمہارے بدترین لوگ تمہاری دنیا کے وارث ہوجائیں گے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یہ تینوں باتیں عہد عثمانی اور اس کے بعد ہوچکیں اور قریب قیامت میں بھی ہوں گی غالبًا وہ ہی واقعے مراد ہیں جو قریب قیامت ہوں گے۔مسلمانوں نے اپنے خلیفہ عثمان غنی کو قتل بھی کیا،پھر زمانہ حیدری میں آپس میں کشت و خون بھی بہت کیے،پھر بدترین لوگ بادشاہ بھی بنے جیسے یزید،حجاج وغیرہ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں قائم ہوگی قیامت حتی کہ دنیا کا کامیاب ترین شخص خبیث کے بچے خبیث ہوں گے	

	۱؎(ترمذی، بیہقی،دلائل النبوۃ)

۱؎لکع لام کے پیش کاف کے فتحہ سے بمعنی خبیث،احمق،نادان،بے سمجھ بچہ،یہاں بمعنی خبیث یا بمعنی احمق ہے یعنی قوم کے سردار سلطان حاکم وہ لوگ بنیں گے جو خاندانی خبیث ہوں گے جنہیں دین سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔دوسری حدیث میں جو حضرت حسین کو لکع فرمایا گیا وہاں بمعنی نا سمجھ بچہ پیارا لخت جگر ہے۔یہاں لمعات میں ہے کہ لکع زمین سے چمٹا ہوا میل ہے،ذلیل خبیث نادان کو لکع اس لیے کہا جاتا ہے کہ خباثت اور نادانی اس کے لیے لازم ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن کعب قرظی سے ۱؎فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت علی ابن ابی طالب کو فرماتے سنا ۲؎کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے۳؎کہ اچانک ہم پر مصعب ابن عمیر نمودار ہوئے۴؎جن پر صرف ایک چادر تھی چمڑے سے پیوند کی ہوئی تو جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حضور رو پڑے اسی نعمت کے خیال سے جس میں وہ پہلے تھے اور اسی حالت سے جس میں وہ آج ہیں۵؎پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم کیسے ہوگے جب تم میں سے کوئی ایک جوڑے میں صبح ملے گا اور دوسرے جوڑے میں شام ۶؎اور اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جاوے گا اور دوسرا اٹھایا جاوے گا ۷؎اور تم اپنے گھروں کو ایسے کپڑے پہناؤ گے جیسے کعبہ پہنایا جاتا ہے ۸؎تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اس دن آج کے دن سے اچھے ہوں گے کہ عبادت سے فارغ ہوں گے اور کام کاج سے بچالیے جاویں گے،فرمایا نہیں تم آج اچھے اس دن کے مقابلہ میں ۹؎(ترمذی)

۱؎آپ تابعی ہیں،بنی قریظہ سے ہیں جو یہود مدینہ تھے،آپ کے والد کعب قرظی اس وقت بچے تھے جب بنی قریظہ کو قتل کیا گیا اس لیے وہ قتل سے بچ گئے تھے۔(مرقات)

۲؎حضرت علی سے یہ سننے والے اگر صحابی ہیں تو حدیث صحیح ہے کہ صحابی سارے کے سارے عادل ثقہ ہیں،اگر ان کا نام معلوم نہ ہو تو حرج نہیں اور اگر یہ سننے والے صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں تو تابعی کی جہالت قابل مغفرت ہے۔(مرقات)مگر اس صورت میں حدیث مجہول ہوگی۔

۳؎مسجد نبوی میں یا مسجد قبا میں پہلا احتمال قوی ہے۔

۴؎آپ قریشی مکی اور عبدری ہیں،آپ اسلام سے پہلے بڑے دولت مند نہایت خوش خوراک اور خوش لباس تھے،بیعت عقبہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہی مدینہ منورہ کا مبلغ قرار دیا،آپ نے وہاں اسلام کی بہت اشاعت فرمائی اور ہفتہ میں

ایک دن اجتماع کا رکھا اتفاقًا وہ دن جمعہ مقرر ہوا گویا جمعہ کی بنیاد آپ کے ہاتھوں قدرتی طور پر ہوئی۔بعد ہجرت آپ صفہ والوں میں مقرر ہوئےاور آپ کی غربت و افلاس یا ترک دنیا کا وہ حال ہوا جو یہاں مذکور ہے۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں پہلے حضرت مصعب ابن عمیر اور عبداللہ ابن ام مکتوم پہنچے پھر حضرت بلال،سعد ابن ابی وقاص اور عمار ابن یاسر پہنچے،پھر حضرت عمر بیس صحابہ کرام کے ساتھ پہنچے۔(بخاری شریف جلد اول،ص ۵۵۸،باب مقدم النہارۃ المدینہ)حضرت مصعب جنگ احد میں شہید ہوئے،آپ کو کفن تو کیا پوری ایک چادر بھی نہ ملی،پاؤں شریف کو گھاس سے چھپایا گیا،آپ کے بارے میں یہ آیت آئی"رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ"چالیس سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

۵؎جب حضور انور نے آپ کی کپڑے کی چادر میں چمڑے کا پیوند دیکھا یعنی اتنا کپڑا میسر نہ تھا کہ اس سے پھٹی چادر میں پیوند لگالیں اور حضور نے ان کا گزشتہ عیش کازمانہ یاد فرمایا تو رو پڑے یا ان پر رحم فرماتے ہوئے یا ان کے ترک دنیا اور آخرت کے درجات پر خوشی سے روئے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔خیال رہے کہ حضور انور کی ترک دنیا پر حضرت عمر روئے تو حضور انور نے انہیں رونے سے منع فرمادیا وہ حضور انور کا صبر ہے اور یہاں حضرت مصعب پر خود روئے یہ حضور کی رحمت ہے،حضور اپنی امت کی تکالیف پر صابر ہیں امت کی تکلیفوں کو برداشت نہیں فرماتے تھے روتے تھے۔

۶؎یہ فرمان عالی عام صحابہ سے ہے،حضرت مصعب اس میں داخل نہیں کیونکہ آپ نے وہ وسعت وفراخی کا زمانہ نہیں پایا یہ فراخی فتوحات فاروقی اور سخاوت عثمانی سے ہوئی،آپ تو احد میں ہی شہید ہوگئے تھے۔

۷؎یعنی تمہارے گھروں میں بیک وقت چند کھانے پکا کریں گے جو تمہارے خدام تمہارے پاس آگے پیچھے لاکر پیش کریں گے۔عرب میں چند کھانے یکدم سامنے نہیں رکھے جاتے بلکہ آگے پیچھے لائے جاتے ہیں بعض امیر گھرانوں میں یہاں بھی یہ عقیدہ ہے۔معلوم ہوا کہ بیک وقت چند کھانے صحابہ کرام کے زمانہ میں جاری ہوگیا تھا،یہ بدعت حسنہ ہے۔(دیکھو شامی)

۸؎یعنی آج تو صرف کعبہ معظّمہ کی دیواروں پر غلاف چڑھایا جاتا ہے مگر اس زمانہ میں تمہاری مالداری کا یہ حال ہوگا کہ تم اپنی چھتوں اپنی دیواروں کو اعلیٰ درجہ کے غلافوں سے چھپاؤ گے۔معلوم ہوا کہ یہ عمل بھی ناجائز نہیں ہے نہ اسراف ہے بلکہ جائز ہے اگرچہ بہتر نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی مگر اسے ناجائز نہ کہا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں اس عمل پر ناپسندیدگی فرمائی گئی ہے کہ وہاں بہتر نہ ہونے کی بنا پر ناپسندیدگی ہے۔

۹؎اس لیے آج بہتر ہو کہ آج تم آپس کے بہت سے فتنوں سے بچے ہوئے ہو،اس زمانہ میں فتنے زیادہ ہوں گے یا اس لیے کہ آج تم فقیر صابر ہو اس دن غنی شاکرہوؤگے۔اور فقیر صابر افضل ہے غنی شاکر سے،دیکھا گیا ہے کہ بمقابلہ امیروں کے فقیر مسلمان عبادات زیادہ کرتے ہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ کافر فقیر کا عذاب بمقابلہ کافر غنی کے ہلکا ہوگا،اسی طرح مؤمن فقیر کا ثواب عمومًا مؤمن غنی سے زیادہ ہوگا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا۱؎ کہ ان میں اپنے دین پر صبر کرنے والا چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہوگا۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے۔	

۱؎ یہ زمانہ قریب قیامت ہوگا جس کی ابتداء آج ہوچکی ہے۔فی زمانہ دیندار بن کر رہنا مشکل ہے آج ڈاڑھی رکھنا،نماز کی پابندی کرنا دوبھر ہوگیا ہے،سود سے بچنا تو قریبًا ناممکن ہی ہے۔

۲؎ یعنی جیسے ہاتھ میں انگارا رکھنا بہت ہی بڑے صابر کا کام ہے،یوں ہی اس وقت مخلص کامل مسلمان بننا سخت مشکل ہوجاوے گا اس لیے فرمایا گیا کہ اس زمانہ میں ایمان پر قائم رہنے والے کو پچاس صحابہ کے اعمال کے برابر ثواب ملے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تمہارے حکام تم میں بہترین ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے سخی ہوں اور تمہارے کام تمہارے آپس کے مشورہ سے ہوں ۱؎ تو تمہارے لیے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے ۲؎ اور جب تمہارے حکام تم میں سے بدترین ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے کنجوس ہوں اور تمہارے کام تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں ۳؎ تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے ۴؎ (ترمذی)اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی جب تک کہ بادشاہ اور حاکموں میں تقویٰ دینداری رہے امیروں میں سخاوت خدا ترسی رہے اور تمہارے گھروں کے کام گھر والوں کے مشورہ سے،قومی کام قوم کے مشورہ سے،ملکی کام ملک والوں کے مشورے سے ہوا کریں تم میں جمہوریت ہو شخصیت نہ ہو،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ"اور فرماتاہے:"وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"۔خیال رہے کہ اللہ رسول کے احکام میں کسی مشورہ کی گنجائش نہیں،مشورہ والے کاموں میں ضرور مشورہ کرے،نماز روزے کے لیے مشورہ کی ضرورت نہیں،ملکی انتظامات بچوں کی شادی بیاہ کے لیے ضرور مشورہ کرو۔

۲؎ یعنی ان حالات میں تمہاری زندگی موت سے بہتر ہے کہ اس زندگی میں تم نیکیاں بڑھا کر آخرت کا توشہ زیادہ جمع کرلو گے۔

۳؎ یعنی بادشاہ حکام ظالم فاسق ہوں جن کے دلوں میں نہ خدا کا خوف ہو نہ نبی کی شرم،امیروں میں غرباء پروری قوم و ملک کی خدمت کا جذبہ نہ رہے انہیں اپنے خزانہ بھرنے کی ہی فکر رہے،گھر کی کار مختار عورتیں ہی ہوجاویں کہ وہ جو چاہیں سو کریں مرد ان کے ماتحت ہوجاویں یہ تینوں لعنتیں آج دیکھی جارہی ہیں۔پہلے قحط سالی میں امیر لوگ غرباء پروری کرتے تھے،اب غریبوں کا خون چوس کر اور زیادہ امیر بننے کی کوشش کرتے ہیں،گھروں میں عورتیں خود مختار ہیں مردوں کی کچھ نہیں چلتی،حکام اور عدالتوں کے حال بالکل ظاہر ہیں۔ملک میں انتشار،جرموں کی زیادتی،عام چوری ڈکیتی،قتل خون،عدالتوں کے خرچ انہیں کے سہارے ہورہے ہیں،آج انصاف ملتا نہیں بکتا ہے اس کے لیے لوہے کے پاؤں،چاندی کے ہاتھ،نوح علیہ السلام کی عمر چاہیے اللہ سے فریاد ہے۔

۴؎ کیونکہ اس زمانہ میں زندگی فتنوں سے گھری ہوگی انسان زندگی میں گناہ زیادہ کرے گا،موت راحت کا ذریعہ ہوگی،قبر گھر سے بہتر ہوگی ایسی حالت میں اگر مسلمان اپنی موت کی تمنا یا دعا کریں تو گنہگار نہ ہوگا جیساکہ روایات میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ امتیں تم پر ایک دوسرے کو ایسی دعوت دیں جیسے کھانے والے اپنے پیالہ کی طرف ۱؎ تو کوئی کہنے والا بولا کیا اس دن ہماری کمی کی وجہ سے ایسا ہوگا ۲؎فرمایا بلکہ تم اس دن بہت ہوگے لیکن تم سیلاب کے میل کی طرح ایک سیل بن جاؤ گے ۳؎اور اللہ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دل میں سستی ضعف ڈال دے گا ۴؎کسی کہنے والے نے عرض کیا یارسول اللہ وہن کیا چیز ہے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے ڈر ۵؎(ابوداؤد،بیہقی،دلائل النبوۃ)

۱؎یعنی کفار کی قومیں یہود،نصاریٰ،مشرکین،مجوسی وغیرہ تم کو مٹانے کے لیے متفق ہوجاویں بلکہ ایک دوسرے کو دعوت دیں کہ آؤ مسلمانوں کو مٹاتے انہیں ستاتے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہوجاؤ یہ حالات اب شروع ہوچکے ہیں۔دیکھو یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے دشمن ہیں مگر آج مسلمانوں کو مٹانے کے لیے دونوں بلکہ ان کے ساتھ مشرکین بھی ایک ہوگئے ہیں،یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور،حضور کا ایک ایک لفظ حق ہے۔

۲؎یعنی ہمارے مقابلہ میں جو کفار کے حوصلے اتنے بلند ہوجاویں گے کیا اس کی وجہ یہ ہوگی،اس زمانہ میں ہماری تعداد تھوڑی ہوگئی ہوگی،آج ہماری تعداد زیادہ ہی ہے اس سے کفار پر ہماری دھاک بیٹھی ہے۔

۳؎یعنی بمقابلہ آج تمہاری تعداد اس دن زیادہ ہوگی مگر تم ایسے ہوگے جیسے سمندر میں پانی کا میل دکھاوا زیادہ حقیقت کچھ نہیں۔بزدلی نااتفاقی،پریشانی دل،آرام طلبی،عقل کی کمی،موت سے ڈر،دنیا سے محبت تم میں بہت ہوجاوے گی۔(مرقات)ان وجوہ سے کفار کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دی جاوے گی۔

۴؎وھن بمعنی سستی،ضعف کمزوری،مشقت یہاں یا بمعنی سستی ہے یا بمعنی ضعف،رب تعالٰی فرماتاہے:"**حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ**"اور فرماتاہے:"**رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ**"یعنی تم دل کے کمزور وسست ہوجاؤ گے جہاد سے دل چراؤ گے۔

۵؎یعنی اس سستی وضعف کا سبب دو چیزیں ہیں: ایک دنیا میں رغبت،دوسرے موت کا خوف۔جس قوم میں یہ دو چیزیں جمع ہوجاویں وہ عزت کی زندگی نہیں گزار سکتی۔خیال رہے کہ حب دنیا اور موت سے نفرت لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں نہیں ظاہر ہوتی خیانت کسی قوم میں مگر اللہ ان کے دلوں میں رعب

	ڈال دیتا ہے۱؎ اور نہیں پھیلتا زنا کسی قوم میں مگر ان میں موت زیادہ ہو جاتی ہے۲؎ اور نہیں کم کرتی کوئی قوم ناپ تول مگر ان سے روزی کاٹ دی جاتی ہے۳؎ اور نہیں حکم کرتی کوئی قوم ناحق مگر ان میں خونریزی پھیل جاتی ہے۴؎ اور نہیں عہد توڑتی کوئی قوم مگر ان پر دشمن مسلط ہوجاتا ہے ۵؎ (مالک)

۱؎ یعنی جوقوم خیانت کرنے کی عادی ہوگی اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس قوم کے دل میں ہمت و جرات نہ رہے گی،دشمن کا خوف اس پر غالب ہوگا،امین کا دل قوی ہوتا ہے۔

۲؎ یہاں موت سے مراد یا تو جسمانی موت ہے یا روحانی موت یعنی جس قوم میں زنا پھیلے گا اس میں وبا،طاعون وغیرہ پھیلے گی یا ایسی خوفناک جنگ آپڑے گی جس سے ان میں موت بہت واقع ہوگی یا اس میں صالحین علماء اٹھ جائیں گے آئندہ پیدا نہ ہوں گے جس سے انکی روحانی موت واقع ہوجاوے گی۔(مرقات)جیسے نیک اعمال میں تاثیر ہے ویسے ہی گناہوں میں مختلف اثرات ہیں۔

۳؎ یعنی کم تولنے کی نحوست سے روزی کی برکت اڑ جاتی ہے یا اس ذریعہ سے کمایا ہوا مال کسی نہ کسی وجہ سے آخر کار ہلاک ہوجاتا ہے۔پانی کی کمائی پانی میں ہی گمائی جاتا ہے اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے مگر لوگ عبرت نہیں پکڑتے۔حرام کمائی،حاکم حکیم،وکیل ہی کھاتے ہیں،حلال میں برکت ہے حرام میں بے برکتی،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ"اللہ سود کو مٹاتا ہے صدقات و خیرات بڑھاتا ہے۔کتیا سال میں چھ بچے دیتی ہے اور کوئی ذبح نہیں ہوتا،گائے بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہیں اور روزانہ ہزاروں ذبح ہوجاتے ہیں مگر ریوڑ بکریوں گایوں کے ہی نکلتے ہیں کتوں کے نہیں۔

۴؎ یعنی جب عدالتوں میں ظلم ہونے لگیں وہاں ظالم سے مظلوم کا حق نہ دلوایا جاوے تو ملک میں خونریزی ہوتی ہے کہ پھر لوگ ظالموں سے بدلہ خود لیتے ہیں کچہریوں میں نہیں جاتے۔دیکھا گیا ہے کہ قاتل رشوت وغیرہ کے ذریعہ بری ہو کر گھر پہنچا کہ مقتول کے وارثوں نے اسے اور اس کے بچوں گھر والوں کو قتل کردیا،اگر قاتل کو پھانسی ہوجاتی تو اتنی جانیں برباد نہ ہوتیں"وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ"۔

۵؎ یختر بنا ہے ختر سے بمعنی غداری بدعہدی،قرآن مجید میں ہے"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ"یعنی بد عہد قوم پر دشمن مسلط کردیئے جاتے ہیں کہ ان کے دشمن ان کے حاکم بنتے ہیں۔

باب

باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف باب ہے،ترجمہ باب یعنی عنوان کے بغیر ہے جس کا مطلب ہے کہ متفرقات و ملحقات کا باب،بعض نسخوں میں ہے باب الانذار والتحذیر۔انذار بمعنی ڈرانا،تحذیر بمعنی احتیاط دلانا یا نصیحت کرنا لہٰذا انذار عام ہے اور تحذیر خاص،کبھی بمعنی ڈرانا بھی آتا ہے،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ"۔

روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا کہ آگاہ رہو کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ سب سکھاؤں جو مجھے میرے رب نے سکھایا اس دن ۲؎ جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ حلال ہے ۳؎ اور میں نے اپنے بندوں کو پیدا کیا کہ وہ سارے برائیوں سے دور تھے ۴؎ اور ان کے پاس شیاطین آئے تو انہیں دین سے پھیر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کردیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں ۵؎ اور انہیں مشورہ دیا کہ میرا شریک انہیں ٹھہرائیں جس پر میں نے کوئی دلیل نہ اتاری اور اللہ نے زمین والوں کی طرف نظر فرمائی تو ان سب عربیوں عجمیوں پر ناراض ہوا سواء بچے کھچے اہل کتاب کے ۶؎ اور فرمایا کہ میں نے تم کو بھیجا ہے تاکہ تمہارا امتحان لوں اور تمہارے ذریعہ سے امتحان لوں ۷؎ اور میں نے تم پر ہر وہ کتاب اتاری جسے پانی نہ دھو سکے ۸؎ تم سوتے جاگتے پڑھو گے ۹؎ اور اللہ نے مجھے حکم دیا کہ قریش کو جلا ڈالوں ۱۰؎ تو میں نے عرض کیا یارب تب تو وہ میرا سر کچل دیں گے تو اسے روٹی کو چھوڑیں گے ۱۱؎ فرمایا تم انہیں نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا ۱۲؎ تم ان پر جہاد کرو ہم تمہیں سامان دیں گے ۱۳؎ تم خرچ کرو ہم تم پر خرچ	

	کریں گے ۱۴؎ تم لشکر بھیجو ہم پانچ گناہ لشکر بھیجیں گے ۱۵؎ اور اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں سے جنگ کرو ۱۶؎(مسلم)

۱؎ مجاشع ایک قبیلہ ہے جو مجاشع ابن دارم کی طرف منسوب ہے،حضرت عیاض اسی قبیلہ سے ہیں،حضور انور کو ان سے بہت ہی محبت تھی،انہوں نے ایک بار بحالت کفر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا حضور نے قبول نہ فرمایا پھر بعد اسلام ہدیہ بھیجا تو قبول فرمالیا،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،آخر میں بصرہ میں قیام رہا۔(اشعہ)

۲؎ یعنی رب تعالٰی نے مجھے جو کچھ آج سکھایا ہے میں وہ تم کو سکھاؤں۔آج کے سکھانے سے مراد ہے کہ آج کے بھیجے ہوئے احکام شرعیہ ورنہ حضور کو وہ باتیں بھی سکھائی گئی ہیں جو صرف حضور کے لیے ہیں ہم کو انکی تعلیم ممنوع ہے۔

۳؎ یعنی میرا دیا ہوا ہر مال میرے بندوں کو حلال ہے کوئی بندہ اسے بغیر دلیل حرام نہ کہے۔اس میں مشرکین عرب کی تردید ہے جو بلا دلیل بحیرہ سائبہ،وصیلہ وغیرہ جانوروں کو حرام کہتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں حلال ہونا ہے،جو ممنوع نہ ہو وہ حلال ہے۔اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو بلادلیل حرام کا فتویٰ دیدیتے ہیں ختم کا کھانا حرام ہے،گیارھویں کی شیرنی حرام۔**نعوذ باللہ!**

۴؎ یعنی میں نے انسانوں کو دین پر پیدا فرمایا،وہ **قالوا بلی** والے عہد پر پیدا ہوئے،پیدائش کے وقت کوئی کافر مشرک نہ تھا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا**"۔

۵؎ یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں ڈال دیا کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے جیسے مشرکین عرب کے دل میں ڈال دیا کہ بحیرہ جانور حرام ہیں یا بعض جاہلوں کے دل میں ڈال دیا کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے جیسے مشرکین عرب کے دل میں ڈال دیا کہ بحیرہ اور سائبہ جانور حرام ہے یا بعض جاہلوں کے دل میں ڈال دیا کہ گیارھویں عرس کا کھانا حرام ہے۔حرام کے لیے خاص ممانعت کی دلیل چاہیے،جس چیز کا شریعت میں ذکر ہی نہ ہو وہ حلال ہے۔

۶؎ **مقت** بروزن **نصر** ماضی سے بنا ہے **مقتٌ** سے بمعنی ناراض یعنی اللہ تعالٰی سارے عربیوں عجمیوں پر ناراض ہوا کہ وہ سب کفر و شرک میں مبتلا ہوگئے تھے،ہاں کچھ اہل کتاب جو اپنے اصل دین پر قائم رہے تھے مؤمن موحد تھے،ان سے راضی ہوا اور انہیں حضور پر ایمان لانے کی توفیق دے دی۔

۷؎ یعنی اے میرے محبوب ہم نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اس میں آپ کی بھی آزمائش ہے تبلیغ سے اور لوگوں کی آزمائش ہے قبول کرنے سے،آپ پر تبلیغ فرض ہے لوگوں پر آپ کی بات قبول کرنا ضروری ہے۔

۸؎ یعنی وہ کتاب نہ تو منسوخ ہوگی نہ کسی کے بدلنے سے بدل جاوے گی،یہ مطلب نہیں کہ قلمی قرآن شریف پانی سے دھلتا نہیں یا آگ سے جلتا نہیں یہاں یہ دھلنا جلنا مراد نہیں۔

۹؎ یعنی ہم تمہارے سینہ میں قرآن اس طرح محفوظ کردیں گے کہ آپ اسے بے تکلف سوتے جاگتے پڑھیں گے نہ بھولیں گے نہ اٹکیں گے۔

۱۰؎ جلانے سے مراد ہے ہلاک کرنا۔مطلب یہ ہے کہ مشرکین عرب کے لیے جزیہ نہیں ان کے لیے یا اسلام ہے یا قتل لہذا حدیث واضح ہے۔

۱۱؎ یعنی اے مولیٰ میں تو اکیلا ہوں کفار بہت ہیں،میں اکیلا انہیں کیسے قتل کرسکتا ہوں وہ ہی مجھے ہلاک کردیں گے۔

۱۲؎ یعنی کفار قریش کو ان کا وطن چھوڑنے پر مجبور کرو،انہیں دیس نکالا دو کیونکہ انہوں نے آپ کو مکہ معظّمہ چھوڑنے ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔خیال رہے کہ اس فرمان پر عمل کا موقعہ ہی نہ آیا کیونکہ حضور کو مکہ معظّمہ سے نکالنے والے قریشی کچھ تھوڑے جہادوں میں قتل ہوگئے باقی تمام کے تمام مسلمان ہوگئے،کسی کو دیس نکالا دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی لہذا حدیث واضح ہے بلکہ عکرمہ ابن ابوجہل فتح مکہ کے دن مکہ چھوڑکر یمن بھاگ گئے تھے،حضور نے انہیں امن دے کر واپس بلالیا وہ مسلمان ہوگئے۔

۱۳؎ اس عبارت میں **اغز نصر ینصر** سے ہے بمعنی جہاد کرنا،**نغزك** باب افعال سے ہے بمعنی سامان جہاد دینا،اس کا مصدر **اغزاء** ہے یعنی ہم تم کو قوت جہاد جاں نثاری غازی عطا فرمائیں گے،اللہ تعالٰی نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمادیا۔

۱۴؎ حق یہ ہے کہ یہاں خرچ سے مراد ہر قسم کا خرچ ہے یعنی اے محبوب آپ جہاد میں اپنے غلاموں پر تاقیامت اپنے در کے نوکروں چاکروں پر خوب خرچ کیے جاؤ،ہم تم کو دیئے جائیں گے۔اعلٰی حضرت نے فرمایا؎

ہر تو اوباشد تو برا　　　　　تا ابدیہ سلسلہ ہو

رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى**"اللہ نے آپ کو بڑا عیالدار پایا تو تم کو ایسا غنی کردیا کہ تم اس جیسے ہزاروں عالم پال لو گے۔(بخاری شریف کتاب التفسیر)آج بھی سارے علماء صوفیاء اولیاء حضور کے دروازے سے ہی پل رہے ہیں،سارا عالم حضور کے خوان کرم سے کھا پی رہا ہے۔

آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان　　　　　صاحب خانہ لقب کس کا تیرا تیرا

۱۵؎ یعنی اگر تم کو ضرورت ہوگی تو ہم جہادوں میں انسانوں سے پنج گنا فرشتے بھیجیں گے،بدر میں پانچ ہزار فرشتے اترے،مسلمانوں کے شانہ بشانہ کفار سے لڑے ورنہ ہلاک کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔

۱۶؎ یعنی صحابہ کو لےکر کفار عرب سے جنگ کرو یا تا قیامت اپنی امت کو لےکر کفار سے جنگ کرتے رہو۔اب بھی بہت جہادوں میں حضور مع صحابہ کرام شرکت فرماتے ہیں،چھ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جو ہندوستان پاکستان کی سترہ روزہ جنگ ہوئی اس میں اولیاء اللہ صحابہ کرام بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے،دمشق میں حضرت بلال قبر میں اذان دے رہے تھے کہ **حی علی الجهاد**،لوگوں نے یہ واقعات دیکھے اور وہ اذان سنی اسی کی برکت تھی اللہ نے پاکستان کو پنج گنا طاقت پر فتح بخشی۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی کنبہ والوں کو ڈراؤ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے پھر پکارنے لگے ۱؎ کہ اے بنی فہر،اے بنی عدی قریش کے خاندانوں ۲؎ حتی کہ وہ جمع ہوگئے

تو فرمایا بتاؤ تو اگر میں تمہیں خبر دوں کہ سواروں کا لشکر اس جنگل میں ہے تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم مجھے سچا سمجھو گے ۳؎ وہ بولے ہاں ہم نے آپ پر ہمیشہ سچ ہی آزمایا ہے ۴؎ فرمایا تو میں تم کو سخت عذاب کے آگے ڈراتا ہوں،اس پر ابولہب بولا تم کو ہمیشہ کے لیے ہلاکت ہو کیا آپ نے ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا، تب یہ آیت اتری کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود ہلاک ہو ۵؎ (مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے آواز دی کہ اے عبد مناف کی اولاد اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھا تو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوا چلا پھر ڈرا کہ دشمن اس سے پہلے ہی پہنچ جاوے تو چیخنے لگا یاصباہ ۶؎	

۱؎ یہ حضور انور کی پہلی تبلیغ تھی جو صفا پہاڑ پر مکہ والوں کو بلا کر کی گئی،یہ بھی حضور انور کا معجزہ ہے کہ پہاڑ پر چڑھ کر سارے مکہ میں اپنی آواز پہنچادی ورنہ پہاڑ کی چوٹی سے جو آواز دی جاوے وہ نیچے نہیں پہنچ سکتی۔

۲؎ بڑے خاندان کو قبیلہ کہتے ہیں،اس میں چھوٹے چھوٹے خاندانوں کو بطن اور فخذ کہتے ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ قبیلہ جنس ہے،بطن نوع،فخذ فصل۔قریش تو بہت بڑا خاندان نضر ابن کنانہ کی اولاد،بنی عدی وغیرہ چھوٹے خاندان جیسے پٹھان بڑا قبیلہ ہے اور یوسف زئی،کمال زئی وغیرہ چھوٹے خاندان۔

۳؎ یعنی تمہاری آنکھ کہتی ہے کہ ارد گرد میدانوں میں ایک آدمی بھی نہیں مگر میں کہوں کہ دشمن کے لشکروں سے میدان بھرا پڑا ہے تو تم اپنی آنکھ کی مانو گے یا میری زبان کی مانو گے۔

۴؎ یعنی اس صورت میں ہم اپنی آنکھ کی نہ مانیں گے آپ کی زبان کی مانیں گے کیونکہ ہماری آنکھ بارہا غلطی کرجاتی ہے مگر تمہاری زبان کبھی غلطی نہیں کرتی ما جربنا علیك كذبا قط،یہ تھی کفار کی عقیدت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔آج بعض کلمہ گو مسلمان حضور کے علم میں تردد کرتے ہیں کفار مکہ سے بدتر ہیں۔

۵؎ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ ابن عبدالمطلب ہے،چونکہ اس کا چہرہ شعلہ کی طرح سرخ اور چمکیلا تھا اس لیے اسے ابولہب کہا جاتا تھا،حضور کا چچا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پتھر اٹھایا حضور کو مارنے کے لیے اس لیے ارشاد باری ہوا کہ یہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جاویں ہلاک ہوجاویں یا دونوں ہاتھوں سے مراد ہے اس کی دنیا و آخرت۔(اشعۃ اللمعات،مرقات)اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱) تبلیغ کی ترتیب یہ ہونی چاہیے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو تبلیغ ہو،پھر عزیزوں قرابت داروں محلّہ والوں کو،پھر دوسرے لوگوں کو(۲)حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت دونوں کو دیکھ رہے ہیں جیسے پہاڑ کی چوٹی پر آدمی چوطرفہ دور دور دیکھتا ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تبلیغ پہاڑ پر کی تاکہ حضور کا مقام معلوم ہو(۳)جہاد کے لیے قوت و طاقت ضروری ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جہاد کیے کہ

ہجرت سے پہلے قوت نہ تھی(۴)غیر خدا کی امداد شرک نہیں جہاد میں اللہ کے بندوں کی مدد لی جاتی ہے(۵)اللہ تعالٰی اپنے محبوب کا بدلہ ان کے دشمنوں سے خود لیتا ہے،دیکھو حضور نے ابولہب کو جواب نہ دیا رب نے دیا،یہ ہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناء خوانوں کا ہے،حضور کی تعریف کرو رب تمہاری تعریف کرے گا دنیا تمہارے قدم چومے گی۔

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا ۔۔۔ مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا ۔۔۔ اس پیارے سے محبت کیجئے

(۶)حضور کی معرفت ساری عبادات پر مقدم ہے،رب کی معرفت بھی حضور کی معرفت چاہیے،دیکھو حضور انور نے پہلی تبلیغ میں اولًا اپنی پہچان کرائی۔

۷؎ عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی خطرہ شدید سے اپنی قوم کو مطلع کرتا تو اپنا کرتہ بانس پر ٹانگ کر بانس لیا پھرتا اور کہتا یا صباحاہ سے۔نذیر عریانی کہتے تھے حضور وہ مثال دے رہے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور انور کی نگاہیں غیبی عذاب کا مشاہدہ کررہی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی کنبہ والوں کو ڈراؤ ۱؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو نداء دی چنانچہ وہ جمع ہوگئے تو حضور نے عام و خاص سے خطاب فرمایا ۲؎ ارشاد فرمایا اے بنی کعب بن لوی اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے مرہ ابن کعب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے عبدمناف کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے ہاشم کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو،اے عبدالمطلب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو ۳؎ اے فاطمہ اپنی جان آگ سے بچالو ۴؎ کہ میں اللہ کے مقابل تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں ۵؎ سواء اس کے کہ تم سے رشتہ داری ہے جس کی تری کو میں تر رکھوں گا۔اور مسلم،بخاری کی روایت میں ہے کہ کہا اے قریش کے گروہ اپنی جانیں بچالو میں اللہ کے مقابل تم سے کچھ دفع نہیں کرسکتا،اے صفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ۶؎ میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ بھی دفع نہیں کرسکتا،اے فاطمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تم جو چاہو مجھ سے میرا مال مانگ لو ۷؎ میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ دفع نہیں کرسکتا ۸؎

۱؎ عشیرہ اور اقربین کا فرق ہماری تفسیر میں ملاحظہ فرمانا۔

۲؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع میں عمومی تبلیغ بھی کی اور خصوصی بھی کہ اے فلاں اے فلاں قبیلہ والے لوگو ادھر آؤ ایمان قبول کرو۔ معلوم ہوا کہ خصوصی تبلیغ بھی سنت ہے،اس کی تفصیل اگلا کلام ہے جب کہ کس خاص شخص یا خاص قوم کے ایمان لانے سے دوسروں کے ایمان کی امید ہو تو اسے خصوصی تبلیغ ضرور کی جاوے،حضور انور نے کفار بادشاہوں کو تبلیغی خطوط بھیجے۔

۳؎ یہ ہیں حضور کی عمومی تبلیغیں،چونکہ عرب میں قریش بہت عزت والے مانے جاتے تھے اور قریش میں ان مذکورہ خاندانوں کا بڑا وقار تھا اس لیے حضور نے ان خاندانوں کو مخاطب فرماکر تبلیغ فرمائی۔اپنی جانوں کو آگ سے بچانے کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ ایمان قبول کرلو تاکہ تم نار جہنم سے بچ جاؤ،اس آگ سے بچنے کا ذریعہ ایمان واطاعت ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کو بھی اسلام کی تبلیغ کی جاوے کیونکہ اس وقت جناب فاطمہ چھوٹی بچی تھیں، سب لوگوں کے سامنے علانیہ حضرت فاطمہ کو تبلیغ فرمانا لوگوں کو سنانے کے لیے ہے کہ بغیر ایمان قبول کیے نبی کی قرابتداری بلکہ نبی کی اولاد ہونا کافی نہیں۔کنعان نبی زادہ تھا مگر کفر کی وجہ سے جہنمی ہوگیا۔ایمان کی ضرورت سب کو ہے جیسے کوئی شخص سید ہو یا غیر سید دھوپ ہوا پانی غذا سے مستغنی نہیں،یوں ہی کوئی شخص ایمان قرآن اعمال سے بے نیاز نہیں۔آج اپنے کو اعمال سے بے نیاز ماننے والے غذا پانی ہوا سے بے نیاز بن کر دکھائیں بلکہ مرکر انسان ان چیزوں سے بے نیاز ہوجاتا ہے مگر حضور کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے کہ قبر و حشر میں حضور کی غلامی کا سوال ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور تم آخرت میں سزا کی مستحق ہوگئیں تو وہ سزا میں تم سے دفع نہیں کرسکتا اور تم عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتیں لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ"کیونکہ اس آیت میں دنیاوی عذاب مراد ہے حضور کی برکت سے کفار پر دنیاوی عذاب نہیں آتا اور یہاں اخروی عذاب مراد ہے اور نہ اس حدیثِ شفاعت کے خلاف ہے **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کو بھی پہنچے گی کہ وہاں امت کا ذکر ہے یہاں کفار کا ذکر ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گار کافر کا عذاب ہلکا ہوسکتا ہے مگر دفع نہیں ہوسکتا۔ ابوطالب کا عذاب بہت ہلکا ہے،ابو لہب کو سوموار کے دن عذاب ہلکا دیا جاتا ہےاور انگلی سے پانی ملتا ہے۔(بخاری شریف کتاب الرضاع)ابوطالب نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے حضور کو دودھ پلایا،بہرحال یہ حدیث بالکل برحق ہےان آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔

۶؎ آپ صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں،حضور کی پھوپھی،زمانہ جاہلیت میں حارث ابن حرب کی بیوی تھیں،حارث کی موت کے بعد عوام ابن خویلد کے نکاح میں آئیں ان سے زبیر ابن عوام پیدا ہوئے،۷۳ تہتر سال عمر پائی،عہد فاروقی میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئی،آپ کی قبر انور زیارت گاہ خلق ہے،فقیر نے زیارت کی ہے،اللہ پھر نصیب کرے۔

۷ـ اللہ تعالٰی نے حضور انور کو بی بی خدیجہ کے مال سے غنی فرمادیا تھا،فرمایاہے:"وَ وَجَدَكَ عَآىٕلًا فَاَغْنٰى"۔لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ ہجرت سے پہلے حضور انور کے پاس مال نہیں تھا پھر یہ کیسے فرمایا۔خیال رہے کہ حضرت خدیجہ نے حضور انور کو اپنی ذات اپنے مال کا مالک کردیا تھا رضی اللہ عنہا۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا ؎

سیما پہلی ماں کھف امن و امان حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

نیز حضور ہجرت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور بھی کام کرتے تھے۔

۸ـ اس فرمان عالی کا مطلب ابھی عرض ہوچکا۔اللہ تعالٰی حضور کے نام کی برکت سے حضور کے خدام کے صدقہ سے آفتیں مصیبتیں دفع فرمادیتا ہے،حضور کا نام دافع بلا ہے،یہاں اللہ کے مقابل اخروی عذاب کفار سے دفع فرمانے کی نفی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری یہ امت رحمت والی ہے ۱ـ اس پر آخرت میں عذاب نہیں ۲ـ اس کا عذاب دنیا میں ہے فتنے زلزلے اور قتل ۳ـ(ابوداؤد)	

۱ـ یعنی دوسرے نبیوں کی امت کے مقابل میری امت پر حق تعالٰی کی رحمت زیادہ ہے،اس کی نیکیاں کم،ثواب زیادہ ہیں۔گناہوں کی معافی کے ذریعے بہت دیئے،بچانے کے بہانے بہت زیادہ ہیں،یہ صدقہ ہے رحمت والے آقا کا ؎

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آئے لیکن آئے رحمۃللعالمین ہوکر

۲ـ یعنی اس امت پر آخرت میں عذاب سخت نہیں یا عذاب رسوائی والا نہیں یا عذاب دائمی نہیں لہذا یہ فرمان عالی عذاب والی احادیث کے خلاف نہیں۔بعض شارحین نے کہا کہ اس امت کے گنہگاروں کے لیے عذاب قبر عذاب آخرت کا کفارہ ہے مگر پہلی بات قوی ہے یا چھوٹے گناہ اکثر کفارات سے بخشے جائیں گے ان پر عمومًا عذاب نہ ہوگا۔

۳ـ یعنی دنیاوی یہ مصیبتیں گناہ صغیرہ کا کفارہ بن جاتی ہیں حتی کہ کانٹا جو پاؤں میں چبھ جاوے وہ بھی کفارہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابو عبیدہ اور معاذ ابن جبل سے ۱ـ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ یہ کام شروع ہوا نبوت اور رحمت سے ۲ـ پھر ہوجاوے گا خلافت اور رحمت ۳ـ پھر ہوجاوے گا کٹ کھیتی سلطنت ۴ـ پھر ہوجاوے گا ظلم سرکشی اور زمین میں فساد ۵ـ کہ لوگ ریشم اور زنا اور شرابوں کو حلال سمجھیں گے ۶ـ اس کے باوجود روزی دیئے جائیں گے،فتح دیئے جائیں گے حتی کہ اللہ سے ملیں گے ۷ـ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح امین امت اور عشرہ مبشرہ سے ہیں اور معاذ ابن جبل عظیم الشان صحابی ہیں،ان کے حالات پہلے بیان ہوچکے یہ دونوں صاحب اس حدیث کے راوی ہیں۔

۲؎ امر سے مراد دین اسلام ہے،بدا یا تو بدو سے بمعنی ظاہر ہونا یا بدایة سے بمعنی شروع ہونا یعنی دین اسلام کی ابتداء یا اس کا ظہور ہماری نبوت سے ہے اور یہ نبوت سراسر رحمت الٰہی ہے کیونکہ ہم رحمۃللعالمین ہیں اور یہ امت مرحومہ ہے۔

۳؎ یعنی ہمارے بعد کوئی نبی نہ آوے گا کہ ہم خاتم النبیین ہیں،ہمارے نائب ہوں گے ان کا زمانہ خلافت کا دور ہوگا کہ خلفاء نائب نبی ہوں گے،ان کی بیعت بیعت سلطنت بھی ہوگی اور بیعت ارادت بھی اس لیے اس زمانہ کے لوگ کسی کے مرید نہ بنیں گے،اپنے خلیفہ کی رعایا بھی ہوں گے ان کے مرید بھی۔یہ زمانہ حضرات خلفاء راشدین تک رہا یعنی وفات شریف سے تیس سال تک خلفاء راشدین دین و دنیا دونوں کے پیشوا تھے،ان کی بیعت حضور اقدس کی بیعت تھی۔

۴؎ عضوض بنا ہے عض سے بمعنی دانت سے کاٹ کھانا یعنی اس دور کے بعد خلافت راشدہ ختم ہوجاوے گی، بادشاہوں میں صرف سلطنت رہ جاوے گی اور بادشاہ اکثر ظالم ہوں گے اگر دو چار عادل ہوئے تووہ شمار میں نہیں کہ اکثر کو کل کا حکم ہوتا ہے۔چنانچہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز بنی امیہ کے بادشاہوں میں سے ہیں مگر آپ کا زمانہ نہایت ہی عدل و انصاف کا زمانہ ہوا،آپ کے مناقب احادیث شریفہ میں مذکور ہیں۔(مرقات)لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ یہاں اکثریت کا ذکر ہے،حضرت امیر معاویہ بھی اسلام کے سلطان ہیں ظالم نہیں کہ وہ صحابی ہیں صحابہ ظالم نہیں ہوتے۔

۵؎ یعنی کچھ عرصہ کے بعد ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جن سے زمین میں بڑا فساد پھیلے گا کہ نااہل سلطان ہوں گے، نا اہل ہی حکام رعایا پر ظلم کریں گے،نااہلوں کو عہدے دیں گے،علماء صالحین کو ذلیل کریں گے،مشرکین و کفار پر جہاد کرنے کی بجائے خود مسلمانوں سے لڑیں گے اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ جواب حکام یا بادشاہ کو عادل کہے وہ کافر ہے،کچہریوں کو عدالت کہنا حرام ہے۔(مرقات)کہ اب کچہریاں عدالت نہیں بلکہ انسانوں کے مذبح ہیں،نوے فیصدی ظلم ان کچہریوں کے سر پر ہورہے ہیں۔حضور کی پیش گوئی حرف بحرف ظاہر ہورہی ہے،اللہ تعالٰی زمانہ کے شر سے بچائے۔

۶؎ یعنی زنا،ریشم،شراب بے پرواہی سے استعمال کریں گے گویا بالکل حلال ہے یا یہ مطلب ہے کہ حیلے بہانے بناکر انہیں حلال ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔یہ حدیث پڑھو اور آج کل کے حالات دیکھو،یہ ہے اس غیب داں رسول کا علم غیب۔

۷؎ یعنی اللہ تعالٰی ان پر عذاب نہ بھیجے گا ان کے ظالموں کے باوجود وہ روزی پائیں گے،اگر کبھی کفار پر جہاد کریں گے تو اللہ تعالٰی انہیں فتح دے گا کیونکہ اسی امت پر دنیا میں عذاب نہیں آوے گا۔اس فرمان عالی کا ظہور ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء اس جنگ میں ہوا جو بھارت اور پاکستان میں ہوئی،اللہ تعالٰی نے پاکستان کو بھارت کی پانچ گنا طاقت پر فتح دی یہ اس کی مہربانی ہے۔اللہ سے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سزا و جزاء قیامت پر رکھی گئی ہے دنیا میں رحمت کا ظہور ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ شراب پہلی وہ چیز ہے جو انڈیلی جاوے گی ۱؎ زید ابن یحیی راوی فرماتے ہیں کہ مراد	

اسلام ہے۲؎ جیسے برتن سے اونڈیلی جاتی ہے یعنی شراب۳؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے ہوگا حالانکہ اللہ تعالٰی نے اس کے بارے میں واضح بیان فرمادیا ہے۴؎ فرمایا کہ اس کا نام کچھ اور رکھ لیں گے پھر اسے حلال سمجھ لیں گے ۵؎ (دارمی)	

۱؎ اس وقت مجلس پاک میں شراب کی حرمت کا ذکر ہورہا تھا تو حضور انور نے یہ فرمایا۔ان کی یا تو خبر پوشیدہ ہے یا اسم پوشیدہ ہے یعنی یا تو ان اول،الخ تھا یا مایکفاء الخمر تھا یعنی میری امت اسلام کے احکام توڑے گی،ان میں سے سب سے پہلے شراب کا حکم توڑے گی کہ اسے پینے لگے گی بعد میں دوسرے احکام توڑے گی۔(لمعات)

۲؎ راوی اس فرمان کی شرح یوں کررہے ہیں کہ گویا اسلام ایک گھڑا ہے جس میں احکام بھرے ہوئے ہیں،گھڑے کو ٹیڑھا کرو تو اوپر کی چیز پہلے گرتی ہے نیچے کی چیز بعد میں،اسی طرح میری امت پہلے شراب کا حکم نکال پھینکے گی بعد میں دوسرے احکام۔اشعہ میں ہے الاسلام سے پہلے فی پوشیدہ ہے یعنی اسلام میں پہلے شراب پی جاوے گی۔

۳؎ یہ جملہ اس تشبیہ کا تتمہ ہے،یہ بھی راوی کا قول ہے یعنی اسلام میں پہلی کون سی چیز پی جاوے گی،شراب۔(اشعہ)

۴؎ یعنی تعجب ہے کہ لوگ مسلمان پہلے شراب کا قانون توڑیں گے حالانکہ شراب کے متعلق قرآن و احادیث میں صاف صریح احکام وارد ہیں پھر یہ کیسے جرات کریں گے۔

۵؎ یعنی شراب کو بیئر یا انگریزی میں وسکی کہہ کر پئیں گے،کہیں گے یہ شراب نہیں یہ تو وسکی ہے یا بیئر ہے۔آج بھی بعض لوگ اس نام سے شراب پیتے ہیں،ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے نام بدلنے سے حکم نہیں بدل جاتا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ وہ حضرت حذیفہ سے راوی فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں نبوت رہے گی جب تک اس کا رہنا اللہ چاہے پھر اسے اللہ اٹھالے گا ۲؎ پھر ہوگی خلافت نبوت کے راستہ پر جب تک اللہ اس کا ہونا چاہے۳؎ پھر اسے بھی اللہ اٹھالے گا ۴؎ پھر کٹکھنا ملک ہوگا ۵؎ پھر وہ رہے گا جب تک اللہ اس کا رہنا چاہے پھر اسے اللہ اٹھا لے گا پھر جبریہ سلطنت ہوگی ۶؎ وہ بھی رہے گی جب تک اللہ اس کا رہنا چاہے،پھر اسے اللہ اٹھالے گا،پھر خلافت نبوۃ کی شہ راہ پر ہوگی ۷؎ پھر حضور خاموش ہوگئے،حبیب کہتے ہیں ۸؎ پھر جب عمر ابن عبدالعزیز	

قائم ہوئے تو میں نے انہیں یہ حدیث لکھ بھیجی میں ان کو یہ حدیث یاد دلاتا تھا میں نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ کٹکھنے اور جبریہ ملک کے بعد مسلمانوں کے امیر ہوئے ۹؎ تو آپ اس سے بہت خوش ہوئے اور عمر ابن عبدالعزیز کو یہ بہت پسند آئی ۱۰؎ (احمد،بیہقی دلائل النبوۃ)	

۱؎ حضرت نعمان بھی صحابی ہیں،ان کے والد بشیر بھی صحابی،نعمان پہلے وہ بچے ہیں جو بعد اسلام انصار کے گھر پیدا ہوئے،انکی پیدائش پر انصار کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ مدینہ منورہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ یہود نے انصار پر جادو کردیا ہے اب ان کے ہاں اولاد نہ ہوگی،حذیفہ ابن یمان حضور کے صاحب اسرار صحابی ہیں۔

۲؎ یہاں نبوت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ ہے جب لوگ صحابی بنتے تھے،یہ زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہوگیا اور پھر خلافت کا زمانہ آگیا اور حضور کی سلطنت کا زمانہ تا ابد ہے وہ کبھی ختم نہ ہوگا،نبی کی نبوت کا زمانہ اس کے نسخ سے ختم ہوتا ہے،حضور کی نبوت و سلطنت نہ کبھی منسوخ ہو نہ کبھی آپ کی نبوت جاوے،اب بھی حضور کا دور ہے حضور کا زمانہ ہے۔یہاں اٹھالے گا اس سے یہ ہی مراد ہے کہ ہماری وفات ہو جاوے گی لوگ ہمارے دیدار کو ترس جائیں گے۔

۳؎ منہاج کے معنی ہیں وسیع راستہ (جرنیلی سڑک)رب تعالٰی فرماتا ہے:"شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا"۔یہاں منہاج سے مراد ظاہر و باطن فیوض ہیں یعنی اس خلافت میں نبوت کے ظاہری و باطنی فیوض ہوں گے،یہ خلافت کل تیس سال رہے گی جیساکہ دوسری حدیث شریف میں ہے۔

۴؎ چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ خلافت کرکے اس لیے امیر معاویہ کے حق میں دست برداری فرمائی ان چھ ماہ پر تیس سال پورے ہوگئے،اس کے بعد اسلام میں سلطنت کی بنیاد پڑی امیر معاویہ پہلے سلطان اسلام ہوئے۔

۵؎ کھٹکنے ملک کے معنی ابھی پہلے عرض کردیئے گئے کہ اس زمانہ میں خلافت راشدہ جیسی نورانیت نہ ہوگی نہ اس زمانہ کا سا امن و امان ہوگا،اس زمانہ میں بعض لوگ بعض کو کاٹ کھائیں گے،یہ مطلب نہیں کہ وہ سلطنت لوگوں کو کھاٹ کھائے گی یا سلطان ظالم ہوں گے،ظلم والی بادشاہت کا ذکر تو آگے آرہا ہے۔

۶؎ کہ اس دور میں لوگوں کی مرضی کے خلاف جبرًا لوگ سلطان بن جاویں گے خود بھی ظالم ہوں گے اور ان کے حکام بھی ظالم ہوں گے۔

۷؎ اس زمانہ سے مراد حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے جو قریب قیامت قائم ہوگی اس دور میں زمانہ رسالت کے تمام فیوض و برکات جاری ہوں گے،اس درمیان میں اگرچہ بعضے بادشاہ بڑے عادل ہوں گے جیسے حضرت عمر ابن عبدالعزیز یا سلطان محی الدین،اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ مگر ان کی سلطنت خلافت علی منہاج النبوۃ نہ ہوگی۔(از مرقات واشعہ)

۸؎ یہ حبیب ابن سالم ہیں،حضرت نعمان ابن بشیر کے آزاد کردہ غلام،وہ اس حدیث کے ایک راوی اور حضرت نعمان کے کاتب ہیں۔

۹؎ سبحان اللہ! کیسی احتیاط سے کام لیا کہ انہیں خلیفۃ المسلمین نہ کہا نہ انکی حکومت کو خلافت فرمایا بلکہ آپ ہیں تو سلطان اسلام مگر آپ کے زمانہ میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے،آپ نے ظلم کی جڑیں کاٹ دیں،عدل قائم کیا، مسلمان آپ کو عمر ثانی کہتے تھے اور آپ کی حکومت کوخلافت فاروقی کا نمونہ کہا کرتے تھے۔

۱۰؎ یہ خوشی شکریہ کی تھی کہ اللہ کا شکر ہے کہ لوگوں کا میرا متعلق یہ نیک گمان ہے،لوگوں کی زبان ان کا گمان اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

کتاب الفتن

فتنوں کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ فتن جمع ہے فتنة کی،فتنہ کے کل چودہ معنی ہیں: محنت، آزمائش،پسند کرنا،کسی پر فریفتہ ہونا،گمراہ ہونا،گمراہ کرنا،گناہ،کفر،رسوائی، عذاب،سونا،آگ میں گلانا،جنون محبت،لوگوں کے آپس کے جھگڑے وفساد۔(اشعۃ اللمعات)مؤلف اس بارے میں بہت سے باب باندھیں گے حتی کہ فضائل و مناقب کے باب بھی اسی بیان میں آئیں گے ان بابوں میں ان معانی کا لحاظ ہے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام فرمایا ۱؎ آپ نے اسی جگہ میں قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دیدی ۲؎ جس نے اسے یاد رکھا اس نے یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا ۳؎ یہ بات میرے یہ دوست جانتے ہیں ۴؎ ان واقعات میں سے کوئی چیز ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں پھر اسے دیکھتا ہوں تو ایسے یادکرلیتا ہوں جیسے کوئی شخص کسی کا چہرہ پہچان لیتا ہے جب وہ اس سے غائب رہا ہو پھر جب اسے دیکھے تو پہچان لے ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور انور کا یہ قیام آئندہ واقعات کی خبریں دینے کے لیے تھا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی حضور نے ہر چھوٹے بڑے واقعہ حتی کہ قطرہ قطرہ ذرہ ذرہ کا بیان فرمادیا،یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" جس سے معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کا علم بخشا،اتنے تھوڑے وقت میں یہ سب بیان فرمادینا حضور انور کا معجزہ ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام آن کی آن میں زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور کو سب کچھ سکھادیا جس سے حضور ان سب کے عالم بن گئے مگر حضور انور نے حضرات صحابہ کو یہ سب کچھ بتادیا سکھایا نہیں جس سے وہ صحابہ ان سب کے عالم نہیں بن گئے لہذا صحابہ کا علم حضور کے برابر نہیں ہوگیا جیسے اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھادیئے "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ

کُلَّهَا"جس سے وہ ان تمام کے عالم بن گئے مگر آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو یہ نام بتادیئے سکھائے نہیں جس سے فرشتہ عالم نہ بنے "فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ"۔

۳؎ یہ ساری باتیں تو کسی ایک کو بھی یاد نہ رہیں،بعض صحابہ کو زیادہ باتیں یاد رہیں،بعض کو تھوڑی،بعض کو بہت چیزیں بھول گئیں۔

۴؎ یعنی جو صحابہ آج موجود ہیں انہیں یہ واقعہ یاد ہے جو میں نے بیان کیا کہ حضور انور نے یہ سب باتیں ایک مجلس شریف میں بتائی تھیں۔

۵؎ یعنی بہت دفعہ واقعات ہمارے سامنے آکر ہم کو ہماری بھولی باتیں یاد دلادیتے ہیں کہ حضور انور نے یہ فرمایا تھا،دیکھو وہ واقعہ یہ ہے جیسے بھولا بچھڑا آدمی سامنے آجاوے تو پہچان لیا جاتا ہے۔سبحان اللہ! کیسی شاندار مثال ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دلوں پر فتنے پیش آئیں گے۱؎ جیسے چٹائی کا ایک ریگ جو دل فتنے پلادیا گیا اس میں سیاہ دھبہ پیدا کردیں گے اور جو دل انہیں برا سمجھے اس میں سفید داغ پیدا ہوجاوے گا۲؎ حتی کہ لوگ دو قسم کے دلوں پر ہوجائیں گے۳؎ ایک سفید جیسے سنگ مرمر اسے کوئی فتنہ نقصان نہ دے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسرا کالا راکھ ہمرنگ جیسے اوندھا کوزہ۴؎ وہ نہ بھلائی کو پہچانے نہ برائی کو برا جانے سواء اس خواہش کے جو اسے پلادی گئی ۵؎(مسلم)	

۱؎ یہاں فتنوں سے مراد یا دنیاوی آفتیں اور مصیبتیں ہیں یا برے عقیدے برے اعمال ہیں وہ فتنے دور ہوجائیں گے مگر ان کے اثرات دلوں پر رہ جائیں گے جیسے مٹی یا ریتے پر چٹائی بچھاؤ تو اٹھ جاتی ہے مگر اس کے نشان مٹی پر رہ جاتے ہیں۔

۲؎ یعنی جو شخص ان فتنوں کو اچھا سمجھے گا اس کا دل سیاہ ہوجاوے گا،وہ بے ایمان جیئے گا بے ایمان مرے گا اور جو ان فتنوں سے نفرت کرے گا اس کا دل نورانی ہوگا۔یہاں پلائے جانے سے مراد پسند کرنا چاہنا ہے،جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ"۔

۳؎ یا تو لوگ دو قسم کے ہوجائیں گے: کالے دل والے اور سفید دل والے یا لوگوں کے دل دو قسم کے ہوجائیں گے: سفید اور کالے۔معلوم ہوا کہ گناہ سے الفت اور نفرت کا اثر دل پر پڑتا ہے،پھر کبھی دل کا اثر چہرے پر نمودار ہوجاتا ہے چہرہ دل کی کتاب ہے۔

۴؎ یعنی اس کا دل سیاہ بھی ہوگا اور ناقابل تاثیر جیسے الٹا کوزہ کہ اس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی ایسے ہی اس دل میں کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت ٹھہرے گی نہیں،وہ دل کسی نصیحت کا اثر قبول نہ کرے گا یہ اللہ تعالٰی کا سخت عذاب ہے۔**مجحن** اجحاء کا اسم فاعل ہے بمعنی اوندھا اور الٹا ہوجانا۔

۵؎ یعنی وہ شخص بجز اپنی دل پسند چیز کے کسی کو اختیار نہ کرے گا اگرچہ کتنی ہی اچھی ہو اور سوائے اپنی ناپسندیدہ چیز کے کسی چیز کو چھوڑے گا ہی نہیں اگرچہ کتنی ہی بری ہو،یہ ہے دل کی موت یا دل کا رین،رب فرماتاہے:"کَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ مَّا کَانُوۡا یَکْسِبُوۡنَ"۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خبریں بتائیں ۱؎ جن میں سے ایک تو میں نے دیکھ لی اور دوسری کا منتظر ہوں ۲؎ ہم کو خبر دی کہ امانت لوگوں کے دلوں کے اصل میں اتر ی ہے ۳؎ پھر لوگوں نے قرآن سیکھا پھر حدیث سیکھی ۴؎ اور حضور نے ہم کو اس کے اٹھ جانے کی خبر دی ۵؎ فرمایا آدمی ایک نیند سوئے گا تو اس کے دل سے امانت قبض کرلی جاوے گی ۶؎ تو اس کا اثر چھالے کی طرح رہ جاتا ہے ۷؎ پھر ایک نیند سوئے گا تو امانت قبض کرلی جاوے گی حتی کہ اس کا اثر آبلے کی طرح ہوجاوے گا ۸؎ جیسے تم اپنے پاؤں پر چنگاری لگاؤ تو ابھار ہو جاوے تم اسے پھولا ہوا دیکھو جس میں کچھ بھی نہ ہو ۹؎ لوگ خرید و فروخت کریں گے اور کوئی بھی امانت ادا نہ کرے گا ۱۰؎ حتی کہ کہا جاوے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار شخص ہے ۱۱؎ اور کسی شخص کے متعلق کہا جاوے کہ وہ کیسا عقلمند ہے کیسا خوش طبع ہے کیسا بہادر ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کی برابر ایمان نہ ہوگا ۱۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی فتنوں کے زمانوں میں امانت کے متعلق دو خبریں دی لہذا یہ حدیث **کتاب الفتن** کے مناسب ہے۔

۲؎ حضور انور نے نزول امانت کی بھی خبر دی اور اس امانت کے اٹھ جانے کی بھی دی،میں نے امانت کا نزول تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اس کے اٹھ جانے کا منتظر ہوں نہ معلوم یہ واقعہ میری زندگی میں ہو یا میرے بعد۔

۳؎ امانت سے مراد یا تو ایمان ہے یا شرعی احکام،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ"۔ممکن ہے کہ اس سے مراد دیانتداری ہو خیانت کی مقابل۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ دلوں میں توفیق خیر پہلے ہوتی ہے،قرآن و حدیث کا سیکھنا عمل کرنا بعد میں میسر ہوتا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو ہم نے دیکھ لیں۔

۵؎ یعنی آخر زمانہ میں روشنی ایمان دلوں سے نکل جاوے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ قرآن و سنت پڑھنا ان پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سونے سے مراد علم دین سے غفلت کرنا ہے اور **نومة** سے مراد معمولی غفلت ہے اس لیے کہ اس سے پہلے قرآن و سنت کے علم کا ذکر ہوا یعنی لوگ علم دین سے معمولی غفلت کریں گے تو اس کا نتیجہ وہ ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔(اشعہ)اور ہوسکتا ہے کہ **نوم** سے مراد سونا ہی ہو تو مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے انقلاب کا حال یہ ہوگا کہ ابھی سونے سے پہلے دل کا اور حال تھا اور سوتے ہی کچھ اور ہوگیا۔(مرقات)

۷؎ **وکت** واؤ کے فتحہ کاف کے سکون سے جمع ہے **وکتة** کی بمعنی نقطہ سفید جو آنکھ کی سیاہ پتلی میں ہو،چھوٹے چھالے یا چھوٹے تل کو بھی **وکت** کہتے ہیں خواہ کالا تل ہو یا سرخ یعنی امین آدمی کے دل سے امانت ختم ہوجاوے گی مگر کچھ اثر باقی رہے گا۔

۸؎ **مجل** میم کے فتح جیم کے سکون سے،آبلہ چھالا جو زیادہ کام کرنے سے ہاتھوں میں پڑ جاتا ہے،کھال سخت ہوجاتی ہے یعنی لوگوں کے دلوں سے امانت آہستہ آہستہ اٹھے گی،ایک بار غفلت میں امانت جائے گی دل میں خیانت آوے گی مگر معمولی جیسے چھالا دوبارہ غفلت میں یہ خیانت دل میں سخت ہوجاوے گی جیسے کام کرنے والوں کے ہاتھ کے سخت دھٹے آبلے۔

۹؎ یہ مضمون علیحدہ ہے یعنی اگر کسی کا عضو معمولی چنگاری سے جل جاوے وہاں چھالا پڑ جاوے تو چھالا ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر اس میں سواء گندے پانی کے ہوتا کچھ نہیں،یوں ہی اس زمانہ کے لوگ لباس و شکل میں بہت اچھے دکھائی دیں گے مگر انکی دلوں میں خیر نہ ہوگی برائی ہی ہوگی۔

۱۰؎ یعنی وہ لوگ آپس میں خرید و فروخت اور دوسرے مالی معاملات کریں گے مگر امین نہ ہوں گے،تجارتوں میں خیانت ملاوٹ سب ہی کچھ کریں گے اپنی زبان پر قائم نہ رہیں گے۔

۱۱؎ یعنی امین آدمیوں کی اتنی کمی ہوجاوے گی کہ اگر کسی شہر کسی قبیلہ میں کوئی ایک امین ہوگا تو لوگ دور دور اس کا چرچہ کریں گے کہ اس علاقہ میں صرف وہ شخص امین ہے۔

۱۲؎ یعنی آخر زمانہ میں لوگوں کی چالاکی دنیا کمانا چست و چالاکی ہونے کی تو تعریف ہوگی مگر اس کے دین تقویٰ امانت کا ذکر بھی نہ کیا جاوے گا،وہ ہوگا بے ایمان خائن جیساکہ آج کل عام چودھریوں نمبرداروں دنیا داروں میں دیکھا جاتا ہے، ہاں بعض اللہ کے مقبول بھی ہوتے ہیں مگر تھوڑے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور میں شر کے متعلق پوچھتا تھا اس خوف سے کہ مجھے وہ پہنچ جاوے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم پہلے جہالت اور شر میں	

تھے پھر اللہ ہمارے پاس یہ خیر لایا ۲؎ تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگی ۳؎ میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد خیر ہوگی،فرمایا ہاں مگر اس خیر میں کدورت ہوگی ۴؎ میں نے عرض کیا اس کی کدورت کیا ہے،فرمایا وہ قوم جو میرے طریقے کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی اور میری عادت کے خلاف عادت قبول کرے گی ۵؎ ان کی بعض باتیں اچھی پاؤ گے بعض بری،میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی،فرمایا ہاں ۶؎ دوزخ کے دروازہ پر بلانے والے جو دوزخ کی طرف انکی بات مانے گا اسے دوزخ میں ڈال دیں گے ۷؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان کی علامات بھی بتائیے،فرمایا وہ ہمارے گروہ سے ہوں گے ہماری زبان میں کلام کریں گے ۸؎ میں نے عرض کیاکہ اگر میں یہ پاؤں تو مجھے آپ کیا حکم فرماتے ہیں،فرمایا مسلمانوں کی جماعت ان کے امام کو پکڑے رہنا ۹؎ میں نے عرض کہ اگر مسلمانوں کی نہ جماعت ہو ۱۰؎ نہ امام فرمایا تو ان تمام فرقوں سے الگ رہنا ۱۱؎ اگرچہ اس طرح ہو کہ تم کسی درخت کی جڑ دانتوں سے پکڑ لو حتی کہ تم کو اسی حالت میں موت آجائے ۱۲؎ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا میرے بعد ایسے پیشوا ہوں گے جو نہ تو میری سنت اختیار کریں گے نہ طریقہ پر چلیں گے ۱۳؎ ان میں کچھ لوگ اٹھیں گے جن کے دل شیطانوں کے دل ہوں گے انسانی جسموں میں ۱۴؎ حضرت حذیفہ نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں یہ وقت پاؤں تو کیا کروں فرمایا اپنے امیر کی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہاری پیٹھ پر مارے اور تمہارا مال لے لے جب بھی سنو اور اطاعت کرو ۱۵؎

۱؎ یعنی صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں بہت پوچھتے تھے جیسے نیک اعمال،دنیاوی فراخی،آئندہ فتوحات تاکہ اس پر خوشی و شکر کریں مگر میں شر کی باتیں بہت پوچھتا تھا جیسے گناہ،فتنے،مالداری کے برے نتیجے تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کروں۔ تحلیہ سے پہلے تخلیہ ہے،لباس و زیور سے پہلے غسل ہے،پہلے برائیوں سے بچو پھر نیکیاں کرو۔

۲؎ یعنی ہم اہل عرب پہلے انتہائی برائیوں میں گرفتار تھے پھر اللہ نے ہم کو انتہائی خیر،حضور کی نبوت،وحی،تقویٰ،طہارت ہم کو عطا فرمائی۔

۳؎ یعنی کیا حضور کے پردہ فرمانے کے بعد پھر ہم برائیوں میں آفتوں میں مبتلا ہوں گے۔
۴؎ یعنی اس شر کے بعد خیر آئے گی ضرور مگر خالص خیر نہ ہوگی اس میں شر کی ملاوٹ ہوگی۔دخن بنا ہے دخان سے بمعنی دھواں۔
۵؎ اس فرمان عالی میں اشارہ یا تو قتل عثمان و خلافت علی کی طرف ہے کہ قتل عثمان شر ہے اور خلافت علی خیر مگر اسی خلافت میں روافض و خوارج کا زور تھا یہ کدورت ہے،یا اس میں اشارہ ہے خلافت عمر ابن عبدالعزیز کی طرف کہ وہ خیر تھی مگر اس زمانہ میں بدمذہبوں کا زور تھا۔(ازاشعہ ومرقات)اس کی شرحیں اور بہت کی گئی ہیں۔
۶؎ یعنی کیا اس مخلوط خیر کے بعد کوئی شر ہوگی جو خالص شر ہو اس خیر سے کہیں بدتر ہو۔
۷؎ یعنی ایسے پیشوا جو لوگوں کو ہدایت کے لباس میں گمراہی دیں گے،خیر دکھاکر شر پھیلائیں گے،سنت ظاہر کرکے بدعت پیش کریں گے،زہد ظاہر کرکے عیاشی کریں گے جو ان کی مانے گا وہ دوزخ میں جائے گا گویا یہ لوگ دوزخ میں بھیجنے کا سبب ہوں گے،یہ نسبت سبب کی طرف ہے۔
۸؎ یعنی کلمہ گو اور مدعی اسلام ہوں گے،عرب ہوں گے،عربی بولیں گے اس لیے لوگ ان سے بہت دھوکا کھایا کریں گے کیونکہ چھپے کافر سے بچنا بہت مشکل ہے۔روافض،خوارج،وہابیت،نجدیت وغیرہ سب عرب سے ہی پیدا ہوئیں۔
۹؎ یعنی وہ عقیدے رکھنا جو مسلمانوں کی جماعت کے ہوں،سلطان اسلام کی حمایت کرنا جو تم کو اللہ رسول کے راستہ پر چلائے،ان تمام فرقوں سے الگ رہنا،جماعت مسلمین کے ساتھ رہنافتنوں سے بچنے کا قوی ذریعہ ہے۔اہل سنت والجماعت کے ساتھ رہو،تیرہ سو برس سے مسلمانوں کے جو عقائد چلے آرہے ہیں انہیں پر قائم رہو۔مثلًا آج ایک فرقہ کہتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں یا صلوۃ کے معنی یہ مروجہ نمازیں نہیں،حضور کے بعد اور نبی آسکتے ہیں،نمازیں دن رات میں صرف دو ہیں وہ بھی اسلامی نماز سے جدا گانہ،ہم دیکھیں گے کہ آج تک نماز کے متعلق مسلمانوں کے کیا عقیدے رہے ہیں وہی اختیار کریں یہ ایمان کی ڈھال ہے۔
۱۰؎ یعنی اگر ا یسا زمانہ آجاوے کہ مسلمانوں کا نہ کوئی بادشاہ ہو نہ وہ کسی کی امامت پر متفق ہوں تو میں کیا کروں۔
۱۱؎ یعنی اس صورت میں ان فرقوں میں سے کسی کے ساتھ نہ رہناعقائد اہل سنت کے اختیار کرنا،اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو تو اس جماعت کے عقائد تو محفوظ ہوں گے وہ اختیار کرنا،یہ بھی قاعدہ کلیہ ہے۔
۱۲؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں مسلمانوں کو بستی میں رہنا بہتر ہے تاکہ وہاں نماز باجماعت ادا کرسکے،وقت پر جہاد کرسکے،جمعہ وعیدین میں شرکت کرسکے،بہت سی عبادات جماعت پر موقوف ہیں مگر جب بستیوں میں فتنے زیادہ ہوجاویں تب عزلت وگوشہ نشینی بلکہ آبادیوں کا چھوڑدینا بہتر ہے تاکہ ایمان سلامت رہے،لوگوں سے امان میں رہے،یہ حدیث ایسے ہی نازک حالات کے متعلق ہے۔درخت کی جڑ پکڑ لینے سے مراد بالکل خلوت و تنہا مقام پر چلا جانا ہے جہاں بستی کافتنہ نہ پہنچے۔
۱۳؎ ظاہر یہ ہے کہ آئمہ سے مراد سلاطین ہیں اور مطلب یہ ہےکہ بدعقیدہ بدعمل بادشاہ مسلط ہوجاویں گے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بدعمل بدمذہب پیروعلماء ہوں جیسے آج کل دیکھنے میں آرہے ہیں۔بھنگی چرسی،گانے باجے کے دلدادہ،بے

نماز،بے روزہ مگر کہلاتے ہیں ولی،یہ ولی اللہ نہیں بلکہ ولی شیطان ہیں جیسے آج کل دیکھنے میں آرہے ہیں، اس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی خبر دی ہے۔

۱۴؎ یعنی یہ لوگ انسانی جسم میں شیطان ہوں گے،باتیں اچھی کریں گے،علم سے بے بہرہ،عمل کے خراب ہوں گے،ان سے علیحدگی ضروری ہے۔

۱۵؎ یعنی ظالم بادشاہ اسلام کے ظلم کی وجہ سے بغاوت نہ کرو کہ بغاوت سے ملک میں فساد ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظالم بادشاہ دین بگاڑنے کی کوشش نہ کرے۔اسی فرمان عالی کے مدنظر حضرات صحابہ کرام نے بدترین ظالم حکام و سلاطین اسلام پر بغاوت نہ کی جیسے حجاج ابن یوسف وغیرہ ہر جائز بات میں ان کی اطاعت کی۔خیال رہے کہ امام حسین نے یزید کو سلطان اسلام مانا نہیں کہ وہ اس کا اہل نہ تھا،نااہل کو بادشاہ بنانا ممنوع ہے مگر جب بادشاہ بن چکا ہو تو اس کی بغاوت ممنوع ہے لہذا حضرت حسین کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں سے پہلے اعمال کرلو جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے کہ انسان سویرا پائے گا مؤمن ہوکر شام کرے گا کافر ہوکر اور شام کرے گا ۱؎ مؤمن ہوکر سویرا پائیگا کافر ہوکر،دنیاوی سامان کے عوض اپنا دین فروخت کر دے گا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی یہ موقع امن و امان کا غنیمت جانو جو نیکی کرنا ہے کرلو ورنہ ایسے فتنے اٹھنے والے ہیں اور ایسی بلائیں آنے والی ہیں کہ انسان کو کچھ نہ سوجھے گا کہ میں کیا کروں،دلوں کے حالات بہت جلد بدل جائیں گے۔یہاں کافر سے مراد یا تو واقعی کافر ہے یا بمعنی ناشکرا ہے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ یہاں کافر مؤمن کے مقابل ارشاد ہوا۔

۲؎ یعنی معمولی دنیاوی لالچ میں اپنا دین چھوڑ دے گا،اس زمانہ کے علماء رشوت لےکر غلط فتوے دیں گے،حکام رشوتیں لے کر غلط فیصلے کریں گے،عوام پیسہ لے کر جھوٹی گواہی بلکہ شراب خوری،قتل تک کردیں گے یہ تو اب دیکھا جارہا ہے۔(از مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب ایسے فتنے ہوں گے ان میں بیٹھ رہنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے اور ان میں کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور ان میں چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے ۱؎ جو ان کی طرف جھانکے گا وہ اسے اچک لیں گے تو جو کوئی پناہ یا ٹھکانہ پائے تو اس کی پناہ لے لے ۲؎ (مسلم،بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا ایسے فتنے ہوں گے کہ ان میں سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہوگا ۳؎ اور ان میں جاگنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہوا	

	دوڑنے والے سے بہتر ہوگا ۴؎ جو کوئی ٹھکانا یا پناہ پائے تو اس کی پناہ لے لے۵؎

۱؎ اس فرمان عالی میں بیٹھنا،کھڑا ہونا،چلنا اور دوڑنا بطور تشبیہ و استعارہ ارشاد ہوا ہے۔بیٹھنے سے مراد ہے ان فتنوں سے الگ تھلگ رہنا،ان سے بالکل واسطہ نہ رکھنا،یہ ذریعہ ہوگا فتنوں سے حفاظت کا کہ وہ نہ فتنوں کو دیکھے گا نہ ان کا اثر لے گا۔اور کھڑے ہونے سے مراد ہے دور سے انہیں دیکھنا،ان پر خبردار اور مطلع ہونا۔چلنے سے مراد ہے ان میں مشغول ہونا مگر معمولی طورپر۔اور دوڑنے سے مراد ہے ان میں خوب مشغول ہونا غرضیکہ عجیب استعارات ہیں۔

۲؎ بعض صحابہ کرام نے جنگ جمل و صفین کو اسی حدیث میں داخل مانا اور وہ حضرات ان جنگوں میں غیر جانب دار رہے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مگر قوی یہ ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے دوسرے حضرات سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔

۳؎ یہاں بھی **نائم** سے مراد بے خبر بے شعور ہے یعنی جو فتنوں سے ایسا بے خبر ہو کہ اسے ان کی خبر بھی نہ ہو۔ **یقظان** سے مراد ہے خبردار کہ اسے ان فتنوں کی خبر تو ہو مگر اس میں شریک نہ ہو،خبر سے مراد ہے خود بخود خبر ہونا نہ کہ ان کی خبر رکھنا۔

۴؎ **قائم** سے مراد ہے باقی،قاعدہ اس فتنہ کی خبر رکھنے والا مگر اس میں شریک نہیں لہذا بیدار اور قائم میں فرق ظاہر ہے۔

۵؎ ٹھکانہ سے مراد ہے امن کی جگہ اور پناہ سے مراد ہے وہ آدمی جو اسے فتنوں سے بچالے یعنی یا تو پناہ کی جگہ چلا جائے یا ایسے شخص کے پاس رہے جو اس کو ان فتنوں سے بچائے۔(مرقات)لہذا عبارت میں تکرار نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب فتنے ہوں گے پھر فتنے،خبردار پھر فتنے ہوں گے ۲؎ پھر وہ فتنے ہوں گے کہ ان میں بیٹھا ہوا چلتے ہوئے سے بہتر ہوگا اور چلتا ہوا دوڑتے ہوئے سے بہتر ہوگا ۳؎ آگاہ رہو کہ جب وہ فتنے واقع ہوں تو جس کے اونٹ ہو اور اونٹوں سے مل جاوے اور جس کی بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں چلا جاوے اور جس کی زمین ہو وہ اپنی زمین میں پہنچ جاوے ۴؎ تو ایک صاحب بولے یارسول اللہ فرمایئے تو جس کے پاس نہ اونٹ ہوں نہ بکریاں نہ زمین ۵؎ فرمایا وہ اپنی تلوار کی طرف رخ کرے اور اس کی دھار کو پتھر سے کوٹ دے پھر الگ ہونے کی طاقت رکھے ۶؎ اے اللہ کیا میں نے پہنچادیا(تین بار فرمایا) ۷؎ پھر ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ فرمایئے تو اگر مجھے مجبور کیا جاوے حتی کہ مجھے دونوں صفوں میں سے ایک صف تک لے جایا جاوے پھر

مجھے کوئی اپنی تلوار سے مار دے یا آوے کہ مجھے قتل کردے ۸؎ فرمایا وہ اپنا اور تمہارا گناہ لے کر لوٹے گا اور وہ دوزخی ہوگا ۹؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام نفیع ابن عبدالحارث ابن کلاہ ہے،ثقفی ہیں،آپ حضور انور کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں،بصرہ میں رہے،۴۹ھ؁ انچاس میں وفات پائی۔(اکمال)بڑے متقی و پرہیزگار تھے،صحابہ کی آپس کی جنگوں میں آپ علیحدہ رہے۔

۲؎ یہ فرمان عالی یا تو ان فتنوں کا تسلسل بیان فرمانے کے لیے ہے یعنی آگے پیچھے مسلسل فتنے ہوں گے یا ان کی بڑائی بیان کرنے کے لیے یعنی سخت سے سخت،اس سے بھی سخت فتنے ہوں گے جو سارے عرب کو گھیر لیں گے۔

۳؎ یعنی مسلمان ان فتنوں سے جس قدر دور رہے اسی قدر اچھا،اس فرمان عالی کی شرح ابھی عرض کردی گئی۔

۴؎ امن کے زمانہ میں شہر بہتر ہے گاؤں اور جنگل سے کہ شہر میں علم ہے جمعہ و عیدین بلکہ پنجگانہ کی جماعت ہیں کبھی جہاد کا موقعہ بھی مل جاتا ہے مگر فتنوں کے زمانہ میں شہر سے گاؤں بلکہ جنگل بہتر ہے کہ وہاں امن ہے عافیت ہے شہر میں فتنے ہیں۔ایک شاعر کہتا ہے ؂

ان السلامۃ من اللیل و جارتھا ان لا تمر علی حال یواریھا

۵؎ یعنی جس کے پاس گاؤں یا جنگل میں رہنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو،نہ اپنی زمین ہو،نہ اپنے جانور ہوں نہ اور کوئی ذریعہ وہ کیا کرے اسے تو لامحالہ شہر میں ہی رہنا پڑے گا۔

۶؎ نجات اگر ت سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں چھٹکارا یا عذاب سے بچ جانا اور اگر ہمزہ سے ہو تو اس کے معنی ہیں بھاگ جانا دور ہوجانا،یہاں ہمزہ سے ہے یعنی اس وقت تلوار نہ چلائے بلکہ اپنی تلوار بے کار کردے کیونکہ یہ لڑائیاں مسلمانوں کی آپس میں ہوں گی،وہاں سے بھاگ جانے فتنوں سے الگ ہوجانے کی کوشش کرے۔مسلمانوں کی آپس کی لڑائیں فساد کہلاتی ہیں،کفار سے جنگ جہاد ہے۔حضرت ابوبکرہ کا اور عبداللہ ابن عمر وغیرہم صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ بغاوت کے موقعہ پر کسی طرف شرکت نہ کرے الگ رہے،ان کی دلیل یہ حدیث تھی۔عام صحابہ کرام کا مسلک یہ تھا کہ حق والے کی مدد کرے باغیوں کو کچل دے تاکہ بغاوت پھیلنے نہ پائے،ان کی دلیل یہ آیت تھی"فَقٰتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ"۔ان کے نزدیک حدیث بغاوت کے لیے نہیں بلکہ عام فسادات اور بلووں کے متعلق ہے یہ ہی قول زیادہ قوی ہے۔

۷؎ یعنی میرے مولیٰ گواہ ہوجا کیا میں نے تیرا یہ حکم تیرے بندوں تک پہنچادیا۔معلوم ہوا کہ فتنوں سے خبردار کرنا بھی ایک تبلیغی حکم ہے جس کا پہنچانا فرض ہے۔

۸؎ یعنی اگر مجھ پر ایسا حال طاری ہوجاوے کہ میں الگ نہ رہ سکوں مجبورًا کسی فریق کے ساتھ جنگ میں کھڑا ہو جاؤں مگر میری نیت جنگ کی نہ ہو صرف جانا پڑ جاوے تو میری یہ موت کیسی ہوگی۔

۹؎ یعنی اس مجبوری کی صورت میں تم گنہگار نہ ہوگے بلکہ تمہارا لے جانے والا یا تمہیں قتل کرنے والا گنہگار ہوگا ایسا کہ تمہارے گزشتہ گناہ بھی اس پر پڑیں گے۔بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِكَ کی شرح ہم نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں واضح کردی۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں یا پانی کی جگہ لے جائے۱اپنا دین فتنوں سے بچاکر بھاگ جائے۲ (بخاری)

۱ شعف جمع ہے شعفة کی بمعنی بلند چوٹی۔اہل عرب پہاڑ کی چوٹیوں میں بھی اپنے مال مویشی رکھتے ہیں اور وہاں خود بھی رہتے ہیں،یہ جگہ زمین سے بہت بلند ہونے کی وجہ سے بڑے امن عافیت کی ہوتی ہے۔مواقع قطر سے مراد ہے وہ جنگل جہاں پانی کے چشمے،سبزہ زار،چراگاہ وغیرہ ہو،یہ تعیم بعد تخصیص ہے یا اس کے برعکس۔

۲ یعنی اس علیحدگی کی وجہ اپنے دین کی حفاظت ہو نہ کہ مسلمانوں سے نفرت کہ ایسے موقعہ پر لوگوں سے خلط ملط اپنے لیے دینی خرابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ٹیلوں میں سے کسی ٹیلہ پر تشریف لے گئے۱پھر فرمایا کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۲لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا کہ میں فتنے دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں کے درمیان بارش گرنے کی طرح گررہے ہیں۳(مسلم،بخاری)

۱ اشرف کے لفظی معنی ہیں چڑھنا،جھانکنا،اچک لینا،یہاں بمعنی چڑھنا ہے۔اطم ہمزہ کے پیش اور ط کے پیش سے بمعنی اونچا قلعہ اونچا ٹیلہ،جمع ہے آطام،چونکہ ٹیلے چڑھنے سے ساری بستی سامنے آگئی اس لیے یہاں پہنچ کر حضور انور نے یہ فرمایا۔

۲ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال آئندہ فرمان عالی کی تمہید ہے ورنہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نہیں دیکھ رہے تھے۔خیال رہے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی ساتھ والوں پر بھی پڑتی تھی جس سے ان پر بھی غیوب کی چیزیں ظاہر ہوجاتی تھیں۔ایک بار حضور خچر پر سوار دو قبروں پر گزرے تو خچر نے عذاب قبر دیکھا اور کودنے لگا،ایک بار عقاب حضور اقدس کے سر مبارک کے مقابلہ سے گزرا تو موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا،حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک بار حضور کا تہبند اوڑھ لیا تو غیبی نور کی بارش آنکھوں سے دیکھ لی،ایک بار حضرت زید نے عرض کیا آٹھوں جنتیں ساتوں دوزخ میرے سامنے ہیں ہر جنتی دوزخی کو دیکھ رہا ہوں۔آج جن خوش نصیبوں کا سر حضور کے قدم تک پہنچ جاتا ہے ان پر عالم غیب منکشف ہوجاتا ہے مگر یہ کبھی کبھی لہذا حدیث واضح ہے۔

۳ اس فرمان عالی میں ان فتنوں کی طرف اشارہ ہے جو یزید ابن معاویہ،مروان ابن حکم،حجاج ابن یوسف وغیرہم کے زمانوں میں واقع ہوئے جنہوں نے سارے عرب خصوصًا مدینہ والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔یہاں دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے محض خیالی وہمی صورتیں مراد نہیں۔حضرات انبیاء کرام کی آنکھیں ہمارے خواب و خیال سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہیں،وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں،ہم خواب و خیال میں اگلے پچھلے واقعات دیکھ لیتے ہیں۔بارش

سے تشبیہ دے کر دو باتیں فرمائیں: ایک یہ کہ وہ فتنے بارش کی طرح ہر گھر میں پہنچیں گے،دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں کوئی شخص خانہ نشین ہوکر بھی ان سے محفوظ نہ رہ سکے گا،خلوت و جلوت ہر جگہ فتنے پہنچ جاویں گے۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کی ہلاکت قریش کے کچھ لڑکوں کے ہاتھ پر ہوگی ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی ہمارے بعد کچھ نو عمر نا تجربہ کار نااہل لونڈے بادشاہ حاکم بن جائیں گے اور اپنی نااہلی ناتجربہ کاری کی وجہ سے میری امت کو ہلاک کردیں گے اس فرمان عالی میں یزید ابن معاویہ،مروان ابن حکم وغیرہ نااہلوں کی طرف اشارہ ہے ان لوگوں کی وجہ سے امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مصیبتیں پیش آئیں وہ سب کو معلوم ہیں۔معلوم ہوا مجاہد غازی جوان چاہیں مگر حکام،سلطان قاضی بوڑھے اور تجربہ کار چاہیں،جہاد میں جوانوں کی شمشیر بوڑھوں کی تدبیر کام آتی ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ چھوٹا ہوجاوے گا ۱؎ اور علم اٹھالیا جاوے گا ۲؎ اور فتنے ظاہر ہوجائیں گی اور بخل ڈال دیا جاوے گا ۳؎ ہرج بڑھ جاوے گا،لوگوں نے عرض کیا ہرج کیا ہے فرمایا قتل ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ **یتقارب** بنا ہے **قرب** سے بمعنی نزدیکی،اس عبارت کے بہت معنی کیے گئے۔مشہور معنی یہ ہیں کہ زمانہ کے اجزاء دن رات،گھنٹہ منٹ،ہفتہ مہینہ سال ایک دوسرے سے گزرنے میں قریب ہوجائیں گے کہ بہت جلد جلد گزرنے لگیں گے۔اسی کی شرح وہ حدیث ہے کہ قرب قیامت سال ایک مہینہ کی طرح،مہینہ ہفتہ کی طرح،ہفتہ دن کی طرح،دن آگ سلگانے کی طرح گزریں گے یا یہ معنی ہیں کہ زمانہ قیامت کے نزدیک ہوجاوے گا یا یہ کہ زمانہ والے لوگ ایک دوسرے سے جنگ و جدال کے لیے گتھ جائیں گے قریب تر ہوجائیں گے یا سارے اوقات شروفساد میں ایک دوسرے سے قریب ویکساں ہوجائیں گے۔

۲؎ **علم** سے مراد علم دین ہے۔علم دین کے اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ علماء دین وفات پاتے رہیں گے اور بعد کے لوگ عالم بننا چھوڑ دیں گے کیونکہ علم دین کی قدر نہ قوم میں رہے گی نہ حکومت میں جیساکہ آج کل دیکھا جارہا ہے کہ اب علماء بھی واعظ یا پیر بن کر گزارہ کررہے ہیں صرف علماء کے لیے کوئی ذریعہ نہیں۔انگریزی بی اے کرلو تو تمام دروازے کھل جاتے ہیں،عالم دین بنو تو حکومت کا کوئی محکمہ تمہیں نہیں لیتا تم پر حکومت کے سارے دروازے بند ہیں،دین کا اللہ تعالٰی ہی حافظ ہے،دین رسولی باغ ہے علم دین اس کا پانی جب پانی نہ دیا جائے تو باغ کا کیا ہوگا۔

۳؎ یعنی لوگ کنجوس ہوجائیں گے،علماء علم سکھانے میں بخل کریں گے،کاریگر اپنا ہنر سکھانے میں،مالدار لوگ اپنا مال خرچ کرنے میں بخیل ہوجائیں گے۔**یلقی** فرماکر بتایا گیا کہ یہ بخل شیطان دلوں میں ڈالے گا لوگوں کو بخل کے فائدے،سخاوت کے

نقصانات ذہن نشین کردے گا۔ھرج کے لغوی معنی فتنہ ہے،یہاں خاص فتنہ یعنی قتل و خون مراد ہے۔حرج بڑی حاء سے بمعنی تنگی ہے"لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ"۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا نہ جائے گی حتی کہ لوگوں پر وہ دن آجائے گا جب قاتل نہ جانے گا کہ کس جرم میں قتل کیا اور نہ مقتول جانے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا گیا۱؎ عرض کیا گیا یہ کیسے ہوگا فرمایا فتنہ عامہ کی وجہ سے۲؎ قاتل مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۳؎(مسلم)	

۱؎ اس فرمان عالی کا ظہور آج پورے طور سے ہورہا ہے۔بات بات پر مکھی،مچھر،کھٹمل کی طرح انسان قتل کرائے جارہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ قاتلوں کو سزا نہیں ملتی تو مقتول کے وارثین ایک کے عوض دو تین کو مار دیتے ہیں پھر وہ لوگ دو کے عوض تین چار کو،اگر عدالتوں سے سزا پوری پوری ملے تو جرموں کی جڑ کٹ جاوے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ"۔

۲؎ یعنی لوگوں میں لاقانونیت،طبیعتوں میں بربریت پیدا ہوجاوے گی،شرافت انسانی لوگ کھو چکیں گے،اس حدیث کی زندہ شرح یہ زمانہ ہے۔

۳؎ قاتل تو قتل کی وجہ سے دوزخ میں جاوے گا اور مقتول ارادۂ قتل کی وجہ سے کہ وہ بھی اسی ارادہ سے آیا تھا اس کا داؤ نہ چلایا وار خالی گیا۔معلوم ہوا کہ گناہ کا پختہ ارادہ بھی گناہ،اللہ تعالٰی گناہ اور ارادۂ گناہ دونوں سے بچائے۔

روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فتنوں کے زمانہ میں عبادت ایسی ہے جیسے میری طرف ہجرت۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی جو ثواب فتح مکہ سے پہلے میرے ہجرت کرکے آنے کا تھا وہ ہی ثواب اس پر فتن زمانہ میں عبادت کرنے کا ہوگا جیسے مہاجر اپنے عزیز و اقارب سے منہ موڑکر رب کی طرف آجاتا ہے ایسے ہی یہ شخص ان تمام سے منہ موڑکر اللہ کی طرف آتا ہے۔

روایت ہے حضرت زبیر ابن عدی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس کے پاس گئے تو ہم نے ان تکالیف کی شکایت کی جو ہم حجاج سے اٹھاتے ہیں۲؎ فرمایا صبر کرو نہیں آئے گا کوئی زمانہ مگر اس کے بعد والا زمانہ اس سے بدتر ہوگا حتی کہ تم اپنے رب سے ملو،یہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ و	

	سلم سے سنا ۳؎(بخاری)

۱؎ آپ تابعی ہیں،ہمدانی ہیں،مقام رے کے قاضی رہے ہیں،سفیان ثوری وغیرہم نے آپ سے روایات کی ہیں۔

۲؎ حجاج ابن یوسف عبدالملک ابن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا،ایسا ظالم تھا کہ اس نے ایک لاکھ تیس ہزار مسلمانوں کو باندھ کر قتل کیا ہے،جو مسلمان جنگوں میں اس کے ذریعہ قتل ہوئے وہ علاوہ ہیں۔(مرقات)

۳؎ یعنی آئندہ عموماً سلاطین ظالم ہی ہوں گے زمانہ جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتا جاوے گا ظلم و فساد بھی بڑھتا رہے گا لہٰذا حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دور یا آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی و عیسیٰ علیہ السلام کا دور اس حکم سے علیحدہ ہے،ہر زمانہ پہلے زمانہ سے دین کے لحاظ سے بدتر ہے کبھی کوئی گناہ زیادہ کبھی کوئی گناہ غفلت وغیرہ زیادہ۔مرقات نے فرمایا کہ شر سے مراد بدعات کی اشاعت سنتوں کا چھوڑ دینا ہے یا یہ مطلب ہے کہ آئندہ حکام ظالم بھی ہوں گے بدمذہب بدعقیدہ بھی۔حجاج ظالم ہے مگر دین برباد کرنا نہیں چاہتا اس نے قرآن مجید میں اعراب لگوائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے یا بھلا بیٹھے ۱؎ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ختم ہونے تک تمام فتنہ گروں کو ۲؎ جو تین سو یا کچھ زیادہ ہیں ۳؎ نہیں چھوڑا مگر ہم کو ان کے نام بتادیئے اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلہ کا نام ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی واقعی ہی بھول گئے یا بھلا بیٹھے یا بھولے ہوئے بن گئے کہ ان کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔خیال رہے کہ بھول جانے اور بھلا دینے میں فرق ہے۔ضروری بات بھول جانا گناہ نہیں مگر بھلا دینا گناہ ہے،بھلا دینے میں اپنی بے پرواہی کو دخل ہوتا ہے۔

۲؎ قائد بنا ہے قود سے بمعنی چلانا،ہانکنا،آگے سے کسی کو کھینچنا،سوق پیچھے سے ہانکنا،اس سے ہے سائق۔یہاں اس سے فتنہ پیدا کرنے والے فتنہ پھیلانے والے سردار مراد ہیں جیسے بے دین عالم جو نئے مذہب بری بدعتیں ایجاد کرکے لوگوں میں فتنہ برپا کرتے ہیں۔اس میں بہت وسعت ہے جس میں گمراہ کن علماء،جھوٹے مدعی نبوت،گمراہ بادشاہ سب ہی داخل ہیں جن سے لوگوں میں دینی فتنے پھیلیں۔یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی کھلی دلیل ہے۔

۳؎ یہاں بڑے بڑے فتنہ گر مراد ہیں جن میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزار ہا فتنہ گرہوں گے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے بہتر دوزخی ایک جنتی،وہاں بھی اصولی فرقے مراد ہیں جن میں سے ہر ایک کی صد ہا شاخیں ہیں،شیعوں کے بہت فرقے،مرزائیوں کی کئی شاخیں لہٰذا یہ حدیث صاف ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ فتنہ گر تو تین سو سے کہیں زیادہ ہیں۔

۴؎ تمام عرب و عجم،مشرق و مغرب کے فتنہ گر سب ہی بتادیئے پھر صرف ان کا نام ہی نہ بتایا بلکہ پتہ بھی بتادیا،یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب جو اللہ نے انہیں بخشا۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اپنی امت پر گمراہ گر پیشواؤں کا خوف کرتا ہوں ۱؎ اور جب میری امت میں تلوار رکھ دی جاوے گی تو ان سے روز قیامت تک نہ اٹھے گی ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ تلوار کے فتنے سے علمی فتنہ بڑا ہے خونخوار ظالم ایک آدمی کی زندگی ختم کردیتا ہے مگر فتنہ گر گمراہ عالم ہزار ہا خاندان کی روحانی زندگی تباہ کر ڈالتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے ان پر خوف ظاہر فرمایا۔

۲؎ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قتل کے وقت سے مسلمانوں میں کشت و خون شروع ہوا ہے آج تک تلوار میان میں نہیں پہنچی،یہ ہے اس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور یہ ہے ان کی خبر کی تصدیق۔

	روایت ہے حضرت سفینہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت تیس سال تک ہے ۱؎ پھر سلطنت ہوجاوے گی ۲؎ پھر سفینہ کہتے تھے کہ حساب لگا لو ابوبکر صدیق کی خلافت دو سال اور حضرت عمر کی خلافت دس سال،حضرت عثمان کی بارہ سال،جناب علی کی چھ سال ۳؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یہاں خلافت سے مراد خلافت راشدہ خلافت کاملہ اللہ رسول کی پسندیدہ خلافت ہے۔خلیفہ راشد وہ ہے جن کی بیعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت ہو،وہ اسلام کا سلطان بھی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی جیسے حضرات خلفاء راشدین یا آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی۔بعض لوگوں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو بھی خلیفہ راشد مانا ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ صرف خلفاء راشدین تھے جیساکہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور آخر زمانہ میں امام مہدی خلیفہ برحق ہیں،امام عادل ہیں مگر ان کی خلافت خلافت راشدہ نہیں کہلاتی۔

۲؎ جس میں سلطان صرف حاکم تو ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین نہ ہوگا،اس کی بیعت بیعت سلطنت ہوگی،بیعت ارادت نہ ہوگی۔غرضکہ بیعت امارت تو سلطان کی ہوگی اور بیعت ارادت حضرت مشائخ عظام کی۔

۳؎ یہ حساب تقریبی ہے جس میں سال کی کسریں یعنی مہینے چھوڑ دیئے گئے ہیں حساب تحقیقی یہی ہے کہ خلافت صدیقی دو سال چار ماہ،خلافت فاروقی دس سال چھ مہینے،خلافت عثمانی چند دن کم بارہ سال،خلافت حیدری چار سال نو ماہ، چاروں خلفاء کی خلافت انتیس سال سات مہینے نو دن ہے،پانچ ماہ باقی رہے وہ ہی حضرت امام حسن کی خلافت نے پورے کردیئے۔(اشعہ)ان مدتوں کے بیان میں کچھ اختلاف ہے بہرحال حضرت امام حسن کی چند ماہ خلافت پر تیس سال پورے ہوگئے،چونکہ امام حسن کی خلافت دراصل خلافت حیدری کا تتمہ تھی اس لیے اس کا ذکر علیحدہ نہ فرمایا۔خیال رہے کہ مروانی حکومت کا دور یوں ہے یزید ابن معاویہ،اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید،عبدالملک ہشام ابن عبدالملک،ولید،سلیمان،عمر ابن عبدالعزیز،ولید ابن یزید،یزید ابن

ولید،مروان،ابن محمد،پھر حکومت بنی عباس میں منتقل ہوگئی۔(مرقات)حضور خاتم انبیاء ہیں،حضرت علی خاتم الخلفاء اور امام مہدی خاتم الاولیاء ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی جیسے اس سے پہلے تھی ۱؎ فرمایا ہاں میں نے عرض کیا تو حفاظت کیا ہے فرمایا تلوار ۲؎ میں نے عرض کیا کیا تلوار کے بعد کچھ بقایا ہے ۳؎ فرمایا ہاں ہوگی سلطنت ناپسندیدگی ۴؎ اور صلح دھوئیں پر ۵؎ میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر گمراہی کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے ۶؎ تو اگر زمین میں کوئی اللہ کا خلیفہ ہو وہ تمہارے پشت پر کوڑے مارے اور تمہارا مال لے مگر تم اس کی فرمانبرداری کرنا ۷؎ ورنہ اس طرح مر جانا کہ کسی درخت کی جڑ دانتوں سے پکڑے ہو ۸؎ میں نے کہا پھر کیا ہوگا،فرمایا پھر اس کے بعد دجال نکلے گا جس کے ساتھ نہر اور آگ ہوگی تو جو اس کی آگ میں گرے گا اس کا ثواب ثابت ہوجاوے گا اور اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے اور جو اس کی نہر میں گرے گا اس کا گناہ ثابت ہوجاوے گا ۹؎ اور اس کا ثواب ضبط،میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر گھوڑی بچہ دے گی تو اس پر سواری نہ کی جاسکے گی حتی کہ قیامت قائم ہوجاوے گی ۱۰؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا صلح دھوئیں پر اور لوگوں کا اجتماع ناپسندیدگی،میں نے عرض کیا یارسول اللہ کہ دھوئیں پر صلح ۱۱؎ کیا چیز ہے فرمایا کہ قوموں کے دل اس طرح نہ لوٹیں گے جس پر پہلے تھے میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی فرمایا اندھے بہرے فتنے ہوں گے ۱۲؎ جن پر کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں کی طرف بلانے والے ہوں گے ۱۳؎ تو اے حذیفہ اگر تم اس حالت میں وفات پاؤ کہ تم کسی درخت کی جڑ دانت سے پکڑے ہو تو تمہارے لیے اس سے اچھا ہے کہ تم ان میں سے کسی کی پیروی کو ۱۴؎(ابوداؤد)	

۱؎یہاں خیر سے مراد اسلام ہے اور شر سے مراد کفریا ارتداد یعنی جیسے حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں کفر تھا،کیا اب پھر کبھی کفر کا زور ہوجاوے گا۔

۲؎چونکہ یہاں فتنہ سے مراد ارتداد کا فتنہ ہے جو خلافت صدیقی میں ظاہر ہوا کہ بعض لوگ زکوۃ کے انکاری ہوئے،بعض مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے ان پر تلوار چلانی ضروری ہوئی لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فتنے سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا کہ وہاں مسلمانوں کی آپس کی جنگیں مراد ہیں۔

۳؎یعنی اس فتنہ کے بعد اسلام کی بقاء ہوگی یا پھر بھی کچھ فتنے باقی رہیں گے۔

۴؎اقذاء جمع ہے قذی کی بمعنی آنکھ کا تنکا وغیرہ جس میں بظاہر آنکھ اچھی ہوتی ہے مگر بباطن تکلیف یہاں مراد ہے ناپسندیدگی اور بددلی یعنی لوگ کسی کو اپنا امیر مانیں گے تو مگر صرف ظاہر سے،ان کے دل اس سے راضی نہ ہوں گے،نیز اس سلطنت میں بدعات وغیرہ ہوں گی۔

۵؎ ھدنہ بنا ہے ھدن سے بمعنی سکون و چین۔دخن بمعنی دخان ہےیعنی لوگ صلح تو کرلیں گے مگر اس صلح میں صفائی نہ ہوگی کدورت ہوگی۔اس میں اشارہ ہے حضرت امام حسن اور امیر معاویہ کی صلح کی طرف اگرچہ یہ صلح تو ہوگی مگر لوگوں کے دلوں میں صفائی نہ ہوئی اس لیے ہمارا مذہب ہے کہ حضرت امیر معاویہ اس صلح کے بعد خلیفہ نہ ہوئے بلکہ سلطان اسلام ہوئے،اسلام میں پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق اور پہلے سلطان امیر معاویہ۔(مرقات)

۶؎یہ فتنے مروانی دور سے شروع ہوئے جب کہ مسلمانوں میں برے عقیدے بدعات رائج ہوگئیں،ان میں حکام اور امراء بدعمل بدمذہب ہونے لگے۔

۷؎یہاں خلیفہ سے مراد سلطان اسلام ہے یعنی اگر ظالم بادشاہ بھی ہو تو تم اس کے خلاف بغاوت نہ کرنا کہ بغاوت میں فتنہ پھیلتے ہیں تم اس کی اطاعت ہی کرنا۔

۸؎ جذل بمعنی جڑ،یعنی اگر زمانہ ایسا افراتفری کا ہو کہ مسلمانوں کا بادشاہ کوئی نہ ہو تو تم لوگوں سے الگ ہوجانا،گوشہ نشینی اختیارکرلینا کہ اس زمانہ میں جلوت میں فتنہ ہوگا خلوت میں امن۔دانت سے پکڑنا عربی کی ایک خاص اصطلاح ہے بمعنی مضبوطی سے پکڑنا اور مشکل وقت میں بھی اسے نہ چھوڑنا۔یہاں اشارۃً فرمایا گیا کہ اس وقت گوشہ نشینی بھی مشکل ہوگی مگر یہ مشکل جھیلنا گوشہ نہ چھوڑنا۔

۹؎ظاہر یہ ہے کہ آگ اور نہر سے ظاہری معنی مراد ہیں۔واقعی دجال کے ساتھ آگ بھی ہوگی پانی بھی مگر اس کی آگ درحقیقت ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہوگی اور نہر بھڑکتی ہوئی آگ،وہ مردود اپنے ماننے والوں کو اس نہر میں داخل کرے گا اپنے منکروں کو آگ میں۔

۱۰؎اس میں اشارہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرف۔اس فرمان عالی کے بہت معنی ہیں: (۱)اس زمانہ پاک میں جہاد نہ ہوں گے اور مسلمان کفار کے مقابل گھوڑوں پر جہاد نہ کریں گے کیونکہ کفار ختم ہوچکے ہوں گے (۲)اس زمانہ میں گھوڑوں پر سواری نہ ہوگی،دوسری سواریاں ہوگی جن پر سواری کی جاوے گی(۳)دجال کے بعد ایک وقت وہ آئے گا جب قیامت بہت ہی قریب ہوگی حتی کہ گھوڑی کا بچہ جوان اور قابل سواری ہونے سے پہلے قیامت آجاوے گی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ دجال ہلاک ہونے کے بعد

قیامت اتنی قریب ہوگی کہ گھوڑی کی جوانی سے پہلے قیامت آجاوے گی کیونکہ دجال کی ہلاکت کے پانچ سو برس بعد قیامت آوے گی چالیس سال تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دنیا میں رہیں گے بعد کو چار سو ساٹھ سال بعد قیامت۔

۱۱؎ مطلب وہ ہی ہے صرف عبارت کا فرق ہے۔جماعت سے مراد ہے لوگوں کا کسی کی بیعت پر ظاہری طور پر متفق ہوجانا ہے۔

۱۲؎ یعنی ایسے فتنے جو لوگوں کو اندھا بہرہ کردیں گے کہ لوگ اس وقت نہ حق دیکھیں گے نہ حق سنیں گے،لوگوں کی مت ماری جاوے گی،اس وقت حق ایسا مشتبہ ہوجاوے گا کہ نظر نہ آوے گا۔

۱۳؎ یعنی یہ لوگ خود دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے اور مخلوق کو اپنی طرف بلاتے ہوں گے،بدعقیدگی بد عمل دوزخ کے دروازے ہیں۔

۱۴؎ یعنی ان فتنہ والوں میں سے کسی کے ساتھ نہ رہو خلوت نشین ہوجاؤ۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک دن ردیف تھا ۱؎ ایک گدھے پر تو جب ہم مدینہ کے گھروں سے نکل گئے تو فرمایا اے ابوذر اس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام بھوک ہوگی ۲؎ تم اپنے بستر سے اٹھو گے تو اپنی مسجد نہ پہنچو گے کہ تم کو بھوک مشقت میں ڈال دے گی ۳؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں، فرمایا پرہیز گار رہنا ۴؎ اے ابو ذر فرمایا،اے ابوذر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام موت پھیل جاوے گی ۵؎ کہ گھر غلام کی قیمت کو پہنچ جاوے گا ۶؎ حتی کہ ایک قبر ایک غلام کی عوض بکے گی ۷؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں،فرمایا صبر کرنا اے ابوذر ۸؎ فرمایا اے ابوذر اس وقت تمہارا کیا ہے حال ہوگا جب کہ مدینہ میں قتل عام ہوگا حتی کہ خون ریت کے پتھروں کو ڈبو دے گا ۹؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں فرمایا ان میں چلے جانا جن میں سے تم ہو ۱۰؎ میں نے عرض کیا کہ ہتھیار باندھ لوں فرمایا تب تو تم قوم میں شریک ہوگئے ۱۱؎ میں نے عرض کیا کہ میں کیا کروں یارسول اللہ فرمایا اگر تمہیں خطرہ ہو کہ تمہیں تلوار کی شعاعیں چوندھیاویں گی تو اپنے کپڑے کا کنارہ اپنے چہرے پر ڈال لینا تاکہ وہ تمہارا اور اپنا گناہ لے کر لوٹے ۱۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ جب ایک گھوڑے یا خچر پر دو آدمی سوار ہوں تو آگے والا **مردف** ہے پیچھے والا **ردیف**۔آپ کا یہ فرمانایا تو اللہ کی نعمت ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ مجھے حضور انور سے بہت ہی قرب نصیب ہوا یا حدیث کی قوت بتانا مقصود ہے،یعنی یہ فرمان عالی میں نے بہت ہی قریب سے سنا لہٰذا بالکل صحیح سنا جس میں کوئی شک شبہ نہیں۔

۲؎ یعنی تمہاری زندگی میں مدینہ منورہ میں عام قحط سالی ہوگی معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اگر واقعہ حرہ کی طرف اشارہ ہے تو بھوک سے مراد ہے خود ابوذر کا بھوکا ہونا کہ اس وقت جو صحابہ گوشہ نشین ہوگئے تھے وہ بھوکے رہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بھوک سے مراد عام قحط سالی نہیں بلکہ خاص ان کا بھوکا ہونا ہے یعنی تم بھوک کی شدت کی وجہ سے بمشکل مسجد تک پہنچ سکو گے۔

۴؎ یعنی تم اس وقت بھوک کی وجہ سے رزق کے لیے شریعت کی حدیں مت توڑنا،حلال روزی پر قناعت کرنا اور بھوک کی وجہ سے بددینوں سے تعلق نہ رکھنا۔

۵؎ یہ عام موت کسی وبائی بیماری کی وجہ سے نہ ہوگی کہ مدینہ منورہ وبا سے محفوظ ہے،وہاں دجال طاعون نہیں پہنچ سکتے۔

۶؎ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ مردوں کی زیادتی کی وجہ سے وقف قبرستان تو بھر جائیں گے لوگ مملوکہ زمینوں میں دفن کرنے پر مجبور ہوجائیں گے اور زمینوں کے مالک ایک قبر کی زمین کی اتنی بھاری قیمت وصول کریں گے جتنی قیمت ایک غلام کی ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ ایک قبر کھودنے کی اجرت اتنی زیادہ ہوگی جتنی ایک غلام کی ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ غلاموں کے عوض قبر کی زمین خریدی جاوے گی۔ان صورتوں میں **بیت** سے مراد قبر ہے۔ تیسرے یہ کہ لوگ اس قدر مرجاویں گے کہ گھر خالی رہ جاویں اور اتنے سستے ہوجاویں گے کہ ایک غلام کی قیمت میں ایک گھر مل جاوے گا۔چوتھے یہ کہ گھر میں ایک غلام سارے گھر کا نگراں ہوگا باقی لوگ یا بیمار ہوں گے یا مرچکے ہوں گے،ان صورتوں میں گھر سے مراد رہائشی گھر ہے۔(اشعہ)مگر پہلے دو معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔جو امام کفن چور کا ہاتھ کٹواتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور انور نے قبر کو گھر فرمایا تو جیسے گھر میں سے چوری کرنے والے کے ہاتھ کٹتے ہیں ایسے ہی قبر میں سے چوری کرنے والے کے ہاتھ کٹیں گے مگر یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے کیونکہ کفن کسی کی ملکیت نہیں اور غیر مملوک ہے۔

۷؎ یہ فرمان عالی یا تو الگ جملہ ہے یا پہلے جملے کی شرح ہے،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۸؎ یعنی اس شدت میں بھی مدینہ منورہ مت چھوڑنا یہاں ہی صبر سے رہنا کہ مدینہ کی موت دوسری جگہ کی زندگی سے افضل ہے۔شعر

ان کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں ان کے در پر دم نکل جائے تو جی جائیں حسن

۹؎ اس فرمان عالی میں اشارہ ہے واقعہ حرہ کی طرف جو یزید مردود کے زمانہ میں بعد واقعہ کربلا ہوا کہ یزید نے مسلم ابن عقبہ کی سر کردگی میں ایک لشکر جرار سے مدینہ منورہ پر حملہ کردیا،تین دن یا پانچ دن مدینہ پاک میں قتل عام کرایا،مسجد نبوی شریف میں کئی دن اذان نہ ہوسکی،مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں حضرات صحابہ و تابعین کا خون پانی کی طرح بہا۔یہاں سے پھر اس لشکر نے مکہ معظّمہ کا رخ کیا ابھی یہ لشکر راستہ میں تھا کہ مسلم ابن عقبہ ہلاک ہوا اس کے بعد یزید جہنم رسید

ہوا۔احجار الزیت یا تو مدینہ منورہ کے ایک محلّہ کا نام ہے یا ایک میدان کا کیونکہ وہاں کالے چکنے پتھر ہیں گویا تیل چپڑے سے ہوں۔اس واقعہ کی تفصیل تاریخ مدینہ میں دیکھو۔(از مرقات و اشعہ)

۱۰؎ یہ جملہ خبر بمعنی امر ہے یعنی تم ان کے پاس چلے جانا جن میں سے تم ہو،یعنی اپنے گھر اپنے بال بچوں میں رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا یہ ہی معنی درست ہیں کیونکہ جنگ حرہ میں سوا یزید کے کوئی سلطان تھا ہی نہیں۔

۱۱؎ یعنی اس موقعہ پر اگر تم بھی جنگ کرنے لگے تو اس فتنہ میں شریک ہوگئے اور اس شرکت سے فتنہ بڑھے گا گھٹے گا نہیں اس لیے اس فتنہ میں حضرت امام زین العابدین اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم گوشہ نشین رہے یہ تھا اس حکم پر عمل۔

۱۲؎ یعنی اگر تمہارے گوشہ نشین خانہ نشین ہونے کے باوجود کوئی ظالم سفاک تمہارے گھر میں قتل کرنے آجاوے تو اس کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ اپنا آپ چھپاکر خاموش بیٹھے رہنا کہ وہ تمہیں اس صبر وشکر کی حالت میں قتل کردے۔خیال رہے کہ یہ فرمانا حضرت ابوذر سے مگر سنانا ہے دوسرے کو کیونکہ حضرت ابوذر غفاری نے حرہ کا واقعہ نہیں پایا،آپ کی وفات ۳۲ھ بتیس ہجری خلافت عثمانیہ میں ہوئی اور حرہ کا یہ واقعہ ۶۲ھ میں ہوا،یہ حکم خصوصی طور پر زمین مدینہ میں کشت و خون سے بچنے کے لیے ہےاسی لیے حضرت عثمان غنی شہید ہوئے کہ آپ نے قاتل کا وار روکا بھی نہیں، ظالم کفار سے اپنا بچاؤ ان پر وار کرنا ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم لوگوں کی بھوسی میں رہ جاؤ گے ۱؎ کہ ان کے عہدوپیمان اور امانتیں گڑ بڑ ہوں گی اور آپس میں اختلاف کریں گے تو ایسے ہوجائیں گے اور اپنی انگلیوں شریف کو گتھا دیا ۲؎ عرض کیا مجھے کیا حکم ہے فرمایا جسے بھلا جانو اسے لازم مضبوط پکڑ لو اور جسے برا جانو وہ چھوڑ دو اور تم اپنی خاص ذات کی فکر رکھو عوام سے بچو ۳؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنا گھر لازم پکڑ لو اپنی زبان قابو میں رکھو ۴؎ جو اچھا جانو وہ اختیار کرلو اور جو برا جانو چھوڑ دو اور اپنا خاص معاملہ اختیار کرو اور عام لوگوں کا معاملہ چھوڑ دو ۵؎ (ترمذی)اور اسے صحیح فرمایا۔	

۱؎ حثالہ گیہوں یا جو کی وہ بھوسی جو کسی کام نہ آوے۔اسبغول کی بھوسی بہت کار آمد اور قیمتی چیز ہے اسے حثالہ نہیں کہاجاتا۔یعنی تم بیکار لوگوں میں رہ جاؤ گے جن سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا محض بے کار ہوں گے،ان کا حال آگے ارشاد ہو رہا ہے۔

۲؎ یعنی ان لوگوں میں تین عیب ہوں گے: وعدہ خلافی،امانتوں میں خیانت،آپس میں لڑائی جھگڑے۔ اس سے حضرات صحابہ مراد نہیں بلکہ بعد والے لوگ،تمام صحابہ عادل ثقہ ہیں،ان کی عدالت پر قرآن کریم گواہ ہے،فرماتاہے:"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"۔

۳؎ یعنی اس زمانہ میں اپنی فکر کرو لوگوں کی فکر نہ کرو بلکہ انہیں تبلیغ بھی نہ کرو کہ اس زمانہ میں لوگ تمہاری تبلیغ کا اثر تولیں گے نہیں الٹے تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔پہلے گزر چکا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں تبلیغ فرض نہیں رہتی۔

۴؎ یعنی اس وقت لوگوں کے حالات ان کے معاملات میں گفتگو نہ کرو اور بغیر سوچے سمجھے بات نہ کرو کہ اکثر اوقات زبان کی وجہ سے آفت آجاتی ہے۔یہ فرمان عالی تاقیامت امان کی تعلیم ہے،زبان پر قابو رکھنے سے بہت آفات دور رہتی ہیں،یوں ہی اپنے گھر میں رہنا لوگوں سے خلط ملط نہ رکھنا گناہوں سے بچے رہنے کا ذریعہ ہے۔

۵؎ یہ وجوبی حکم نہیں بلکہ اباحت اور اجازت کا حکم ہے کہ ایسی مجبوری میں تبلیغ چھوڑ دینے کی اجازت ہے،اگر کوئی ہمت و صبر والا بندہ ایسی حالت میں بھی تبلیغ کرے اور مصیبت جھیلے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔حضرت نوح علیہ السلام نے سخت مجبوری میں تبلیغ کی اور قوم سے بڑی مصیبتیں جھیلیں،حضرت امام حسین نے فتنہ یزیدی میں سفرکیا تبلیغ فرمائی اور جام شہادت نوش کیا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ فتنہ کے زمانہ میں گوشہ نشین بلکہ جنگل نشین ہوجاویں لوگوں سے الگ رہیں مگر حضرت عبداللہ ابن عمرو کو حکم دیا گیا کہ لوگوں میں رہیں بسیں مگر زبان کی نگرانی کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں،حکیم ہر مریض کو اس کے مزاج کے مطابق دوا دیتا ہے،جناب حذیفہ کے لیے وہ مناسب تھا اور جناب ابن عمرو کے لیے یہ مناسب۔حضرت عبداللہ ہمیشہ کے روزہ دار شب بیدار تھے،آپ کے والد عمرو ابن عاص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تین نصیحتیں فرمائیں: تہائی رات جاگو دو تہائی سوؤ،ہر مہینہ تین روزے رکھو،اپنے باپ کا حکم مانو۔اختلاف صحابہ رضی اللہ عنھم کے زمانہ میں حضرت عمرو ابن عاص امیر معاویہ کے ساتھ رہے،حضرت عبداللہ ابن عمرو بظاہر امیر معاویہ کے ساتھ رہے باپ کی وجہ سے اور درپردہ حضرت علی کے ساتھ اور کہا کرتے تھے کہ میں اپنے والد کے ساتھ خیر میں شریک ہوں نہ کہ شر میں،حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ میں ان سے ہوں مگر افسوس کہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہوں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا قیامت کے آگے بہت فتنے ہیں اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ۱؎ ان میں آدمی صبح کو مؤمن ہو گا اور شام کو کافر اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح سویرے کو کافر ۲؎ ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑے سے بہتر ہو گا اوران میں چلنے والے دوڑنے والے سے بہتر ہوگا ۳؎ تو ان فتنوں میں اپنی کمانیں توڑ دو اپنی تانت کاٹ دو اور اپنی تلوار پتھر سے مار دو ۴؎ پھر اگر تم میں سے کسی پر گھسا جاوے تو وہ

	حضرت آدم کے بہترین بیٹے(ہابیل) کی طرح ہوجاوے ۵؎(ابوداؤد)اور اسی کی ایک روایت میں خیر من الساعی تک کا ذکر فرمایا،پھر لوگوں نے عرض کیا کہ تب ہم کو حضور کیا حکم دیتے ہیں فرمایا اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جانا ۶؎اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے متعلق فرمایا کہ اس میں اپنی کمانیں توڑ دینا اور اس میں اپنی تانت کانٹ دینا ۷؎اور اس میں اپنے گھروں کا اندرونی حصہ پکڑ لینا ہے۸؎اور حضرت آدم کے بیٹے کی طرح ہوجانا ۹؎ اور کہا یہ حدیث صحیح ہے غریب ہے۔

۱؎ یعنی جیسے اندھیری رات میں کچھ سوجھتا نہیں یوں ہی ان فتنوں میں کچھ سوجھے گا نہیں،حق کیا ہے اور باطل کیا عجیب افراتفری کا زمانہ ہوگا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ صبح شام سے مراد قریبی اوقات ہیں،بعض لوگ ایسے مذبذب ہوجائیں گے کہ ابھی مؤمن ابھی کافر۔(مرقات)لوگوں کو ایمان کی پرواہ نہ رہے گی۔

۳؎ یہاں بیٹھنے والے سے مراد ہے ان فتنوں سے بے تعلق رہنے والا،چلنے والے سے مراد ہے معمولی تعلق رکھنے والا اور دوڑنے والے سے مراد ہے بہت مشغول اور فتنوں میں مبتلا،ظاہری بیٹھنا چلنا دوڑنا مراد نہیں،اس کی مفصل شرح پہلے گزرچکی۔

۴؎ یعنی اس زمانہ میں اپنے جنگی ہتھیار بے کار کردو تاکہ تم جنگ کے قابل نہ رہو کیونکہ اس وقت دونوں طرف مسلمان ہوں گے جس کو مارو گے مسلمان کو مارو گے لہذا اپنے کو مارنے کے قابل ہی نہ رکھو اسی میں بھلائی ہے۔

۵؎ یعنی اگر اس علیحدگی اور خلوت نشینی کے باوجود کوئی ظالم خونخوار خواہ مخواہ تمہارے گھر میں گھس کر تم پر حملہ کرے تو تم جوابی کاروائی نہ کرو قتل ہوجاؤ مگر مقابلہ نہ کرو۔اس حدیث کی شرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے اگر آپ اس وقت باغیوں کا مقابلہ کرتے تو آپ کے مملوک دو سو غلام تھے اور ہزار ہا ساتھی بڑی سخت جنگ ہوتی اور زمین مدینہ خون سے رنگین ہوجاتی۔

۶؎ کہ جیسے گھر کا بچھا ہوا ٹاٹ گھر میں ہی رہتا ہے باہر نہیں جاتا تم بھی گھر میں رہنا باہر نہ جانا لوگوں سے ملنا جلنا بند کردینا،یہ مطلب نہیں کہ باجماعت نماز اور جمعہ و عیدین چھوڑ دینا۔مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے خلط ملط چھوڑ دینا۔

۷؎ یعنی جنگ کے ہتھیار ختم کردینا تاکہ تمہارے دلوں میں کبھی جنگ کا خطرہ بھی نہ پیدا ہو،جنگ کرنا تو کیا جنگ کا خیال بھی نہ کرنا کہ دو طرفہ مسلمان ہوں گے جسے مارو گے مسلمان کو مارو گے۔

۸؎ یعنی گھر کے اندرونی حصہ میں خلوت و گوشہ نشینی اختیار کرنا جہاں باہر کے لوگ تمہارے پاس نہ آسکیں،گھر کی بیٹھک میں نہ بیٹھنا کہ وہاں خلوت مکمل نہیں ہوتی راہگیروں سے ملاقات ہو ہی جاتی ہے،سواء نماز اور ضروریات کے باہر مت نکلنا۔

۹؎ ابن آدم سے مراد ہابیل ہے جو ظلمًا مقتول ہوا،قابیل مراد نہیں یعنی ان فتنوں میں تم ظالم نہ بننا مظلوم بن کر مرجانا قبول کرلینا۔

	روایت ہے حضرت ام مالک بہزیہ سے ا؎ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر فرمایا اسے بہت قریب کیا ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس میں بہترین آدمی کون ہوگا فرمایا وہ شخص جو اپنے جانوروں میں رہے،ان کا حق ادا کردے اور اپنے رب کی عبادت کرے ۳؎ اور وہ شخص جو اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہو وہ دشمن کو ڈرائے اور دشمن اسے ڈرائیں ۴؎(ترمذی)

ا؎ آپ صحابیہ ہیں،بہز ابن امراء القیس کی نسل سے ہیں،حجازیہ ہیں،آپ سے طاؤس اور مکحول تابعین نے حدیث کی روایت کی،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یعنی اتنا واضح بیان فرمایا کہ اس فتنہ کو ہمارے ذہنوں سے قریب کردیا ہم کو خوب واضح کرکے بتادیا،یہ مطلب نہیں کہ اسے قریب زمانہ میں بتایا کیونکہ یہ فتنہ زمانہ صحابہ میں نہیں ہوا۔

۳؎ یعنی اگر اس کے پاس جانور ہوں بکریاں اونٹ وغیرہ تو جنگل میں انہیں کے پاس رہے شہر میں صرف جمعہ و عیدین کو آیا کریں،وہاں جنگل میں ہی اپنے نوکروں غلاموں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرلیا کرے لہذا حدیث واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جنگل میں نماز باجماعت اورجمعہ و عیدین کیسے ادا کرے گا۔خیال رہے کہ جو جنگل شہر سے ملحق ہو وہاں کے باشندوں پر جمعہ و عیدین ہے اور جنگل شہر سے دور ہو اس سے ملحق نہ وہاں کے باشندوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عیدین۔

۴؎ یعنی اسلامی سرحدوں(بارڈر)پر رہے اور تیاری جہاد میں مشغول رہے،بارڈر کے باشندے ہمیشہ کفار کے مقابلہ میں رہتے ہیں کبھی کفار انہیں مارجاتے ہیں کبھی یہ کفار کو انکی سرحد میں گھس کر مار آتے ہیں،لوٹ لاتے ہیں،بارڈر پر رہنا بھی عبادت ہے۔اس فرمان عالی میں اشارۃً بتایا گیا کہ ایسے فتنوں میں بھی تیاری جہاد میں مشغول رہنا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب ایسا فتنہ ہوگا جو سارے عرب کو گھیرے گا ا؎ اس میں مقتولوں آگ میں ہوں گے ۲؎ اس میں زبان تلوار کے حملہ سے سخت تر ہوگی ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

ا؎ یعنی فتنہ عام ہوگا جو سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا یا اہل عرب کو فتنہ گروں سے صاف و پاک کردے کہ اس وقت فتنہ گر مارے جاویں گے۔استنظاف کے معنی ہیں گھیرنا اور پاک و صاف کرنا،یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ یعنی ان فتنوں میں قتل ہونے والے شہید نہ ہوں گے بلکہ دوزخی ہوں گے کیونکہ ان کی موت اسلام کے لیے نہیں بلکہ فتنہ گری کے لیے ہوگی،ملک و مال و عزت کی ہوس میں ایک دوسرے سے جنگ کریں گے،جب مقتولین دوزخی ہوئے تو قاتلین یقینًا دوزخی ہوں گے۔

۳؎ یعنی اس فتنہ میں کسی ایک گروہ کی حمایت دوسروں کو مخالفت میں زبان کھولنا تلوار چلانے سے بدتر ہوگا کہ اس وقت ایسی باتیں بڑے کشت و خون کا باعث ہوں گی،اس سے بڑے بڑے فتنے واقع ہوں گے۔اللہ کی پناہ! بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد حضرت امیر معاویہ و علی مرتضٰی کی جنگ ہے مگر یہ غلط ہے کہ وہ دونوں جماعتیں جنتی ہیں اگرچہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور امیر معاویہ غلطی پر تھے مگر اجتہادی غلطی معاف ہے۔کسی نے ایک عالم سے پوچھا کہ عمر ابن عبدالعزیز افضل ہیں یا امیر معاویہ؟عالم نے فرمایا کہ جس گھوڑے پر امیر معاویہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار سے جہاد کیا اس گھوڑے کا غبار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے،تمام دنیا کے اولیاء اللہ ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔(مرقات)یہ بحث بہت تفصیل سے ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر مطالعہ فرماؤ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب بہرے گونگے اندھے فتنے ہوں گے ۱؎ جو انہیں اچک کر دیکھے گا اسے اچک لیں گے ۲؎ اور ان میں زبان چلانا تلوار چلانے کی طرح ہوگا ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ایسے فتنے ہوں گے جن میں حق نظر نہ آوے گا،لوگ حیران ہوں گے کہ ہم کیا کریں اور کہاں جائیں انہیں کچھ سوجھے گا نہیں،لوگ حق بولیں گے نہیں حق دیکھیں گے نہیں لہذا لوگ اندھے بہرے گونگے ہوجائیں گے،چونکہ اس کا سبب وہ فتنے ہوں گے لہذا فتنوں کو بہرا گونگا اندھا فرمادیا گیا۔

۲؎ یعنی ان فتنوں کے قریب جائے گا تماشائی بن کر دیکھنے کی کوشش کرے گا وہ فتنہ میں پڑ جائے گا لہذا اس وقت فتنوں سے دور رہو۔

۳؎ اس کا مطلب ابھی بیان ہوچکا کہ اس فتنہ میں کسی کی حمایت میں بولنا سخت فتنہ کا سبب ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے حضور نے فتنوں کا ذکر فرمایا تو بہت زیادہ ذکر کیا ۱؎ حتی کہ ٹاٹ کے فتنہ کا ذکر فرمایا ۲؎ کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ فتنہ احلاس کیا چیز ہے فرمایا وہ بھاگڑا اور لڑائی ہے ۳؎ پھر سراء کے فتنہ کا ذکر کیا ۴؎ جن کا فساد ۵؎ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا ۶؎ وہ سمجھے گا کہ وہ مجھ سے ہے وہ مجھ سے نہیں میرے دوست صرف متقی ہیں ۷؎ پھر لوگ ایسے ایک آدمی پر صلح کریں گے جو پسلی پر گوشت کی طرح ہوگا ۸؎ پھر کالا فتنہ ہوگا ۹؎ جو اس امت میں کسی کو نہ چھوڑے گا مگر اسے طمانچہ لگادے گا ۱۰؎ پھر جب کہا جاوے گا کہ فتنہ ختم ہوگیا تو وہ اور پھیلے گا ۱۱؎ اس میں آدمی صبح کرے گا مؤمن	

ہو کر اور شام کرے گا کافر ہو کر حتی کہ لوگ دو خیموں کی طرف لوٹ جائیں گے،ایک خیمہ ایمان کا جس میں نفاق نہیں اور دوسرا خیمہ نفاق کا جس میں ایمان نہیں۱۲ تو جب یہ ہو جاوے تو اس دن یا اس کے اگلے دن دجال کے خروج کا انتظار کرو۱۳(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی بہت سے فتنوں کا ذکر فرمایا یا فتنوں کا بہت ذکر فرمایا کہ ہر فتنہ کی تفصیل بیان فرمائی ہر ایک کا واضح بیان کردیا۔

۲؎ احلاس جمع ہے حلس کی،حلس وہ ٹاٹ ہے جو زمین پر نفیس دریوں غالیچوں کے نیچے بچھایا جاتا ہے اوپر کے بستر بدلتے رہتے ہیں مگر وہ ٹاٹ وہاں ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے اس فتنہ کو یا تو احلاس اس لیے فرمایا کہ وہ فتنہ بہت عرصہ تک رہے گا ٹاٹ کی طرح ہوگا کہ ہٹے گا نہیں اس لیے فرمایا کہ اس زمانہ میں لوگوں کو ٹاٹ کی طرح اپنے گھروں میں رہنا مفید ہوگا جو باہر پھرے گا مبتلا ہوجاوے گا۔

۳؎ اس فتنہ میں لوگ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کوئی کسی کی بات نہ سنے گا،ہر ایک دوسرے سے لڑے گا،اسے لوٹے گا،لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں گے۔

۴؎ سراء کے لفظی معنی ہیں عیش و عشرت،مال کی زیادتی،چونکہ مسلمانوں میں یہ فتنہ ان کی زیادہ مالداری زیادہ عیش و عشرت کی وجہ سے ہوگا۔زیادتی مال ہزار ہا فتنوں کا سبب ہے اس لیے اسے فتنہ سراء فرمایا گیا یعنی عیش و مال کا فتنہ۔

۵؎ دخن کے لفظی معنی ہیں دھواں،یہاں مراد فتنہ کی ابتداء ہے اس کا فساد ہے کہ دھواں آگ کی ابتداء ہوتا ہے ایسے ہی یہ اس فتنہ کی ابتداء ہوگی۔

۶؎ یعنی اس فتنہ کی ابتداء ایک شخص سے ہوگی جو اولاد فاطمہ سے ہوگا یعنی سید ہوگا یا حاکم ہوگا یا حکومت کا طلبگار اپنے خاص نفع کے لیے لوگوں کو مصیبت میں ڈال دے گا،چونکہ لوگ سید ہونے کی وجہ سے اس کا ادب واحترام کرتے ہوں گے اس لیے وہ اپنے اس دینی احترام سے غلط فائدہ اٹھاکر یہ فتنہ پھیلائے گا۔

۷؎ یعنی وہ شخص اپنی ان حرکتوں کے باوجود اپنے کو سید ہی کہے گا اور سمجھے گا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا ہوں کیونکہ ان کی اولاد سے ہوں۔یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا ابھی واقع نہیں ہوا۔خوارج اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کرتے ہیں کہ حضرت علی کی خلافت میں یہ فتنہ واقع ہوچکا مگر یہ ان کی اہل بیت دشمنی ہے ان سرکار کو اس سے کوئی تعلق نہیں،اگلے واقعات بھی جو یہاں مذکور ہیں اس کے خلاف ہیں۔

۸؎ ورك واؤ کے فتحہ ر کے کسرہ سے بمعنی چوتڑ(سیرین)۔ضلع ض کے کسرہ لام کے فتحہ سے پسلی کی ہڈی یعنی جیسے چوتڑ کی گندگی اگر پسلی کی ہڈی پر ہو تو ٹھہرتا نہیں کمزور ہوتا ہے ایسے ہی اس بادشاہ کی حکومت قائم نہ ہوگی بہت کمزور ہوگی۔خلاصہ یہ ہے کہ لوگ اس فتنے سے بچنے کے لیے ایسے شخص کو اپنا بادشاہ مقرر کردیں گے جس کی بادشاہت میں قوت نہ ہوگی،امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں یہ کب ہوا۔

۹؎ دهيما مؤنث ہے دهيم سے جس کا مادم دهم ہے بمعنی سخت سیاہ اندھیرا یعنی ایسا اندھیر والا فتنہ ہوگا کہ لوگوں کو اس میں راستہ نظر نہ آوے گا کہ کدھر جاویں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ دهيماء ایک اونٹنی تھی جس پر آگے پیچھے سات آدمیوں نے جنگ کی جو سب مارے گئے اونٹنی خالی رہ گئی جب سے عربی میں یہ کہاوت بن گئی کہ ایسے خطرناک فتنہ کو دهيماء کہنے لگے۔(مرقات)

۱۰؎ یعنی یہ فتنہ بہت روز تک رہے گا کبھی ہلکا پڑجاوے گا تو لوگ سمجھیں گے ختم ہو گیا پھر تیز ہوجاوے گا حتی کہ ختم ہوگا۔

۱۱؎ یعنی اس فتنہ سے کوئی نہ بچے گا سب پر اس کا اثر پہنچے گا کسی پر زیادہ کسی پر کم۔

۱۲؎ یعنی لوگوں کے دو گروہ ہوجائیں گے خالص مؤمن،خالص منافق یا فسطاط سے مراد شہر ہیں یعنی لوگ دو شہروں میں بٹ جاویں گے۔

۱۳؎ یعنی اس فتنہ سے متصل خروج دجال ہوگا اس لیے معلوم ہوا کہ یہ فتنہ ابھی واقع نہیں ہوا قیامت کے قریب ہوگا۔وہ کون سید ہوگا جو اس فتنہ کا موجد ہوگا یہ رب جانے اور یہ واقعہ کب ہوگا اس کی تاریخ کا بھی پتہ نہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے عرب کے لیے ۱؎ اس شر سے جو قریب آگئی وہ شخص کامیاب رہے گا جو اپنا ہاتھ روکے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ویل کے معنی ہیں خرابی شر قریب،دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہلاکت،یہاں بمعنی خرابی ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی اس زمانہ میں جو جنگ وقتال میں حصہ نہ لے وہ کامیاب ہے۔اس شر سے مراد یا تو یاجوج ماجوج کا نکلنا ہے اس وقت ان سے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی اس لیے قتال سے بچنے والا کامیاب رہے گا یا اس شر سے مراد مسلمانوں کی آپس کی جنگیں ہیں جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئیں اورجنگ جمل و صفین و معرکہ کربلا کی شکل میں ظاہر ہوئی ہیں تب یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جسے حق وباطل کا پتہ نہ لگے وہ اس میں قتال سے بچے۔(ازمرقات)اسی لیے جنگ جمل وصفین میں حضرت صحابہ کرام کے تین گروہ ہوگئے:بعض حضرات علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے،بعض ان کے مقابل،بعض حضرات غیر جانب دار۔یہ وہ ہی حضرات تھے جنہیں پتہ نہ لگا کہ حق پر کون ہے لہذا تینوں جماعتیں اللہ کی مقبول ہیں۔

روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے محفوظ رہے،نیک بخت ہے وہ جو فتنوں سے محفوظ رہے،نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے محفوظ رہے ۲؎ اورجو مبتلا ہو جاوے تو صبر کرے تو اچھا ہے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام مقداد ابن عمرو کندی ہے کیونکہ آپ کے والد نے قبیلہ بنی کندہ سے معاہدہ کیا تھا،ایک شخص تھا اسود اس نے آپ کی پرورش کی اس لیے آپ ابن اسود کہلائے،قدیم الاسلام صحابی ہیں حتی کہ آپ چھٹے مؤمن ہیں۔

۲؎ حضور انور نے یہ کلام تین بار فرمایا مبالغہ کے لیے یعنی جسے اللہ تعالٰی فتنوں سے بچائے رکھے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے اس طرح کہ اس کی زندگی میں کوئی فتنہ پھیلے ہی نہیں۔

۳؎ **فواھا** اظہار حیرت کے لیے بھی آتا ہے بمعنی افسوس اور اظہار خوشی کے لیے بھی بمعنی خوب یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں یعنی جو فتنہ میں پھنس گیا مگر صابر رہا اس پر افسوس ہے کہ وہ مصیبت میں مر گیا یا فتنہ میں پھنس کر صابر رہا تو بہت خوب ہے۔**واھا** پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہوا،بعض شارحین نے فرمایا کہ **لمن ابتلی** میں لام مکسور ہے پھر اس کا مطلب ہی کچھ اور ہوگا،مرقات نے فرمایا کہ **واھا** اسماء اصوات میں سے ہے تعجب کے لیے بولا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت میں تلوار رکھ دی جاوے تو قیامت کے دن تک اس سے نہ اٹھے گی ۱؎ اور قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکین سے مل جائیں گے ۲؎ اور حتی کہ میری امت کے کچھ قبیلے بت پرستی کریں گے ۳؎ اور میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے وہ سب گمان کریں گے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں ۴؎ حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ۵؎ اور میری امت کا ایک گروہ حق پر رہے گا سب پر غالب ان کا مخالف انہیں نقصان نہ پہنچاسکے گا ۶؎ حتی کہ اللہ کا حکم آجاوے ۷؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ اسی حدیث کا ظہور ہورہا ہے۔شہادت عثمان غنی سے مسلمانوں میں آپس میں قتل و خون شروع ہوا ہے آج تک ہو رہا ہے،ہمیشہ کہیں نہ کہیں مسلمان آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں ان کا قتل و خون بند نہیں ہوتا۔

۲؎ یہ واقعہ بھی ہوچکا بلکہ ہوتا رہتا ہے۔ہم نے اپنی زندگی میں آگرہ کے ضلع میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مرتد ہوتے دیکھ لیے جسے شدھی کا فتنہ کہا جاتا ہے۔

۳؎ اس کی صورت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہوئے بت پرستی کریں گے لہذا یہ جملہ مکرر نہیں۔ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے پیروں کے فوٹوؤں کو سجدہ کرتے ہیں،انہیں چومتے،انہیں سجا کر رکھتے ہیں یہ ہے اس حدیث کا ظہور پیروں کے ان فوٹوؤں کو وہ لوگ کہتے ہیں مرقع شریف،یہ ان کا خاص لفظ ہے،بعض کلمہ گو تعزیہ کو سجدہ کرتے دیکھے گئے،قبروں کو تو بہت لوگ سجدے کرتے ہیں،بعض زندہ پیروں کو سجدے کرتے ہیں،یہ ہے بت پرستی۔**نعوذ باللہ!**

۴؎ یہ تیس جھوٹے نبی وہ ہیں جنہیں لوگوں نے نبی مان لیا اور ان کا فساد پھیل گیا،دوسرے قسم کے مدعی نبوت جنہیں کسی نے نہ مانا وہ بکواس کرکے مر گئے وہ تو بہت ہیں۔دیکھو ہمارے ملک میں مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کا فتنہ بہت پھیلا اس کے علاوہ ہم نے بہت سے مدعی نبوت دیکھے جن کی طرف کسی نے توجہ ہی نہ دی اپنے کو نبی کہتے کہتے مرگئے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اب تک جھوٹے مدعی نبوت سو۱۰۰ سے زیادہ ہوچکے۔

۵؎ معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی کہ اس کے زمانہ میں اور اس کے بعد کوئی نبی نہ بنے۔اس معنی پر امت کا اجماع ہے جو کہے اس کے معنی آخری نبی نہیں بلکہ اصلی نبی ہیں وہ کافر ہیں کہ وہ قرآنی آیت کے متواتر اجماعی معنی کا انکار کرتا ہے۔

۶؎ اس فرمان عالی میں دو غیبی خبریں ہیں: ایک یہ کہ دوسری امتوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت گمراہ نہ ہوگی تاقیامت اس میں ایک جماعت سب پر غالب رہے گی کہ دینی غلبہ ہمیشہ اسی کو حاصل رہے۔الحمد للہ اہلسنت و الجماعت سب فرقوں پر غالب ہیں۔خیال رہے کہ حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی،یوں ہی قادری،چشتی،نقشبندی،سہروردی ایک ہی جماعت ہے یعنی اہلسنت والجماعت آج ایک نہیں عالم سوجو بے دین عالموں پر غالب رہتا ہے یہ ہے اس حدیث کا ظہور۔

۷؎ اللہ کے حکم سے مراد حضرت عیسیٰ و امام مہدی کا ظہور ہے جب اسلام کا پورا غلبہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا ۱؎ کہ اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس تک گھومتی رہے گی تو اگر وہ ہلاک ہوگئے تو ہلاک ہونے والوں کا راستہ ہلاک شدگان ہے ۲؎ اور اگر قائم رہا تو ان کا دین قائم رہے گا ۳؎ ستر سال میں نے کہا کہ کیا یہ حساب اگلے باقی زمانہ سے یا گذشتہ فرمایا گزشتہ سے ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس فرمان عالی کے بہت مطلب ہوسکتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس میں تین فتنوں کی طرف اشارہ ہے پہلا فتنہ شہادت عثمان غنی جو ۳۵ھ میں ہوا،دوسرا فتنہ جنگ جمل جو ۳۶ھ میں ہوا،تیسرا فتنہ جنگ صفین جو ۳۷ھ میں ہوا۔معنی یہ ہیں کہ اسلام میں فتنے گردش کریں گے ان سالوں میں اور ہوسکتا ہے کہ یہ فرمان عالی اپنی وفات شریف کے قریب فرمایا ہو کہ اب سے اتنے عرصہ تک اسلام قوی رہے گا تیس سال خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ باقی زائد حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حیات شریف کی باقی سال اور یہ کلام تقریبًا ہو۔(اشعہ)

۲؎ یعنی اگر مسلمان اس مذکورہ زمانہ میں ہلاک ہوجائیں کہ اپنے کو درست نہ کرسکیں تو ان کا راستہ وہ ہی ہوگا جو گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا ہوا کہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

۳؎ یعنی اگر اس مذکورہ مدت میں یہ لوگ سیدھے رہے یا سیدھے ہوگئے تو ان کی سلطنت اور حکومت اسلامیہ ستر سال تک قائم رہے اس کا ظہور ہوچکا،اس طرح کہ خلافت راشدہ کا دور یعنی تیس سال ختم ہونے کے بعد حکومت بنی امیہ میں پہنچی،پھر ستر سال کے بعد بنی امیہ سے منتقل ہوکر بنی عباس میں پہنچی اور مسلمانوں میں بہت ضعف پیدا ہوگیا۔

۴؎ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ستر سال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ان کی ابتداء اس مذکورہ مدت بتیس چھتیس سینتیس سال کے بعد شروع ہوگی یا مع ان کے،فرمایا مع ان کے،اس فرمان عالی کے اور بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں۔خیال رہے کہ بنی امیہ کی سلطنت امیر معاویہ سے شروع ہوئی اورمروان ابن محمد

پر ختم ہوئی،یہ کل مدت نواسی ۸۹ سال ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ اس مدت میں ستر سال سلطنت اسلامیہ کا غلبہ رہے گا،ستر برس کے بعد بنی امیہ کی سلطنت میں ضعف شروع ہوجاوے گا حتی کہ انیس برس بعد ان سے سلطنت منتقل ہوجاوے گی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو واقد لیثی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ حنین کی طرف تشریف لے گئے ۲؎ تو مشرکوں کے ایک درخت پر گزرے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اسے ذات انواط کہا جاتا تھا ۳؎ تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے لیے بھی کوئی ذات انواط مقرر فرمادیجئے ۴؎ جیسے ان کا ذات انواط ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا سبحان اللہ ۵؎ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لیے کوئی معبود مقرر کردو جیسے ان کے معبود ہیں ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ اپنے سے پہلے والوں کی راہ چلو گے ۷؎(ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام حارث ابن عوف ہے،قدیم الاسلام ہیں،غزوہ بدر میں شریک ہوئے،وفات سے ایک سال پہلے مکہ معظّمہ میں مقیم ہوگئے وہاں ہی وفات پائی،مقام طبح میں دفن ہوئے۔(مرقات)

۲؎ حنین ایک وسیع میدان ہے جو مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ہے۔یہ غزوہ فتح مکہ کے بعد ہوا،اس غزوہ میں بہت سے نو مسلم شریک تھے جو فتح مکہ میں ایمان لائے تھے ابھی ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہ ہوا اور اسلام سے پورے واقف نہ تھے اس لیے اگلا واقعہ پیش آیا۔

۳؎ انواط جمع ہے نوط کی بمعنی لٹکانا آویختہ کرنا۔ذات مؤنث ہے ذو کا بمعنی والا،چونکہ اس درخت پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکا کر اس کی پرستش کرتے تھے اس لیے اسے ذات انواط کہتے تھے یعنی تعلیق والا درخت۔مشرکین مختلف طرح بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

۴؎ یہ عرض کرنے والے وہ ہی فتح مکہ کے بعض نو مسلم تھے جو ابھی تک عقائد اسلامیہ سے پورے پورے واقف نہ تھے، وہ سمجھے ہی نہیں کہ یہ ہتھیار لٹکانا بھی پرستش ہے اور ہر پرستش شرک ہے خواہ کسی طرح کی ہو لہذا حدیث پر روافض کا کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎ یہ سبحان اللہ فرمانا اظہار تعجب کے لیے ہے کہ تم مسلمان ہوکر ایسی بات کرتے ہو ایسے مطالبے تمہارے لیے موزوں نہیں۔خیال رہے کہ ان لوگوں کا یہ عرض کرنا شرک نہ تھا کہ یہ بے خبری سے تھا اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان کو دوبارہ ایمان لانے کا حکم نہ دیا،اگر ان کی نیت شرک کرنے کی ہوتی تو حضور سے کیوں عرض کرتے خود ہی یہ کام شروع کردیتے۔

۶؎ یعنی ضعیف مؤمنوں کے ایسے غلط مطالبے آج نئے نہیں ہیں بعض مؤمنین بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بدتر مطالبے کیے تھے انہوں نے صاف صاف کہا تھا کہ ہمارے لیے اللہ کے سوا دوسرے معبود مقرر کردیجئے۔

۷؎ بعض روایات میں ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ وہ اسرائیلیوں کے نقش قدم پر چلیں گے حتی کہ اگر کسی اسرائیلی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری امت کے بعض لوگ ایسا کریں گے،اگر کوئی اسرائیلی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو یہ بھی ایسا ہی کریں گے آج اس کا مشاہدہ ہورہا ہے۔انگریزوں نے کھڑے کھڑے کھانا،موتنا شروع کردیا تو مسلمان بھی ایسا ہی کرنے لگے،خدا کرے انگریز ناک کٹانے لگیں تو دیکھنا ہزاروں مسلمانوں کی ناکیں کٹ جائیں گی۔

روایت ہے حضرت ابن مسیب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ پہلا فتنہ یعنی قتل عثمان واقع ہوا تو بدر والے صحابہ میں کوئی نہ بچا ۲؎ پھر دوسرا فتنہ یعنی حرہ واقع ہوا تو حدیبیہ والوں میں سے کوئی نہ بچا ۳؎ پھر تیسرا فتنہ واقع ہوا ۴؎ تو وہ نہ اٹھا حالانکہ لوگوں میں قوت رہی ہو ۵؎ (بخاری)	

۱؎ آپ کا نام سعید ابن مسیب ہے،جلیل القدر تابعی ہیں،آپ نے خلفاء راشدین کو دیکھا ہے۔

۲؎ یعنی اصحاب بدر نے دو فتنے نہ دیکھے بلکہ پہلا فتنہ یعنی شہادت عثمان غنی دیکھی جو ۳۵ھ پینتیس میں ہوئی،اس کے بعد سے دوسرے فتنہ سے پہلے پہلے تمام بدری صحابہ وفات پا گئے،یہ مطلب نہیں کہ شہادت عثمان کے موقعہ تمام بدری صحابہ شہید ہوگئے۔آخری بدری صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جو جنگ حرہ سے چند سال پہلے وفات پاگئے۔(لمعات،مرقات)

۳؎ فتنہ حرہ ۶۳ھ میں واقعہ ہوا جب کہ یزید ابن معاویہ نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی،اس کے بعد سے تیسرے فتنہ تک حدیبیہ والے صحابہ میں سے کوئی نہ رہا،تیسرے فتنہ سے پہلے وہ حضرات وفات پا گئے یہ مطلب نہیں کہ حرہ میں سارے حدیبیہ والے شہید ہوگئے۔

۴؎ بعض شارحین نے کہا کہ تیسرے فتنہ سے مراد عبداللہ ابن زبیر اور حجاج ابن یوسف کی جنگ ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ جنگ ۷۴ھ چوہتر میں ہوئی،اس وقت مسلمانوں میں صحابہ کرام بہت موجود تھے،بعض نے کہا کہ اس سے مراد ازارقہ کا فتنہ ہے مگر یہ بھی درست نہیں کہ یہ فتنہ مدینہ منورہ میں نہ تھا بلکہ عالمگیر تھا۔درست یہ ہے کہ اس سے مراد ابن حمزہ خارجی کا فتنہ ہے جو مروان ابن محمد بن مروان ابن حکم کے زمانہ میں ہوا۔

۵؎ طباخ ط کے کسرہ سے بمعنی قوت و عقل،یہاں مراد ہے کہ اس زمانہ میں کوئی صحابی باقی نہ رہا زمین حضرات صحابہ کرام سے خالی ہوگئی۔

باب الملاحم

لڑائیوں کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ملاحم جمع ملحمة کی جس کا مادہ لحم بمعنی گوشت ہے،اس سے مراد بڑی جنگ ہے کیونکہ بڑی جنگوں میں انسانوں کے گوشت کثرت سے بکھرتے ہیں،یا لحمة سے بنا ہے بمعنی کپڑے کے تار یعنی تانا بانا،چونکہ جنگ میں لوگ اپنے دشمن سے گتھ جاتے ہیں جیسے کپڑے کے تار ایک دوسرے سے اس لیے اسے ملحم کہتے ہیں۔گزشتہ باب میں جنگوں کا اجمالی ذکر تھا خبر نہ تھی کہ کون سی جنگ کہاں ہوگی مگر اس باب میں اکثر ایسی جنگوں کا ذکر ہوگا جن کی جگہ مقرر ہے اس لیے ان جنگوں کو علیحدہ باب میں بیان فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ کریں ان کے درمیان بڑی ہی خونریزی ہوگی ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۱؎ اور یہاں تک کہ قریبًا تیس جھوٹے دجال اٹھیں وہ سب دعویٰ کریں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۲؎ اور یہاں تک کہ علم سمیٹ لیا جاوے اور زلزلے بہت ہوجاویں۳؎ اور زمانہ سکڑ جاوے۴؎ اور فتنے ظاہر ہوجاویں اور ہرج یعنی قتل زیادہ ہوجاوے یہاں تک کہ تم میں مال زیادہ ہوجاوے ۵؎ حتی کہ مال والا فکر کرے کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے ۶؎ اور یہاں تک کہ وہ مال پیش کرے تو جس پر پیش کرے وہ کہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ۷؎ اور یہاں تک کہ لوگ عالیشان عمارتوں میں فخر کریں گے ۸؎ اور یہاں تک کہ کوئی شخص کسی شخص کی قبر پر گزرے تو کہے ہائے کاش اس کی جگہ میں ہوتا ۹؎ اور یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکلے جب ادھر سے نکلے گا اور لوگ دیکھیں گے تو سارے ہی ایمان لے آویں گے ۱۰؎ مگر یہ وقت ہوگا جب کسی کو اس کا ایمان نفع نہ دے جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان	

	میں بھلائی نہ کمائی ۱۱؎ اور قیامت قائم ہوجاوے گی اسی حالت میں کہ دو شخصوں نے اپنا کپڑا اپنے درمیان میں پھیلایا ہوا ہوگا تو نہ بیچ سکیں گے اور نہ لپیٹ سکیں گے اور قیامت قائم ہوجاوے گی حالانکہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا تو اسے کھا نہ سکے گا ۱۲؎ اور قیامت قائم ہوجاوے گی حالانکہ کوئی اپنے حوض پر ہوگا تو اس میں پانی پلا نہ سکے گا اور قیامت قائم ہوگی حالانکہ اس نے اپنا لقمہ اپنے منہ تک اٹھایا ہوگا تو کھا نہ سکے گا ۱۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ ان دونوں جماعتوں سے مراد حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی اور حضرت امیر معاویہ کے لشکر ہیں جن کے درمیان صفین میں بہت سخت جنگ ہوئی، یہ دونوں جماعتیں مدعی اسلام تھیں، دونوں مسلمان تھیں حتی کہ حضرت علی نے امیر معاویہ کی جماعت کے متعلق فرمایا **اخواننا بغوا علینا** یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہم پر بغاوت کردی۔اس فرمان عالی میں خوارج کا بھی رد ہے جو دونوں کو کافر کہتے ہیں اور روافض کا بھی رد ہے جو حضرت امیر معاویہ کے ساتھیوں کو کافر کہتے ہیں، دونوں مؤمنین صالحین ہیں، حضرت علی حق پر ہیں، امیر معاویہ سے غلطی ہوئی۔

۲؎ دجال بنا ہے **دجل** سے بمعنی فریب دھوکا، دجال فریبی دھوکہ باز یعنی قریبًا تیس فریبی دھوکہ باز جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے جیسے پنجاب میں دجال جھوٹا غلام احمد قادیانی۔اس حدیث کی شرح ابھی کچھ پہلے عرض کردی گئی کہ ان تیس سے مراد وہ جھوٹے نبی ہیں جن کو لوگوں نے مان لیا،ان سے فتنہ پیدا ہوگیا ورنہ جھوٹے نبی سو سے زیادہ ہوچکے ہیں۔

۳؎ علم سے مراد علم دین ہے،اس کا اٹھنا اس طرح ہوگا کہ علماء وفات پاتے رہیں گے اور آئندہ پیدا نہ ہونگے حتی کہ قریب قیامت حال یہ ہوگا کہ ایک شخص میراث کا مسئلہ مشرق و مغرب لیے پھرے گا کوئی بتانہ سکے گا،زلزلے تو اب شروع ہوگئے ہیں علم دین کم ہورہا ہے اب جسے دیکھو وہ اسکول کالج کی طرف دوڑتا ہے، علم دین پڑھنے والے بھی عالم کم بنتے ہیں واعظ زیادہ۔

۴؎ اس طرح کہ سال مہینہ کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح گزرے گا،زمانہ سے برکت ختم ہوجاوے گی یہ تو اب بھی دیکھا جارہا ہے۔مرقات نے اس کے یہ معنی کیے کہ عیش و عشرت زیادہ ہوجاوے گی جس سے زمانہ گزرتا ہوا محسوس نہ ہوگا کہ عیش کا زمانہ جلد گزر جاتا ہے۔یہ حال حضرت عیسیٰ و مہدی کے زمانہ میں ہوگا مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

۵؎ یعنی مسلمانوں میں فتنے پھیلیں گے اور مسلمانوں میں قتل و خون زیادہ ہونگے حتی کہ قاتل نہ کہہ سکے گا کہ میں نے قتل کیوں کیا، بات بات پر قتل ہوا کرینگے۔

۶؎ یعنی مال کی زیادتی وفراوانی بہتے ہوئے پانی کی طرح ہوگی مگر برکت نہ ہوگی،مال میں برکت اللہ کی رحمت ہے اور مال کی کثرت کبھی عذاب ہوجاتی ہے۔

۷؎ زکوۃ میں فقیر کا مالک ہوکر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اس زمانہ میں فقیر ملیں گے نہیں اس لیے زکوۃ نکالنے میں دشواری محسوس ہوگی، یہ ابھی زمانہ نہیں آیا، غالبًا امام مہدی کی حکومت میں ایسا ہوگا۔خلافت عثمانی میں اگرچہ مال کو بہتات بہت ہوئی مگر اتنی نہیں۔**یھم** اگری کے پیش ہ کے کسرہ

سے ہو تو رب کو فتح ہو گا یعنی مال والے کو غم و فکر ہی رہے گی فقیر کی تلاش میں کہ وہ بہت تلاش کرے گا مگر فقیر نہ ملے گا اور اگر ی کے فتح ہ کے پیش سے ہو تو رب کو پیش ہو گا یعنی ارادہ کرے گا کوشش کرے گا مالدار کوئی فقیر ملے، بہر حال یہ لفظ ھم سے ہے بمعنی فکر یا غم۔

۸؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں قناعت بھی ہوگی کہ امیر آدمی صاف کہہ دے گا کہ مجھے مال کی حاجت نہیں ورنہ ہوس والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جتنا مال ملے جہاں سے ملے لے لیتا ہے، حرام وحلال نہیں دیکھتا جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

۹؎ یعنی ذلیل و خوار لوگ جو پہلے محتاج تھے غنی ہو جائیں گے، شاندار مکان بنائیں گے وہاں اکڑا کرینگے۔

۱۰؎ یعنی فتنے بہت ہونگے حتی کہ زندہ تمنا کرینگے کہ ہم مر چکے ہوتے، مردے قبروں میں چین سے ہونگے زندے گھروں میں بے چین ہیں۔ خیال رہے کہ دینی فتنوں میں موت کی تمنا کرنا بالکل جائز ہے، دنیاوی فتنوں میں موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے جیسا کہ حدیث شریف وارد ہے۔

۱۱؎ اس کی شرح ان شاء اللہ علامات قیامت میں آوے گی۔ قریب قیامت آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا برحق ہے، اس وقت سارے کافر ایمان قبول کرینگے مگر وہ ایمان قبول نہ ہو گا کہ ایمان بالغیب نہ رہے گا اور معتبر ہے ایمان بالغیب۔

۱۲؎ یعنی جو کافر یہ واقعہ دیکھ کر ایمان لائے گا اس کا ایمان قبول نہ ہو گا اور جو فاسق یہ واقعہ دیکھ کر فسق سے توبہ کرے گا تو اسکی توبہ قبول نہ ہو گی۔ (مرقات) اس فرمان عالی کی اور بہت تفسیریں ہیں یہ تفسیر بہت آسان اور صاف ہے۔ خیال رہے کہ اس واقعہ کے بعد ولادت بند ہو جاوے گی کسی کے بچہ پیدا نہ ہو گا، چالیس سال بعد قیامت قائم ہو جاوے گی لہذا اس فرمان پر اعتراض نہیں کہ پھر جو بچے پیدا ہونگے ان کے ایمان کی کیا سبیل ہو گی، اگر ان کا ایمان قبول نہ ہو تو اور وہ دوزخ میں جاویں تو بے قصور کیوں پکڑے گئے، اگر قبول ہو تو اس فرمان کے خلاف ہے۔

۱۳؎ خیال رہے کہ علامات قیامت تو بہت عرصہ پہلے سے قائم ہو جائیں گی مگر خود قیامت اچانک آوے گی اس لیے اسے ساعت کہتے ہیں یعنی گھڑی بھر میں قائم ہو جانے والی۔ اچانک صور کا نفخہ ہو گا جس سے اولًا جاندار ہلاک ہونگے پھر دوسری چیز فنا پھر آسمان و زمین کے ٹکڑے اڑ جائینگے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ" اور فرماتا ہے: "لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً" اس حدیث پاک کی تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

۱۴؎ یہ ان دونوں سے زیادہ بلیغ ہے یعنی کپڑا لپیٹنا حوض لیپنا تو بہت کام ہے کوئی شخص اٹھایا ہوا لقمہ منہ میں نہ لے سکے گا کہ قیامت آجاوے گی تو وہ قیامت ہے، آج بعض مصیبتیں آجاتی ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہو گی حتی کہ تم ایسی قوم سے جہاد کرو گے جن کی جوتیاں بال کی ہونگی ۱؎ اور حتی کہ تم ترکوں سے جنگ کرو گے ۲؎ چھوٹی آنکھوں والے سرخ چہرے والے چپٹی ناک والے ان کے چہرے گویا کٹی ہوئی ڈھال ہیں ۳؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ اس فرمان عالی کے چند معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اس قوم کے سر کے بال پاؤں تک دراز ہوں گے بال گویا جوتے بن گئے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کی پنڈلیوں پر بہت بڑے بڑے بال ہوں گے جو ان کے قدموں تک جوتے کی طرح پہنچے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ ان کے جوتے بے چھلی کھال کے ہوں گے جن سے بال دور نہ کیے گئے ہوں یعنی خچر کی کھال والے چمڑے کے جوتے پہنتے ہوں گے، یہ تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۲؎ یہاں ترک سے مراد موجودہ ترک نہیں یہ تو قدیم الاسلام خدام الحرمین ہیں،انہوں نے دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمت کی،ان کی خدمتیں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں جاکر دیکھو،وہ ترک یا جوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہیں،یا جوج ماجوج کے بائیس قبیلے ہیں اکیس قبیلوں پر ذوالقرنین نے دیوار بنائی اسی قبیلہ کو چھوڑ دیا اس لیے اسے ترک کہتے ہیں یعنی باہر چھوڑا ہوا قبیلہ لہذا حدیث واضح ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہ بہت ہی بدصورت ہوں گے،چہرے سرخ آنکھیں چھوٹی،ناک چپٹی چہرے بالکل گول جیسے کٹی ہوئی ڈھال کیونکہ اگر ڈھال کوٹ دی جاوے تو بالکل گول ہوتی ہے۔ان علامات سے معلوم ہورہا ہے کہ ترک سے مراد یہ موجودہ ترک نہیں کہ ان کے چہرے ایسے نہیں ہوتے،یہ لوگ تو بڑے خوبصورت ہیں۔یہاں مرقات میں فرمایا کہ یہ لوگ شکل میں ناس ہیں مگر سیرت میں نستاس یعنی بن مانس نہایت ہی فسادی خونخوار،یہ جنگ ابھی نہیں ہوئی قریب قیامت ہوگی۔اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ لوگ خوز اور کرمان سے نکلیں گے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تم عجمیوں یعنی خوز اور کرمان سے جہاد کرو گے ۱؎ سرخ چہروں والے، چپٹی ناک والے،چھوٹی آنکھ والے،ان کے چہرے گویا کٹی ہوئی ڈھالیں ہیں،ان کے جوتے بال والے ہیں ۲؎ (بخاری)اور اس کی ایک روایت بروایت عمرو ابن تغلب ہے کہ چوڑے چہرے والے ۳؎

۱؎ خوز ایک پہاڑ کا نام ہے اس کی وجہ سے اس علاقہ بلکہ وہاں کے باشندوں کو خوز کہا جاتا ہے اس علاقہ کو خوزستان کہتے ہیں۔کرمان کاف کے کسرہ سے ایک علاقہ ہے فارس اور سجستان کے درمیان ایران میں ایک شہر ہے کرمان دوسرا ہے،کرمان شاہ یہ دونوں شہر ہم نے دیکھے ہیں یہاں وہ مراد نہیں۔

۲؎ بعض شارحین نے کہا کہ یہ لوگ وہ ہی ترک ہیں جن کا ذکر ابھی پچھلی حدیث میں ہوا،مرقات نے یہ ہی فرمایا مگر قوی یہ ہے کہ یہ دوسری قوم ہے علاوہ اس ترک قوم کے۔اشعۃ اللمعات اور لمعات نے یہ ہی کہا،**فطس** جمع ہے **افطس** کی بمعنی چپٹی چوڑی۔

۳؎ یعنی اس روایت میں بجائے **حمر الوجوہ** کے **عرض الوجوہ** ہے یعنی چوڑے چکلے چہرے والے ہوں گے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قائم ہوگی قیامت حتی کہ جنگ کریں گے مسلمان اور یہودی تو یہود کو مسلمان قتل کریں گے ۱؎ حتی کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا تو پتھر اور درخت کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے ہے آ اسے قتل کر ۲؎ سوا غرقد کے کہ وہ یہود کے درختوں

	میں سے ہے۳؎(مسلم)

۱؎اس حدیث سے معلوم ہورہا تھا کہ یہود کی سلطنت قائم ہوگی اور ان سے مسلمان کی بہت بڑی جنگ ہوگی،آخری جنگ میں مسلمانوں کی فتح اور یہود کی شکست ہوگی بلکہ یہود دنیا سے فنا ہوجائیں گے اور مسلمانوں کے ہاتھوں فنا ہوں گے ان شا اللہ۔چنانچہ یہود کی سلطنت فلسطین میں قائم ہوچکی ہے،امریکہ و برطانیہ کی بڑی مدد سے ان کا علاقہ پھیل رہا ہے،۱۹۶۷ء میں عرب اور یہود کی جنگ ہوئی،مسلمانوں کو اس جنگ میں بڑی تکلیفیں پہنچی حتی کہ اس وقت بیت المقدس پر بھی یہود کا قبضہ ہے،اس عارضی فتح سے یہود کے حوصلے بہت بلند ہوگئے۔ان شاءاللہ یہ اس جنگ کی تمہید ہے جس کی خبر اس حدیث پاک میں دی گئی۔

۲؎یہ فرمان عالی بالکل حق ہے اور ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔واقعی اس وقت پتھر اور درخت مسلمانوں سے کلام کریں گے اور اپنے پیچھے چھپے ہوئے یہودی کی خبر دیں گے۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ یہود پر تا قیامت ذلت ڈال دی گئی کیونکہ یہود کی یہ سلطنت کا قیام ان کی بڑی ذلت کا پیش خیمہ ہے۔

۳؎غرقد ایک خار دار درخت کا نام ہے اس لیے مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام بقیع غرقد ہے یعنی غرقد کا علاقہ،چونکہ اس زمانہ میں اس میدان میں غرقد کے درخت بہت تھے اس لیے اس کا بقیع غرقد نام رکھا گیا۔یہود اس درخت کی تعظیم کرتے انکے بعض جہلاء اسے پوجتے ہیں،ان کا خیال ہے وادئ طوی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی درخت سے رب نے پکارا تھا،یہ ہی درخت کلام الٰہی کا مظہر یا مصدر بنا تھا،رب فرماتاہے:"مِنَ الشَّجَرَةِ اَنۡ یّٰمُوۡسٰۤی اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰهُ"مگر یہ غلط ہے،وہ درخت بیری یا عناب کا تھانہ کہ غرقد کا۔بہرحال یہود اس درخت کی تعظیم بہت کرتے ہیں اس لیے اسے شجر یہود کہتے ہیں،یہ درخت اس دن ان کی پردہ پوشی کرے گا۔حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ قحطان سے ایک آدمی نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ قحطان ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں آباد ہے،یہ لوگ قحطان کی اولاد ہیں اس لیے قحطان کہے جاتے ہیں۔قحطان ان کے مورث اعلیٰ کا نام تھا،یہ شخص بادشاہ ہوگا اور سخت گیر بادشاہ ہوگا،لوگ اس کی اطاعت کریں گے،لاٹھی سے ہانکنے کے یہ ہی معنی ہیں،شاید اس شخص کا نام جہجاہ ہوگا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ رات و دن ختم نہ ہوں گے حتی کہ ایک شخص بادشاہ بنے گا جسے جہجاہ کہا جاوے گا۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ حتی کہ غلاموں میں سے ایک شخص بادشاہ بنے گا جسے جہجاہ کہا جاوے گا۲؎(مسلم)

۱یعنی قیامت سے پہلے یہ واقعہ ہونا ضروری ہے اس کے بغیر قیامت نہ آوے گی۔شاید جہجاہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا،اشعۃاللمعات نے یہ ہی فرمایا۔خیال رہے کہ چار بادشاہ ساری دنیا کے بادشاہ ہوئے:سکندر اور حضرت سلیمان،بخت نصر،نمرود غالبًا پانچواں بادشاہ یہ ہوگاجو تمام دنیا پر راج کرے گا۔واللہ اعلم!

۲اس روایت میں من الموالی زائد ہے جو پہلی روایت میں نہ تھایعنی جہجاہ اصل میں غلام ہوگابعد میں ساری دنیا کا بادشاہ۔یہ آخری الفاظ مسلم،بخاری کے نہیں مگر چونکہ یہ صرف تائید کے لیے لائے گئے ہیں لہذا اسے مؤلف نے پہلی فصل میں نقل نہ فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کا ۱خزانہ کھولے گی جو کہ مقام ابیض میں ہے ۲(مسلم)	

۱اس فرمان عالی میں لفظ آل زیادہ ہے،کسری شاہ فارس کا لقب تھاجو خسرو سے بنا تھاجیسے قیصر شاہ روم کا اور خاقان شاہ چین کا اور فرعون یا عزیز شاہ مصر کا اور نجاشی شاہ حبشہ کا لقب تھا۔

۲یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوچکا۔ابیض اس قلعہ کا نام ہے جس میں کسریٰ کا خزانہ محفوظ تھا،یہ قلعہ اس زمانہ کے عجائبات میں سے تھااب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد مدائن کہتے ہیں۔(اشعہ)نیز ابیض یمامہ کے ایک شہر کا نام بھی ہے یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔(اشعہ)ابیض کسریٰ کو خلیفہ مکتفی باللہ نے ویران کردیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسریٰ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا۱اور قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد قیصر نہ ہوگا۲اور ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۳حضور نے جنگ کا نام دھوکا رکھا ۴(مسلم،بخاری)	

۱یعنی ملک ایران جب مسلمان فتح کرلیں گے تو وہ ملک پھرکسی کافر کے پاس نہ پہنچے گامسلمانوں ہی کے پاس رہے گا۔یہ غیبی خبر ہے چنانچہ ملک ایران عہد فاروقی میں فتح ہوااور خدا کا فضل ہے کہ اب تک مسلمانوں ہی کے پاس ہے رب تعالٰی مسلمانوں ہی کے پاس رکھے۔

۲چونکہ فتح فارس پہلے ہوئی،فتح روم بعد میں اس لیے فارس کے متعلق ھلك ماضی ارشاد ہوا اور فتح روم بعدمیں اس لیےاس کے متعلق لیھلکن مضارع مع تاکید ارشاد ہوا یہ دونوں علاقے عہد فاروقی میں فتح ہوئے اور اس کے متعلق خبر دی گئی کہ فتح روم کے بعد یا تو وہ کفار کے پاس پہنچے گا ہی نہیں یا پہنچے گا تو موجودہ قیصر کی اولاد سے کوئی وہاں کا بادشاہ نہ بنے گا یا اس بادشاہ کا لقب قیصر نہ ہوگابہرحال حضور سچے حضور کی ساری خبریں سچی ہیں۔

۳یعنی ان ملکوں کے خزانے مسلمان فتح کرکے جہادوں اور اسلام کی اشاعت میں خرچ کریں گے یہ زمانہ فاروقی میں ہوچکا۔

۴؎ یہاں خدعه بمعنی فریب و جھوٹ نہیں بلکہ بمعنی جنگی چال جنگی تدبیر ہے جس سے دشمن جلد ہتھیار ڈال دے، جنگ میں شمشیر سے زیادہ تدبیر کام آتی ہے،تدبیر سے خونریزی کم ہوتی ہے فتح جلد،مسلمانوں کو تدبیر و شمشیر دونوں سے کام لینا چاہیے۔جنگی تدبیروں کی مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جہادوں میں ملتی ہیں،حضور جب مغرب میں حملہ کرنا چاہتے تو مشرق کے حالات پوچھتے تاکہ کفار کے جاسوس مغرب والوں کو مطمئن کردیں مشرق والوں کو تیار کردیں اچانک مغرب کی طرف حملہ فرمادیتے،حضرات صحابہ نے بعض جنگوں میں اپنی فوجیں پیچھے ہٹالیں،کفار سمجھیں مسلمان بھاگ گئے اور رات کو اچانک حملہ کردیا،تھوڑی فوج سے چو طرفہ سے اس طرح حملہ کردیا کہ کفار سمجھے کہ مسلمان لاکھوں کی تعداد میں آن پڑے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے مسلمانوں نے فتح پالی،اللہ تعالٰی پاکستان کو قائم دائم رکھے۔

روایت ہے حضرت نافع ابن عتبہ سے فرماتے ہیں ۱؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ جزیرہ عرب پر جہاد کرو گے تو اللہ اسے فتح فرمادے گا ۲؎ تو پھر فارس پر تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا پھر تم روم پر غزوہ کرو گے تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا ۳؎ پھر تم دجال پر جہاد کرو گے تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا ۴؎(مسلم)	

۱؎ نافع ابن عتبہ ابن ابی وقاص زہری ہیں،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھتیجے فتح مکہ کے دن ایمان لائے،آپ کا لقب مرقال تھا۔

۲؎ یعنی عرب کا کچھ حصہ ہم فتح فرمالیں گے بقیہ حضرات صحابہ فتح کریں گے حتی کہ جزیرہ عرب میں سواء اسلام کے کوئی دین نہ رہے گا یہ واقعہ ہوچکا۔

۳؎ یہ دونوں ملک عہد فاروقی میں فتح ہوئے اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں فارس تو سارا اور روم کا اکثر حصہ۔

۴؎ اس فرمان عالی میں خطاب صحابہ کرام سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے کیونکہ دجال کا مقابلہ حضرات صحابہ نہیں کریں گے۔ہوسکتا ہے کہ خطاب صحابہ کرام سے ہی ہو کیونکہ خضر علیہ السلام اس مقابلہ میں موجود ہوں گے۔صلح حدیبیہ میں حضرت خضر نے حضور سے بیعت کی ہے جیساکہ ہم بیعت الرضوان کے بیان میں عرض کرچکے ہیں،بلکہ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ وہ مدنی صاحب جنہیں ایک دجال ذبح کرکے زندہ کرے گا پھر نہ مار سکے گا وہ خضر علیہ السلام ہی ہوں گے یعنی تم دجال پر جہاد کرو گے جن علاقوں پر اس نے قبضہ کرلیا ہوگا تم دجال کو قتل کرکے ان پر قبضہ کرو گے لہذا حدیث واضح ہے۔

روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب حضور چمڑے کے خیمہ میں تھے ۲؎ تو فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ چیزیں گن لو:میری موت،پھر بیت المقدس کی فتح،پھر عام موت جو تم میں بکریوں کی وبا کی طرح پھیلے گی ۳؎ پھر مال کا بہہ جانا حتی کہ ایک شخص کو سو دینار دیئے	

	جائیں گے پھر بھی وہ ناراض رہے ۴؎ پھر وہ فتنہ کہ عرب کا کوئی گھر نہ رہے مگر وہ اس میں داخل ہوجائے گا پھر وہ صلح جو تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی پھر وہ عہد شکنی کریں گے ۵؎ تو تمہارے مقابل اسی جھنڈوں تلے آئیں گے ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار ہوں گے ۶؎(بخاری)

۱؎ آپ اشجعی ہیں،مشہور صحابی ہیں،غزوہ خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے،فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا،آخر میں شام میں رہے،۷۳ھ تہتر میں وفات پائی۔

۲؎ تبوک خیبر سے پانچ سو میل کیلومیٹر ہے۔حق یہ ہے کہ یہ شام کے علاقہ میں ہے تبوک کے بعد مان ہے اور مان کے بعد عمان پھر عمان سے قریبًا ایک سو کیلو میٹر بیت المقدس ہے۔کیلومیٹر پانچ فرلانگ کا ہوتا ہے یعنی ہمارے میل سے تین فرلانگ چھوٹا۔

۳؎ **قعاص** قاف کے پیش سے بکریوں کی وبائی بیماری جس سے بکری بہت جلدی مرجاتی ہے،یہ واقعہ بھی عہد فاروقی میں ہوچکا کہ لشکر اسلام بیت المقدس کے قریب عمواس بستی میں تھاوہاں طاعون پھیلا جس سے تین دن میں ستر ہزار آدمی فوت ہوگئے،اس وبا کا نام طاعون عمواس ہے یہ اسلام میں پہلا طاعون ہے۔(اشعہ،مرقات)بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ طاعون عمواس میں پھیلا مگر لشکر اسلام جابیا میں تھا عمواص کے قریب عمواس میں اتنے لوگ مرے نہ کہ لشکر میں۔

۴؎ یہ زیادتی مال خلافت عثمانی میں ہوچکی،اس سے متصل ہی میں شہادت عثمان اور بعد کے فتنے جو سارے عرب میں پھیل گئے چنانچہ ارشاد ہوا **ثم فتنة** الخ۔

۵؎ بنی اصفر رومیوں کو کہتے ہیں جو روم ابن عیصوابن اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں،چونکہ روم زرد رنگ مائل بہ سفیدی تھے اس لیے انہیں اصفر کہتے تھے اور ان کی اولاد کو بنی اصفر۔

۶؎ لشکر کی کل تعداد نوے لاکھ ساٹھ ہزار ہوئی عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں عیسائی سات لاکھ تھے مسلمان چالیس ہزار مگر یہاں وہ جنگ مراد نہیں یہ جنگ تو شہادت عثمان کے بعد ہے جیساکہ **ثم** سے معلوم ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ روم اعماق یا دابق میں اتریں گے ۱؎ تو مدینہ سے ایک لشکر ان کی طرف نکلے گا جو اس دن تمام زمین والوں سے بہترین ہوگا ۲؎ تو جب یہ لوگ صف آراء ہوں گے تو روم کہیں گے کہ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان جو ہم میں سے قید کرلیے گئے ہٹ جاؤ ہم ان سے جنگ کریں گے ۳؎ تو مسلمان کہیں گے اللہ کی قسم ہم تمہارے اور اپنے بھائیوں کے درمیان علیحدگی نہ کریں گے چنانچہ مسلمان ان سے جنگ کریں گے

	تہائی بھاگ جائیں گے اللہ ان کی توبہ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی قتل ہوجائیں گے وہ اللہ کے نزدیک افضل ترین شہید ہیں اور تہائی فتح کریں گے یہ کبھی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گے۴؎ پھر یہ قسطنطنیہ فتح کریں گے۵؎ جب کہ یہ غنیمتیں آپس میں تقسیم کرتے ہوں گے اپنی تلواریں زیتون کے درختوں سے لٹکا چکے ہوں گے۶؎ ان میں شیطان چیخے گا کہ مسیح دجال تمہارے گھروں میں تمہارے پیچھے پہنچ گیا یہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے یہ خبر غلط ہوگی۷؎ پھر جب یہ لوگ شام میں آئیں گے تو دجال ظاہر ہوگا جبکہ یہ جنگ کی تیاری کررہے ہوں گے ۸؎ صفیں سیدھی کرتے ہوں گے کہ نماز قائم ہوگی تو عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے ۹؎ وہ ان کی امامت کریں گے۱۰؎ پھر جب اللہ کا دشمن انہیں دیکھے گا تو گلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گلتا ہے ۱۱؎ اگر آپ اسے چھوڑ دیتے تو وہ گل جاتا حتی کہ ہلاک ہوجاتا لیکن اللہ اسے آپ کے ہاتھ سے ہلاک کرے گا تو آپ لوگوں کو اس کا خون اپنے نیزے میں دکھائیں گے۔(مسلم)

۱؎ اعماق مدینہ منورہ کے متصل ایک میدن کا نام ہے اور دابق ب کے فتحہ سے مدینہ پاک کا ایک بازار ہے،حلب کے قریب ایک بستی کا نام بھی دابق ہے۔بعض نے کہا وہ یہاں مراد نہیں مگر مرقات نے فرمایا کہ یہاں اعماق سے مراد دمشق کے علاقہ کی ایک بستی اور دابق حلب کے پاس کی بستی اور مدینہ سے مراد شہر دمشق ہے نہ کہ مدینہ منورہ کیونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ ویران ہوگا وہاں کوئی آبادی نہ ہوگی یہ ہی صحیح ہے۔

۲؎ مدینہ سے مراد شہر دمشق ہے کیونکہ یہ لشکر حضرت امام مہدی کا ہوگا،یہ لشکر شام ہی سے نکلے گا،اس جنگ کے بعد دجال کا فتنہ نمودار ہوگا۔

۳؎ اس واقعہ سے پہلے ایک لشکر اسلام رومیوں پر جہاد کرکے ان کے بہت سے قیدی گرفتار کرچکا ہوگا،رومی اس وقت مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تم سے جنگ کرنا نہیں چاہتے ان مسلمانوں کو ہمارے سامنے کردو جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہم سے لڑ کر ہمارے آدمی قید کرکے لے گئے ہیں۔رومیوں کا یہ کہنا محض دھوکے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے ہوگا ورنہ ان کا مقصد سب مسلمانوں سے لڑنا ہوگا۔(اشعہ ومرقات)

۴؎ یعنی اس جنگ میں مسلمانوں کے تین حصے ہوجائیں گے:ایک حصہ تو بزدل ہوکر بھاگ جائے گا،دوسرا حصہ جنگ میں شہید ہوجائے گا،تیسرا حصہ غازی اور فاتح ہوگا۔بھاگنے والے اول درجہ کے بدنصیب ہوں گے،شہید ہونے والے اول درجہ کے شہید،فاتحین اول درجہ کے غازی۔غرضکہ ہر جماعت اول درجہ کی ہوگی کوئی بدنصیبی میں اول درجہ،کوئی خوش نصیبی میں۔

۵؎ قسطنطنیہ روم کا مشہور شہر ہے جسے آج استنبول کہتے ہیں،یہ ایک بار زمانہ صحابہ کرام میں فتح ہوچکا ہےاور اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاوے گااور قریب قیامت پھر مسلمان اسے فتح کریں گے یہاں اس آخری فتح کا ذکر ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۶؎ یعنی فتح پاکر نہایت امن و سکون سے ہوچکے ہوں گےاس لیے اپنی تلواریں درختوں سے لٹکا دی ہوں گی۔امن کی حالت میں غازی ہتھیار جسم سے کھولتے ہیں۔

۷؎ یعنی تم تو یہاں روم میں امن و امان سے ہو تمہارے وطن شام میں دجال ظاہر ہوگیااور تمہارے گھروں میں تمہارے بیوی بچے کو بہکارہا ہے یہ حضرات یہ خبر سنتے ہی یہ غازی دجال سے مقابلہ کرنے کی نیت سے چل پڑیں گے غنیمت وغیرہ کی طرف دھیان نہ دیں گے شام میں پہنچ کر معلوم ہوگا دجال ابھی نہیں نکلا۔

۸؎ غالبًا شام سے مراد بیت المقدس ہے کہ بیت المقدس اگرچہ فلسطین میں ہے مگر فلسطین شام سے بالکل قریب ہے اس لیے شام فرمایا۔(مرقات)ان کو دجال کے نکلنے کی اب درست اطلاع ہوگی انہیں بیت المقدس میں یہ خبر ملے گی۔

۹؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کے باب لد میں شرقی منارہ پر ہوگا ۔

۱۰؎ اس نماز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت فرمائیں گےآئندہ بقیہ نمازوں میں امام مہدی امامت کیا کریں گے لہذا یہ حدیث حضرت مہدی کی امامت والی حدیثوں کے خلاف نہیں کہ یہاں اس نماز کی امامت مراد ہےوہاں دوسری نمازوں کی امامت۔

۱۱؎ پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں مردے زندہ کرنے کی تاثیر تھی اب جو آئیں گے تو ان کی سانس میں زندہ کافروں کو مردہ کرنے کی تاثیر ہوگی،جہاں تک آپ کی نگاہ پہنچے گی وہاں تک آپ کی سانس پہنچے گی اور وہاں تک کہ کفار مریں گے۔دجال آپ کی سانس کی یا نگاہ کی تاثیر سے گھلنے لگے گا مگر آپ جلدی سے اس تک پہنچ کر قتل کریں گے اور جو لوگ اس کو خدا مان چکے تھے انہیں اس مردود کا خون دکھائیں گے کہ لو تمہارا خدا مارا گیا ہے،یہ ہے اس کا خون،دجال فلسطین یا شام میں مارا جائے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اولًا دجال بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوگاآپکو دیکھ کر شام کی طرف بھاگے گا،شام کے شروع اور فلسطین کے آخری کنارہ پر مارا جائے گا لہذا تمام احادیث متفق ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ میراث بانٹی نہ جائے۱؎ اور غنیمت سے خوشی نہ منائی جائے ۲؎ پھر فرمایا کہ قوی دشمن جمع ہوں گے شام والوں کے مقابل اور انکے مقابلہ میں مسلمان جمع ہوں گے یعنی رومیوں کے مقابل۳؎ تو مسلمان ایک دستہ منتخب کریں گے موت کے لیے نہ غالب ہوئے نہ لوٹیں گے ۴؎ پس سخت جنگ کریں گے حتی کہ ان کے درمیان رات آڑ ہوجائے گی تو یہ بھی لوٹ جائیں گے اور وہ بھی کوئی غالب نہ ہوگا۵؎ اور یہ دستہ فنا ہو جاوے گا۶؎ پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے کہ بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے۷؎ تو عظیم	

	جنگ کریں گے حتی کہ ان کے درمیان رات آڑے آجاوے گی تو یہ اور راہ لوٹ جائیں گے کوئی غالب نہ ہوگااور دستہ فنا ہوجاوے گا مگر پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے کہ بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے تو عظیم جنگ کریں گے حتی کہ شام ہوجاوے گی تو یہ اور وہ لوٹ جائیں گے کوئی غالب نہ ہوگا ۸؎ اور شرط فنا ہوچکے گی پھر جب چوتھا دن ہوگا تو کفار کی طرف بچے کھچے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے ۹؎ تو اللہ ان کفار پر شکست ڈال دے گا۱۰؎ تو مسلمان اس طرح قتل کریں گے کہ اس جیسا نہ دیکھا گیا ہوگا ۱۱؎ حتی کہ پرندہ ان کے اردگرد گزرے گا تو انہیں پیچھے نہ چھوڑ سکے گا۱۲؎ حتی کہ گر کر مرجاوے گا۱۳؎ تو ایک دادا کی اولاد جو سو تھی گنی جاوے گی تو ان میں سے ایک کے سوا کسی کو باقی نہ پائیں گے ۱۴؎ تو کون سی غنیمت سے خوشی منائی جاوے اور کون سی میراث بانٹی جاوے ۱۵؎ جب وہ اس حالت میں ہوں گے کہ اچانک اس سے بڑی جنگ سنیں گے کہ ان تک ایک چیخ آوے گی کہ دجال ان کے پیچھے ان کے بچوں میں پہنچ گیا ۱۶؎ تو وہ لوگ چھوڑ دیں گے جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے اور ادھر متوجہ ہوجائیں ۱۷؎ تو وہ دس سوار جاسوس بھیجیں گے ۱۸؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے نام انکے باپ دادوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتا ہوں ۱۹؎ وہ لوگ اس دن روئے زمین پر بہترین سوار ہوں گے ۲۰؎ (مسلم)

۱؎ یعنی قریب قیامت مقتول اس قدر زیادہ ہوں گے کہ ان کے بچے کھچے وارث میراث آپس میں نہ بانٹیں گے یا مال اس قدر زیادہ ہوچکا ہوگا لوگ اپنے مورثوں کی میراث نہ بانٹیں گے کہ ہمارے پاس خود اپنا مال اتنا ہے کہ دوسرے مال کا ہم کیا کریں یا اس لیے کہ اس زمانہ میں کوئی عالم نہ ہوگا جو شریعت کے مطابق میراث تقسیم کرے یا بادشاہوں کا ظلم اتنا بڑھا ہوا ہوگا کہ مردوں کے مال کی میراث تقسیم نہ ہونے دیں گے۔سب اپنے بیت المال میں جمع کردیں گے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس فرمان عالی کے بھی وہ ہی مطلب ہیں جو ابھی عرض کیے گئے کہ لوگ بہت زیادہ شہید ہوچکے ہوں گے باقی غازی غنیمت تقسیم نہ کریں گے۔جب سو میں سے ایک یا ہزار میں سے ایک بچے تو وہ کیا غنیمت تقسیم کرے یا ظالم بادشاہ غنیمت کا مال خود کھا جائیں گے وغیرہ۔

۳؎ یہ تفسیر سیدنا ابن مسعود کی ہے۔مطلب یہ ہے کہ شامی مسلمان اور رومی کفار کی جنگ ہوگی یہ اجتماع اسی جنگ کے لیے ہوگا۔عدو سے مراد رومی کفار ہیں۔

۴؎ یعنی اس جنگ میں شرط لگاکر نکلیں گے کہ یا فتح کریں گے یا شہید ہوجائیں گے،ہم پیٹھ نہ دکھائیں گے،عجیب جذبہ سے جائیں گے یہ شام کے مسلمان ہوں گے۔یا شرطہ شین کے پیش سے فوج کا اگلا دستہ جو دشمن کے مقابل جاوے۔

۵؎ یعنی جنگ ختم نہ ہوگی بلکہ بند ہوگی وہ بھی رات آجانے کی وجہ سے۔آج کل کی موجودہ جنگیں جو راکٹ،بم،ہوائی جہازوں سے ہوتی ہیں وہ بھی رات میں ہلکی پڑ جاتی ہیں۔فوجی جنگ تو بہت ہی ہلکی ہوجاتی ہے،شہروں پر بم باری بھی ہلکی ہوجاتی ہے۔

۶؎ یعنی مسلمانوں کا اور کفار کا اگلہ دستہ ختم ہوچکا ہوگا،مسلمان جام شہادت پی چکے ہوں گے،یہ مطلب نہیں کہ صرف مسلمانوں کا دستہ شہید ہوجاوے ورنہ کفار کی فتح ہوجاتی ہے لہذا حدیث واضح ہے۔خیال رہے کہ اس لڑنے والے دستہ کے ساتھ مدد کے لیے اور مسلمان بھی ہوں گے دستہ شہید ہوجاوے گا بقیہ مسلمان لوٹ جاویں گے۔لہذا فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہ دستہ شہید ہوگیا تو واپس کون لوٹا۔(مرقات)اور اگر **شرطه** بمعنی شرط ہو تو مطلب ظاہر ہے کہ یہ شرط ختم ہو جاوے گی بغیر غلبہ واپسی ہوگی۔

۷؎ یہاں بھی شرطہ میں دو احتمال ہیں شین کے فتح سے بمعنی شرط لگانا اور شین کے پیش سے بمعنی دستہ فوج کا تیار کرنا۔(مرقات)

۸؎ ان آخری دونوں جملوں کے وہ ہی دو معنے ہیں جو ابھی عرض کیے گئے ہیں کہ یا تو وہ غازیوں کا دستہ شہید ہوجاوے گا باقی مسلمان لوٹ جائیں گے یا ان کی یہ شرط ختم ہوجاوے گی بغیر غلبہ کے واپسی ہوگی۔

۹؎ **فهد** اور **نهض** دونوں کے معنی ہیں اٹھ کھڑا ہونا یعنی غازیان اسلام ان تین دن کی تکالیف کے بعد ہمت نہ ہاریں گے بلکہ ان میں جوش و خروش بڑھتا ہی جاوے گا اب چوتھی بار بچے کھچے مسلمان کفار پر یلغار کردیں گے۔

۱۰؎ **دبره** بنا ہے **دبر** سے بمعنی پیچھا یہاں مراد ہے پیچھے کو بھاگنا یعنی بھاگڑ پڑ جانا۔**عليهم** کا مرجع کفار روم ہیں یعنی اس چوتھے جملہ میں اللہ تعالٰی کفار روم میں بھاگڑ ڈال دے گا کہ وہ پیٹھ پھیر کر مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔

۱۱؎ یعنی کفار میں بھاگڑ پڑ جانے پر ان کا قتل عام ہوجاوے گا،مسلمانوں کے ہاتھوں بہت ہی کفار مارے جائیں گے ایسا قتل عام اس سے پہلے نہ دیکھا گیا ہوگا۔

۱۲؎ پرندہ سے مراد عام چڑیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے کوا مراد ہو یہ فرمان عالی ان لاشوں کی زیادتی بتانے کے لیے ہے خواہ پرندہ اڑے یا نہ اڑے۔

۱۳؎ یا تو لاشوں کی بدبو سے مریں گے یا ان کی زیادتی کی وجہ سے کہ اتنی دور تک لاشیں پڑی ہوں گی کہ اس کا فاصلہ پرندہ طے نہ کرسکے گا اڑتے اڑتے مرجاوے گا مگر فاصلہ طے نہ ہوگا،یہ آخری احتمال قوی ہے شاعر کہتا ہے۔شعر

لایبلغ السمك المحصور غایتها　　لبعد مابین قاصیها ودانیها

۱۴؎ وہ تو کفار مقتولین کا حال تھا اب مسلمان شہداء کی تعداد سنو کہ یہ بقیہ غازی اپنے بچے کھچوں کو شمار کریں گے تو حالت یہ ہوگی کہ جس قبیلہ کے سو آدمی جہاد میں آئے تھے ان میں سے ایک بچا ہوگا ننانوے شہید ہوچکے ہوں گے یعنی ایک فی صد بچے گا۔اللہ کی پناہ!

۱۵؎ وہ جو پہلے ارشاد ہوا تھا کہ غنیمت تقسیم نہ کی جاوے میراث نہ بٹے گی اس کی وجہ یہ ارشاد ہوئی یعنی جب سو میں ایک بچا تو وہ کس کس کی میراث لے اور کیا غنیمت تقسیم کرے لہذا یہ ہی احتمال قوی ہے کہ زیادہ مردوں کی وجہ سے یہ کام ہوگا۔

۱۶؎ یہ خبر درست ہوگی واقعی دجال نمودار ہوچکا ہوگا پہلی بار جو خبر اڑی تھی وہ غلط تھی جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔

۱۷؎ اپنے بال بچوں کو دجال سے بچانے کے لیے نہ کہ دجال سے جنگ کرنے کے لیے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے تو اس سے جنگ ہوگی ہی نہیں اور جناب مسیح کی تشریف آوری پر وہ قتل ہوگا جنگ جب بھی نہ ہوگی۔

۱۸؎ **طلیعه** بنا ہے **طلع** سے بمعنی خبر اسی سے ہے اطلاع یعنی خبر دینا یا خبر پانا۔**طلیعه** واحد کے لیے بھی آتا ہے جمع کے لیے بھی یعنی مسلمان دس سواریوں کو دجال کی خبر کی تحقیقات کے لیے بھیجیں گے کہ واقعی وہ نکلا ہے یا پہلے کی طرح یہ خبر بھی غلط ہے اگر نکلا ہے تو کہاں ہے کیا کررہا ہے۔

۱۹؎ یہ فرمان عالی ان دس حضرات کی عزت افزائی کے لیے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نام کام ان کی حرکات سکنات جانتے ہیں۔کیوں نہ جانیں کہ حضور سب کے گواہ اور نگران ہیں،رب فرماتاہے:"وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"خود فرمایا لایخفی علی رکوعکم ولا سجودکم ولاخشوعکم (تاقیامت کے)مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں،میں تم سب کے ظاہری اعمال دل کے احوال جانتا ہوں۔یہ ہے حضور انور کا غیب کلی صلی اللہ علیہ وسلم،حضور ان سب کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

۲۰؎ روئے زمین فرماکر فرشتوں کو علیحدہ فرمادیا اور اس دن فرما کر حضرات صحابہ عشرہ مبشرہ وغیرہم کو علیحدہ فرمادیا یعنی اس زمانہ کے موجود مسلمانوں میں سب سے بہتر و افضل یہ لوگ ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کا ایک کنارہ خشکی میں ہے اور اس کا دوسرا کنارا دریار میں ۱؎ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ اس پر اولاد اسحاق کے ستر ہزار غازی غزوہ کریں گے ۲؎ تو جب وہاں پہنچیں گے تو اتریں گے تو نہ تو ہتھیاروں سے جنگ کریں گے نہ کوئی تیر پھینکیں گے،کہیں گے لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر تو اس کا ایک کنارہ گر جاوے گا ۳؎ ثور ابن یزید راوی کہتے ہیں ۴؎ کہ میں نہیں جانتا اس کے سوا کہ فرمایا وہ کنارہ جو	

	دریا میں ہے ۵؎ پھر وہ دوبارہ کہیں گے لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر تو ان کے لیے کھول دیا جاوے گا ٦؎ چنانچہ یہ لوگ غنیمت لیں گے جب وہ غنیمتیں تقسیم کررہے ہوں گے ۷؎ تو اچانک ان تک ایک چیخ آئے گی کوئی کہے گا کہ دجال نکل آیا تو وہ ہر چیز چھوڑ دیں گے اور لوٹ جائیں گے ۸؎ (مسلم)

۱؎ یہ تو تمام شارحین کہتے ہیں کہ یہ شہر ملک روم میں ہے،اس میں گفتگو ہے کہ کون سا شہر ہے۔بعض نے فرمایا کہ وہ قسطنطنیہ ہے مگر یہ قوی نہیں کیونکہ قسطنطنیہ تو بڑی جنگ سے فتح ہوگا نہ کہ اس طرح۔ بعض نے فرمایا کہ وہ شہر رومیہ ہے یعنی سلطان روم کا پایہ تخت۔بعض نے فرمایا کہ وہ بور نطیا بستی ہے جس کی دیوار اکیس ہاتھ اونچی ہے،اس کا گرجا بہت لمبا ہے،اس کے بیچ میں تانبے کے گھوڑے کا مجسمہ ہے جس پر سوار کا مجسمہ ہے،اس سوار کے ہاتھ سونے کا گولہ ہے،یہ قسطنطین کا مجسمہ ہے۔قسطنطین وہ شخص ہے جس نے شہر قسطنطنیہ آباد کیا،بعض نے فرمایا کہ وہ کوئی اور شہر ہے جس کا نام معلوم نہ ہوسکا یہ ہی درست ہے۔واللہ اعلم!(مرقات)

۲؎ یہ لوگ ملک شام کے گرد قوم کے ہوں گے جو بنی اسرائیل ہیں مگر مسلمان ہیں جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام کہ اسرائیلی ہیں اور مؤمن بلکہ حضور کے صحابی ہیں۔

۳؎ یعنی ان غازیوں کے نعرہ تکبیر سے اس شہر میں زلزلہ آجاوے گا جس سے اس کا یہ کنارہ گر جاوے گا۔معلوم ہوا کہ جہاد کے وقت نعرہ تکبیر لگانا درست بھی ہے مفید بھی۔

۴؎ ثور ابن یزید تابعی ہیں،ان کی کنیت ابو خالد ہے،حمص کے رہنے والے ہیں،حافظ ہیں،ثقہ ہیں مگر قدریہ ہوگئے تھے،۱۵۵ھ میں وفات ہوئی۔

۵؎ یعنی پہلے نعرہ پر دریا کے جانب والا کنارہ گرے گا بعد والی تکبیروں سے دوسرے کنارے گریں گے۔

٦؎ حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،واقعی یہ شہر صرف نعرہ تکبیر سے فتح ہوگا،اللہ کا ذکر جب مشکل کشاہ ہے تو اس وقت شہر کتنا بھی ہوگا مگر انہیں کی زبان پر فتح ہوگا۔

۷؎ چونکہ یہ شہر صلح سے فتح نہ ہوگا بلکہ طاقت سے فتح ہوگا اس لیے وہاں کے مال غنیمت ہوں گے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۸؎ اپنے وطن لوٹ جائیں گے دجال کا مقابلہ اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے ہوگا،غنیمتیں یہاں ہی چھوڑدیں گے،غنیمتیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے تاکہ ہلکے ہلکے ہوکر جلدی واپس پہنچیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیت المقدس کی آبادی ۱؎

	مدینہ طیبہ کی ویرانی ہے۲؎ اور مدینہ کی ویرانی بڑی جنگ کا ظہور ہے۳؎ اور بڑی جنگ کا ظہور قسطنطنیہ کی فتح ہے اور قسطنطنیہ کی فتح دجال کا نکلنا ہے ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ بعض شارحین نے کہا کہ قریب قیامت بیت المقدس ویران ہوجاوے گا کچھ عرصہ کے بعد آباد ہوگا۔مگر یہ درست نہیں بیت المقدس کبھی ویران نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد بیت المقدس کی بہت آبادی ہے یعنی وہاں پانی کی فراوانی،شہریوں کی روانی،اعلیٰ عمارتوں کی تعمیر یہ قریب قیامت ہوگی۔(مرقات)

۲؎ اب مدینہ منورہ کو یثرب کہنا منع ہے،یہ فرمان عالی ممانعت سے پہلے کا ہے۔یثرب بنا ہے ثرب سے بمعنی آفت و تکلیف،یثرب کے معنی ہیں آفتوں تکلیفوں کی جگہ،چونکہ مدینہ کی زمین وبائی امراض کا مرکز بلکہ سرچشمہ تھی اس لیے اسے یثرب کہتے تھے،حضور کی برکت سے وہ جگہ دارالشفاء بن گئی وہاں کی خاک شفاء ہوگئی لہذا اس کا نام اب طیبہ ہے۔بعض نے کہا کہ یثرب اس شخص کا نام ہے جس نے مدینہ بسایا تھا۔(اشعہ)مگر اس کی ابتداء ڈالنے والا تبع ہے جس کا واقعہ ہم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

۳؎ یہ بڑی جنگ وہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوچکا کہ اس میں فی صد ایک آدمی بچے گا۔(مرقات واشعہ)

۴؎ یعنی قسطنطنیہ کی فتح دجال نکلنے کی علامت ہوگی اس سے قریب ہی دجال نکلے گا یہ مطلب نہیں کہ اس کے متصل لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ فتح بیت المقدس پر شیطان پکارے گا کہ دجال نکل آیا مگر یہ خبر جھوٹی ہوگی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ بڑی جنگ ۱؎ اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا نکلنا سات مہینوں میں ہوگا۲؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ بعض روایات میں الملحمۃ الکبریٰ ہے،اس جنگ عظیم سے مراد غالبًا وہ ہی جنگ ہے جس میں سو آدمیوں میں سے ایک بچے گا ننانوے ہلاک ہوجائیں گے۔

۲؎ یہ مدت مسلمانوں کے اس شہر کی طرف متوجہ ہونے کے لحاظ سے ہے اور سات ماہ کی یہ روایت بہت ضعیف ہے اس کے بعض راوی مجروح ہیں۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی جنگ اور شہر کی فتح کے درمیان چھ سال کا فاصلہ ہے اور ساتویں سال دجال نکلے گا ۱؎ (ابوداؤد)اور فرمایا یہ صحیح ترین ہیں۔

۱؎ یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف ہے جس میں سات ماہ کا ذکر ہے لہذا یا تو یہاں شہر سے مراد قسطنطنیہ کے علاوہ کوئی اور شہر ہے اور وہاں قسطنطنیہ شہر کی فتح کا ذکر تھا وہ حدیث مجروح ہے یہ حدیث صحیح اس لیے یہاں فرمایا کہ **ھذا اصح** یہ زیادہ صحیح ہے لہذا سات ماہ کی روایت صحیح نہیں۔(لمعات)مرقات نے فرمایا کہ اس جنگ سے کوئی اور جنگ مراد ہے اور یہاں

دوسری جنگ مراد،اس گزشتہ جنگ سے سات ماہ بعد دجال نکلے گااور اسی جنگ سے سات سال بعدلہٰذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ قریب ہے مسلمان مدینہ منورہ کی طرف محصور کردیئے جاویں ۱؎ حتی کہ ان کی آخری سرحد مقام سلاح ہو اور سلاح خیبر سے قریب ہے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی مسلمانوں کو دنیا میں کہیں پناہ نہ ملے گی،تمام دنیا کے مسلمان سمٹ کر مدینہ منورہ میں پناہ لیں گے،مدینہ منورہ کے اندر رہے اور کوئی مدینہ منورہ سے باہر چوطرفہ اسی شہر پاک کی حفاظت کے لیے غرضکہ مسلمان صرف یہاں ہی ہوں گے۔

۲؎ یعنی مسلمانوں کی آخری سرحد مقام سلاح ہوگا،خیبر سے قریب ایک جگہ ہے اور خیبر مدینہ منورہ سے قریب ایک سو نوے کیلومیٹر ہے،ایک کیلو میٹر پانچ فرلانگ کا ہوتا ہے۔مسلمان اپنے اس ملک کی حفاظت کے لیے مقام سلاح میں چھاؤنیاں بناکر یہاں ہی رہیں گے آس پاس سارے کفار ہوں گے ۔غرضکہ مسلمان اس وقت بہت سخت تنگی میں ہوں گے،دنیا بھر کے مسلمان صرف ڈیڑھ سو میل کے رقبہ میں آباد ہوں گے۔

روایت ہے ذی مخبر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم روم سے امن و امان والی صلح کرو گے تو تم اور وہ اپنے سامنے والے دشمن سے جنگ کرو گے ۲؎ تو تم کو فتح دی جاوے گی اور تم غنیمت حاصل کرو گے اور سلامت رہو گے ۳؎ پھر تم لوٹو گے حتی کہ ٹیلوں والی چراگاہ میں اترو گے ۴؎ تو عیسائیوں میں ایک شخص صلیب اٹھاکر کہے گا کہ صلیب غالب آگئی ۵؎ تو مسلمانوں میں سے ایک شخص غضب ناک ہوکر اسے توڑ دے گا ۶؎ اس وقت روم عہد شکنی کریں گے اور جنگ کے لیے جمع ہوجائیں گے،بعض راویوں نے یہ زیادہ فرمایا کہ پھر مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف جوش سے بڑھیں گے ۷؎ پھر جنگ کریں گے تو اللہ اس جماعت کو شہادت سے عزت دے گا ۸؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ذی مخبر نجاشی یعنی شاہ حبشہ کے بھتیجے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم،آپ سے کئی صحابہ وتابعین نے روایت لی۔**مخبر** میم کے کسرہ اورخ کے سکون سے ہے،ب کے فتح سے،آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

۲؎ یعنی تم مسلمان اور رومی عیسائی دونوں مل کر مشترکہ دشمن سے جنگ کروگے وہ دشمن غالبًا مشرکین ہوں گے، یہ احتمال ضعیف ہے کہ وہ دشمن یہود ہوں گے۔

۳؎ یعنی اس جنگ میں تم کو مالی وجانی نقصان بہت کم ہوگا مگر فتح بہت شاندار ہوگی اور غنیمت بیشمار حاصل ہوگی۔

۴؎ یعنی غنیمت تقسیم کرنے کے لیے تم اور عیسائی ایک سبزہ زار میدان میں اطمینان سے جمع ہوؤ گے۔معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ مل کر جہاد کرنا جائز ہے۔

۵؎ ہمارے ملک میں صلیب کو ایکس کی شکل پر دکھاتے ہیں X اسی طرح مگر صلیب کی شکل ایسی ہے جیسے انگریزی ٹائی کی نوک اوپر نکلی ہوئی،اسی طرح عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی اس شکل کی لکڑی پر دی گئی،اس موقع پر ایک رومی عیسائی کہے گا کہ یہ فتح ہماری صلیب کی برکت سے ہوئی۔

۶؎ اور صلیب توڑ کر کہے گا کہ فتح ہمارے کلمہ طیبہ کی برکت سے ہوئی تیری صلیب کی کوئی حقیقت نہیں اس پر ان کی آپس میں جنگ چھڑ جائے گی جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

۷؎ یعنی غنیمت وغیرہ کو چھوڑ کر ہتھیار اٹھائیں گے سخت جنگ ہوگی۔

۸؎ یعنی اس جنگ میں مسلمان زیادہ شہید ہوں گے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا حبشہ کو چھوڑے رہو جب تک وہ یمن چھوڑے رہیں ۱؎ کیونکہ کعبہ کا خزانہ نہ نکالے گا مگر حبشہ کا ایک چھوٹی پنڈلیوں والا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ملک حبشہ آخر زمانہ میں مسلمانوں سے نکل جاوے گا اور وہاں کے باشندے عیسائی یا یہودی ہوجاویں گے،فرمایا گیا کہ تم اس زمانہ میں حبشہ سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا۔لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ عہد صحابہ میں حبشہ فتح ہوا بلکہ حضور انور کے زمانہ میں حبشہ میں اسلام پھیلا حتی کہ مسلمان مہاجرین کو پہلے حبشہ میں ہی پناہ ملی اب بھی حبشہ مسلمانوں کا ملک ہے اور وہاں کے باشندے پختہ مسلمان ہیں،حضرت بلال حبشی ہی تھے نہ یہ اعتراض ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے:"اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" پھر حضور انور حبشہ کے جہاد سے کیوں منع فرمارہے ہیں کیونکہ یہ حکم قریب قیامت کے وقت کے لیے ہے۔

۲؎ مشہور یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے نیچے بہت بادشاہوں کا خزانہ مدفون ہے وہ شخص اس خزانہ کے لیے خانہ کعبہ ڈھائے گا۔یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوگا جب قرآن مجید کے ورق سادہ رہ جائیں گے اور دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا یعنی قیامت سے بالکل متصل۔خیال رہے کہ رب کا فرمان:"وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" حکم ہے خبر نہیں یعنی جو حرم کعبہ میں آجاوے اسے امن دے دو یہ مطلب نہیں کہ اسے امن رہے گی لہذا یہ حدیث اس آیت شریفہ کے خلاف نہیں۔یہ حبشی کافر ہوگا عیسائی یا یہودی۔واللہ اعلم!

روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب ۱؎ نے فرمایا حبشیوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور چھوڑے رہو تم ترک کو جب تک چھوڑے رہیں تم کو ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ان صاحب کا نام شریف معلوم نہ ہوسکا مگر چونکہ سارے صحابہ عادل ہیں ان میں فاسق کوئی نہیں اس لیے یہ حدیث مجہول نہ ہوگی صحیح رہے گی۔ہم ابھی گزشتہ حدیث میں بتا چکے کہ حبشہ سے کون سے حبشی لوگ مراد ہیں اور یہ حکم کس وقت کے لیے ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

۲؎ ترک سے مراد قوم یا جوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہے جن سے مسلمانوں کی جنگ عظیم قریب قیامت ہوگی،یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کی مخصص ہے"وَقٰتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً"کہ مشرکین میں سے ان دونوں قبیلوں کو الگ کردیا گیا جیسے خبر کا حکم مطلق ہے"حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ"سے مشرکین عرب بحکم حدیث علیحدہ ہیں کہ ان کے لیے قتل ہے یا اسلام لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ اس حکم قرآن کے خلاف ہے۔(لمعات،مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت بریدہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ایک حدیث میں کہ تم سے ایک چھوٹی آنکھوں والی قوم یعنی ترک جنگ کرے گی فرمایا تم انہیں تین بار ہانکو گے حتی کہ تم انہیں جزیرہ عرب میں پہنچادوگے۱؎لیکن پہلی ہانک میں تو ان میں بھاگ جانے والے نجات پاجائیں گے لیکن دوسری میں بعض نجات پا جائیں گی،بعض ہلاک ہوجائیں گے لیکن تیسری ہانک میں وہ فنا ہوجائیں گے۲؎یا جیسے فرمایا۔(ابوداؤد)	

۱؎یہ واقعہ بھی قریب قیامت ہوگا کہ تمہارا ان ترکوں سے مقابلہ ہوگا تم انہیں بھگاتے ہوئے لے جاؤ گے اور وہ آگے آگے ہوں گے اور تم پیچھے پیچھے۔

۲؎یعنی تمہاری اور ان ترکوں کی جنگ تین بار ہوگی پہلی دو جنگوں میں ان کے کچھ لوگ ہلاک ہوں گے تیسری جھڑپ میں وہ سارے ختم ہوجائیں گے یہ بھی قریب قیامت ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ ایک پست زمین میں اتریں گے۱؎جسے بصرہ کہیں گے۲؎ایک نہر کے کنارے کے پاس جسے دجلہ کہا جاتا ہے۳؎اس پر ایک پل ہوگا اس کے باشندے بہت ہوں گے۴؎اور وہ مسلمانوں کے شہروں میں سے ہوگا اور جب آخری زمانہ ہوگا تو قبیلہ بنو قنطورا۵؎چوڑے منہ والے چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے۶؎حتی کہ نہر کے کنارہ اتریں گے تو وہاں کے باشندے تین حصے ہوجاویں گے ایک فرقہ تو گایوں کی دم اور جنگل اختیار کرلیں گے۷؎وہ	

ہلاک ہوجائیں گے اور ایک فرقہ اپنے لیے امان لے لے گا اور ہلاک ہوجائیں گے۸ اور ایک فرقہ اپنے بال بچوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے چھوڑے گا اور ان سے جنگ کرے گا یہ لوگ شہداء ہیں ۹(ابوداؤد)	

۱؎ غائطہ پست زمین کو کہتے ہیں اس لیے پیشاب یا پاخانہ بیٹھنے کی جگہ کو غایت کہتے ہیں کہ اکثر وہ پست زمین ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآٮِٕطِ"۔

۲؎ بصرہ دراصل بسرہ تھا سین سے جس کے معنی ہیں بہت راستوں والا،بصرہ عراق کا بڑا مشہور شہر ہے،بڑی بندرگاہ عراق کی بصرہ ہی میں ہے،یہاں بڑے اولیاء اللہ آرام فرما ہیں ہم نے زیارت کی ہے۔

۳؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں بصرہ سے مراد بغداد ہے کیونکہ دجلہ کے کنارے پر بغداد واقع ہے نہ کہ بصرہ۔بصرہ دریائے شطُّ العرب کے کنارے پر ہے لہذا یہاں بصرہ کے معنی لغوی مراد ہیں یعنی بہت سے راستوں والا شہر۔

۴؎ یعنی بغداد مسلمانوں کا بہت بڑا شہر ہوگا،مصر بڑے شہر کو کہتے ہیں،اس سے چھوٹا مدینہ،اس سے چھوٹا بلدہ،اس سے چھوٹا قریہ۔(اشعہ)مگر جب یہ قریہ کے ساتھ کوئی علامت لگادی جائے عظیم وغیرہ تو بڑے شہر کو بھی قریہ کہہ دیتے ہیں۔

۵؎ قنطورا ان ترکوں کے مورث اعلٰی کا نام ہے،بعض لوگوں نے کہا کہ قنطورا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک لونڈی کا نام ہے جس کی اولاد سے وہ ترک ہوں گے مگر یہ درست نہیں کیونکہ وہ ترک یافث ابن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور یافث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئے۔بعض شارحین نے کہا کہ ممکن ہے قنطورا لونڈی یافث کی اولاد سے ہو یا اس کا نکاح کسی اولاد یافث سے بھی،اس طرح یہ دونوں قول جمع ہوجائیں گے ان میں اختلاف نہ رہے گا۔(مرقات)

۶؎ یعنی بصرہ یا بغداد کے مسلمانوں سے جنگ کرنے یہ ترک آئیں گے جن کی شکلیں ایسی ہوں گی۔ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ ترک یاجوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہے۔

۷؎ یعنی بصرہ یا بغداد کے مسلمان اس وقت تین حصوں میں بٹ جائیں گے:ایک حصہ تو ان کفار ترک کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اپنے مال مویشی لے کر جنگل کی طرف بھاگے گا اور وہاں کا باشندہ بن جائے گا تاکہ آرام سے بقیہ زندگی گزاریں جہاد نہ کرنا پڑے،یہ لوگ بزدل ہوکر ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور بری موت مریں گے۔**ھلکوا** سے یہ ہی مراد ہے ذلت کی موت مرنا۔

۸؎ یعنی مسلمانوں کا دوسرا فرقہ ان سے ڈر کر ان سے امان لے لے گا،ان کی رعایا بن جاوے گا۔بعض شارحین نے کہا کہ یہ واقعہ ہوچکا کہ **مستعصم باللہ** بادشاہ نے اپنے اور اپنے ماتحتوں کے لیے امان لے لی مگر یہ درست نہیں کہ **مستعصم باللہ** بغداد کا باشندہ تھا۔یہاں ذکر ہے بصرہ کا لہذا یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا اور وہ ترک کفار سے ہوں گے،یہ وہ واقعہ صفر ۶۵۶ھ ہجری میں گزر چکا۔(مرقات)یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔

۹؎ یعنی مسلمانوں کا یہ تیسرا حصہ کامل غازی اور اعلٰی درجہ کے شہید ہوں گے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اس حصہ کا بڑا حصہ شہید ہوجاوے گا تھوڑا حصہ بچے گا۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس لوگ مختلف شہر آباد کریں گے ان میں ایک شہر ہے جسے بصرہ کہا جاوے گا ۱؎ تو اگر تم وہاں سے گزرو اس میں جاؤ وہاں کی کھاری زمین سے اور وہاں کے مقام کلاء سے ۲؎ اور وہاں کے باغات بازار اور وہاں کے امیروں کے دروازوں سے بچنا ۳؎ اور مقام ضراخی کو اختیار کرنا ۴؎ کیونکہ وہاں زمین دھنسنا پتھر برسنا زلزلے ہوں گے ۵؎ اور ایسی قوم ہوگی جو رات گزاریں گے اور سویرا پائیں گے بندر سؤر ہو کر۔(رواہ)

۱؎ حضور انور کے زمانہ میں بصرہ شہر نہ تھا،اس کے شہر بن جانے کی اس حدیث میں خبر دی گئی۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آج بصرہ بڑا شہر ہے۔۔

۲؎ کلاء بصرہ کے آس پاس کی زمینوں میں سے ایک زمین کا نام ہے غالبًا وہاں سبزہ چارہ بہت ہوگا اس لیے اس علاقہ کو کلاء کہتے ہیں،چونکہ بصرہ اور اس کے آس پاس کے آباد علاقوں کی آب و ہوا بھی خراب ہے اور وہاں آفات بہت آنے والی ہیں اس لیے ان مقامات سے بچنے کا حکم دیا۔

۳؎ بصرہ کے بازاروں میں جھوٹ فریب دھوکہ دہی زیادہ ہے امراء میں ظلم و تشدد بہت اس لیے ان جگہوں سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

۴؎ ضراخی بصرہ شہر بصرہ کے ایک علاقہ کا نام ہے وہ علاقہ پہاڑی ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہاں جلوت سے بچنا خلوت اختیار کرنا،بن باس ہوجانا کہ اس میں امن ہوگی۔

۵؎ یعنی بصرہ میں تین عذاب تو عام آئیں گے:ایک انسانوں،مکانات،عمارتوں میں زمین دھنس جانا،انہیں زمین نگل لے گی،دوسرے تیز ہوائیں چلنا جس سے لوگ ہلاک ہوجاویں یا غیبی پتھر برسنا یا زمین کا مدفون لاشوں کو نکال پھینکنا،تیسرے سخت زلزلے،قذف کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔(مرقات)یہ واقعات قریب قیامت ہوں گے۔دوسری حدیث میں ہے کہ یہ مذکورہ عذاب قدریہ فرقے پر آئیں گے غالبًا اس زمانہ میں بصرے میں قدریہ فرقہ بہت ہوگا۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے یہ مذکورہ عذاب عام لوگوں پر نہ آئیں گے،خاص لوگوں پر خاص حالات میں آئیں گے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "**وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ**"۔(از اشعہ)یہ وہاں کے خاص عذاب کا ذکر ہے کہ وہاں کی ایک قوم رات کو اچھی بھلی سوئے گی صبح کو اس طرح اٹھے گی کہ ان کے جوان تو بندر بن چکے ہوں گے اور بوڑھے سؤر۔یہ ہے مسخ یعنی صورتوں کی تبدیلی یہ بھی قریب قیامت قدر یہ فرقہ کی ہوگی۔یہاں بعض نسخوں میں سفید جگہ چھوٹی ہوئی ہے یعنی صاحب مشکوۃ کو اس کا حوالہ نہ ملا اور بعض نسخوں میں عبارت ہے **رواہ ابوداؤد ومن طریق لم یجزم بھا الراوی بل قال لا اعلمه الا ذکرہ عن موسیٰ ابن انس عن انس بن مالك**،اشعۃ اللمعات میں یہ عبارت اسی جگہ مذکور ہے۔

	روایت ہے صالح ابن درہم سے [1] فرماتے ہیں کہ ہم حج کرنے جارہے تھے کہ ایک شخص ملا پس اس نے کہا کیا تم سے قریب کوئی بستی ہے جسے ابلہ کہا جاتا ہے [2] ہم بولے ہاں اس نے کہا تم سے کون اس کا ضامن بنتا ہے کہ مسجد عشار میں میرے لیے دو چار رکعتیں پڑھ دے اور کہہ دے کہ یہ نماز ابوہریرہ کی ہے [3] میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے شہید اٹھائے گا کہ ان کے سواء شہداء بدر کے ساتھ کوئی نہ کھڑا ہوگا [4] (ابوداؤد)اور فرمایا کہ یہ مسجد نہر کے قریب ہے اور ہم ابوالدرداء کی حدیث ان فسطاط المسلمین یمن و شام کے ذکر والے باب میں بیان کریں گے ان شاءاللہ!

[1] صالح ابن درہم تابعی ہیں،قبیلہ باہلہ سے ہیں،آپ نے حضرت ابوہریرہ اور سمرہ ابن جندب سے روایات لیں،آپ نے شعبہ اور فسطان سے روایات لیں۔(اکمال،مرقات)

[2] ابلہ الف اور ب کے پیش لام کے شد سے،بصرہ کے پاس مشہور بستی ہے۔علماء کہتے ہیں کہ دنیا کے چار شہر زمین کی جنت ہیں: بصرہ کا ابلہ،دمشق کا غوطہ،سمر قند کا حفد اور بوان شہر کا شعب،یہ چاروں بستیاں بہت ہی سرسبز ہیں۔ہم نے دمشق کا غوطہ اور بصرہ کا ابلہ دیکھا ہے۔

[3] یعنی تم میں سے کوئی شخص مسجد عشار میں جو کہ ابلہ کی مشہور متبرک مسجد ہے دو چار رکعت نفل پڑھ کر مجھے اس لفظ سے ایصال ثواب کردے کہ الٰہی یہ نماز جو ہم نے پڑھی یہ ابوہریرہ کی طرف سے ہے اس کا ثواب انہیں ملے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ متبرک و مقدس مسجد میں نماز ادا کرنا دوسری نمازوں سے افضل ہے،مسجد نبوی کی ایک نیکی دوسری جگہ کی پچاس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔دوسرے یہ کہ نماز کا ثواب دوسرے کو بخش دینا درست ہے،ہاں کسی کی طرف سے نماز فرض نہیں پڑھی جاسکتی وہ تو خود ہی پڑھنا پڑے گی۔تیسرے یہ کہ کوئی نیکی کرکے کسی دوسرے کو اس طرح ثواب بخشنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو ملے بالکل جائز سنت صحابہ ہے لہذا فاتحہ مروجہ ختم شریف وغیرہ بالکل درست ہے،دیکھو حضرت ابوہریرہ ثواب بخشنے کے الفاظ بتارہے ہیں۔چوتھے یہ کہ اپنے سے بڑے کو ثواب بخشنا جائز ہے اگرچہ وہ کیسی ہی شان کا مالک ہو،دیکھو جناب ابوہریرہ صحابی ہیں اور تابعین کو اپنے لیے ایصال ثواب کا حکم دے رہے ہیں۔ یہ حدیث بہت سے احکام کا ماخذ ہے،نیز زندہ کو زندہ کا ثواب بخش دینا جائز ہے۔

[4] یعنی آخر زمانہ میں ایک عظیم الشان جہاد ہوگا،اس جہاد کے غازی اس مسجد میں جمع ہو کر میدان میں جا کر شہید ہوں گے وہ کل قیامت میں شہداء بدر کے ساتھ کھڑے ہوں گے لہذا اس مسجد میں نماز پڑھنا بہت ہی افضل ہے۔ معلوم ہوا کہ اگرچہ ساری مسجدیں اللہ کا گھر ہیں مگر جس مسجد میں یا جس شہر میں اللہ کے مقبول بندے رہ چکے ہوں یا اب رہتے ہوں یا

آئندہ رہنے والے ہوں وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔اس کی نسبت کی وجہ سے دیکھو وہ غازی شہداء قریب قیامت اس مسجد میں جمع ہوں گے مگر وہاں نماز آج ہی سے افضل ہے۔جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم بھی رکھا ہے وہ مقام اللہ کو محبوب ہے،حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سفیدہ زمین کا ادب کیا جہاں آئندہ مدینہ منورہ شہر آباد ہونے والا تھا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت شقیق سے ۱؎ وہ جناب حذیفہ سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنہ کے متعلق حدیث کا حافظ کون ہے ۲؎ میں نے عرض کیا میں حافظ ہوں جیسے حضور نے فرمایا ہے،فرمایا لاؤ تم بڑے بہادر ہو ۳؎ حضور نے کیسے فرمایا،میں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مرد کا فتنہ اس کے گھر میں اس کے مال میں اور اس کی ذات میں اور اس کی اولاد میں اور اس کے پڑوسی میں ہے جسے روزے نماز،خیرات اچھائیوں کا حکم برائیوں سے روکنا مٹاتے رہتے ہیں ۴؎ تو حضرت عمر نے فرمایا میں یہ ارادہ نہیں کررہا ہوں میری مراد وہ فتنہ ہے جو سمندر کی موج کی طرح اٹھے گا ۵؎ فرمایا میں نے کہا آپ کو اس سے کیا تعلق اے امیر المؤمنین آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے ۶؎ فرمایا تو دروازہ توڑا جاوے گا یا کھولا جاوے گا فرماتے ہیں میں نے کہا نہیں بلکہ توڑا جاوے گا ۷؎ فرمایا یہ اس لائق ہے کہ پھر بند نہ کیا جاسکے ۸؎ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے جناب حذیفہ سے کہا کیا حضرت عمر جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے فرمایا ہاں جیسے یہ جانتے تھے کہ کل سے پہلے رات ہے ۹؎ میں نے انہیں وہ حدیث سنائی جو معمہ نہیں ہے ۱۰؎ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس سے ڈر لگا کہ حذیفہ سے پوچھیں کہ دروازہ کون ہے تو ہم نے مسروق سے کہا ان سے پوچھو انہوں نے پوچھا تو فرمایا عمر ہیں۔(مسلم،بخاری)

ا؎ آپ کا نام شقیق ابن ابی سلمہ ہے،آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کی،بہت صحابہ سے ملاقات ہوئی،حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی اور حذیفہ ابن یمان مشہور صحابی ہیں،آپ نے حضرت عثمان غنی کی شہادت کے چالیس دن بعد مدائن میں وفات پائی،وہاں مدائن میں ہی آپ کی قبر شریف ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی احکام،اعمال،عقائد کی احادیث تو ہم سب کو یاد ہیں ہمارے عمل میں ہیں،جو فتنوں بلاؤں آفتوں کی پیش گوئی حضور نے کی ہے وہ کسے یاد ہیں۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ حضرت حذیفہ کو بہادر فرمانا ان کی تعریف و توصیف کے لیے ہے یعنی بڑے دلیر ہوکر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین فتنہ گروں اور فتنوں کے متعلق پوچھ پوچھ کر بہت معلومات جمع کرلی تھیں،نیز تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب اسرار ہو تم نے وہ باتیں معلوم کرلیں ہیں جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں بیان کرو۔بعض شارحین نے فرمایا کہ انہیں بہادر فرمانا ناراضی کے اظہار کے لیے ہے مگر یہ غلط ہے۔حضرت حذیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائیں اور جناب عمر ناراض ہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

۴؎ یعنی انسان دن رات اپنے مال،اولاد،پڑوسیوں کی الجھنوں کی وجہ سے گناہ کرتا ہے،یہ چیزیں انسانوں کے لیے فتنہ ہیں"اَنَّمَآ اَمۡوٰلُکُمۡ وَ اَوۡلٰدُکُمۡ فِتۡنَۃٌ"اور یہ مذکورہ نیکیاں ان گناہوں کو مٹاتی رہتی ہیں"اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ"۔

۵؎ یعنی یہ فتنے تو شخصی وقتی فتنے ہیں بلکہ ایک طرح اللہ کی رحمت ہیں،میں تو اس عالمگیر فتنہ کے متعلق پوچھتا ہوں جو سمندر کی لہروں کی طرح دنیا بھر کو لے لے گا،کسی کے روکے نہ رکے گا جس سے مسلمانوں میں قتل عام ہوگا۔

۶؎ یعنی آپ اس فتنہ سے خوف نہ کریں وہ آپ کو نہ پہنچے گا بلکہ آپ کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو بھی نہ پہنچے گا،آپ مسلمانوں کے لیے امان ہیں،آپ وہ بند دروازہ ہیں جس نے مسلمانوں سے فتنوں کو روک رکھا ہے۔

۷؎ حضرت عمر سمجھ گئے وہ دروازہ جس کے ہٹتے ہی فتنوں کا سمندر موجیں مارنے لگے گا وہ میں ہی ہوں تو پوچھا کہ بتاؤ میری موت بستر پر ہوگی یا شہادت کی۔دروازے کھلنے سے مراد ہے طبعی موت اور توڑے جانے سے مراد ہے قتل کیا جانا،ایسے فصحاء بلغاء کے قربان۔

۸؎ یہ فرمان عالی انتہائی فراست و دانائی پر مبنی ہے یعنی اگر دروازہ کھلے تو بند کیا جاسکتا ہے لیکن اگر توڑ دیا جاوے تو بند کیسے ہو۔میرا قتل اس کی علامت ہے کہ فتنے پھر بند نہ ہوں گے،آپ کی یہ فراست بالکل درست ثابت ہوئی۔

۹؎ یعنی اے حذیفہ آپ سے حضرت عمر نے یہ نہ پوچھا کہ دروازہ کون ہے اور نہ آپ نے انہیں بتایا تو کیا حضرت عمر آپ کا مقصد سمجھ گئے،کیا انہیں پتہ لگ گیا کہ دروازہ کون ہے ہم تو کچھ نہ سمجھے ہم پر واضح فرمادیئے۔

۱۰؎ یعنی یہ اشارۃً بات چیت تمہارے لیے معمہ ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے معمہ نہ تھی وہ مجتہد مطلق تھے مزاج شناس رسول۔اس سے معلوم ہوا کہ غیبی خبریں اشارۃً دی جاتی ہیں صراحۃً نہیں،نیز مجتہدین حدیث و قرآن کا منشا سمجھتے ہیں،لوگ قرآن دانی حدیث فہمی میں مجتہدین علماء کے محتاج ہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات شریف فتنوں کے آگے مضبوط بند دروازہ ہے،آپ کے زمانہ میں کسی بیدین فتنہ گر کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں،آپ کی شہادت کے بعد فتنہ گر اٹھیں گے فتنے سر نکالیں گے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی فتح قیامت قائم ہونے کے ساتھ ہے [1] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[1] اس فتح سے مراد وہ فتح ہے جو قریب قیامت ہوگی۔معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ جسے آج استنبول کہتے ہیں یہ مسلمانوں سے نکل جاوے گا،پھر مسلمان فتح کریں گے۔روم کا یہ شہر عہد صحابہ میں فتح ہوا اور اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔آج بیت المقدس یہود کے پاس پہنچ گیا یہ بھی علامات قیامت سے ہے۔

باب اشراط الساعۃ

قیامت کی علامتوں کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اشراط جمع ہے شرط کی، شرط شین کی فتحہ ر کے سکون سے بمعنی موقوف علیہ جیسے نماز کے لیے وضو۔اس کی جمع شروط یا شرط ہے مگر شین کے فتح سے۔اس کے بہت معنی ہیں: علامات،ابتداء، حقیر مال، چھوٹی چیز،اس سے ہے شرط بمعنی سپاہی،شاہی باڈی گارڈ جو بادشاہ کے آگے چلے اور بادشاہ کی آمد کی علامت ہو۔اس کی جمع اشراط ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔خیال رہے کہ اس باب میں سواء خروج امام مہدی کے باقی تمام چھوٹی علامتیں ہیں،بڑی علامات قیامت اگلے باب میں آئیں گی۔ساعت قیامت کا ایک نام ہے،چونکہ اس کی آمد آنًا فانًا ہوگی،یا بعض مقبول بندوں کو یہ گھڑی کی طرح محسوس ہوگی اس لیے اسے ساعت یعنی گھڑی بھر کی چیز کہا جاتا ہے،اس کا نام محشر،قیامت،یوم انزاع،قارعۃ،واہیہ،یوم الحساب،واقعہ،خافضہ،رافعہ وغیرہ ہیں،ہر نام کی الگ وجہ ہے،دیکھو ہماری تفسیر۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کی نشانیوں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جاوے گا اور جہالت بڑھ جاوے گی [1] اور زنا شراب خواری بڑھ جاوے گی [2] اور مرد کم ہوجاویں گے اور عورتیں زیادہ ہوجائیں گی [3] حتی کہ پچاس عورتیں ایک مرد منتظم ہوگا [4] ایک روایت میں ہے کہ علم گھٹ جاوے گا اور جہالت ظاہر ہو جاوے گی۔(مسلم،بخاری)	

[1] علم سے مراد علم دین ہے۔جہل سے مراد دین علم سے غفلت آج یہ علامت شروع ہوچکی ہے دنیاوی علوم بہت ترقی پر ہیں مگر علوم تفسیر،حدیث،فقہ بہت کم رہ گئے،علماء اٹھتے جارہے ہیں،ان کے جانشین پیدا نہیں ہوتے،مسلمانوں نے علم دین سیکھنا قریبًا چھوڑ دیا،بہت سے علماء واعظ بن کر اپنا علم کھو بیٹھے،یہ سب کچھ اس پیش گوئی کا ظہور ہے۔

[2] زنا کی زیادتی کے اسباب عورتوں کی بے پردگی،اسکولوں کالجوں لڑکوں لڑکیوں کی مخلوط تعلیم،سنیما وغیرہ کی بے حیائیاں گانے،ناچنے کی زیادتیاں یہ سب آج موجود ہیں،ان وجوہ سے زنا بڑھ رہا ہے اور ابھی اور زیادہ بڑھے گا۔ہم نے عرب ممالک کے بعض علاقوں میں دیکھا کہ بغیر شراب کوئی کھانا نہیں ہوتا،ہوٹل میں کھانا مانگو تو شراب ساتھ آتی ہے۔

[3] اس طرح کہ لڑکیاں زیادہ پیدا ہوں گی لڑکے کم،پھر مرد جنگوں وغیرہ میں زیادہ مارے جائیں گے اپنے بیوی بچے چھوڑ جائیں گے ان وجوہ سے عورتوں کی بہتات ہوگی۔

۴؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک خاوند کی پچاس بیویاں ہوں گی کہ یہ تو حرام ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک خاندان میں عورتیں بیٹیاں پچاس ہوں گی ماں، دادی، خالہ، پھوپھی وغیرہ اوران کا منتظم ایک مرد ہوگا۔ دوسری احادیث میں ہے کہ قریب قیامت سنگِ اسود اور مقام ابراہیم اٹھالیا جاوے گا، قیامت کے قریب دنیامیں اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت سے پہلے جھوٹے ہوں گے تم ان سے پرہیز کرنا ۱؎(مسلم)

۱؎ جھوٹوں سے مراد جھوٹی حدیثیں گڑھنے والے، یا جھوٹے مسئلے بیان کرنے والے، یا جھوٹے عقیدے ایجاد کرنے والے انہیں سلف صالحین کی طرف نسبت کرنے والے، یا جھوٹے دعویٰ نبوت کرنے والے ہیں۔ یہ لفظ بہت عام ہے جھوٹے علماء، جھوٹے محدثین، جھوٹے عقیدوں والوں سے بچنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے جھوٹے نبیوں سے بچنا لازم ہے جیسا کہ **فاحذروھم** سے معلوم ہوا۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضور گفتگو فرمارہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا عرض کیا قیامت کب ہے ۱؎ فرمایا جب امانت ضائع کردی جاوے تو قیامت کا انتظار کرو ۲؎ اس نے عرض کیا کہ ضائع ہونا کیسے ہوگا فرمایا جب کام نااہلوں کے سپرد کردیا جاوے تو قیامت کا انتظار کرو ۳؎(بخاری)

۱؎ قیامت کی تاریخ مہینہ دن بتایئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کلی بخشا اور یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم دیا گیا اس لیے تو آپ سے یہ سوال کرتے تھے، حضور انور نے بھی انہیں اس سوال پر کافر یا مشرک نہ کہا بلکہ قیامت کی علامات بیان فرمادیں اور علامتیں وہ بیان کرتا ہے جسے ہر شے کا پتہ ہو۔

۲؎ یہاں امانت سے مراد امامت حکومت سلطنت وغیرہ ہے جو رب تعالٰی کے امانتیں ہیں جو اس نے چندروز کے لیے بندوں کو سپرد فرمائی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ اس طرح کہ حکومت فاسقوں یا عورتوں کو ملے، قاضی فقیر جاہل لوگ بنیں اور بے وقوف لوگ بادشاہ بنیں۔ **توسید بنا ہے وسادۃ** سے اس کے معنی ہیں تکیہ کسی کے نیچے رکھنا یعنی نااہلوں کے سر تلے ان امانتوں کا تکیہ رکھ دیا جائے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت نہ آوے گی حتی کہ مال زیادہ ہوجاوے گا اور بہہ جاوے یہاں تک کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوۃ نکالنا چاہے تو کوئی ایسا نہ پائے گا ۱؎ جو اس سے وہ قبول کرے اور حتی کہ عرب کی زمین چراگاہ اور نہری ہوجاوے گی ۲؎(مسلم) انہیں کی ایک روایت میں فرمایا مکانات اہاب یا یہاب تک پہنچ جاویں ۳؎

۱؎ اس کی شرح گزر چکی یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔

۲؎ یہ پیشگوئی تو اب دیکھنے میں آرہی ہے، جدہ سے مکہ معظّمہ تک سبزہ باغات ہوگئے، عراق کے ریتلے میدان باغوں میں تبدیل ہوچکے۔

۳؎ اہاب یا یہاب مدینہ منورہ سے بہت دور ایک جگہ کا نام ہے یعنی مدینہ پاک کی آبادی بڑھتے بڑھتے وہاں تک ہو جاوے گی،اب مدینہ منورہ کی آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے،مسجد قبا تک پہنچ گئی ہے،پہاڑوں پر مکان بن گئے ہیں ہم نے خود دیکھے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال بانٹے گا اور اسے گنے گا نہیں ۱؎ اور ایک روایت میں ہے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور اسے گنے گا نہیں ۲؎ (مسلم)

۱؎ یہ بادشاہ غالبًا امام مہدی ہوں گے جو اور خوبیوں کے ساتھ نہایت ہی سخی ہوں گے۔

۲؎ اس روایت اور پہلی روایت میں فرق صرف چند لفظوں کا ہے مطلب ایک ہی ہے یعنی اس خلیفہ کے زمانہ میں فتوحات،غنیمتیں دوسرے مال بہت کثرت سے ہوں گے،بادشاہ نہایت سخی ہوگا اس لیے تقسیم کی کثرت کا یہ حال ہوگا کہ لوگوں کو بادشاہ مال دے گا اور گنے گا نہیں،بے گنتی دے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ لایعد کے معنی یہ ہیں کہ وہ بادشاہ کل کے لیے مال اٹھا کر نہ رکھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ فرات سونے کے خزانہ سے کھل جاوے ۱؎ تو جو وہاں حاضر ہو وہ اس میں سے کچھ نہ لے ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی فرات کا پانی خشک ہو جاوے گا اور اس کی تہہ میں سونا چاندی کا خزانہ ظاہر ہوگا۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۲؎ یعنی اس سونے چاندی سے دور بھاگے وہاں ٹھہرے بھی نہیں کیونکہ اس پر بڑی لڑائی اور عام قتل ہوگا،نیز اس خزانہ کے لینے سے عذاب الٰہی نازل ہوگا بلائیں آئیں گی،نیز یہ مال خزانہ قارونی کی طرح منحوس ہوگا اس سے نفع لینا حرام ہوگا۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ فرات سونے کے پہاڑ سے کھل جاوے گا ۱؎ اس پر لوگ آپس میں جنگ کریں گے تو ہر سو میں سے ننانوے آدمی قتل ہو جاویں گے ان میں سے ہر شخص یہ ہی کہے گا کہ شاید میں ہی وہ ہوں جو نجات پا جائے ۲؎ (مسلم)

۱؎ غالبًا یہاں بھی وہ ہی واقعہ ارشاد ہوا جس کا ذکر ابھی پہلے ہوا،عبارت مختلف ہے مقصد ایک ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ دوسرا واقعہ ہے،یہاں پہاڑ سے مراد بیشمار سونا ہے یعنی پہاڑ بھر سونا ظاہری پہاڑ مراد نہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ اس سونے پر سلطنتیں جنگ کریں گی عوام لڑیں گے۔غرضکہ سونا کیا ہوگا جنگ وجدال کی جڑ اور اللہ کا عذاب ہوگا،ہر شخص یہ ہی آس لگائے گا کہ شاید یہ سارا مجھے مل جائے چلو قسمت آزمائی کروں اور لوگوں سے لڑوں بھڑوں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے چاندی کے ستونوں کی شکل میں قے کردے گی ۱؎ تو قاتل آئے گا کہے گا کہ میں نے اس میں قتل کیا اور رشتے توڑنے والا آئے گا تو کہے گا کہ میں نے اس کے لیے اپنے رشتے توڑے اور

	چور آئے گا تو کہے گا کیا اس کی وجہ سے میرے ہاتھ کاٹے گئے ۲؎ پھر وہ لوگ یہ سب کچھ چھوڑ دیں گے تو اس میں سے کچھ نہ لیں گے ۳؎ (مسلم)

۱؎ افلاذ جمع ہے فلذۃ کی بمعنی ٹکڑا، جگر کے ٹکڑوں سے مراد ہے زمین کا خلاصہ۔اس سے مراد ہے سونے چاندی کے دفینے یا کانیں یا دیگر معدنیات یا زمین کی پیداوار گندم وغیرہ جس سے سونا چاندی حاصل ہو۔اس کی شرح وہ آیت ہے "وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَہَا"۔ممکن ہے کہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہو اور زمین سے سونے چاندی کی سلاخیں نمودار ہوں مگر پہلے معانی زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں۔ان معانی سے یہ پیش گوئی پوری ہوچکی،اب زمین سے پیداوار بے شمار ہو رہی ہے،ولایتی کھاد اور ٹیوب ویل کے پانی نے ویرانوں کو آباد زمین میں تبدیل کر دیا،ہر چیز کی پیداوار بہت بڑھ چکی ہے مگر آخری معنی کی تائید حدیث پاک کے آخری الفاظ سے ہو رہی ہے۔

۲؎ یعنی اس وقت سونا چاندی بہت حقیر ہو جائیں گے،ان کی بہتات انہیں معمولی چیز بنادے گی تب یہ مجرمین افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ افسوس اس حقیر چیز پر ہمارے اعضاء کاٹے گئے یہ وقت ابھی نہیں آیا ہے لیکن اگر دولت کی زیادتی ایسی ہی ہوتی رہے تو وہ وقت بھی قریب ہی ہے۔

۳؎ یعنی یہ ہی چور وغیرہ اس سونے چاندی کو ہاتھ نہ لگائیں گے،یہ وقت بھی ابھی نہیں آیا ابھی خوب دھڑا کے سے کہ چوری رشوت خوری ظلم و زیادتی ہو رہی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ دنیا نہ جائے گی حتی کہ ایک آدمی قبر پر گزرے گا تو وہ وہاں لوٹے گا اور کہے گا ہائے کاش اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا ۱؎ اور نہ ہوگا اس میں دین سواء بلا کے ۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی دنیا میں فتنے اور آفتیں بلائیں اس قدر ہوں گی کہ لوگ زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے اور قبر کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ اس قبر میں ہم دفن ہو چکے ہوتے۔

۲؎ یعنی اس لوٹنے والے تمنا کرنے والے میں دین کا شائبہ بھی نہ ہوگا اور وہ دین کی وجہ سے یہ آرزو نہ کرے گا بلکہ فتنوں میں مبتلا ہوگا،انہیں دنیاوی مصیبتوں کی وجہ سے یہ آرزو کرے گا،یا یہ مطلب ہے کہ زمین پر اس وقت دین نہ رہے گا فتنے ہی فتنے بلائیں ہی بلائیں ہوں گی،وہ زمانہ وہ ہوگا جب زمین دین سے خالی ہو جاوے گی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قائم ہوگی قیامت حتی کہ زمین حجاز سے ایک آگ اٹھے گی جو بصرے کے اونٹوں کی گردن چمکادے گی ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس آگ کے متعلق شارحین کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ اس آگ سے مراد فتنہ وجنگ تاتار کی آگ مراد ہے جس کا زیادہ زور بغداد میں رہا۔دوسرے یہ کہ اس آگ سے مراد واقعی آگ ہی ہے مگر وہ قریب قیامت نمودار ہوگی۔تیسرے یہ کہ آگ سے مراد آگ ہی ہے مگر یہ واقعہ ہو چکا کہ ماہ رجب تیسری تاریخ ۶۳۰ھ چھ سو تیس کو بیرون مدینہ منورہ ایک نہایت خطرناک آگ ایک بڑی شہر کی شکل میں نمودار ہوئی،باون ۵۲ دن رہی یہ آگ پتھروں کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی مگر درخت اس سے نہ جلتے تھے،ایک بڑا پتھر اس جنگل میں تھا جس کا نصف حصہ حرم شریف سے باہر تھا نصف حرم شریف کے اندر،اس آگ نے اس کا بیرونی حصہ جلا دیا مگر اندرون حصہ نہ جلا سکی،اس آگ کی گرمی مدینہ منورہ میں نہ پہنچی تھی وہاں

ٹھنڈی ہوا ہی چلتی تھی باہر سخت گرمی تھی،رات کو اس کی روشنی سورج کی طرح ہوتی تھی جس سے اہل مدینہ اپنے کام کاج کرتے تھے مکہ معظّمہ میں اس کی روشنی دیکھی گئی،یمامہ اور بصرہ میں اس آگ کی روشنی دیکھی گئی،اہل مدینہ نے تنگ آکر روضہ مطہرہ پر دعا کی تو وہ آگ جانب شمال چلی گئی اور مدینہ منورہ محفوظ رہا۔(مرقات،اشعہ)بہر حال قوی تر یہ ہی ہے کہ یہ واقعہ ہوچکا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قیامت کی علامت ہے مگر ہوچکی یوں ہی یہ آگ علامت قیامت ہے مگر واقعہ ہوچکی،یہ علامت صغریٰ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کردے گی ۱(بخاری)

۱؎ یہاں آگ سے مراد دوسری اور آگ ہے جو قریب قیامت نکلے گی۔پچھلی حدیث میں جس آگ کا ذکر تھا وہ گزر چکی اس نے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالا نہیں یہ آگ نکالے گی۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس آگ سے مراد کوئی جنگ عظیم مراد ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں سے بھاگ جائیں گے مگر یہ درست نہیں۔پہلی توجیہ قوی ہے بلاوجہ کسی لفظ کے حقیقی معنی نہیں چھوڑنے چاہئیں۔اول کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی بڑی علامات میں پہلی علامت یہ ہوگی،باقی علامات اس کے بعد نمودار ہوں گی گویا یہ آگ اگلی علامات کا پیش خیمہ ہوگی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ زمانہ جلد گزرنے لگے گا ۱؎ تو ایک سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور دن ایک گھڑی کی طرح ہوگا اور گھڑی آگ سلگانے کی طرح ۲؎(ترمذی)

۱؎ یا اس طرح جلد گزرے گا کہ زمانہ اور وقت میں برکت نہ رہے گی،انسان ایک کام بھی نہ کرسکے گا کہ دن ختم ہوجاوے گا یا اس طرح کہ لوگ مصیبتوں آفتوں میں ایسے مبتلا ہوجائیں گے کہ انہیں وقت محسوس نہ ہوگا۔مصیبت کا زمانہ اگر احساس کیا جاوے تو دراز محسوس ہوتا ہے،اگر احساس ہی نہ رہے ہوش اڑ جاوے تو وقت محسوس نہیں ہوتا یا اس زمانہ میں لوگوں میں عیش و آرام بہت زیادہ ہوگا اور عیش و آرام کا زمانہ محسوس نہیں ہوتا

۔

۲؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی۔ضرمۃ ض کے فتحہ سے ر کے کسرہ سے بمعنی آگ سلگانا جو جلانے سے پہلے ہوتا ہے یہ فرمان عالی بطور مثال سمجھانے کے لیے لہذا حدیث واضح ہے۔یہاں ساعت سے مراد پل یا سیکنڈ یا گھڑی نہیں بلکہ کم از کم ایک گھنٹہ مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حوالہ سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم کو جہاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل بھیجا ۲؎ تو ہم واپس ہوئے کہ ہم نے کوئی غنیمت حاصل نہ کی ۳؎ اور حضور نے ہمارے چہروں میں مشقت محسوس کی ۴؎ تو ہم میں کھڑے ہوئے پھر فرمایا الٰہی انہیں میرے

حوالہ نہ کر کہ میں ان سے دور ہو جاؤں گا۵ اور انہیں ان کے نفسوں کے حوالہ نہ کر یہ ان سے عاجز ہو جائیں گے۶ اور نہ انہیں لوگوں کے سپرد کر ورنہ وہ ان پر دوسروں کو ترجیح دیں گے۷ پھر حضور نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا پھر فرمایا اے ابن حوالہ جب تم دیکھو کہ خلافت زمین مقدس میں اتر گئی۸ تو زلزلے اور رنج و غم اور بڑے بڑے کام قریب ہو جائیں گے۹ اور اس دن قیامت زیادہ قریب ہو گی بمقابلہ میرے اس ہاتھ کے تمہارے سر سے۱۰	

۱ حوالہ ح اور واؤ کے فتح سے،آپ عبداللہ ابن حوالہ صحابی ہیں،قبیلہ بنی ازد سے ہیں،شام میں قیام رہا،آپ سے صرف تین حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔(اشعہ)

۲ یعنی ہم کو جہاد کے لیے پیدل بھیجا کیونکہ اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں بہت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا۔یہ سریہ تھا جس میں حضور خود تشریف نہ لے گئے تھے۔

۳ یعنی ہم لوگ نہ تو شہید و زخمی ہوئے نہ دشمن پر فتح حاصل کرسکے،امن وامان سے واپس لوٹے مگر کامیاب نہ لوٹے۔

۴ یہاں جہد سے مراد بھوک،سفر کی تکالیف اور ساتھ میں ناکام ہونے کی ندامت و شرمندگی سب ہی مراد ہیں۔اگر انسان کامیاب لوٹے تو سفر و بھوک کی مشقتیں بھول جاتا ہے،ناکام لوٹے تو مشقتیں دوگنا ہو جاتی ہیں۔

۵ یعنی اگر تو انہیں مجھ پر چھوڑ دے اور تو میری مدد نہ کرے بالکل میرے سپرد کردے تو میں انہیں تو کیا اپنے کو بھی نہیں سنبھال سکتا کیونکہ **الانسان خلق ضعیفا**،میں بندہ ضعیف ہوں اور اگر تو میری مدد کرے پھر انہیں میرے سپرد کردے تو یہ تو کیا تیری مدد سے دونوں عالم کو سنبھال لوں گا۔یوسف علیہ السلام نے قحط کے زمانہ میں رب تعالٰی کی مدد سے تمام جہان کو پال لیا،حضور فرماتے ہیں **اللہ المعطی وانا القاسم**۔قیامت میں سب کی شفاعت حضور کریں گے آج حضور سب کے سلام عرض معروض سن رہے ہیں ہم جیسے کروڑوں حضور کے نام پر پل رہے ہیں مگر یہ سب کچھ اللہ تعالٰی کی مدد سے ہے لہذا یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محض مجبوری کی نہیں۔مشین اگر پاور کے تار سے جڑ جاوے تو سب کچھ ہے اس سے الگ ہو کر کچھ نہیں۔

۶ دیکھو آج غیر مقلد آئمہ دین کو،رافضی خلفاء راشدین بلکہ تمام صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں،دیوبندی تمام سلف صالحین کو مشرک و کافر بتاتے ہیں۔اس فرمان عالی کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے"**قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ**"آیت میں الا ماشاءاللہ نے مسئلہ واضح کردیا۔

۷ ہمارے اعمال کا بھی یہ ہی حال ہے رب کرم کرے تو ہم نیک اعمال کریں گے،اگر وہ ہم کو چھوڑ دے تو ہم بداعمالیوں بد عقیدگیوں کے گڑھے میں گر جائیں۔ڈھیلہ اوپر جائے گا دوسرے کے پھینکنے سے نیچے گرے گا اپنی طاقت سے۔

۸ اس طرح کہ ان کا حق مار کر اپنے آپ لیں گے یا دوسرے نااہلوں کو دیں گے انہیں محروم کردیں گے۔

۹ یعنی جب بیت المقدس کو مسلمان فتح کرلیں گے اور اسے دار الخلافہ بنالیں گے کہ بادشاہ اسلام وہاں ہی رہے ہیں یہ قریب قیامت ہو گا،اب تک بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہا مگر دارالخلافہ عمان رہا،اب اس پر یہود نے قبضہ کرلیا ہے ان شاءاللہ عنقریب مسلمان فتح کریں گے۔

۱۰؎ بلابل جمع ہے بلبلة کی بمعنی رنج و غم اور وسوسے یعنی اس زمانہ سے ان کو چین نہ رہے گا۔بڑے کاموں سے مراد ہیں قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ جب غنیمت کو اپنی دولت ۱؎ اور امانت کو غنیمت اور زکوۃ کو ٹیکس بنالیا جاوے ۲؎ اور غیر دین کے لیے علم حاصل کیا جاوے ۳؎ اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت ماں کی نافرمانی کرے اور اپنے دوست کو قریب باپ کو دور کرے ۴؎ اور مسجدوں میں آوازیں اونچی ہوں ۵؎ اور قبیلہ کا بدکار قوم کی سرداری کرے اور قوم کا ذمہ دار ان کا کمینہ ہو اور آدمی کی تعظیم کی جاوے اس کی شرارت کے خوف سے ۶؎ اور رنڈیاں باجے ظاہر ہو جاویں اور شرابیں پی جاویں ۷؎ اور اس کے پچھلے اگلوں پر لعنت کریں اس وقت تم سرخ ہوا،زلزلہ،دھنسنا اور صورتیں بدلنا پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو لگاتار ہوں گی جیسے ہار جس کا دھاگہ توڑ دیا جاوے تو لگاتار کرکے ۸؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی اس زمانہ سے متصل ہی قیامت ہوگی۔اس جگہ مشکوۃ شریف میں خالی جگہ چھوڑی ہے یعنی صاحب مشکوۃ کو اس حدیث کا مخرج وماخذ معلوم نہیں ہوا مگر یہ حدیث ابوداؤد اور حاکم نے روایت فرمائی۔اسلام میں جہاد میں مال غنیمت غازیوں میں تقسیم ہوتا ہے گویا غنیمت غازیوں کا حصہ ہوتا ہے مگر قریب قیامت غنیمت کو مالدار آپس میں تقسیم کرلیا کریں گے،غریب غازیوں کو اس سے محروم کردیا کریں گے اسے اپنی دولت سمجھیں گے۔

۲؎ یعنی لوگ امانت کا مال اس طرح ہضم کر جاویں جیسے مال غنیمت اور لوگ زکوۃ دیں تو مگر عبادت سمجھ کر نہیں بلکہ ٹیکس سمجھ کر بے دلی بلکہ بددلی سے۔

۳؎ یعنی مسلمان دینی علم نہ پڑھیں دنیاوی علوم پڑھیں یا دینی طلباء دینی علم پڑھیں مگر تبلیغ دین کے لیے نہیں بلکہ دنیا کمانے کے لیے جیسے آج مولوی عالم مولوی فاضل کے کورس میں فقہ تفسیر وحدیث کی ایک آدھ کتاب داخل ہے تو امتحان دینے والے یہ کتابیں پڑھ تو لیتے ہیں مگر صرف امتحان میں پاس ہوکر نوکری حاصل کرنے کے لیے،بعض طلباء صرف وعظ گوئی کے لیے دینی کتابیں پڑھتے ہیں۔

۴؎ یعنی بیوی کے کہنے میں آکر ماں سے دور رہے،اس کی نافرمانی کرے نیک باپ سے نفرت اور فاسق دوستوں سے محبت کرے۔غرضکہ بیوی اور دوستوں کی محبت میں ماں باپ کو ستائے یہ بات آج عام ہورہی ہے۔

۵؎ یعنی مسجدوں میں دنیاوی باتوں کا شور،لڑائیاں جھگڑے ہونے لگیں،نعت خوانی،ذکر اللّٰہ کی مجلسیں،میلاد شریف ذکر کے حلقے تو حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں بھی مسجدوں میں ہوتے تھے بعد نماز بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا،مسجد حرام میں بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے طواف ہوتا تھا،حضرت حسان مسجد نبوی میں حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی نعت پڑھتے تھے،حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے مسجد میں اپنا میلاد خود ارشاد فرمایا ہے،لوگ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے وعظ پر مسجد میں نعرہ تکبیر لگاتے تھے لہذا یہ آوازیں یہاں مراد نہیں۔

۶؎ یہ تینوں باتیں آج دیکھی جارہی ہیں فاسق و فاجر سردار ہیں،شریر لوگوں سے لوگ ڈرتے ہیں،ان کے سامنے حق بات نہیں کہہ سکتے۔

۷؎ ان چیزوں کا رواج توآنکھوں دیکھا جارہا ہے۔عرب کے عام علاقوں میں شراب کھانے کا جز بن چکی ہے،ریڈیو کے ذریعہ ہر گھر رنڈی خانہ بنا ہوا ہے ہر درو دیوار سے گانے کی آوازیں آرہی ہیں،یہ کل سولہ چیزیں ہوئیں۔

۸؎ یعنی جب مسلمانوں میں مذکورہ سولہ عیوب جمع ہوجائیں توان پر یہ مذکورہ پانچ دنیاوی عذاب یکے بعد دیگرے ایسے مسلسل آئیں گے جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جانے پراس کے دانے مسلسل اوپر تلے گرتے ہیں۔خیال رہے کہ مسلمانوں میں چودہ عیوب پیدا ہوچکے ہیں جن میں سے بعض عیب وہ ہیں جو سواء مسلمانوں کے کسی قوم میں نہیں جیسے مسجد میں دنیاوی باتیں کرکے شور مچانا،یابزرگوں اور سلف صالحین کو کافر و مشرک کہنا انہیں گالیاں دینا،عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خچر کے کھر کے نعل کا بڑا ہی ادب واحترام کرتے ہیں مگر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو خود ہی مٹاتے ہیں،ساری قومیں اپنے بزرگوں کے دوستوں بیویوں کا بڑا احترام کرتی ہیں حتی کہ ہندو ہنومان کا ادب کرتے ہیں جو رام چندر کا ساتھی تھا،مصیبت کا مددگار تھا مگر مسلمان وہ قوم ہے جو اپنے نبی کی بیویوں دوستوں پر تبرا کرنا عبادت جانتی ہے۔ابن عساکر نے حضرت جابر سے مرفوعًا روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر عمر کی محبت ایمان ہے ان سے بغض کفر ہے،جو میرے صحابہ کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو ان کی عزت کی حفاظت کرے میں اس کی حفاظت کروں گا۔(مرقات)اور اب مذکورہ عذاب آنے شروع ہوگئے ہیں ہر جگہ مسلمان زمینی اور آسمانی مصیبتوں میں گرفتار ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جب میری امت پندرہ خصلتیں اختیار کرے ۱؎ تو ان پر بلا نازل ہوگی اور یہ مذکورہ خصلتیں گنوائیں اور نہیں ذکر کیا کہ علم سیکھا جاوے غیر دین کے لیے ۲؎ فرمایا کہ اپنے دوست سے سلوک اپنے باپ پر ظلم کرے فرمایا اور شراب پی جاوے اور ریشم پہنا جاوے ۳؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی وہ ہی عیوب جو ابھی مذکور ہوئے غنیمت کو دولت بنانے سے لے کر شراب پینے کے ذکر تک۔

۲؎ یہ قول صاحب مصابیح کا ہے،چونکہ مذکورہ حدیث میں سولہ عیوب کا ذکر ہے اور آپ فرمارہے ہیں پندرہ اس لیے فرمایا کہ حضرت علی نے ایک عیب کا ذکر نہ فرمایا یعنی علم دین سیکھنا دنیا کے لیے۔

۳؎ یعنی اس روایت کے بعض الفاظ پہلی حدیث کے کچھ خلاف ہیں مگر معنی مطلب ایک ہی ہے وہاں تھا **ادنی** یہاں ہے **بر**،وہاں تھا **اقصیٰ** یہاں ہے **جفا**،وہاں تھا **الخمور** یہاں ہے **الخمر**،وہاں ریشم پہننے کا ذکر نہ تھا یہاں ہے مگر یہاں لعنت کا ذکر نہیں اس کی بجائے ریشم پہننے کا ذکر ہے اور بجائے تعلیم دین کے یہ ہو تو اس میں بھی سولہ عیوب کا ذکر ہوجاوے گا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا ختم نہ ہوگی حتی کہ عرب کا بادشاہ ایک شخص بنے ۱؎ میرے گھر والوں میں سے جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)اس کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہا ہوتا تو اللہ اس دن کو دراز فرمادیتا ۳؎ حتی کہ اس دن میں ایک شخص بھیجتا جو مجھ سے یا میرے گھر والوں سے ہے اس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے	

	موافق ہو گا ۴ وہ آسمان و زمین کو انصاف و عدل سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و زیادتیوں سے بھری تھی ۵

۱؎ یہ صاحب یعنی امام مہدی ساری دنیا یعنی عرب و عجم کے بادشاہ ہوں گے جیسا کہ اگلی حدیثوں میں آرہا ہے، مگر چونکہ ہر مسلمان دراصل عربی ہے کہ مسلمانوں کے جسم عجمی ہوسکتے ہیں مگر روح سب کی عربی ہے اس لیے العرب فرمایا ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر

جسم ہندی ہے میرا جان ہے میری مدنی — یاخدا دور ہو کس طرح یہ بعد بدنی

یا یہ مطلب ہے کہ اہل عرب ان کا مقابلہ نہ کریں گے عجمی لوگ اولًا کچھ مخالفت کریں گے پھر سب ان کی اطاعت کرلیں گے، یا عرب فرمایا اور عرب و عجم دونوں مراد لیے جیسے "تَقِيْكُمُ الْحَرَّ" فرمایا مگر مراد گرمی سردی دونوں ہیں، ایسے ہی یہاں۔ (مرقات)

۲؎ ان کا نام محمد ہوگا، لقب مہدی۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے جو اس شکل میں تشریف لائیں گے، یہ عقیدہ کفر ہے۔ یہاں صاف ارشاد ہے کہ وہ میرے اہل بیت یعنی اولاد فاطمہ زہرا سے ہوں گے ہاں حسنی سید ہوں گے۔

۳؎ یہ بطور مثال ارشاد فرمایا گیا یعنی امام مہدی کی تشریف آوری کا فیصلہ ہوچکا ہے وہ یقینًا دنیا میں آئیں گے۔ فرض کرلو کہ اگر دنیا کی زندگی ختم ہوچکی ہوتی صرف ایک دن باقی رہ گیا ہوتا تب بھی وہ ضرور تشریف لاتے کہ وہ دن ہی دراز ہوجاتا۔

۴؎ یعنی ان کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا۔ اس حدیث سے ان روافض کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ امام مہدی پیدا ہوچکے ہیں، ان کا نام محمد ابن حسن عسکری ہے یہ غلط ہے وہ پیدا ہوں گے اور محمد ابن عبداللہ نام ہوگا۔

۵؎ یعنی ان سے پہلے دنیا میں بہت ظلم و ستم پھیل چکا ہوگا، آپ عدل و انصاف کریں گے۔ قسط سے مراد ہر حق والے کو اس کا حق دے دینا اور عدل سے مراد شریعت کے احکام جاری کرنا۔ (مرقات)

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مہدی میری اولاد سے اولاد فاطمہ سے ہے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ عترت کے معنی ہیں اہل قرابت عزیز اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج پاک سب ہی داخل ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ سارے قریشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت ہیں۔ واللہ اعلم! اولاد فاطمہ کہہ کر یہ فرمایا کہ یہاں عترت سے مراد اولاد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مہدی سید ہوں گے، مرزا قادیانی مرزا ہو کر امام مہدی بنتا ہے تعجب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہدی مجھ سے ہیں ۱؎ چوڑی پیشانی والے، اونچی ناک والے ۲؎ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی تھی سات سال سلطنت کریں گے ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی میری امت میری جماعت بلکہ میری اولاد سے ہیں یا مجھ سے بہت قرب رکھنے والے ہیں جیسے فرمایا گیا کہ حسین مجھ سے ہیں میں حسین سے یعنی میں ان سے قریب وہ مجھ سے قریب۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل بھی ہوں گے حضور کی جیتی جاگتی تصویر کہ یہ دونوں صفتیں حضور انور کی ہیں چوڑی پیشانی،اونچی ناک شریف،کشادہ پیشانی اونچی بینی انتہائی حسن ہے پتلی اونچی لمبی ناک سبحان اللہ!

۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت امام مہدی سلطان ہوں گے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام وزیر اعظم یا وزیر دفاع کیونکہ امام مہدی کو بادشاہ فرمایا گیا۔جن روایات میں ہے کہ آٹھ سال سلطنت کریں گے وہاں تقریبی آٹھ سال مراد ہیں یعنی سات سال چند ماہ،نیز آٹھ یا نو سال کی روایات مشکوک ہیں سات سال کی روایت یقینی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی امام مہدی کے قصے کے بارے میں فرمایا پھر آئے گا ان کے پاس ایک شخص کہے گا اے مہدی مجھے دیجئے مجھے دیجئے فرمایا آپ اس کے کپڑے میں لپ بھر کے ڈالتے رہیں گے جس قدر اٹھانے کی وہ طاقت رکھے ۱؎(ترمذی)

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی جیسے صورت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ ہوں گے ویسے ہی سیرت واخلاق میں بھی،ان کی طبیعت میں جو سخاوت رحم وکرم انتہائی ہوگا گھڑی بھر بھر دینا جو منگتے سے اٹھ نہ سکے حضور انور کی ہی سخاوت ہے حضور انور نے حضرت عباس کو اتنا دیا کہ گٹھڑی ان سے اٹھ نہ سکی۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ ایک خلیفہ کے وفات وقت اختلاف ہوگا ۱؎ تو ایک شخص اہل مدینہ سے مکہ معظّمہ کی طرف بھاگتے ہوئے نکلے گا ۲؎ تو مکہ والوں میں سے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اسے باہر لائیں گے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتا ہوگا ۳؎ یہ لوگ اس سے مقام ابراہیم اور سنگ اسود کے درمیان بیعت کریں گے ۴؎ اور ان کی طرف شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا اسے مکہ ومدینہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسادیا جاوے گا ۵؎ جب لوگ یہ دیکھیں گے تو ان کے پاس شام کے ابدال اور عراق والوں کی جماعتیں آئیں گی تو اس سے بیعت کرلیں گے ۶؎ پھر قریش کا ایک شخص نکلے گا جس کے ماموں بنو کلب ہوں گے وہ ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا وہ ان پر غالب آئیں گے ۷؎ یہ بنی کلب کا لشکر ہوگا وہ لوگوں میں ان کے نبی کی سنت پر عمل کرے گا ۸؎ اور اسلام زمین میں اپنی گردن بچھادے گا ۹؎ پھر وہ سات سال قیام کریں گے پھر وفات پاجائیں گے اور ان پر مسلمان نماز پڑھیں گے ۱۰؎(ابوداؤد)

۱؎ اس خلیفہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا مگر یہ آخری خلیفہ ہوگا جس کے بعد امام مہدی خلیفہ ہوں گے پارلیمنٹ کے ممبروں میں اختلاف ہوگا کہ کسے خلیفہ چنیں۔

۲؎ یعنی جس شہر میں اس خلیفہ کا انتقال ہوگا اور جہاں دوسرے خلیفہ کا چناؤ ہونے والا ہو گا وہاں ہی یہ صاحب رہتے ہوں گے، وہ اس خوف سے سب سے نکل جاویں گے کہ لوگ انہیں ہی خلیفہ نہ چن لیں سلطنت سے نفرت کرتے ہوئے نکلیں گے۔ جو حکومت سے متنفر ہو اس کا حاکم بننا مبارک ہوتا ہے اور جو حکومت کا طالب ہو اس کا حاکم بننا فساد کا باعث ہے۔ یہاں مدینہ منورہ سے مراد یا مدینہ منورہ ہے یا وہ شہر جہاں خلیفہ کا چناؤ ہورہا ہو گا مگر خیال رہے کہ وہ خلیفہ مدینہ منورہ میں نہیں ہوگا جس کا انتقال ہوا ہو گا۔ خلافت عثمان کے بعد ہی مدینہ منورہ سے خلافت منتقل ہو چکی حضرت امیر معاویہ کی یہ پیشگوئی درست ہوئی کہ مدینہ میں خلیفہ کا قتل ہوا اب مدینہ سے خلافت منتقل ہو گئی۔ چنانچہ اب تک کوئی خلیفہ مدینہ منورہ میں نہیں رہا نہ آئندہ رہنے کی امید ہے۔

۳؎ یعنی وہ مکہ مکرمہ میں کسی گھر میں تشریف فرما ہوں گے لوگوں سے چھپے ہوئے مگر لوگ یعنی مکہ والے ان کے دروازے پر پہنچ کر انہیں تقاضا کر کے باہر لائیں گے اور ان کے ہاتھ شریف پہ جبرًا بیعت کریں گے اور انہیں اپنا خلیفہ مان لیں گے۔

۴؎ غالبًا یہ بیعت کعبہ معظّمہ کے حطیم شریف میں واقع ہوگی کہ حطیم شریف سنگ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آ جاتی ہے۔ (مرقات)

۵؎ یعنی اس شام کا بادشاہ کوئی کافر ہوگا، جب اسے ان کی خلافت کا پتہ لگے گا تو وہ ان سے جنگ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر بھیجے گا، اس لشکر کا نام لشکر سفیانی ہوگا کہ یہ لوگ خالد ابن یزید ابن ابی سفیان کے اولاد سے ہوں گے یہ شخص یعنی خالد دراز سر چیچک رو سفید آنکھ والا تھا، یہ لشکر ایک چٹیل میدان میں زمین میں غرق ہو جاوے گا۔ یہ میدان حرمین طیبین کے درمیان ہے، یہ وہ میدان نہیں جو ذوالحلیفہ کے سامنے مدینہ منورہ میں ہے۔ (مرقات) اس لشکر میں صرف ایک شخص بچے گا جو ان کی ہلاکت کی خبر لوگوں تک پہنچائے گا۔

۶؎ یعنی حضرت امام مہدی کی یہ کرامت جب لوگوں میں مشہور ہو گی تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے بیعت کریں گی۔ ابدال اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے جن کی تعداد ستر ۷۰ ہے چالیس شام میں اور تیس دوسرے مقامات میں رہتے ہیں، جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو عام مسلمانوں میں سے کسی کو اس کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے اس لیے انہیں ابدال کہتے ہیں۔ حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ جس میں رضا بالقضاء، بری باتوں سے زبان روکنا، اللہ کے لیے غصہ کرنا پایا جاوے وہ ان شاء اللہ ابدال میں داخل ہوگا، امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ جو شخص روزانہ تین بار یہ دعا پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ ابدال میں سے ہوگا۔ **اللھم اغفر لامۃ محمد، اللھم ارحم امۃ محمد، اللھم تجاوز عن امۃ محمد۔** عراق سے بھی اولیاء اللہ کی جماعت آ کر امام مہدی سے بیعت کرے گی۔ (اشعہ)

۷؎ یعنی یہ خبیث انسان اپنے ماموں نبی کلب کی مدد لے کر جناب امام مہدی کے مقابلہ میں لشکر بھیجے گا تو امام مہدی کے لشکر والے اس لشکر پر فتح پائیں گے۔ یہ لوگ شکست فاش پائیں گے۔

۸؎ یعنی امام مہدی لوگوں میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیلائیں گے، ان سے سنت پر عمل کرائیں گے دنیا میں بڑی برکات ہوں گی۔

۹؎ جران جیم کے کسرہ ر کے فتحہ سے اونٹ کی گردن، جب اونٹ اطمینان سے زمین پر بیٹھتا ہے تو اپنی گردن بچھا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں جنگ جدال وغیرہ بند ہو جاویں گے، لوگوں کو امن نصیب ہوگا، اسلام کی بہت اشاعت ہو گی، استقامت اسلام کو سمجھانے کے لیے یہ فرمایا گیا۔

۱۰؎ یعنی امام مہدی خلیفہ بننے کے بعد سات سال خلافت کریں گے پھر آپ کی وفات ہو گی یہ پتہ نہیں چلا کہ وفات کہاں ہو گی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حسن عسکری کے بیٹے محمد امام مہدی ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور غائب ہو گئے ہیں قریب قیامت ظاہر ہوں گے، یہ عقیدہ محض باطل ہے۔ خیال رہے کہ صوفیاء کی اصطلاح میں اولیاء اللہ کے طبقات و تعداد مختلف ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ دنیا میں ایک قطب ہو گا اور چار اوتاد، چالیس یا ستر ابدال، تین سو یا پانچ سو نقیب، بعض کے نزدیک پانچ امناء یا نجباء بھی ہیں، ان کے کام و نام کتب صوفیاء میں ملاحظہ کرو۔ زمانہ تابعین میں اویس قرنی قطب الوقت تھے، پھر

حضور شیخ عبدالقادر جیلانی بالاتفاق قطب ہیں۔(مرقات)ان حضرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔اس کی بحث آخر کتاب میں آوے گی ان شاءاللہ تعالٰی،غوث اعظم قطب عالم غالبًا ایک ہی ولی کا نام ہے،اللہ تعالٰی کے فیوض باطنی قطب عالم پر نازل ہوتے ہیں پھر قطب عالم کی طرف سے عالم میں بقدر ظرف تقسیم ہوتے ہیں،چاروں سمتوں میں رہتے ہیں مشرق،مغرب،جنوب،شمال،یہ حضرات قطب سے فیض لے کر اپنے علاقے میں تقسیم کرتے ہیں۔(مرقات)خیال رہے کہ یہ فیوض باطنی کا حال ہے مسائل فقیہہ صوفیاء کے کشف سے ثابت نہیں ہوتے اگرچہ وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نقل فرمادیں کیونکہ شریعت کے دلائل کتاب وسنت ہیں نہ کہ صرف کشف۔(مرقات)ہاں کشف سے فقہی مسئلہ کی تائید ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلا کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پہنچے گی حتی کہ آدمی جائے پناہ نہ پائے گا جہاں ظلم سے پناہ لے تو اللہ تعالٰی میری اولاد اور میرے گھر والوں سے ایک شخص کو بھیجے گا کہ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی اس سے آسمان وزمین کے رہنے والے راضی ہوں گے ۱؎ آسمان اپنا کوئی قطرہ نہ چھوڑے گا مگر وہ برسا دے گا بہتا ہوا ۲؎ اور زمین اپنی کوئی سبزی نہ چھوڑے گی مگر اگادے گی ۳؎ حتی کہ زندہ لوگ مردوں کی تمنا کریں گے ۴؎ وہ اسی حالت میں سات سال یا آٹھ سال یا نو سال زندہ رہیں گے ۵؎

۱؎ یعنی امام مہدی سے دنیا کے لوگ آسمانوں کے فرشتے خوش ہوں گے کیونکہ وہ سلطان عادل بھی ہوں گے ولی کامل بھی،سلطان عادل سے زمین والے خوش رہتے ہیں اور ولی کامل سے آسمان والے راضی لہذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے۔

۲؎ یعنی بوقت ضرورت بارش ہوگی اور پوری ہوگی نہ کم کہ پیداوار کم ہو،نہ زیادہ کہ کھیت تباہ ہوجاوے۔اس فرمان عالی کا یہ مطلب ہے یعنی ضرورت والی بارش پوری آئے گی،یہ مطلب نہیں کہ جتنا پانی سمندروں میں ہے سب ہی برس جاوے گا کہ پھر تو دنیا تباہ ہوجاوے۔

۳؎ یعنی جس قدر پیداوار ہوسکتی ہیں وہ ہوگی اور جس قسم کی چیزیں زمین سے پیدا ہوسکتی ہیں وہ سب پیدا ہوجائیں گی ہر قسم کے دانہ پھل نہایت کثرت سے ہوں گے۔اللہ تعالٰی اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے گا،جب بادشاہ اچھا ہو تو اللہ تعالٰی کی رحمت بہت ہوتی ہے۔

۴؎ یعنی زندہ لوگ آرزو کریں گے کہ ہمارے مردے آج زندہ ہوتے تو وہ بھی آج کی برکتیں رحمتیں دیکھتے اور ان سے فائدے اٹھاتے۔

۵؎ یہ شک راوی کو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال فرمائے یا آٹھ سال یا نو سال مگر گزشتہ حدیث سے ثابت ہوا کہ سات سال کی روایت قوی ہے۔یہاں مشکوۃ شریف نے سفید جگہ چھوڑی ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس حدیث کا مخرج صاحب مشکوۃ کو نہ ملا مگر اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا جسے حارث کہا جائے گا ۱؎ کسان ہوگا ۲؎ اس کے لشکر کے اگلے حصہ پر ایک شخص ہوگا جسے منصور کہا جاوے گا ۳؎ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو ایسی ہی جگہ دے گا جیسے

	قریش نے اللہ کے رسول کو جگہ دی تھی ۴؎ ہر مسلمان پر اس کی مدد ضروری ہے یا فرمایا اس کی بات قبول کرنا ضروری ہے ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ وراء النہر ایک علاقہ کا نام ہے جس میں بہت سے شہر ہیں جیسے بخارا اور سمرقند وغیرہ۔

۲؎ یعنی اس کا نام حارث ہوگا لقب حراث کیونکہ وہ کھیتی باڑی کرتا ہوگا۔

۳؎ منصور یا تو اس کا نام ہوگا یا اس کا لقب غالبًا یہ صاحب حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔(مرقات)

۴؎ یہاں قریش سے مراد ابوطالب حمزہ اور دوسرے وہ قریش حضرات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے خدمت و حفاظت کرتے رہے اگرچہ اہل سنت کے نزدیک ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں، بعض نے فرمایا کہ آل محمد سے مراد حضرت امام مہدی اور ان کے متبعین ہیں یعنی حارث یا منصور امام مہدی کے بڑے معاون اور مددگار ہوں گے۔

۵؎ یعنی ہر مسلمان پر حارث یا منصور کی مدد کرنا ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت نہ آئے گی حتی کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے ۱؎ اور حتی کہ آدمی سے اس کے کوزے کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ باتیں کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب خبر دے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے پیچھے کیا ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی ہر قسم کے درندے خواہ چرندے ہوں جیسے شیر بھیڑیا وغیرہ یا پرندے جیسے باز شکرہ وغیرہ ہر قسم کے انسان سے باتیں کریں گے اس انسان کی زبان میں جو اس کی مادری ہو۔ حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ مؤمن و کافر ہر انسان سے کلام کریں گے، اولیاء اللہ سے تو آج بھی کلام کرتے ہیں بلکہ ان سے شجر و حجر کلام کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

نطق آب و نطق خاک و گل — ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی گو منکر حنانہ است — از حواس اولیاء بیگانہ است

۲؎ یعنی ایسی مشینیں ایجاد ہو جاویں گی جو انسانوں کے کلام بلکہ کام کو کیچ کرلیا کریں گی وہ مشینیں دیواروں، جوتوں، کواڑوں میں فٹ ہوں گی اور اسے ہر بات بتائیں گی۔ موجودہ سائنس نے ان چیزوں کو ممکن بلکہ قریب الوقوع بنا دیا، در و دیواروں سے تو اب بھی آوازیں آرہی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑی نشانیاں دو سو برس کے بعد ہیں ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی بڑی علامات قیامت یا ان علامات کا لگاتار ظہور آج سے دو سو برس بعد شروع ہوگا یا ہجرت سے یا ہماری وفات سے سنہ ایک ہزار ہجری سے دو سو برس بعد شروع ہوگا اس بعدیت میں بڑی گنجائش ہے اگر دو ہزار برس بعد بھی ہو تب ان دو سو کے بعد ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب تم کالے جھنڈے دیکھو ۱؎ کہ خراسان کی طرف آرہے ہیں ۲؎ تو تم وہاں جانا کیونکہ اس میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے ۳؎(احمد، بیہقی دلائل النبوۃ)	

۱؎ اس میں خطاب حضرات صحابہ سے نہیں بلکہ عام مسلمانوں سے ہے کیونکہ یہ واقعہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں نہیں بلکہ قریب قیامت ہے اگرچہ اس وقت خضر علیہ السلام موجود ہوں گے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہیں، نیز بعض جنات صحابہ ہوں گے مگر وہ زمانہ صحابہ کرام کا زمانہ نہیں ہوگا لہذا خطاب عام ہے۔

۲؎ یعنی اسلام کا عظیم الشان اور جرار لشکر جو بہت سے جھنڈوں کے تلے ہوگا۔غالبًا یہ لشکر جرار حارث اور منصور کا ہوگا جن کا ذکر پہلے ہوچکا۔

۳؎ یعنی اس لشکر میں امام مہدی بذات خود سپاہیانہ شان سے ہوں گے۔آپ اس وقت خلیفہ نہ بنے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ اس لشکر پر امام مہدی کا ہاتھ ہوگا ان کی نصرت ہوگی لہذا یہ حدیث اس فرمان عالی کے خلاف نہیں کہ حضرات امام مہدی کا ظہور حرمین شریفین کے درمیان ہوگا کہ وہ وقت آپ کی خلافت کے ظہور کا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیاہ رنگ ماتمی نہیں جو کہ روافض کا خیال ہے، فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا عمامہ سیاہ تھا،ان جھنڈوں کا رنگ سیاہ ہی ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابواسحاق سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا حضرت علی نے اور اپنے بیٹے حسن کو دیکھا کہ یہ میرا یہ بیٹا سید ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سید فرمایا ۲؎ اس کی پشت سے ایک شخص نکلے گا ۳؎ جو تمہارے نبی کے نام سے موسوم ہوگا،عادت میں ان کے مشابہ ہوگا اور شکل میں مشابہ نہ ہوگا ۴؎ پھر پورا قصہ بیان فرمایا کہ وہ زمین کو انصاف سے بھردے گا (ابوداؤد)اور قصہ کا ذکر نہ فرمایا۔	

۱؎ آپ ابواسحاق سبیعی ہمدانی کوفی ہیں،تابعی ہیں،بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے،شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسال پہلے پیدا ہوئے اور ۱۲۹ھ میں وفات پائی،بڑے متقی عالم بڑے محدث ہیں۔(اکمال،مرقات)

۲؎ یعنی حضرت حسن مسلمانوں کا سردار ہے۔آج حضور کی اولاد کو جو سید کہتے ہیں اس کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے،رب تعالٰی نے یحیی علیہ السلام کے متعلق فرمایا:"سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ"۔

۳؎ امام مہدی والد کی طرف سے حسنی سید ہوں گے والدہ کی طرف سے حسینی،آپ کے اصول میں کوئی والدہ حضرت عباس کی اولاد سے ہوں گی لہذا آپ حسنی بھی ہیں حسینی بھی اور عباسی بھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(اشعہ) غالبًا آپ حضور غوث الثقلین شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے ہوں گے،غوث پاک بھی حسنی حسینی سید ہیں۔اس میں روافض کی تردید ہے کہ محمد ابن حسن عسکری امام مہدی ہیں جو غار میں چھپے ہوئے ہیں کیونکہ وہ حسینی سید ہیں حسنی نہیں۔خیال رہے کہ لامھدی الا عیسیٰ نہایت ہی ضعیف بلکہ موضوع حدیث ہے۔حضرت عیسیٰ تو ابن مریم ہیں اور امام مہدی ابن رسول اللہ ہیں۔(مرقات) اور اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی وہاں مہدی سے مراد ہدایت یافتہ معصوم ہے نہ کہ امام مہدی ۔ (مرقات)

۴؎ یعنی امام مہدی اخلاق آداب عادات میں ہماری طرح ہوں گے مگر شکل و صورت میں ہماری طرح نہ ہوں گے یعنی پورے ہم شکل نہ ہوں گے اگرچہ بعض باتوں میں ہماری ہم شکل ہوں گے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے برسوں میں اس برس جس میں آپ کی وفات ہوئی ٹڈی گم ہوگئی تو آپ اس سے سخت غمگیں ہوئے ۱؎ تو آپ نے ایک سوار یمن کی طرف اور ایک سوار عراق کی طرف اور ایک سوار شام کی طرف بھیجا ٹڈی کے متعلق سوال فرماتے تھے کہ کیا کچھ ٹڈیاں دیکھی گئیں تو آپ کے پاس وہ سوار جو یمن گیا تھا مٹھی بھر ٹڈیاں لایا اور آپ کے سامنے بکھیر دیں جب انہیں دیکھا تو حضرت عمر نے تکبیر کہی ۲؎ اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے ایک ہزار امتیں پیدا کیں ۳؎ جن میں سے چھ سو دریا میں ہیں اور چار سو خشکی میں ۴؎ اور سب سے پہلے ہلاکت میں ٹڈی ہے، جب ٹڈی ہلاک ہو جاوے گی تو دوسری امتیں لگاتار ہلاک ہوں گی جیسے لڑی کا دھاگہ ۵؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ آپ نے سمجھا کہ ٹڈی دنیا سے ختم ہوگئی اور یہ ختم ہونا دوسری مخلوق کے ختم ہو جانے کی علامت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خوف الٰہی کی انتہا ہے ورنہ آپ کو معلوم تھا کہ ابھی مسلمان بلکہ صحابہ کرام زندہ ہیں، قرآن باقی ہے دجال وغیرہ نہیں ظاہر ہوئے ابھی قیامت کیسی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پانچ سو سال بعد قیامت آوے گی، یہ ایسا ہی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل دیکھ کر خوف کے آثار نمودار ہو جاتے تھے۔

۲؎ یعنی آپ نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا خوشی سے کہ الحمدللہ ابھی امان ہے۔ معلوم ہوا کہ ٹڈی یمن و برکت والا جانور ہے، ہاں کبھی عذاب الٰہی بن کر بھی آتا ہے جیسے پانی برکت والی چیز ہے مگر اس کا سیلاب عذاب ہے ہر چیز میں رحمت عذاب کی جہتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ خوشی میں نعرہ تکبیر لگانا سنت صحابہ ہے اسے منع قرار دینا جہالت ہے۔

۳؎ اصولی امتیں ایک ہزار ہیں، فروعی امتیں اٹھارہ ہزار جیسے گھوڑا ایک مخلوق ہے خچر اس میں داخل، سانپ ایک مخلوق ہے اس کی قسمیں اسی ایک میں داخل لہذا روایات میں تعارض نہیں بلکہ امتیں تو لاکھوں قسم کی ہیں اٹھارہ ہزار عالم ہیں یا جاندار اصولی مخلوق ایک ہزار ہے باقی مخلوق بہت زیادہ۔

۴؎ خشکی کا ہر جانور سمندر میں موجود ہے جیسے دریائی انسان، دریائی سوئر، دریائی شیر، دریائی گھوڑا، گائے۔ میں نے دریائی بھینس دیکھی ہے مگر دریائی ہر جانور خشکی میں نہیں۔ چنانچہ خشکی میں مچھلی، مگرمچھ، گھڑیال وغیرہ نہیں لہذا دریائی مخلوق زیادہ ہے۔

۵؎ کہ جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹنے پر دانے لگاتار آگے پیچھے گرتے ہیں ایسے ہی ان قوموں کی موت مسلسل واقع ہوگی۔

باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجّال

قیامت کے سامنے والی علامات۱ اور دجّال کا بیان۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ ان علامات سے مراد قیامت کی دس بڑی بڑی علامات ہیں ورنہ قیامت کی چھوٹی بڑی بہت علامات ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں جیسے امام مہدی کا ظہور وغیرہ۔

۲ دجال بروزن **قوال** مبالغہ کا صیغہ ہے،بنا ہے **دجل** سے بمعنی جھوٹ یا فریب وغیرہ یا ملمع سازی یا حق و باطل کا خلط ملط،چونکہ دجال میں یہ تمام عیوب ہوں گےاس لیے اسے دجال کہتے ہیں۔دجال دو قسم کے ہیں: چھوٹے اور بڑے چھوٹ دجال بہت ہوئے اور ہوں گے،ہر جھوٹا نبی،جھوٹا مولوی صوفی جو لوگوں کو گمراہ کریں وہ دجال ہیں۔بڑا دجال صرف ایک ہے جو دعویٰ خدائی کرے گا اس کا نام اس کی قوم کا پتہ نہیں چلا۔مشہور یہ ہے کہ اس کی اصل یہود سے ہوگی۔**واللہ ورسولہ اعلم**! جب اللہ و رسول نے اس کی یہ باتیں بیان نہ فرمائیں تو ہم تحقیق کرنے والے کون۔مرزا قادیانی کہتا تھا کہ انگریز دجال ہیں،ریل ان کا گدھا ہےاور میں مسیح موعود انہیں فنا کرنے والا ہےلوگ اتنا نہیں سوچتے کہ ریل دجال کاایسا گدھا ہے جس پر یہ مسیح صاحب زندگی میں سوار ہوتے رہےاور بعد مرنے ان کی لاش لاہور سے قادیان تک اسی گدھے پر گئی ا ور خود انگریزوں کی غلامی میں مرے انہیں تو کیا مارتا خود انگریزوں کی موجودگی میں ہلاک ہوا۔

روایت ہے حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری سے۱ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائےجب کہ ہم کچھ تذکرے کررہے تھے تو فرمایا کیا تذکرہ کرتے ہو، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کررہے ہیں،فرمایا قیامت ہرگز نہ آوے گی حتی کہ اس سے پہلے دس نشانیاں دیکھ لوپھر حضور نے دھواں۲ دجال جانور۳ سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا،عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا اور یا جوج و ماجوج۴ اور تین دھنسے ایک دھنسا پورب میں دوسرا پچھم میں اور ایک دھسنا عرب کے جزیرہ میں۵ اور ان سب کے آخر میں وہ آگ جو یمن سے نکلے گی ۶ لوگوں کو ان کی قیامت گاہ کی طرف ہانک دے گی ۷ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آگ جو عدن کے بیچ سے نکلے گی لوگوں کو محشر کی طرف ہانک دے گی	

۸؎اور ایک روایت میں ہے دسویں علامت کے بارے میں ہے کہ وہ ہوا جو لوگوں کو دریا میں ڈال دے گی ۹؎(مسلم)	

۱؎آپ صحابی ہیں،بیعت رضوان میں شریک ہوئے،آخر میں کوفہ قیام رہا۔

۲؎حق یہ کہ اس دھوئیں سے مراد وہ دھواں نہیں جو ہجرت سے پہلے قریش کو قحط سالی میں سخت بھوک کی وجہ سے محسوس ہوا تھا بلکہ اس دھواں سے مراد قریب قیامت والا وہ دھواں ہے جو قریب قیامت مشرق و مغرب میں پھیل جاوے گا،جس سے مسلمانوں کو زکام سا محسوس ہوگا اور کفار دیوانہ ہو جائیں گے یہ دوران چالیس دن رہے گا۔

۳؎یہ جانورمکہ معظّمہ کے حرم کعبہ سے نمودار ہوگا۔صفا مروہ پہاڑوں کے درمیان سے یہ چوپایہ ہے ساٹھ گز قد،اس کے مختلف اعضاء بدن مختلف جانوروں کے سے ہوں گے،اس کے پاس عصاء موسوی،مہر سلیمانی ہوگی،ہر شخص کو پکڑ کر اس کی پیشانی پر مہر سلیمانی لگائے گا۔جس پر سفید نقش نمودار ہوں وہ مؤمن ہوگا،سیاہ نقش والا کافر،اس جانور کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے "اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ"۔مرقات نے فرمایا کہ یہ جانور تین بار نکلے گا:امام مہدی کے زمانہ میں،پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد،پھر آفتاب کے مغرب سے نکلنے کے بعد۔(مرقات)

۴؎ان علامات کے ظہور کی ترتیب یہ ہے(۱) پہلے دھواں (۲) پھر دجال (۳) پھر عیسیٰ علیہ السلام کانزول(۴) پھر یاجوج ماجوج کاخروج(۵) پھر یہ جانور(۶) پھر سورج کا پچھم سے نکلنا۔خیال رہے کہ امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ظاہر ہوجائیں گے،بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ آفتاب کا مغرب سے نکلنا پہلے ہے نزول عیسیٰ علیہ السلام بعد میں مگر درست نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کفار کا ایمان قبول ہوگا اور طلوع آفتاب کے بعد ایمان قبول نہ ہوگا۔(مرقات)

۵؎گزشتہ زمانوں میں بعض جگہ زمینیں دھنسی ہیں مگر یہ دھنسنا قریب قیامت ہوں گے بڑے علاقہ میں اور بڑے خطرناک جیسے زلزلے عام طور پر آتے رہتے ہیں مگر زلزلہ قیامت خدا کی پناہ"اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ"۔(از مرقات)

۶؎اس موقع پر دو آگ نکلیں گی:ایک یمن سے،دوسری حجاز سے،آخر میں یہ دونوں جمع ہوجائیں گی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جن میں حجاز سے آگ نکلنے کا ذکر ہے۔خیال رہے کہ یہ آگ ان مذکورہ علامات کے بعد ہوگی ان علامات سے پہلے جن کے متصل صور کا نفخہ ہے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں آگ کو پہلی علامت فرمایا گیا ہے کہ یہ آگ ان علامات میں پہلی ہے۔

۷؎قیامت زمین شام یا زمین فلسطین میں قائم ہوگی یہ آگ تمام کو وہاں پہنچادے گی،یہ قدرت الہی ہوگی کہ ساری مخلوق زمین شام میں جمع ہوجاوے گی۔

۸؎عدن ملک یمن کا مشہور شہر ہے وہ اس کا دارالخلافہ ہے۔یہ عبارت پچھلی عبارت کی شرح ہے کہ وہاں یمن تھا یہاں عدن ہے۔

۹؎ یعنی اس روایت میں دسویں علامت بجائے آگ کے ہوا فرمائی گئی ہے مگر ہوسکتا ہے کہ اس آگ کے ساتھ آندھی بھی ہو،یہ آندھی کفار کو سمندر میں پھینک دے کہ کفار سمندر سے قیامت میں اٹھیں۔خیال رہے کہ وہ آگ مؤمنوں کے لیے عذاب نہیں بلکہ ڈراوا ہوگی جس سے مسلمان ملک شام میں پہنچ جاویں۔واللہ ورسولہ اعلم!(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چھ علامات سے پہلے اعمال کرلو۱؎ دھواں،دجال،زمین کا جانور،سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا،عام فتنہ اور تم میں سے ہر ایک کا خاص فتنہ ۲؎ (مسلم)	

۱؎ کیونکہ ان چھ علامات کے ظہور کے وقت اعمال صالحہ کرنا بہت ہی مشکل ہوجاویں گے۔

۲؎ یعنی عام فتنوں سے بھی پہلے نیکیاں کرلواور خاص فتنوں سے بھی پہلے کرلو۔خاص فتنے کیا ہیں،ایسے مشاغل بیماریاں جو اعمال سے روک دیں اور پھر موت تو سب سے بڑی آفت ہے جس پر تمام اعمال ختم ہوجاتے ہیں الا ماشاء اللہ!(مرقات)

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ پہلی نشانی جو نکلے گی وہ سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا ہے اور جانور کا لوگوں کے سامنے نکلنا ہے ۱؎ دوپہر کے وقت ۲؎ ان دونوں میں سے جو بھی اپنے صاحب سے پہلے ہو تو دوسری اس کے قریب ہی پیچھے ہوگی ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یہ علامتیں ان علامات سے پہلے ہیں جو ان کے بعد آنے والی ہیں۔اولیت سے مراد اولیت اضافی ہے نہ کہ اولیت حقیقی۔ان تینوں میں دھواں اور دجال پہلے ہیں اور آفتاب کا مغرب سے نکلنا ان دونوں کے بعد۔

۲؎ یعنی اس عجیب الخلقت جانور کو ظاہر ہونا دوپہر کے وقت ہوگا کہ اس وقت مکہ معظّمہ میں دوپہر ہوگی اگرچہ دوسرے ملکوں میں سویرا یا شام یا رات ہو،یا یہ مطلب ہے کہ وہ جانور جہاں بھی پہنچے گا دوپہر کو پہنچے گا کہ اس وقت عام طورپر لوگ باہر ہوتے ہیں،نیز اس وقت جو چیز دیکھی جاتی ہے وہ یقینی ہوتی ہے۔

۳؎ اس حدیث میں ابہام ہے،صراحةً بیان نہ فرمایا گیا کہ ان میں سے پہلے کونسی علامات ہوگی اور بعد میں کون سی،دوسری احادیث میں اس کی تفصیل ہے جو ابھی کچھ پہلے عرض کی گئی،ہاں یہاں اتنا ہے کہ یہ علامات آپس میں قریب قریب ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزیں جب نمودار ہوں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لائی تھی ۱؎ یا اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی تھی سورج کا اپنے پچھم سے نکلنا ۲؎ اور دجال اور زمین کا جانور ۳؎ (مسلم)	

۱؎چونکہ ان علامات کے ظہور پر قیامت کا سب کو یقین ہوجاوے گااس لیے اب قیامت غیب نہ رہے گی بلکہ شہادت بن جاوے گی اور ایمان بالغیب معتبر ہےاس لیے اب نہ ایمان معتبر ہوگا نہ اس وقت کی توبہ قبول ہوگی۔خیال رہے کہ توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے نکلنے پر بند ہوگا۔یہاں ثلاث فرمانا ایسا ہے جیسے قرآن کریم فرماتاہے:"یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ"کہ موتی مونگے کھاری سمندر سے نکلتے ہیں نہ میٹھے سے مگر فرمایا دونوں سے نکلتے ہیں،ایسے ہی توبہ قبول نہ ہونے کو تغلیبًا ان تینوں علامتوں کی طرف نسبت فرمایا گیا۔

۲؎سورج کا یہ طلوع دجال اور دابۃ کے بعد ہے مگر چونکہ دروازہ توبہ بند اسی پر ہوگا اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا۔(مرقات)

۳؎دجال ا ور دابہ پہلے ہیں طلوع بعد میں،دجال کے نکلنے پر توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا۔عیسیٰ علیہ السلام دجال کے قتل کے بعد دنیا بھر کے کفار کو مسلمان کریں گے،اس وقت جزیہ کا مسئلہ ختم ہوجاوے گااسلام یا قتل ہوگا جیساکہ دوسری احادیث میں ہے کہ اگر اس وقت ایمان و توبہ قبول نہ ہوں تو مسلمان کرنے کے کیا معنی۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ سورج ڈوباکہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ جاتا کہاں ہے میں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی خوب جانیں،فرمایا یہ جاتا ہے حتی کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے ۱؎پھر اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے۲؎اور قریب ہے کہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو اور اجازت مانگے تو اسے۳؎اجازت نہ دی جاوے اور اس سے کہا جاوے کہ جہاں آیا ہے وہاں ہی لوٹ جاتو اپنے مغرب سے طلوع ہو۴؎یہ رب تعالٰی کا فرمان ہے کہ سورج اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے فرمایا اس کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎خیال رہے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور عرش سارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔سورج کا دورہ ہر وقت ہی ختم ہوتا ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی جگہ غروب ہوتا ہےلہٰذا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت سورج سجدے میں رہتا ہے اور آگے بڑھنے دوسرے ملک میں طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہےمگر ہر آن کے سجدہ کا تعلق اس ملک سے ہوتا ہے جہاں وہ غریب ہوالہٰذا اس حدیث پر موجود فلاسفر اعتراض نہیں کرسکتے سورج کا سجدہ وہ جو اس کے لائق ہے،قرآن کریم فرماتا ہے کہ درخت اور گھاس بیل سجدہ کرتی ہیں"وَ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدَانِ"۔خیال رہے کہ وہ جو قرآن مجید میں ہے کہ ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھا وہاں محسوس ہونے کا ذکر ہے نہ کہ واقعہ کا،ہاں سمندر میں برف کی دلدل تاحد نظر تھی وہاں معلوم ایسا ہوتا تھا جیسے سورج اس دلدل میں ڈوب رہا ہے لہٰذا وہ آیت اور یہ آیت متعارض نہیں۔

۲؎یعنی ہر وقت آگے بڑھنے کی اجازت مانگتا رہتا ہے اور ملتی رہتی ہے وہ آگے بڑھتا اور ہر ملک میں طلوع ہوتا رہتا ہےاسے واپس لوٹنے کا حکم نہیں ملتا۔

۳؎یعنی قریب قیامت سورج کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ملے گی بلکہ پورا دورہ الٹا چکر لگانے کا حکم ہوگا تو ہر جگہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا،اس ایک چکر میں ایسا ہوگا پھر مطابق عادت مشرق سے طلوع ہونے لگے گا۔

۴؎یہ حکم ہر جگہ کے لیے ہوگااور سورج ساری دنیا میں پچھم کی طرف سے طلوع ہوگا۔

۵؎اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں:ایک یہ کہ قیامت کا دن سورج کا مستقر ہے قیامت تک نکلتا ڈوبتا رہے گا اور قیامت قائم ہونے پر یہ نظام ختم ہوجاوے گا۔دوسرے یہ کہ گرمی سردی میں سورج کا مستقر الگ الگ ہیں کہ ایک ٹھکانہ پر پہنچ کر لوٹ پڑتا ہے پھر آگے نہیں بڑھتا۔تیسری تفسیر وہ ہے جو حضور انور نے خود فرمائی جو یہاں مذکور ہے کہ سورج اپنے ٹھکانہ یعنی عرش کے نیچے ہی چکر لگارہا ہے اس سے اوپر نیچے نہیں ہوسکتا۔یہ تیسرے آسمان پر اترے نہ پانچویں پر چڑھے چونکہ یہ تفسیر خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لہذا قوی ہے۔

روایت ہے حضرات عمران بن حصین سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش اور قیامت کے درمیان دجال سے بڑی کوئی چیز نہیں ۱؎(مسلم)	

۱؎یعنی انسان کی ابتداء پیدائش سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں یہ ہی انسان کے لیے بڑی آفت ہے،اس سے بہت لوگ گمراہ ہوں گے،لوگ دجال کے کرشمے دیکھ کر اسے خدا مان لیں گے اس لیے نوح علیہ السلام سے لے کر آخر تک ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال کے فتنہ سے آگاہ کیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تم پر چھپا نہیں اللہ تعالٰی کانا نہیں اور مسیح دجال آنکھ کا کانا ہے ۲؎اس کی آنکھ گویا ابھرا ہوا انگور ہے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎حدیث شریف میں جب عبداللہ مطلق آتا ہے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۔

۲؎یعنی اے لوگو! دجال کے حیرت انگیز کرشمے دیکھ کر اسے خدا نہ سمجھ لینااس کی بندگی کی دلیل اس کی اپنی کانی آنکھ ہے وہ اپنے کو شفا نہ دے سکے گا۔

۳؎یعنی دجال کی داہنی آنکھ کانی بھی ہوگی اور اوپر کو انگورکی طرح ابھری ہوئی جو ہر شخص کو نظر آوے اپنے اس عیب کو دور نہ کرسکے گا۔خیال رہے کہ جو خدا ہونے کا دعویٰ کرے اس کے ہاتھ پر عجیب کرشمے ظاہر ہوسکتے ہیں کیونکہ الوہیت تو مشتبہ ہوسکتی ہی نہیں مگر جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اس کے ہاتھ پر کوئی کرشمہ ظاہر نہیں ہوسکتاورنہ نبوت مشتبہ ہو جاوے۔دجال اگر دعویٰ نبوت کرے تو کوئی عجوبہ نہیں دکھا سکتا یہ خوب خیال رکھو۔یہاں **مسیح** بمعنی اسم مفعول ہے یعنی **ممسوح العین** ایک آنکھ کا کانا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مسیح کہتے ہیں وہاں مسیح بمعنی اسم فاعل ہےیعنی برکت کے لیے

چھونے والے اور چھو کر مردے زندہ، بیماروں کو اچھا کرنے والا۔طافیہ بنا ہے طفی سے بمعنی اوپر ہونا اور ابھرنا اس لیے جو مچھلی پانی پر تر کر آ جاوے اسے طافیہ کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی نبی ایسا نہیں جنہوں نے اپنی امت کو کانے جھوٹے سے ڈرایا نہ ہو۱آگاہ رہو کہ وہ کانا ہے اور تمہارا رب کانا نہیں اس کی دو آنکھوں کے نیچے لکھا ہے ک،ف،ر۲(مسلم،بخاری)	

۱حق یہ ہے کہ یہاں دجال سے مراد وہ ہی دجال ہے جو قریب قیامت نکلے گا اگرچہ ان انبیاءکرام کو خبر تھی کہ ہماری امتیں اسے نہ پائیں گی،پھر بھی اس سے ڈرانا اہتمام ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بڑی ہی ہیبت ناک چیز ہے اس سے پناہ مانگو یہ پناہ مانگنا بھی عبادت ہے۔دیکھو جن صحابہ کو حدیث وقرآن نے انکے جنتی ہونے کی بشارت دے دی وہ بھی دوزخ سے پناہ مانگتے رہے کیونکہ یہ عمل عبادت ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ دجال کے نکلنے کا وقت معین نہیں مگر یہ قوی نہیں کیونکہ اس کے قاتل عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کا نزول قریب قیامت ہی ہے۔

۲یعنی تم اس کے بندہ ہونے اور کافر ہونے اور شرارتی ہونے میں شک نہ کرنا یہ دونوں علامتیں اس کے کافر اور بندہ ہونے کی ہیں۔اپنی آنکھ کو درست نہ کرسکنا علامت بندگی ہے اور ک،ف،ر اس کے کفر کی علامت ہے۔یہاں مرقات نے لکھا کہ مادر زاد کانا شرارتی ہوتا ہے۔خیال رہے کہ یہ حروف ہر پڑھا بے پڑھا آدمی پڑھے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تم کو دجال کے متعلق وہ بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتائی وہ کانا ہے ۱اور وہ اپنے ساتھ جنت دوزخ کی مثل لائے گا۲جسے وہ جنت کہے گا وہ آگ ہوگی ۳میں تم کو ایسے ڈراتا ہوں جیسے اس سے حضرت نوح نے اپنی قوم کو ڈرایا ۴(مسلم،بخاری)	

۱یعنی پچھلے انبیاء کرام نے اپنی امتوں کو دجال کے دوسرے عیوب سے تو آگاہ کیا مگر اس کا کانا ہونا صرف میں ہی بیان کرتا ہوں۔

۲یہ فرمان عالی بالکل ظاہر معنی پر ہے۔واقعی اس کے ساتھ خوشنما باغ بھی ہوگااور ہیبت ناک آگ بھی۔

۳یعنی جو آگ دکھائی دے گی وہ واقعہ میں باغ ہے اور جو باغ معلوم ہوگا وہ واقعہ میں آگ ہے جیسے دنیا عارفین کی نظر میں کہ اس کی نعمتیں حقیقت میں لعنتیں یعنی عذاب ہیں اور یہاں کی تکالیف حقیقت میں رحمت ہیں۔نمرود کی آگ بظاہر آگ تھی مگر حضرت خلیل کے لیے باغ،دریا نیل کا پانی بظاہر پانی تھا مگر فرعونیوں کے لیے آگ،یہ آنکھوں کا دھوکا ہے۔شعر

سوف تری اذا تجلل غبار   افرس تحتك ام حمار

۴؎تاکہ نوح علیہ السلام سے لے کر آخر تک کی امتیں دجال کا بدترین فتنہ ہونا معلوم کرلیں۔خیال رہے کہ دجال کسی جگہ چند دن ٹھہرے گا نہیں بلکہ آندھی کی طرح دنیا میں پھر جاوے گا تاکہ کوئی اس کی حالت میں غور کرکے اسے جھٹلائے نہیں۔اس وقت جسے اللہ ایمان پر قائم رکھے گا وہ ہی رہے گا۔مشکل سے ہزار میں ایک اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔اس وقت امن مدینہ منورہ میں ہو گی۔اس فرمان عالی سے معلو م ہورہا ہے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے نبیوں نے دجال سے نہیں ڈرایا تھا یہ ڈرانا حضرت نوح سے شروع ہوا۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا دجال نکلے گا اور اس کے ساتھ پانی ۱؎اور آگ ہوں گے لیکن جسےلوگ پانی دیکھیں گے وہ آگ ہوگی جو جلا ڈالے گی اور جسے لوگ آگ دیکھیں گے وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا۲؎تو تم میں سے جو یہ پائے وہ اس میں جائے جسے آگ دیکھے کہ وہ میٹھا عمدہ پانی ہے(مسلم،بخاری)مسلم نے یہ زیادہ فرمایا کہ دجال آنکھ کا کانا ہے جس پر موٹا ناخونہ ہے۳؎اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہے کافر جسے ہر پڑھابے پڑھا مسلمان پڑے گا۴؎	

۱؎پانی سے مراد صرف پانی نہیں جو نعمتیں پانی سے پیدا ہوتی ہیں وہ سب مراد ہیں لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اس کے ساتھ باغ اورآگ ہوں گے۔(مرقات)

۲؎ یا تو یہ باغ و آگ محض شعبدہ ہوں گے جیسے جادو گر شعبدے باز مٹی کو روپیہ بناکر دکھادیتے ہیں یاحقیقتًا یہ ہی ہوں گے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔ایک ہی چیز کاایک کے لیے باغ دوسرے کے لیے آگ ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ایک قبر میں دو شخص دفن ہوجاویں ایک مؤمن دوسرا کافر تو یہ ایک قبر مؤمن کے لیے جنت کا باغ ہے کافر کے لیے دوزخ کی بھٹی،ایک بستر پر دو آدمی سورہے ہیں ایک شخص اچھی خو اب دیکھ کر مزے لے رہا ہے دوسرا شخص اس بستر پر بری خواب دیکھ کر گھبرا رہا ہے۔یہ باغ و آگ اس کے ساتھ ایسے چلیں گے جیسے آج ریل کے انجن میں پانی کا حوض اور آگ دوڑتے پھرتے ہیں آج ریل بحری جہاز،ہوائی جہاز کی سیر کرو معلوم ہوگا کہ آرام دہ مکانات کھیلنے کے میدان پاخانہ غسل خانہ باروچی خانہ دوڑتے پھررہے ہیں بلکہ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔

۳؎یعنی دجال کی ایک آنکھ تو ہوگی ہی نہیں وہ حصہ سر کے پیچھے کی طرح صاف ہوگا،دوسری آنکھ کانی ہوگی ابھرے ہوئے انگور کی طرح یا اس کی ایک آنکھ کبھی صاف سپاٹ ہوگی،کبھی ابھرا ہوا انگور یا کسی کو وہ آنکھ سپاٹ نظر آوے گی،کسی کو ابھرا انگور لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں اس کی آنکھ کو ابھرا ہوا انگور فرمایا گیا ہے۔(مرقات شرح مشکوۃ)

۴؎یعنی اس تحریر کو مؤمن تو بے پڑھا بھی پڑھ لے گا سمجھ لے گا اور کافر پڑھا لکھا بھی نہ سمجھ سکے گا یہ بھی قدرت خداوندی ہوگی۔

روایت ہے ان سے ہی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ	

علیہ وسلم نے کہ دجال بائیں آنکھ کا کانا ہے ۱؎ بہت بالوں والا ۲؎ اس کے ساتھ اس کی جنت اور اس کی آگ ہوگی تو اس کی آگ جنت ہے اور اس کی جنت آگ ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یہاں **اعور** بمعنی عیب ناک ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی تو بلکل سپاٹ ہوگی اور بائیں آنکھ عیب دار ہوگی۔غرضکہ کوئی آنکھ بے عیب نہ ہوگی،یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو اس کی داہنی آنکھ کانی محسوس ہوگی کسی کو بائیں آنکھ،یہ فرق احساس کا ہوگا نہ کہ واقعہ کا۔یہ بھی ایک قدرتی کرشمہ ہوگا وہ مردود سب کچھ کر دکھائے گا مگر اپنی آنکھ نہ درست کرسکے گا۔

۲؎ **جفال** جیم کے پیش سے بمعنی کثیر بہت مگر ہر بہت کو جفال نہیں کہتے بلکہ بہت بالوں کو **جفال** کہا جاتا ہے۔بعض نے فرمایا کہ بندھے ہوئے بڑے جوڑے کو جفال کہتے ہیں۔

۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ اس کا باغ بظاہر باغ معلوم ہوگا حقیقتًا دوزخ ہوگا اور اس کی آگ بظاہر آگ ہوگی حقیقتًا باغ جیسے جناب خلیل کی آگ حقیقتًا باغ بحر قلزم کا پانی حقیقتًا آگ بن گیا تھا۔شعر

گلستان کند آتشے بر خلیل ۔۔۔ گرو ہے بد آتش بروز آب نیل

روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا تو فرمایا اگر وہ نکلا اور میں تم میں ہوا تو تمہارے بغیر اس کا مقابل میں ہوں گا ۱؎ اور اگر نکلا اور میں تم میں نہ ہوا تو ہر شخص اپنی ذات کا محافظ ہے ۲؎ اور ہر مسلمان پر اللہ میرا خلیفہ ہے ۳؎ وہ جوان ہے سخت گھونگر بال ۴؎ اس کی آنکھ ابھری ہوئی ہے گویا میں اسے عبدالعزیٰ ابن قطن سے تشبیہ دیتا ہوں ۵؎ تو تم میں سے جو اسے پائے تو اس پر سورۂ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے کہ وہ تمہارا امان ہے اس کے فتنہ سے ۶؎ وہ شام و عراق والے راستے سے نکلے گا تو داہنے بائیں فساد پھیلائے گا ۷؎ اے اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا ۸؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ اس کا زمین میں ٹھہرنا کتنا ہے فرمایا چالیس دن ۹؎ ایک دن سال کی طرح ہوگا اور ایک دن مہینہ کی طرح اور ایک دن ہفتہ کی طرح اور بقیہ دن تمہارے عام دنوں کی طرح ۱۰؎ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ تو یہ دن جو ایک سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ہم کو ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی فرمایا	

نہیں تم اس کے لیے اندازہ لگالینا ۱۱؎ہم نے عرض کیا یارسول اللہ زمین میں اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی فرمایا جیسے بادل جس کے پیچھے ہوا ہو۱۲؎وہ ایک قوم پر آوے گا انہیں بلائے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے تو آسمان کو حکم دے گا وہ بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا وہ اگائے گی ان کے جانور آئیں گے جیسے پہلے تھے اس سے زیادہ دراز کوہان والے اور زیادہ بھرے ہوئے تھن والے اور زیادہ لمبی کوکھوں والے۱۳؎پھر ایک دوسری قوم کے پاس آئے گا انہیں بلائے گا وہ اس کی بات رد کردیں گےوہ ان کے پاس سے لوٹ جاوے گا۱۴؎تو یہ لوگ قحط زدہ رہ جاویں گے۱۵؎کہ ان کے ہاتھوں میں ان کے مال میں سے کچھ نہ رہے گا۱۶؎اور ویرانہ پر گزرے گا اس سے کہے گا اپنے خزانے نکال تو اس کے پیچھے یہ خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح چلیں گے۱۷؎پھر ایک جوانی سے بھرے ہوئے شخص کو بلائے گا اسے تلوار سے مار کر اس کے دوٹکڑے کرکے تیر کے نشان پر پھینک دے گا۱۸؎ پھر اسے بلائے گا تو وہ آجاوے گا اور اس کا چہرہ چمکتا ہوگا وہ ہنستا ہوگا جب کہ وہ اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالٰی مسیح ابن مریم کو بھیجے گا۱۹؎آپ دمشق کے مشرقی سفید مینارے کے پاس دو زعفرانی کپڑوں کے درمیان اتریں گے۲۰؎اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے جب اپنا سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو اس سے قطرے ٹپکیں گے موتیوں کی طرح۲۱؎پھرکسی کافر کوممکن نہ ہوگا کہ آپ کی سانس پائے مگر مرجاوے گااورآپ کی سانس وہاں تک پہنچے گی۲۲؎ جہاں تک آپ کی نظرجاوے گی آپ اسے تلاش کریں گے یہاں تک کہ اسے باب لد میں پائیں گے۲۳؎تو قتل کریں گے پھر حضرت عیسیٰ کے پاس وہ قوم آوے گی جنہیں اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا تو آپ ان کے چہرے صاف فرمائیں گے۲۴؎اور انہیں ان کے جنتی درجات کی خبردیں گے وہ اس طرح ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ کو رب تعالٰی وحی کرے گا کہ میں نے

اپنے بندے نکالے ہیں جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں تو میرے بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۲۵؎اور اللہ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جو ہر ٹیلے سے ڈورتے آئیں گے۲۶؎تو ان کی اگلی جماعت بحیر طبریہ پر گزرے گی اس کا سارا پانی پی جاوے گی۲۷؎ان کی آخری جماعت گزرے گی تو کہے گی کہ کبھی یہاں پانی تھا حتی کہ جبل خمر تک پہنچیں گے،یہ بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے۲۸؎تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا آؤ آسمان والوں کو قتل کریں۲۹؎تو اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے تو اللہ ان کے تیر خون سے رنگین لوٹائے گا۳۰؎اور اللہ کے نبی اور ان کے ساتھی محصور رہیں گے حتی کہ ان کے لیے ایک بیل کی سری سو اشرفیوں سے بڑھ کر ہوگی۳۱؎جو تمہارے لیے آج ہے تب اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی متوجہ الی اللہ ہوں گے۳۲؎ تب اللہ ان یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا تو وہ سب ایک شخص کی موت کی طرح مردہ ہوجائیں گے۳۳؎پھر اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی زمین کی طرف اتریں گے تو زمین میں بالشت بھر زمین ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں اور بدبو نے نہ بھردی ہو۳۴؎تب اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا۳۵؎اونٹ کی گردن کی طرح وہ انہیں اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۳۶؎اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں نھبل میں پھینک دیں گے۳۷؎اور مسلمان ان کی کمانیں ان کے کمانوں ان کے نیزوں اور ترکش سات سال تک جلائیں گے۳۸؎پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جس سے نہ کوئی گھر مٹی کا بچے گا نہ اون کا تو وہ زمین کو دھودے گی۳۹؎حتی کہ اسے شیشہ کی طرح کر چھوڑے گی۴۰؎زمین سے کہا جاوے گا تو اپنے پھل اگا اور اپنی برکت لوٹا دے تو اس دن ایک انار سے ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے سے سایہ لے گی۴۱؎اور دودھ میں برکت دی

	جاوے گی حتی کہ تازہ جنی ہوئی اونٹنی لوگوں کی ایک جماعت کو کافی ہوگی اور نئ جنی ہوئی گائے ایک قبیلہ کو کافی ہوگی اور نئ جنی ہوئی بکری لوگوں کے ایک خاندان کو کافی ہوگی۴۲جب کہ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ ایک خوشگوار ہوا بھیجے گا وہ انہیں ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی تو ہر مسلمان ہر مؤمن کی روح قبض کرلے گی۴۳اور بدترین لوگ رہ جائیں گے جو زمین میں گدھوں کی جفتی کی طرح زنا کریں گےان پر قیامت ہوگی۴۴(مسلم)سوا دوسری روایت کے اور یہ قول ہے کہ انہیں نھبل میں پھینک دے گی سبع سنین تک۴۵(ترمذی)

۱یہ فرمان عالی بالفرض ہے یعنی فرض کرلو کہ اگر وہ میری موجودگی میں آگیاتو تم کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے وہ میرے ہی ہاتھوں فنا ہوجاوے گا،اس کی شعبدے بازیاں میرے مقابل ناکارہ ہوجائیں گی۔اس فرمان عالی سے دو فائدے حاصل ہوئے: ایک یہ کہ اگرچہ اس مردود کا ظہور ابھی نہیں ہوگامگر اس سے ڈرنا رکن ایمان ہے تم اس سے خوف کرو جیسے قیامت ابھی نہیں آئے گی مگر اس سے ڈرتے رہو۔خوف قیامت خوف دجال درحقیقت خوف خدا کا ذریعہ ہیں۔دوسرے یہ کہ دجال اگرچہ مارا جاوے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں لیکن اگر میرے زمانہ میں آجاتا تو میرے ہاتھوں ہی فنا ہوجاتا بلکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی حضور کے نائب ہونے کی حیثیت سے اسے قتل کریں گے۔

۲یعنی ہر شخص اپنی ذات کے لیے اس کا مقابلہ دلائل عقلیہ و شرعیہ سے کرے کہ دلائل سے سوچے کہ یہ خدا نہیں ہوسکتا۔یہاں بھی **حجیج** بمعنی مقابل ہی ہے مگر یہ مقابلہ اسے قتل کرنے کا نہیں بلکہ اپنے ایمان بچانے کا ہے۔(مرقات)گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دجال کو فنا کرنے کے لیے اس کے مقابل ہیں اور یہ ہر شخص اس سے بچنے کے لیے اس کا مقابل۔

۳یہاں خلیفہ بمعنی وکیل و محافظ ہے۔اگر اس وقت ہم حیات ہوتے تو مسلمانوں کی حفاظت ہم کرتے،اب چونکہ ہم نہ ہوں گے تو میری طرف سے میرا رب میری امت کی حفاظت کرے۔اس سے معلوم ہوا بفضلہٖ تعالٰی مؤمن ہمیشہ منصور و محفوظ رہتا ہے۔

۴بالوں میں قدرے خم جسے **جعد** کہتے ہیں بہت اچھا ہے مگر بہت زیادہ خمی کہ بالوں کے کنڈل بن جاوے جسے قطط کہتے ہیں یہ بری ہے،دجال کے بال بہت ہی خم دار ہوں گے۔

۵عبدالعزیٰ زمانہ جاہلیت میں ایک مشرک بادشاہ گزرا ہے،اس کی بدصورتی عرب میں مشہور تھی بلکہ اس کے دیکھنے والے لوگ اس وقت موجود تھے،حضور نے اس سے تشبیہ دی۔چونکہ دجال کی صورت بہت ہی بری ہوگی کہ اس جیسا بدشکل دنیا میں کوئی نہ گزرانہ اس وقت ہوگا اس لیے حضور انور نے جزم و یقین سے تشبیہ نہ دی بلکہ کانّی فرمایا یعنی اسے کچھ کچھ

مشابہت عبدالعزیٰ سے ہوگی ورنہ وہ عبدالعزیٰ سے کہیں بدتر ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے اگلے پچھلے اپنی نگاہوں سے دیکھے ہیں کہ عبدالعزیٰ پہلے گزرچکا ہے اور دجال آئندہ ہوگا مگر دونوں حضور کے علم و نظر میں ہیں۔(از مرقات)

۶؎ یعنی اس زمانہ میں جو کوئی سورۂ کہف کی شروع آیات کذبا تک پڑھتا رہے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ان آیات میں یہ ذکر ہے کہ اصحاب کہف دقیانوس بادشاہ کے فتنے سے محفوظ رہے،ان کی حفاظت کی برکت سے اﷲانہیں دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا۔جواز کا لفظی ترجمہ ہے پاسپورٹ کہ وہ ذریعہ امان ہوتا ہے۔بعض روایات میں ہے کہ سورۂ کہف کی شروع کی دس آیات ہمیشہ پڑھنے والا دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا،بعض لوگ ہمیشہ،بعض لوگ ہر جمعہ کو پڑھتے ہیں تاکہ موجودہ دجالوں سے بچے رہیں۔

۷؎ خلہ نقطہ خ سے ریگستان میں راستہ وسیع،حلہ ح بغیر نقطہ سے کوفہ و بغداد کے درمیان ایک شہر ہے۔بعض روایات میں حلہ ہی ہے،وہاں کے لوگ اب بھی شریر ہیں۔(مرقات)

۸؎ اس میں ندا اس زمانہ کے مسلمانوں سے ہے۔(مرقات)

۹؎ بعض روایات میں ہے کہ چالیس سال قیام کرے گا مگر وہ روایت ضعیف ہے،صحیح روایت چالیس دن کی ہے۔

۱۰؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے۔واقعی پہلا دن ایک سال کے برابر دراز ہوگا،اب بھی گرمیوں میں دن بجائے آٹھ گھنٹے کے چودہ گھنٹہ کا ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ غم و اندوہ کی وجہ سے وہ دن سال برابر معلوم ہوگا مگر یہ غلط ہے جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔

۱۱؎ اس طرح کہ اس دن سورج نکلتے ہی فجر کی نماز پڑھنا پھر آٹھ گھنٹہ بعد ظہر پڑھ لینا،پھر چار گھنٹہ کے بعد عصر پھر دو گھنٹہ بعد مغرب اور دو گھنٹہ بعد عشاء،پھر چھ گھنٹہ کے بعد فجر اس طرح پڑھے جانا شاید موجود گھڑیاں اس دن کے حساب کے لیے رب تعالٰی نے پیدا فرمادی ہیں۔معلوم ہوا کہ جن ملکوں میں بعض زمانہ میں عشاء کا وقت نہیں آتا وہاں عشاء کی نماز معاف نہ ہوگی بلکہ پڑھنا پڑھے گی اندازہ سے جیسے لندن میں سال میں چند دن ایسے آتے ہیں کہ نماز عشاء کا وقت نہیں آتا شفق غائب نہیں ہوتی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ حکم خاص اس دن کے لیے ہے خلاف قیاس ورنہ نماز کے اوقات سورج کی حرکت سے وابستہ ہیں اس سال بھر کے دن میں بھی پانچ نمازیں ہی چاہئیں مگر چونکہ حدیث میں یہ حکم آگیا تو اس دن کے لیے قیاس چھوڑ دیا گیا۔چنانچہ اس دن میں رمضان کا روزہ،نماز جمعہ و عیدین نہ پڑھی جائیں گی اگرچہ دن سال بھر کا ہے اور سال میں یہ چیزیں ہوتی ہیں۔

۱۲؎ اس تشبیہ سے معلوم ہورہا ہے کہ دجال اڑتا ہوا دنیا کی سیر کرے گا،ہوائی جہاز ایجاد ہوچکے ہیں جن سے تھوڑے عرصہ میں دنیا کا چکر لگایاجاسکتا ہے یعنی جیسے بادل کے پیچھے جب ہوا ہو تو بہت تیز اڑتا ہے ایسے ہی وہ بہت تیز اڑے گا،آج آواز سے زیادہ رفتار والے ہوائی جہاز ایجاد ہوچکے ہیں۔

۱۳؎ یہ رب تعالٰی کی طرف سے خاص آزمائشیں ہوں گی کہ جو لوگ اسے خدا مان لیں گے ان پر بارش نہایت مناسب،پیداوار نہایت اعلٰی،ان کے جانوروں کے دودھ،گھی میں بہت زیادتی ہوجاوے گی،ان کے اونٹ بہت موٹے تازہ اونچے ہو جاویں گے،دوسرے لوگ ان کی اس فراخی کو دیکھ کر دھوکہ کھا جائیں گے کہ واقعی وہ خدا ہی ہے۔دیکھو اس نے اپنے ان بندوں کو کیسا آرام سے اور مالدار کردیا وہ لوگ ان لوگوں کی مالداری و عیش کو دیکھ کر اسے خدا مان لیں گے۔

۱۴؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ دجال کسی کو کفر پر مجبور نہ کرسکے گا،یہ شعبدے دکھا کر مائل ہی کرے گا، رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ"یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بندے دلائل کے ذریعے اس کی شر سے محفوظ رہیں گے۔

۱۵؎ **محل** بنا ہے **محل** سے بمعنی خشکی و قحط سالی یعنی ان پر نہ تو بارش ہوگی نہ ان کی زمین میں سبزہ رہے گا۔

۱۶؎ یعنی ان کا اپنا پہلا مال بھی فنا ہوجاوے گا،جانور یا خشک ہوجاویں گے یا مرجاویں گے،گھروں میں تباہی آجاوے گی مگر یہ لوگ راضی بہ رضا رہیں گے۔

۱۷؎ یعنی آبادیوں میں جاکر تو وہ آفت ڈھائے گا اور ویرانہ زمینوں میں پہنچ کر یہ فساد پھیلائے گا اس کے ساتھ اس کے ہالی موالی بہت رہیں گے،ویرانوں کے خزانوں کو اپنے ساتھ لے لے گا جنہیں ان کے ساتھ والے نکلتے دیکھیں گے اور دوسرے لوگوں کو یہ سب بتائیں گے۔**یعاسیب** جمع ہے **یعسوب** کی بمعنی شہد کی مکھیوں کی سردار مکھی کہ جب وہ اڑاتی ہے تو اس کے ساتھ سارے چھتے کی مکھیاں اڑتی ہیں اس لیے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے۔**یعاسیب** جمع فرماکر ارشارۃً بتایا کہ بے شمار مکھیوں کی طرح اس کے ساتھ بے شمار خزانے چلیں گے،یہ خزانے یا تو بذات خود چلیں گے یا کسی سواری میں جیسے آج لاکھوں من سامان ریل،موٹر،بحری جہاز،ہوائی جہاز دوڑتے تیر تے اڑتے پھررہے ہیں۔

۱۸؎ یہ جوان آدمی یا تو اس کے متبعین میں سے ہوگا،لوگوں کو اپنی قوت دکھانے کے لیے یہ حرکت کرے گا یا ان میں سے ہوگا جو ان کی پیروی نہ کریں گے اسے سزا دینے کے لیے یہ حرکت کرے گا۔تلوار سے اسے چیر دے گا جیسے آرے سے چیرا جاتا ہے اور دونوں ٹکڑے اتنے فاصلہ پر پھینکے گا جو تیر اور اس کے نشانہ کے درمیان ہوتا ہے یعنی بہت دور۔

۱۹؎ یعنی اس کی ایک آواز پر یہ دونوں ٹکڑے حرکت کرکے آپس میں مل جاویں گے پھر پورا جسم بن کر اس میں جان پڑجاوے گی اور وہ جوان دوڑتا ہواآجاوے گا۔ہم نے بعض جادوگروں کو دیکھا کہ آدمی کو چادر اوڑھا کر اس کا گلہ کاٹ دیتے ہیں اورپھر اسے اچھا خاصا کھڑا کردیتے ہیں مگر یہ شعبدہ ہوتا ہے غالبًا وہ حقیقتًا یہ کرے گا۔

۲۰؎ اللہ تعالٰی جھوٹے مسیح کو سچے مسیح کے ذریعے ہلاک کرے گا اس لیے اس مردود کو حضرت مہدی قتل نہ کریں گے کہ اس کام کے لیے حضرت مسیح منتخب ہوچکے ہیں۔**مھزودتین** تثنیہ ہے،**مھزودۃ** بمعنی غوطہ دیا ہوا یعنی آپ کے جسم شریف پر گیرویا زعفران رنگے ہوئے دو کپڑے ہوں گے تہبند چادر۔

۲۱؎ **جمان** گھنگرو کے دانہ یا موتی کی طرح گول قطرے جو نہایت صاف شفاف و سفید ہوں،آپ خود نہایت حسین ہوں گے آپ کا یہ پسینہ نہایت پاکیزہ و خوشبودار ہوگا۔

۲۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد سانس نہیں بلکہ دم کرنا ہے یعنی آپ جب دم کرنے کی نیت سے پھونک لگائیں گے تو آپ کا دم تاحد نظر پہنچے گا اور جس کافر کو لگے گا وہ مرے گا۔اللہ کی شان ہے کہ پہلے اسی دم سے مردے زندہ ہوتے تھے اور اب زندہ کافر مردہ ہوں گے۔یا جوج و ماجوج کفار پر آپ کریں گے ہی نہیں کیونکہ ان کی موت اور طرح سے واقع کرنا ہے،بعض نے فرمایا کہ نفس سے مراد سانس ہی ہے۔

۲۳؎ لد بیت المقدس کی قریب ایک بستی ہے،اس بستی کے دروازے میں گھستے ہوئے اسے پائیں گے کہ وہ وہاں داخل ہورہا ہوگا اسے دروازہ پر ہی قتل کردیں گے اندر داخل نہ ہونے دیں گے جیسے شداد اپنی جنت کے دروازے پر ہی قتل کردیا گیا۔

۲۴؎ یعنی ان مؤمنین کے چہرے جو گردوغبار سے اٹے ہوں گے جیساکہ عام غرباء فقراء کا حال ہوتا ہے،اسے خود حضرت مسیح اپنے ہاتھ شریف سے صاف کریں گے یا محبت و کرم سے ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے مگر پہلے معنی قوی ہیں جیساکہ **عن وجوھھم** فرمانے سے معلوم ہورہا ہے۔آپ غبار صاف فرماتے جائیں گے اورا نہیں جنت کی بلکہ وہاں کے درجات کی خبر دیتے جائیں گے۔

۲۵؎ یعنی اے عیسیٰ دجال تو آیا اور ہلاک ہوگیا اب کچھ روز کے لیے ایک بڑی مخلوق یا جوج ماجوج اس زمین پر آرہے ہیں جن کی ہلاکت تمہارے ہاتھوں سے نہیں بلکہ تمہاری بددعا سے ہوگی اس لیے یہ زمین خالی کر دو،طور پہاڑ ان کی شر سے محفوظ رہے گا ان مسلمانوں کو وہاں لے جاؤ۔یہ ان کو تنبیہ فرما کر بتایا گیا کہ کسی انسان میں دونوں ہاتھوں سے بھی ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

۲۶؎ یعنی جب یا جوج ماجوج کی دیوار ٹوٹے گی تو وہ ہر طرف سے دوڑتے ہوئے اس زمین پر آئیں گے ان کی کثرت سے زمین بھر جاوے گی۔

۲۷؎ یعنی ان کی کثرت کا یہ حال ہوگا کہ دریا کا سارا پانی انکا اگلا حصہ ہی پی جاوے گا اور دریا خشک کردے گا۔بحیرہ تصغیر ہے بحر کی،بحیرہ طبریہ شام کے علاقہ میں دس میل لمبا دریا ہے،طبریہ ایک بستی کا نام ہے اردن کے علاقہ میں وہاں یہ دریا ہے اس لیے اسے بحیرہ طبریہ کہتے ہیں۔

۲۸؎ **خمر** کے معنی ہیں چھپنا ڈھانپنا،اسی سے ہے خمار دوپٹہ،چونکہ وہ پہاڑ بہت سرسبز ہے کہ اس کی پوری زمین سبزہ اور درختوں سے چھپی ہوئی ہے اس لیے اسے جبل خمر کہتے ہیں یعنی سبزہ سے ڈھکا ہوا پہاڑ۔(لمعات،مرقات)

۲۹؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان تو طور پہاڑ میں محفوظ ہوچکے ہوں گے مگر زمین میں کفار بہت ہوں گے یعنی دجال کو مان لینے والے وہ یاجوج ماجوج کے ہاتھوں مارے جائیں گے حتی کہ زمین میں ان میں سے کوئی نہ بچے گا اس لیے یہ یاجوج ماجوج کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم مار چکے آؤ آسمان والے فرشتوں کو بھی مار لیں تاکہ دنیا میں ہم ہی رہیں ہمارے سوا کوئی نہ رہے۔

۳۰؎ ممکن ہے کہ یہ تیر چڑیوں کے لگیں ان کے خون میں بھیگ کر لوٹیں۔اس میں اشارۃً یہ فرمایا کہ یاجوج ماجوج کا فساد صرف زمین میں نہ ہوگا بلکہ فضا میں بھی ہوگا۔

۳۱؎ چونکہ اس زمانہ میں مسلمان صرف کوہ طور پر رہیں گے کہیں جا آ نہ سکیں گے اس ہی لیے باہر سے مال کی درآمد برآمد بند ہوگی لہٰذا قحط بہت پڑ جاوے گا اور باوجودیکہ وہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب ہے،پھر گرانی کا یہ حال ہوگا کہ جو قدر آج سو دینار کی ہے اس سے زیادہ قدر قیمت گائے کی ایک سری کی ہوگی،مسلمانوں پر یہ زمانہ بہت تنگی کا گزرے گا،جب گائے کی سری کی یہ قیمت ہوگی تو باقی گوشت کی قیمت اندازہ لگا لو،سری بہت سستی ہوتی ہے۔

۳۲؎ اس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم یا جوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے مؤمنین آمین کہیں گے۔نبی اللہ فرماکر یہ بتایا گیا کہ اس وقت بھی عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے نبوت کے منسوخ ہونے سے ان کے احکام بندوں پر جاری نہیں

ہوتے مگر ان کا درجہ عند اللہ وہ ہی رہتا ہے۔اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جناب خضر کے پاس گئے تو ان کی نبوت منسوخ نہ ہوئی تھی مگر وہاں آپ نبوت کی شان سے نہ گئے تھے نہ حضرت خضر پر توریت کے احکام جاری فرمائے تو جب دینِ مصطفوی میں عیسیٰ علیہ السلام آویں گے تو قرآنی احکام ہوتے ہوئے اپنی منسوخ شریعت کے احکام کیسے جاری کریں گے،مرزائیوں کو اس میں غور کرنا چاہیے۔

۳۳؎یعنی ایک آن کی آن میں سب ہلاک ہوجائیں گےانہیں مرتے ہوئے ایک ساعت بھی نہ لگے گی،یہ پتہ نہ لگا کہ یہ لوگ زمین میں کتنے دن رہیں گے۔

۳۴؎یعنی تمام روئے زمین ان مردودوں کی لاشوں اور بدبو سے بھرا ہوگا،مسلمان اس قید سے نکل تو آئیں گے مگر اس مصیبت سے زمین میں کاروبار تو کیا چل پھر بھی نہ سکیں گے۔

۳۵؎حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا اور مسلمانوں کی آمین پر یہ پرندے رب تعالٰی بھیجے گاجو تعداد میں بے شمار ہوں گے،جسامت میں بہت بڑے اور طاقتور کہ ایک پرندہ یا جوج کی لاش اٹھائے گا،کہاں سے آئیں گے اور کہاں غائب ہوجائیں گے یہ رب جانے۔ٹڈی دل ہم نے آتے دیکھا ہےنہ معلوم کہاں سے آتا ہے اور پھر کہاں غائب ہوجاتا ہے،ان پرندوں کی شکل بختی اونٹوں کی گردنوں سے ملی ہوگی۔

۳۶؎یہ بھی رب تعالٰی کی قدرت ہی ہوگی کہ اتنی زیادہ لاشیں جن سے روئے زمین بھری ہوگی نہ معلوم کہاں غائب کردی جائیں گی اس جگہ کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۳۷؎**نہبل** بروزن **منبر** بمعنی بڑا پہاڑ۔اور یہ ایک بستی کا نام بھی ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے۔غالبًا اس بستی کا یہ نام اس پہاڑ کے نام سے ہے جیسے ہمارے پنجاب میں سانگلہ ہل ایک شہر کا نام ہے اس کے ایک پہاڑ کے نام پر جہلم ایک شہر ہے دریاجہلم کے نام پر،اس چھوٹی سی جگہ میں اتنی لاشوں کا سماجانا بھی اللہ تعالٰی کی قدرت ہی سے ہوگا۔

۳۸؎ یعنی یاجوج ماجوج تو مر جائیں گے مگر اپنی تیرترکش،کمانیں اتنی بڑی تعدا دمیں چھوڑ جائیں گے کہ سات سال تک مسلمان انہیں جلا کر اپنے سب کام چلائیں گے مفت کی لکڑی پائیں گے۔

۳۹؎اس فرمان کا تعلق یا جوج ماجوج کی ہلاکت سے ہےیعنی ان مردودوں کے ہلاک ہو جانے اور ان کی نعشیں پھینک دیئے جانے پر عالمگیر بارش آوے گی،یہ مطلب نہیں کہ سات تیر و کمان ترکش چلاچکنے کے بعد بارش آوے گی۔

۴۰؎**زلقہ** قاف سے بمعنی صاف آئینہ،**زلفہ** سے اس کے بہت معنی ہیں:ڈھلی زمین،صاف تشتری،سبز رنگ کا صاف گھڑا،سیب،صاف پتھر،صاف کردہ زمین،یہاں **زلفہ** ف سے بھی ہوسکتا ہے اور قاف سے بھی ہرمعنی درست ہیں ز اور لام کے فتحہ سے۔

۴۱؎یعنی ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دانوں سے ایک پوری جماعت شکم سیری ہوجاوے اور اس کا چھلکا پورے خیمہ کی طرح ہوگا۔**قحف** کھوپڑی کے پیالہ کو کہتے ہیں،چونکہ انار کا چھلکا کھوپڑی کی طرح گول اور ڈھلوان ہوتا ہے اس لیے اسے **قحف** فرمایا گیا کوہ مری اور شملہ کی ایک ہری مرچ میں ڈیڑھ پاؤ قیمہ بھر جاتا ہے۔

۴۲؎ **لقحہ** لام کے کسرہ قاف کے سکون سے نوزائیدہ مادہ جانور خواہ اونٹنی ہو یا گائے یا بکری۔خیال رہے کہ نوزائیدہ کا دودھ کم ہوتا ہے،کچھ دن بعد جب خون ڈال دیتی ہیں تب دودھ بڑھتا ہے۔فرمایا جارہا ہے کہ جب نوزائیدہ یعنی نئی نئی بیاہی ہوئی مادہ جانور کے دودھ میں ایسی برکت و کثرت ہوگی تو سمجھ لو کہ پرانی ہوکر اس کا دودھ کتنا ہوگا،ان احادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ہم نے پہاڑ کے آلو دیکھے ہیں ایک آلو ڈیڑھ سیر بلکہ دو سیر کا،آزادکشمیر کی مولی بہت موٹی بہت لمبی کہ ایک آدمی ایک مولی اٹھا سکتا ہے،رب تعالٰی کی قدرت ہمارے خیال سے ورا ہے۔ہم نے دوسرے حج کے موقعہ پر طائف کے انار دیکھے چھوٹے تربوز کے برابرجن کے دانے چھوٹے آلو کے برابر ایک انار کے شربت سے بوتل بھر جاتی تھی اور جدہ کے تربوز اس زمانہ میں اتنے بڑے دیکھے کہ سبحان اللہ!لہذا یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۴۳؎ یہاں مسلم و مؤمن ہم معنی ہیں،مسلم مؤمن کی تفسیر ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بہت عرصہ بعد ہوگاجب کہ دنیا میں پھر کافر پھیل چکے ہوں گے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دنیا میں کوئی کافر نہ رہے گا سب مسلمان ہوچکے ہوں گے یا قتل۔کبھی مسلم و مؤمن میں فرق کیا جاتا ہے کہ ظاہری اطاعت کرنے والا مسلم اور دل سے عقائد اسلامیہ کو ماننے والا مؤمن۔یہ ہوا ایک غیبی ہوا ہوگی جو ہر مسلمان کی جان نہایت آسانی سے نکال لے گی۔

۴۴؎ **ھرج** بمعنی قتل بھی آتا ہےاور بمعنی زنا بھی یہاں بمعنی زنا ہے۔ہرج کے لغوی معنی خلط ملط ہونا ہےخواہ قتل کے لیے خواہ زنا کے لیے عورت و مرد کا اختلاط یہاں دوسرے معنی میں ہے۔بعض شارحین نے بمعنی قتل فرمایا ہے مگر پھر گدھوں سے تشبیہ درست نہیں ہوگی،گدھا جفتی کے وقت رینگتا ہےجس سے دور تک خبر ہوجاتی ہےاس لیے یہاں گدھے سے تشبیہ دی نہ کہ دوسرے جانور سے اگرچہ چیل بھی اس وقت چیختی ہے مگر گدھے سے کم اس کی آواز آتی ہے لہذا گدھے سے تشبیہ نہایت ہی موزوں ہے۔

۴۵؎ یعنی اتنی عبارت ترمذی شریف میں ہے مسلم میں نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال نکلے گا تو اس کی طرف مؤمنوں سے ایک صاحب متوجہ ہوں گے ۱؎ تو انہیں دجال کے سپاہی ملیں گے ۲؎ اور ان سے کہیں گے کہ کہاں کا ارادہ کر رہے ہو کہیں گے کہ میں اس کی طرف کا ارادہ کررہا ہوں جو نکلا ہے ۳؎ فرمایا وہ لوگ ان سے کہیں گے کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتے،وہ کہیں گے ہمارے رب میں پوشیدگی نہیں ۴؎ تو یہ لوگ کہیں گے کہ اسے قتل کردو تو ان کے بعض بعض سے کہیں گے کیا تم کو تمہارے رب نے اس کے بغیر قتل کرنے سے منع نہیں کیا ہے ۵؎ تو وہ انہیں دجال کے پاس لے جائیں گے مؤمن جب اسے دیکھے گا تو کہے گا اے لوگو یہ ہی وہ دجال ہے جس کا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ۶؎ فرمایا تب دجال اس کے متعلق حکم دے گا تو انہیں لمبا ڈال دیا جاوے گا کہے گا اسے پکڑلو اور زخمی کردو ۷؎ چنانچہ ان کی پیٹھ اور پیٹ مار کر چوڑے کردیں گے ۸؎ فرمایا وہ کہے گا کیا مجھ پر ایمان نہیں لاتا فرمایا وہ کہیں گے کہ تو جھوٹا مسیح ہے ۹؎ فرمایا بس اس کے متعلق حکم دیا جاوے گا تو آرے سے ان کی مانگ سے چیر دیا جاوے گا حتی کہ ان کے پاؤں چیر دیئے جائیں گے ۱۰؎ فرمایا پھر دجال دو ٹکڑوں کے درمیان چلے گا پھر اس سے کہے گا کھڑا ہو وہ سیدھا کھڑا ہوجاوے گا ۱۱؎ پھر اس سے کہے گا کیا مجھ پر ایمان لاتا ہے تو وہ کہے گا تیرے بارے میں میری بصیرت ہی زیادہ ہوئی ۱۲؎ فرمایا پھر کہیں گے اے لوگو یہ میرے بعد اب کسی آدمی سے یہ نہ کرسکے گا ۱۳؎ فرمایا پھر اسے دجال ذبح کرنے کے لیے پکڑے گا تو اس کی گردن سے گلے تک کے درمیان تانبہ کردیا جاوے گا ۱۴؎ پھر وہ اس تک راہ پانے کی طاقت نہ رکھے گا فرمایا کہ پھر دجال ان کے ہاتھوں پاؤں کو پکڑے گا اور پھینک دے گا لوگ سمجھیں گے کہ اسے آگ کی طرف پھینکا مگر وہ جنت میں ڈالا جاوے گا ۱۵؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص رب العالمین کے نزدیک تمام لوگوں میں بڑی شہادت والا ہوگا ۱۶؎ (مسلم)	

۱؎ یہ صاحب مدینہ سے نکلیں گے۔غالبًا حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے کیونکہ وہ اب تک زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے آپ ہی پر دجال کا زور ختم ہوگا۔(مرقات)

۲؎ **مسالح** ہے جمع **مسلح** کی،**مسلح** کے معنی ہیں ہتھیار رکھنے کی جگہ یعنی ملک کی سرحد پھر سرحد کے باشندے کو مسالح کہنے لگے کہ وہ لوگ ہر وقت ہتھیار بند رہتے ہیں،پھر محافظ سپاہیوں کو مسالح کہنے لگے کہ اکثر سپاہی ہتھیار بند ہوتے ہیں۔(لمعات،مرقات،اشعہ)معلوم ہوا کہ دجال اپنے سپاہی چھوڑے گا جو لوگوں کو اس مردود تک پہنچائیں گے۔

۳؎ آپ کا یہ فرمان نہایت حقارت کے انداز میں ہوگا۔خرج سے اشارۃً یہ فرمائیں گے کہ دجال راہِ حق سے نکلا ہوا ہے ایمان سے ہٹا ہوا ہے۔

۴؎ یعنی اے بیوقوفو! رب تعالٰی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں وہ تمام عیوب سے پاک ہے تمام صفات سے موصوف ہے۔ دجال کھاتا پیتا ہے،پیشاب پاخانہ کرتا ہے،سوتا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ کانا ہے جس میں یہ عیوب ہوں وہ رب کیسا تم اسے رب کیوں مانتے ہو۔

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ دجال کے سپاہیوں میں سے بعض کہیں گے کہ انہیں یہاں ہی قتل کردو بعض کہیں گے کہ نہیں انہیں دجال کے پاس لے چلو۔

۶؎ یعنی یہ صاحب دجال کی صورت اس کی کالی آنکھ کالا منہ دیکھ کر پکاریں گے کہ یہ خدا نہیں بلکہ خدا کا مردود بندہ ہے۔

۷؎ پہلا **شبح** بمعنی چوڑائی میں ڈال دینا یعنی مارنے کے لیے اس کو زمین پر الٹا لٹادینا جسے پنجابی میں کہتے ہیں لما پادینا۔دوسرا **شبحو شبح** سے بمعنی زخمی کرنے سے ہے یعنی پہلے انہیں زمین پر لمبا ڈالو پھر انہیں اتنا مارو کہ زخمی ہوجاویں ان دونوں کی اور کئی شرحیں ہیں جو اسی جگہ لمعات میں مذکور ہیں۔

۸؎ پیٹھ چوڑی کرنا ایک خاص محاورہ ہے یعنی مار مارکر ایسا حال کردیں گے کہ اگر ان کی پیٹھ لوہے یا سونے چاندی کی ہوتی توکٹ کٹ کر چوڑی ہوجاتی۔مقصد یہ ہے کہ بہت ہی ماریں گے مگر وہ اف نہ کریں گے،ہر کام اور ہر شخص کا ایک وقت ہوتا ہے۔حضرت خضر علیہ السلام دجال پر اپنی کرامت یا معجزہ نہ جاری کریں گے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ورنہ یہ خضر وہ ہیں جنہوں نے ایک اشارہ ے گرتی دیوار سیدھی کردی تھی اور ایک انگلی سے بچہ کا سراکھیڑ کر اسے مار دیا تھا جیساکہ قرآن میں ہے۔

۹؎ یعنی تو جھوٹا مسیح ہے جسے سچے مسیح علیہ السلام قتل کریں گے،یہ فیصلہ الٰہی ہے ورنہ میں ہی تجھے ہلاک کردیتا۔(مرقات)

۱۰؎ اللہ اکبر یہ ہے اللہ کی راہ میں مصیبت جھیلنا کہ لکڑی کھیرے کی طرح آرہ سے چیرے گئے اف نہ کی لوگ یہ تماشا دیکھ رہے ہوں گے۔

۱۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مقابلہ کے وقت کرامت و معجزہ سارے جادو اور استدراج پر غالب رہتا ہے مگر جب مقابلہ نہ ہو تو جادو،استدراج وغیرہ ولی نبی پر اثر کردیتے ہیں۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سارے جادو گر فیل ہوگئے کہ وہاں مقابلہ تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو نے اثر کردیا کہ وہاں مقابلہ نہ تھا بعض انبیاء کرام کو تلوار سے شہید یا زخمی کیا گیا یہاں دوسری صورت ہے۔دوسرے یہ کہ اگر زندگی باقی ہو جب بھی عارضی موت آسکتی ہے۔حضرت خضر کی زندگی قریب قیامت تک ہے مگر آج وہ دجال کے ہاتھوں عارضی طور پر شہید کردیئے گئے، عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ اپنی زندگی ختم کرکے مرے ہوتے تھے مگر اب دعا سے دوبارہ عمر پاتے تھے۔

۱۲؎ یعنی تیرا یہ کرشمہ دیکھ کر مجھے تیرے دجال ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا اور زیادہ یقین ہوگیا پہلے علم الیقین تھا اب عین الیقین ہوگیا۔

۱۳؎ یعنی اس کی شعبدہ بازیاں ختم ہوئیں اب یہ کسی کو مار کر زندہ نہ کرسکے گا مجھ پر اس کا زور ختم ہوا اور مسیح پر اس کا شور ختم ہوجائے گا،یہ مرکر گمنام ہو جائے گا۔

۱۴؎ یعنی ذبح کے وقت جہاں چھری چلائی جاتی ہے وہاں یا تو بعینہٖ تانبہ کی تختی ہوجائے گی یا یہ جگہ تانبہ کی طرح سخت کر دی جائے گی جس پر چھری نہ چل سکے گی اور دجال یا اس کے سپاہی ان بزرگوں کو ذبح نہیں کرسکیں گے۔

۱۵؎ اس جنت و آگ کی تحقیق ابھی کچھ پہلے کی جاچکی ہے یعنی دجال اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے ان بزرگوں کو اپنی خود ساختہ آگ میں ڈالے گا جو دیکھنے میں آگ ہوگی مگر نار نمرود کی طرح درحقیقت نہایت آرام دہ باغ ہوگا۔

۱۶؎ یعنی یہ صاحب اس زمانہ کے تمام شہید مسلمانوں میں اول درجہ کے شہید ہوں گے کیونکہ ایک بار تو آرہ سے چیرے گئے پھر دوبارہ قتل و ذبح کے لیے لٹائے گئے پھر ظاہری آگ میں پھینکے گئے ان سب کے سوا ایسے موقع پر نہایت جرأت و ہمت سے مردانہ واردجال کے مقابل ہوکر سینکڑوں کے ایمان کو بچا گئے اور ظاہر ہے کہ جیسے کارناموں جیسی تکلیف ویسا درجہ۔اس الناس میں حضرات شہداء احد،بدروحنین یا شہداء کربلا داخل نہیں کہ ان کے درجہ تک کوئی مسلمان تاقیامت نہیں پہنچ سکتالہٰذا حدیث واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ سید الشداء تو حضرت حمزہ یا شہداء کربلا امام حسین ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ درجہ ان کی نبوت کی وجہ سے سب سے بڑھ جاوے کہ نبی کا عمل غیر نبی کے عمل سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

روایت ہے حضرت ام شریک سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ دجال سے بھاگیں گے حتی کہ پہاڑوں میں جا پہنچیں گے ۲؎ ام شریک فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ تو اس دن عرب کہاں ہوں گے فرمایا وہ تھوڑے ہوں گے ۳؎ (مسلم)

۱؎ ام شریک دو ہیں: ایک ام شریک انصاریہ صحابیہ،دوسری ام شریک قرشیہ عامریہ،یہاں ام شریک قرشیہ مراد ہیں اور جن ام شریک کے پاس فاطمہ بنت قیس کو عدت گزارنے کا حکم دیا گیا تھا وہ ام شریک انصاریہ تھیں۔(اشعہ) ۲؎ یعنی احتیاطًا مسلمان اپنا دین بچانے کے لیے بستیوں بلکہ جنگلوں میں نہ ٹھہریں گے کیونکہ اس زمانہ میں کوئی جگہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہوگی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی تعریف فرماتے ہوئے یہ فرمارہے ہیں۔معلوم ہوا کہ فتنہ کے زمانہ میں بستیاں چھوڑ کر گوشہ نشین ہوجانا اچھا ہے کہ اس میں دین کی بڑی حفاظت ہے۔

۳؎ جناب ام شریک نے پوچھا کہ عرب تو بڑے بہادر ہیں یہ لوگ دجال پر جہاد کیوں نہ کریں گے،فرمایا کہ اس وقت عرب اتنے تھوڑے ہوں گے کہ جہاد کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔معلوم ہوا کہ جہاد کے لیے قدرت شرط ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اصفہان کے یہود میں سے ستر ہزار آدمی دجال کی پیروی کرلیں گے ۱؎ جن پر طیلسان لباس ہوگا ۲؎ (مسلم)

۱؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں یہود شہر اصفہان میں کثرت سے ہوں گے۔اصفہان ایران کا مشہور شہر ہے میں نے وہاں کی سیر کی ہے یہاں ہی دجال کا زور زیادہ ہوگا اور دجال کے پہلے مددگار و معاون یہود ہوں گے،بعض نے کہا کہ دجال خود یہود میں سے ہوگا۔

۲؎ طیالسہ جمع ہے طیلسان کی جو معرب ہے تالسان کا۔تالسان وہ خاص رومال ہے جس سے سر اور کندھا ڈھکا جاتا ہے یا کوئی اور خاص لباس۔طیلسان پہننے سے ممانعت بھی آتی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا پہننا بھی ثابت ہے،جب

تک یہ یہود کا نشان خاص رہا ممنوع رہا،جب اس کا رواج عام ہوگیا تب حضور نے پہنا تمام لباسوں کا یہ ہی حال کہ جو کفار کی علامت ہوں ان سے بچے اور جب علامت نہ رہیں مشترک بن جاویں تو جائز ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال آوے گا حالانکہ اس کو مدینہ کے راستوں میں داخلہ ناممکن ہوگا تو بعض کھاری زمینوں میں جو مدینہ سے متصل ہیں وہاں اترے گا۱؎ تو اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو لوگوں میں بہترین یا لوگوں میں سے بہترین ہوگا۲؎ وہ کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہ ہی دجال ہے جس کی خبر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو دجال کہے گا کہ بتاؤ تو اگر میں اسے قتل کردوں پھر زندہ کردوں تو کیا تم اس میں کچھ شک کرو گے۳؎ وہ لوگ کہیں گے کہ نہیں تو وہ اس شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا تب وہ کہے گا واللہ کہ اب سے پہلے تیرے متعلق زیادہ سمجھ بوجھ والا نہ تھا۴؎ پھر دجال اسے قتل کرنا چاہے گا تو اس پر قابو نہ دیا جاوے گا۵؎(مسلم)	

۱؎ انقاب جمع ہے نقیب کی،معنی پہاڑی راستہ جو پہاڑ میں جائے،اب ہر راستہ کو نقب کہتے ہیں۔یہاں اسی معنی میں ہے یعنی باہر سے جتنے راستے مدینہ منورہ میں آتے ہیں ان سب پر کنارہ مدینہ منورہ پر فرشتے ہوں گے جو دجال کو مدینہ مطہرہ میں داخل ہونے سے روکیں گے وہ ہی یہاں مراد ہے وہ مردود مدینہ منورہ کے باہر جو زمین شورہ ہے وہاں قیام کرے گا۔

۲؎ عام شارحین نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام ہوں گے جو دجال کا مقابلہ کرنے نکلیں گے،وہ زندہ ہیں اور تاقیامت زندہ رہیں گے۔اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ہوں گے آپ دجال کے ہاتھوں دکھ اٹھائیں گے مگر اسے بے نقاب فرمادیں گے،اس کی جھوٹی الوہیت کی مٹی انہیں کے ہاتھوں پلید ہوگی،اس وقت آپ اسلام کے مبلغ اعظم ہوں گے اور سب کو نظر آئیں گے سب انہیں پہچانیں گے ان سے گفتگو کریں گے۔

۳؎ دجال اپنے ماننے والوں سے یہ خطاب کرے گا خود ان بزرگ سے یہ خطاب نہ کرے گا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ بزرگ تو مجھے مانیں گے نہیں،اسے خطرہ تھا کہ شاید ان بزرگ کی تقریر سے میرے ماننے والوں کے دلوں میں میری طرف سے کچھ شک ہوگیا اس لیے ان سے یہ کہے گا۔اس فرمان عالی کے اور کئی مطلب کیے گئے ہیں مگر یہ مطلب قوی ہے کہ اس میں خطاب اس کے معتقد یہودیوں سے ہے نہ کہ مؤمنین سے۔

۴؎ یعنی دجال کے کافر ہونے کا جتنا یقین مجھے اب ہوگیا اتنا پہلے نہ تھا کہ پہلے مجھے تیرے متعلق عین الیقین تھا دیکھ کر اب حق الیقین ہوگیا آزماکر۔

۵؎ یعنی اب جو ان بزرگ کو ذبح کرنے جائے گا تو نہ کرسکے گا کیونکہ انکی گردن میں تانبہ یا پیتل ہوجائے گا جو چھری سے کٹ نہ سکے گا اور آج اس وقت سے اس کی یہ شعبدہ بازیاں ختم ہوجائیں گی اس کا زوال شروع ہوجائے گا،پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی لاش گلیوں میں پھرے گی جسے کتے کھاتے ہوں گے اللہ سچا اس کے نبی سچے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مسیح دجال مشرق کی طرف سے آوے گا اس کا ارادہ مدینہ منورہ کا ہوگا۱؎ حتی کہ احد کے پیچھے اترے گا پھر فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیردیں گے اور وہاں ہی ہلاک ہوگا۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ پہلے گزر چکا کہ دجال خراسان سے نکلے گا اور خراسان مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہے وہ مدینہ منورہ کے ارادہ سے اتنا دراز سفر طے کرے گا مگر یہاں داخل نہ ہوسکے گا کہ یہاں سید الابرار آرام فرما ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ پہلے گزر چکا کہ دجال باب لد میں مارا جائے گا اور باب لد دمشق کے قریب ایک بستی ہوگی اور دمشق ملک شام میں ہے اسے وہاں موت لے جائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مدینہ منورہ میں مسیح دجال کا رعب نہ داخل ہوگا۱؎ اس دن اس کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے ۲؎(بخاری)

۱؎ یعنی ساری دنیا کے بڑے شہروں میں وہ خود داخل ہوگا اور چھوٹی بستیوں میں اس کے مبلغ اس کی دہشتناک خبریں پہنچائیں گے جس سے لوگ ڈرکر یا لالچ سے اسے رب مان لیں گے مگر مدینہ منورہ وہ محفوظ و مامون شہر ہوگا جہاں نہ دجال آوے نہ اس کا رعب۔یہاں کے لوگ بالکل محفوظ اور مطمئن ہوں گے یہ ہی امن و امان مکہ معظّمہ میں ہوگا،زمین مدینہ میں نہ طاعون داخل ہو اور نہ کوئی وبائی بیماری نہ دجال وغیرہ۔

۲؎ دروازوں سے مراد یا تو راستے ہیں یا خود یہ ہی معروف دروازے یعنی اس دن مدینہ منورہ میں اردگرد چہار دیواری ہوگی اور دیوار میں سات دروازے ہوں گے،اب بھی مدینہ منورہ کے اردگرد کہیں یہ چہار دیواری دیکھی جاتی ہے۔غالبًا اس زمانہ میں یہ چہار دیواری مکمل ہوگی جس میں یہ دروازے ہوں گے،ہر دروازے پر دو فرشتے،ان فرشتوں میں جبریل امین بھی ہوں گے۔وہ جو مشہور ہے کہ حضور کی وفات کے بعد حضرت جبریل زمین پر نہ آئیں گے بالکل غلط ہے۔طبرانی میں ہے کہ جو مؤمن و ضو پر مرے اس کے نزع کے وقت اس کے پاس جبریل آمین آتے ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے جناب فاطمہ بنت قیس سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانچی کو سنا جو اعلان کررہا تھا کہ نماز تیار ہے تو میں مسجد کی طرف گئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ۲؎ تو جب حضور نے نماز

پوری کرلی تو منبر پر جلوہ افروز ہوئے حالانکہ حضور ہنس رہے تھے۳؎ فرمایا ہر شخص اپنی نماز کی جگہ رہے۴؎ پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ ہم نے تم کو کیوں جمع فرمایا ہے سب نے عرض کی اللہ رسول ہی جانیں،فرمایا واللہ ہم نے تم کو بشارت دینے اور ڈرانے کے لیے جمع نہیں فرمایا ۵؎ لیکن اس لیے جمع فرمایا ہے کہ تمیم داری ایک عیسائی آدمی تھا وہ آیا اور مسلمان ہوگیا ۶؎ اور اس نے ہم کو ایسی خبر دی جو اس کے موافق ہے جو ہم تم کو مسیح دجال کے متعلق بتایا کرتے تھے ۷؎ اس نے ہم کو خبر دی کہ وہ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ دریائی جہاز میں سوار ہوئے ۸؎ تو انہیں ایک ماہ تک موج سمندر میں کھلاتی رہی ۹؎ پھر وہ مغرب کی طرف جزیرہ کے قریب پہنچے پھر وہ چھوٹی کشتی میں بیٹھے جزیرہ میں داخل ہوئے ۱۰؎ تو انہیں ایک بہت زیادہ اور موٹے بالوں والا جانور ملا ۱۱؎ کہ بالوں کی زیادتی کی وجہ سے یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا اگلا اور پچھلا حصہ کون سا ہے ۱۲؎ ان لوگوں نے کہا تیری خرابی ہو تو کون ہے وہ بولی میں جاسوس ہوں ۱۳؎ تم لوگ کلیسہ میں اس شخص کے پاس جاؤ کہ وہ تمہاری خبر کا مشتاق ہے،کہا کہ جب اس نے ہم سے ایک آدمی کا نام لیا تو ہم اس سے بولے کہ وہ جناتنی ہے ۱۴؎ کہا کہ پھر ہم تیز چلے حتی کہ کلیسہ میں داخل ہوگئے ۱۵؎ تو اس میں ایک بہت بھاری بھرکم آدمی تھا ہم نے اتنا بڑا اور ایسا مضبوط بندھا ہوا آدمی نہ دیکھا تھا اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے ۱۶؎ اس کو گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے سے جکڑا ہوا تھا ہم نے کہا تیری خرابی ہو تو ہے کون وہ بولا میری خبر پر تم نے قابو پالیا تم بتاؤ تم کون لوگ ہو ۱۷؎ انہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں ہم دریائی جہاز میں سوار ہوئے تو ہم کو دریا ایک ماہ تک کھلاتا رہا ۱۸؎ پھر ہم اس جزیرہ میں داخل ہوئے تو ہم کو بڑے بالوں والا جانور ملا وہ بولا میں جاسوس ہوں اس کلیسہ کی طرف جاؤ تو ہم دوڑتے ہوئے تیری طرف آگئے وہ

بولا کہ مجھے بیسان کے باغ کی خبر دو کیا وہ پھل دے رہا ہے ۱۹؎ہم نے کہا ہاں وہ بولا قریب ہے کہ پھل نہ دے گا ۲۰؎بولا مجھے بحیرہ طبریہ کے متعلق بتاؤ کیا اس میں پانی ہے ۲۱؎ہم نے کہا کہ وہ تو بہت پانی والا ہے بولا قریب ہے کہ اس کا پانی خشک ہوجاوے۲۲؎بولا مجھے چشمہ زغر کے متعلق بتاؤ کیا اس چشمہ میں پانی ہے اور کیا وہاں کے باشندے کھیتی باڑی کررہے ہیں۲۳؎ہم نے کہا ہاں اس میں بہت پانی ہے اور وہاں کے باشندے اس کے پانی سے کھیتی باڑی کررہے ہیں۲۴؎وہ بولا مجھے ناخواندہ لوگوں کے نبی کے متعلق خبر دو کہ انہوں نے کہا کیا ۲۵؎ہم نے کہا وہ مکہ سے تشریف لے گئے اور مدینہ قیام پذیر ہوئے بولا کیا عرب نے ان سے جنگ کی ہم نے کہا ں ہاں بولا ان کے ساتھی نبی نے کیا کیا ہم نے اسے بتایا کہ وہ متصل عرب پر غالب آگئے ہیں اور عرب نے ان کی اطاعت کرلی ہے ۲۶؎بولا عرب کے لیے ان کی اطاعت کرنا بہتر ہے ۲۷؎اور میں تمہیں اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں ۲۸؎قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت دی جاوے تو میں نکلوں تو ساری زمین میں چلوں کوئی بستی نہ چھوڑوں مگر وہاں چالیس دن میں اتروں سواء مکہ اور مدینہ کے۲۹؎کہ وہ دونوں بستیاں مجھ پر حرام ہیں جب کبھی میں ان میں سے کسی میں داخل ہوتا جاؤں گا تو میرے سامنے ایک فرشتہ آوے گا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہوگی جو مجھے وہاں سے روک دے گااور اس کے ہر راستہ پر فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہوں گی۳۰؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصامنبر پر مارا اور فرمایا یہ ہے طیبہ یعنی مدینہ منورہ، بولو کیا ہم نے تم کو یہ خبریں دی تھیں لوگوں نے کہا ہاں ۳۱؎آگاہ رہو کہ وہ شام یا یمن کے جنگل میں ہے نہیں بلکہ مشرق کی طرف وہ ہے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا ۳۲؎(مسلم)

۱؎ آپ قرشیہ فہریہ ہیں یعنی فہر ابن مالک ابن نفر کی اولاد سے ہیں،ضحاک ابن قیس کی بہن ہیں،مہاجرین اولین میں سے ہیں،صاحب جمال و عقل تھیں،پہلے عمرو ابن مغیرہ کے نکاح میں تھیں ان سے طلاق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ ابن زید سے نکاح کردیا۔

۲؎ جب کبھی کوئی اہم مشورہ یا ضروری کام ہوتا تو نماز کے بعد مسجد میں کیا جاتا تھا اس موقع پر اعلان ہوتا تھا سب لوگ فلاں نماز مسجد نبوی میں ادا کریں،لوگ اہتمام سے آجاتے تھے یہ ہی مراد یہاں ہے لہذا حدیث ظاہر ہے۔

۳؎ یہاں ہنسا بمعنی تبسم فرمانا ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر شریف میں کبھی ٹھٹھا مار کر نہ ہنسے ہاں تبسم بہت فرماتے تھے۔شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں   اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

۴؎ یعنی کوئی صاحب نہ ہٹے نہ اٹھے ہمارا کلام وہاں ہی بیٹھے سنے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے۔

۵؎ یعنی نہ تو کوئی رحمت کی آیت نازل ہوئی ہے نہ عذاب کی آیت جسے سنانے کے لیے میں نے تم لوگوں کو جمع کیا ہو،نہ مال غنیمت کہیں سے آیا ہے جو تم میں تقسیم کرنا ہے،نہ دشمن کے مقابلہ کے لیے تم کو کہیں بھیجنا ہے آج تو ایک نئی بات ہی سنانا ہے۔

۶؎ حضرت تمیم ابن اوس مشہور صحابی ہیں،قبیلہ بنی عبدالدار سے ہیں،دار ایک بت کا نام تھا اس نسبت سے ان کے مورث اعلیٰ کا نام عبدالدار تھا،بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار تھے،اولًا مدینہ منورہ میں رہے،حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام میں قیام پذیر ہوئے وہاں ہی آپ کا مزار ہے،مسجد نبوی شریف میں سب سے پہلے چراغ جلانے والے بلکہ چراغ کرنے والے آپ ہی ہیں،اولًا آپ عیسائی تھے پھر یہ واقعہ دیکھا جو یہاں مذکور ہے،حضور کے ہاتھ پر ایمان لائے۔(اکمال)آپ ۹ھ میں ایمان لائے،بڑے پایہ کے صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

۷؎ یعنی ہماری خبر کی آنکھوں دیکھی تصدیق سن لو غالبًا حضرت تمیم داری اس مجمع میں موجود تھے حضور نے ان کی موجودگی میں یہ سب کچھ سنایا۔

۸؎ سفینہ تبریہ یعنی ریت کا جہاز اونٹ کو کہتے ہیں اور سفینہ بحریہ یعنی سمندری جہاز بڑی کشتی کو،نیز چھوٹی کشتی کو جو نہروں وغیرہ میں چلے زورق کہتے ہیں،بڑی کشتی کو سفینہ بحریہ،لخم یمن کا ایک قبیلہ ہے اور جذام ج کے پیش سے نجد کا ایک قبیلہ ہے۔(اشعہ،مرقات)

۹؎ بے فائدہ کام کو لعب کہتے ہیں،چونکہ دریا میں اتنے روز تک مارے مارے پھرنا بے فائدہ تھا اس لیے اسے لعب فرمایا۔

۱۰؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بڑی کشتیوں کے اندر اس کے ساتھ چھوٹی کشتیاں رہتی تھیں،بڑی کشتی گہرے پانی میں رہتی تھی اور چھوٹی کشتی سے کنارہ تک آتے تھے۔اقرب جمع قارب کی بمعنی چھوٹی کشتی یہ جمع شاذ ہے فاعل کی جمع افعل کے وزن پر نہیں آتی الا شاذًا۔خلاصہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے ایک ماہ کے بعد زمین دیکھی تو غنیمت سمجھ کر وہاں اترے اور چھوٹی کشتی کے ذریعہ کنارہ پر پہنچے۔

۱۱؎ اھلب بنا ہے ھلب سے بمعنی موٹے بال یا دم پر زیادہ بال،یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی اس جانور کے بال بہت تھے اور موٹے تھے۔دابہ نر اور مادہ دونوں جانوروں کو کہا جاتا ہے،رب فرماتا ہے:"وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا"۔

۱۲؎ یعنی اس کے سر سے دم تک بال ہی بال تھے پتہ نہ لگتا تھا کہ سر کدھر ہے اور دم کدھر ہے گویا عجیب الخلقت مخلوق تھی۔

۱۳؎ یعنی میرا کام ہے لوگوں کی خبریں دجال تک پہنچاؤں جو اس کلیسہ میں بندھا ہوا ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص فرماتے ہیں کہ یہ جانور وہ ہی دابۃ الارض تھا جو قریب قیامت نمودار ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے"اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً"۔

۱۴؎ یعنی ہم کو یہ خوف ہوا کہ شاید جناتی ہو اور ہم کو جس کے پاس بھیج رہی ہے وہ جن ہو ہم جنات میں پھنس نہ جائیں۔

۱۵؎ دیر بنا ہے دار سے اور دار بنا ہے دور سے بمعنی گول عمارت،چونکہ گرجا اکثر گول ہوتا ہے اس لیے اسے دیر کہتے ہیں۔غالبًا اس وقت دجال یہودیوں میں سے ہے جو ایک گرجے میں بندھا ہوا ہے جیساکہ آگے معلوم ہوگا۔

۱۶؎ یعنی اس سے پہلے ہم نے نہ تو اتنا قد آور آدمی دیکھا نہ ایسی مضبوط زنجیر دیکھی جس میں وہ بندھا تھا وہ بھی ہیبت ناک اس کی قید بھی ہیبت ناک۔

۱۷؎ یعنی تم میرے پاس آگئے ہو تم میری خبریں سن ہی لوگے اور میں تم کو سب کچھ اپنے متعلق بتا ہی دوں گا پہلے تم بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو۔خیال رہے کہ یہ دجال ان لوگوں کے حالات پوچھنا چاہتا تھا نہ کہ ان کی حقیقت کیوں کہ اسے خبر تھی کہ یہ لوگ انسان ہیں اس لیے اس نے ما کہا من نہ کہا۔(اشعہ،مرقات)

۱۸؎ یعنی ہم اہل عرب ہیں تجارت وغیرہ کی غرض سے دریائی سفر کررہے تھے کہ سمندر کی موجوں میں ہم پھنس گئے۔

۱۹؎ خیال رہے کہ بیسان دو بستیوں کے نام ہیں: ایک حجاز میں ہے،دوسری فلسطین نہرِاردن کے قریب،یہاں وہ اس دوسرے بیسان کے متعلق پوچھ رہا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے آزاد تھا اور اس نے یہ تمام مقامات دیکھے تھے پھر یہاں قید کیا گیا۔(مرقات واشعہ)

۲۰؎ یعنی ابھی قیامت قریب نہیں دور ہے کیونکہ علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ یہ باغ خشک ہوجائے گا اس کے پھل ختم ہوجائیں گے۔

۲۱؎ بحیرہ طبریہ ایک نہر ہے اور طبریہ ایک قصبہ کا نام ہے جو نہرِاردن کے قریب واقع ہے،امام طبرانی اسی قصبہ کے رہنے والے ہیں طبرانی اسی طبریہ کی طرف نسبت ہے۔

۲۲؎ یعنی علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ بحیرہ طبریہ خشک ہوجائے گا ابھی قیامت دور ہے۔

۲۳؎ زغر بروزن زفر ایک شہر ہے شام کے علاقہ میں،زغر ایک عورت کا نام تھا جس نے یہ شہر آباد کیا تھا،اس کے نام پر اس شہر کا نام زغر ہوا،یہاں ایک مشہور چشمہ ہے اس کا نام عین زغر ہے وہ اس کے متعلق پوچھ رہا ہے۔

۲۴؎ یہاں دجال نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا مگر مطلب وہ ہی ہے کہ عنقریب یہ چشمہ بھی خشک ہوجائے گا۔ (مرقات)اور قریب قیامت اس کے پانی سے کھیتی باڑی بھی نہیں ہوسکے گی جب پانی ہی نہ ہوگا تو اس کے پانی سے کھیتی کے کیا معنی۔

۲۵؎ بعض یہود کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو ہیں مگر ہمارے نبی نہیں کہ ہم تو اہل علم ہیں،آپ عرب ناخواندہ لوگوں کے نبی ہیں اس لحاظ سے وہ حضور کو **نبی الامیّین** کہہ رہا ہے۔(اشعہ،مرقات)معلوم ہوا کہ دجال یہود قوم سے ہے۔

۲۶؎ یعنی جہادوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالب آچکے ہیں اور مدینہ منورہ کے آس پاس کے علاقے انہوں نے فتح کرلیے ہیں اور ان علاقوں کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہوچکے،جو واقعات تھے وہ صحیح صحیح بیان کردیئے۔

۲۷؎ **سبحان اللہ!** دشمن اور بے دین کے منہ سے حضور کی حقانیت کی گواہی نکل رہی ہے،چونکہ ابھی وہ دجال بن کر دنیا کے سامنے آیا نہیں ہے اس لیے یہ سچی بات کہہ رہا ہے جب دجال بن کر آوے گا تب وہ خدا تعالیٰ کو بھی نہ مانے گا نبوت تو بہت دور ہے یعنی ان لوگوں کے لیے دین و دنیا کی بہتری اس میں ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرلیں۔شاید یہ ہی سن کر تمیم داری مدینہ منورہ میں آکر مسلمان ہوگئے،بعض صحابہ کو کفار کے ذریعہ ایمان ملا،تمیم داری کو دجال کے ذریعہ،ابوسفیان کو شاہ روم ہرقل کے ذریعہ۔

۲۸؎ غالبًا یہ **مسیح** بنا ہے **سباحه** سے بمعنی زمین میں چلنا پھرنا سیر کرنا،چونکہ یہ مردود تھوڑے دنوں میں تمام زمین میں چکر لگالے گا اس لیے اسے مسیح کہا گیا۔مسیح کے اور بہت معنی ہیں۔**دجال** بنا ہے **دجل** سے بمعنی فریب دینا،اس کا نام کچھ اور ہے لقب دجال ہے،اس وقت وہ اپنی حقیقت خود بیان کررہا ہے۔

۲۹؎ یہ ہے اس کافر دجال کے علم کا حال کہ آئندہ ہونے والے واقعات تفصیلًا ایک ایک بتارہا ہے،اپنا مقام اور ساتھ ہی حرمین طیبین کی شان بیان کررہا ہے۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ کے نام ایک سو سے زیادہ ہیں ان میں سے بہت نام جذب القلوب شریف کے اول میں لکھے ہیں۔یہاں دجال نے اسے طیبہ کہا،طیبہ کے معنی ہیں پاک و صاف کی ہوئی بستی،چونکہ دجال سے وہ بستی محفوظ رہیگی اس کی خباثت وہاں نہ پہنچ سکے گی اس لیے طیبہ کہا۔خیال ہے کہ دجال کے سواء دیگر کفار و مشرکین و منافقین مدینہ منورہ میں جا تو سکتے ہیں مگر رہ نہیں سکتے زندگی میں یا مرے بعد وہاں سے نکال دیئے جائیں گے،یہ زمین مقدس بھٹی ہے جو لوہے کا میل نکال دیتی ہے مگر دجال وہاں جا بھی نہ سکے گا۔

۳۰؎ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی ان فرشتوں میں داخل ہوں گے ان کی تشریف آوری زمین پر بند نہ ہوئی،ہاں وحی لانا بند ہوگیا کہ حضور انور کے بعد کوئی نبی نہیں۔خیال رہے کہ دجال یہ سب کچھ جانتے ہوئے حرمین طیبین میں داخلہ کی کوشش کرے گا جیسے شیطان **لاحول** کا کوڑا جانتے ہوئے بلکہ یہ کوڑا کھاتے ہوئے بھی ہر ایک کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا ہے،مکھیاں مار کھاتے ہوئے بھی ہر جگہ پہنچتی ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب اسے یہ سب کچھ معلوم ہے تو پھر وہاں جانے کی کوشش کیوں کرے گا۔فطرت نہیں بدلتی یہ اس کی فطری چیز ہوگی،شیطان جانتا ہے کہ میں حضرات انبیاءاولیاء کو بہکا نہیں سکتا"**اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ**" مگر پھر کوشش میں رہتا ہے۔

اس۔حضور انور کا یہ عمل و فرمان انتہائی خوشی سے ہے۔خوشی ایک تو اس کی ہے کہ ہمارے فرمان عالی کی تصدیق ایک غیرمسلم سے ہوئی بلکہ وہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنی۔دوسرے یہ کہ ہمارے مدینہ کی شان عالی یہ ہےاللہ تعالٰی ہم سب کو مدینہ طیبہ کی زیارت نصیب فرمائے۔

۳۲۔اس فرمان عالی کی بہت شرحیں کی گئی ہیں۔بہترین شرح یہ ہے کہ **ماھو** میں **ما**زائدہ ہے نافیہ نہیں۔مطلب یہ ہے کہ دجال کبھی بحر شام میں مقید رہتاہے اور کبھی بحر یمن کی جیل میں رکھا جاتا ہے،آج کل ان دونوں جیلوں میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ سے مشرق جانب میں ہے،یا یہ مطلب ہے کہ وہ شامی یا یمنی جیلوں میں مقید رہتا ہے مگر قریب خروج مدینہ منورہ میں ان طرفوں سے نہ آئے گا بلکہ مشرق کی طرف سے آوے گا۔خیال رہے کہ مدینہ منورہ سے شام جانب شمال ہے اور یمن جانب جنوب اور نجد جانب مشرق لہٰذا دجال اس زمانہ میں نجد کی طرف سے آئے گا،یہ ہے میرے محبوب کا علم صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات اپنے کو کعبہ کے پاس دیکھا ا۔تو میں نے ایک شخص کو دیکھا گندمی رنگ ان سب سے اچھا جو تم نے گندمی رنگ کے لوگ دیکھے ان پٹھے والے بال میں تمام پٹھے والوں سے اچھے جو تم نے دیکھے ہوں اس میں کنگھی کی ہوئی ہے ان سے پانی ٹپک رہا ہے۲۔دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہیں بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں،میں نے پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہیں۳۔فرمایا میں پھر ایک شخص پر تھا بال چھلے والے۴۔داہنی آنکھ کا کانا گویا اس کی آنکھ ابھراہوا انگور ہے جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے سب سے زیادہ مشابہہ ابن قطن سے تھا۵۔اپنے دونوں ہاتھ دو شخصوں کے کندھوں پر رکھے بیت اللہ کا طواف کررہا تھا ۶۔میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ مسیح دجال ہے ۷۔(مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ موٹے بال داہنی آنکھ کانی والا آدمی ہے ۸۔لوگوں میں اس سے زیادہ مشابہہ ابن قطن ہے اور ابوہریرہ کی حدیث **لاتقوم الساعة حتی تطلع الشمس من مغربها** الخ **باب الملاحم** میں ذکر کردی گئی اور ہم حضرت ابن عمر کی حدیث **قام رسول اللہ صلی اللہ**

	علیہ وسلم فی النّاس ابن صیاد کے قصہ میں ان شاءاللہ ذکر کریں گے ۹

۱؎ یا تو خواب میں دیکھا یا کشف میں۔(مرقات)بہرحال یہ دیکھنا ہے بالکل برحق کیونکہ نبی کا کشف بھی وحی ہے اور خواب بھی وحی۔

۲؎ یہ پانی وضو کا ہے یا غسل کا یا رحمت الٰہی کا آپ باوضو طواف کررہے تھے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آیا کرتے ہیں مگر پردہ غیب میں رہ کر اور یہ کہ آپ حج و عمرہ بھی ادا کرتے ہیں مگر لوگوں کی نگاہ سے غائب اور یہ کہ حضور کی نگاہیں پوشیدہ چیزوں کو دیکھتی ہیں بلکہ حضرات انبیاءکرام بعد وفات روئے زمین کی سیر کرتے ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے حضور انور کے ساتھ حج کیا حجۃ الوداع بعد وفات عالم کی سیر کرنا مشکل نہیں۔یہ دونو ں آدمی جن کے کندھوں پر آپ ہاتھ رکھے ہوئے طواف کررہے ہیں وہ حضرت خضر ہیں اور حضرت امام مہدی کی روح،یہ دونوں حضرات جناب مسیح کی مدد آپ کی خدمت کے لیے آپ کے ساتھ ہیں۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں مرد فرشتے ہوں شکل انسانی میں جو آپ کی اس خدمت کے لیے مقرر کیے گئے ہوں۔

۴؎ **جعد** کے معنی ہیں گھونگھر والے بال یعنی قدرے خم دار،**قطط** کے معنی ہیں بہت ہی اٹھے ہوئے چھلے کی طرح گول،جعودہ حسن ہے مگر چھلے والے بال بدصورتی۔

۵؎ یعنی دجال عبدالعزیٰ ابن قطن یہودی کے ہم شکل ہے جسے تم نے دیکھا ہے اگر دجال کو دیکھنا ہو تو اسے دیکھ لو۔(اشعہ،مرقات)

۶؎ یہ شخص وہ فرشتے تھے جو دجال کی قید میں نگرانی کرتے ہیں وہ اسے طواف کرانے ایسے لائیں ہیں جیسے جیل کی پولیس ملزم قیدی کو کبھی حاکم کی کچہری وغیرہ میں اپنی نگرانی میں پیش کرتی ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ابھی دجال کافر نہیں ہوا جب اس کا خروج ہوگا تب کافر ہوگا۔دوسرے یہ کہ ابھی اس کا داخلہ مکہ معظّمہ میں ممنوع نہیں جب اس کا خروج ہوگا تب وہ حرمین شریفین میں داخل نہ ہوسکے گا۔تیسرے یہ کہ دجال ابھی قید میں ہے مگر پھر بھی فرشتوں کے پہرے میں کعبہ وغیرہ میں پہنچتا ہے۔چوتھے یہ کہ حضور نے دجال کو دیکھا ہے اسے پہچانتے ہیں کیونکہ نبی کی خواب وحی ہوتی ہے۔یہاں اشعہ نے فرمایا کہ دجال کا یہ طواف جو حضور انور نے خواب میں دیکھا وہ اس مردود کا مکہ معظّمہ کے اردگرد گھومنا ہے جو وہ قریب قیامت چکر لگائے گا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور عیسیٰ علیہ السلام کا طواف یہ مکہ معظّمہ میں طواف کرکے دجال کے پیچھے گھومنا ہے اسے قتل کرنے کے لیے یہ خواب مثال ہے۔

۷؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماسح یعنی چھوکر بیماروں کو شفا دینے والے،دجال مسیح بمعنی ممسوح یعنی ایک آنکھ پونچھی ہوئی صاف اور بھی بہت فرق ہیں۔

۸؎ یعنی دجال انسان ہے،مرد ہے،رنگ کا سرخ،بدن کا موٹا،بالوں کا چھلے دار،آنکھ کا کانا،اس وقت اس کی داہنی آنکھ کانی ہے،خروج کے وقت کبھی داہنی کانی ہوگی کبھی بائیں جیساکہ پہلے گزرچکا ہے۔واللہ ورسولہ اعلم!

۹؎یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں اسی جگہ تھیں مگر ہم نے مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے پہلی حدیث تو باب الملاحم میں ذکر کردی اور دوسری حدیث ان شاءاللہ ابن صیاد کے باب میں بیان کریں گے کہ وہ حدیثیں انہیں بابوں کے مناسب ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت فاطمہ بنت قیس سے تمیم داری کی حدیث میں مروی ہے ۱؎فرماتی ہیں فرمایا کہ ناگاہ میں اس عورت پر گزرا جو اپنے بال گھسیٹ رہی تھی۲؎انہوں نے کہا تو کون ہے وہ بولی میں جاسوس ہوں اس محل کی طرف جاؤ ۳؎میں وہاں گیا تو ایک شخص تھا جو اپنے بال گھسیٹ رہا تھا قیدوں میں جکڑا ہوا تھا آسمان و زمین کے درمیان کود رہا تھا ۴؎میں نے کہا تو کون ہے وہ بولا میں دجال ہوں ۵؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی تمیم داری کی وہ دراز حدیث جو بروایت مسلم فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے وہ گزر چکی۔ابوداؤد میں وہ ہی حدیث قدرے اختلاف سے مروی ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق صرف لفظی ہے مطلب ایک ہی ہے

۲؎خیال رہے کہ ان دونوں حدیثوں میں پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ وہاں مسلم کی روایت میں دابۃ تھا،اور یہاں ابوداؤد کی روایت میں امرأۃ یعنی عورت ہے،ان دونوں میں کئی طرح مطابقت کی جاسکتی ہے: ایک یہ کہ وہاں دابۃ بمعنی جانور نہیں بلکہ بمعنی زمین پر چلنے والی ہے جس میں انسان بھی داخل ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ"لہذا وہاں دابۃ بمعنی عورت تھا۔دوسرے یہ کہ دجال نے بہت سے جاسوس رکھے ہوئے تھے کوئی جانور کی شکل میں کوئی عورت کی شکل میں،تمیم داری کو دو جاسوس ملے ایک جانور،ایک عورت وہاں ایک کا ذکر تھا یہاں دوسری کاذکر ہے۔تیسرے یہ کہ جساسہ شیطانہ تھی کبھی جانور کی شکل میں نظر آئی کبھی عورت کی شکل میں جنات شکلیں بدل سکتے ہیں۔

۳؎وہاں مسلم کی حدیث میں دیر تھا بمعنی کلیسہ یہاں قصر ہے مگر ان میں مخالفت نہیں وہ کلیسہ محل کی شکل میں تھا لہذا کلیسہ بھی کہا جاسکتا ہے محل بھی۔

۴؎یعنی قید میں تھا مگر اچھلتا تڑپتا تھا اسے سکون و چین نہ تھا اچھلتا تھا بہت اونچا۔

۵؎وہاں مسلم کی روایت میں سائل پوری جماعت کو فرمایا گیا تھا یہاں صرف تمیم داری کو کہ ارشاد ہوافقلت مگر ان دونوں میں تعارض نہیں۔جماعت کا کام ہر ایک کی طرف نسبت ہوسکتا ہے سب نے پوچھا تو تمیم داری نے بھی پوچھا یا تمیم دار نے پوچھا تو گویا سب نے ہی پوچھا بہرحال دونوں حدیثیں متفق ہیں۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں نے تمہیں دجال کے متعلق	

خبریں دی حتی کہ مجھے خوف ہوا کہ تم نہ سمجھو۱ مسیح دجال پستہ قد ٹیڑھے پاؤں والا۲ مٹھے ہوئے بال ایک آنکھ کا سپاٹ ہے وہ آنکھ نہ تو ابھری ہوئی ہے اور نہ دھنسی ہوئی۳ اگر تم پر اشتباہ ہو تو جان لو کہ تمہارا رب کانا نہیں۴(ابوداؤد)	

۱یعنی ہم نے بہت ہی بہت مجلسوں میں دجال کے بہت عیوب بیان کیے ہیں ممکن ہے کہ تم کو وہ سب یاد نہ رہیں تم بہت سی باتیں بھول جاؤ اس لیے ہم اس کے متعلق چند فیصلہ کن باتیں بتاتے ہیں جنہیں تم بے تکلف یاد کرلو۔

۲ **افحج** بنا ہے **فحج** سے بمعنی ٹیڑھے قدم کہ جب کھڑا ہو تو اس کے پنجے بہت چھلے ہوئے ہوں ایڑیاں قریب قریب ہوں پنڈلیاں پھیلی ہوں۔ **قصیر** بمعنی پستہ قد، ٹھگنا۔جن روایات میں اسے عظیم کہا گیا ہے وہاں مراد موٹا ہے یعنی پستہ قد مگر بہت موٹا لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔

۳یعنی ایک آنکھ ابھری ہوئی دوسری سپاٹ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ اس کی ایک آنکھ بھری ہوئی ہوگی۔

۴یعنی اگر تم کو اس کے کرشمے دیکھ کر دھوکا لگے کہ شاید یہ خدا ہو تو اولًا تو اس کا کھانا پینا سونا وغیرہ بندہ ہونے کی علامت ہیں،ساتھ ہی کانے ہونے کا عیب خاص بندہ ہونے کی علامت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ ہوئے مگر انہوں نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا۱ اور میں نے تم کو اس سے ڈرایا پھر آپ نے ہم سے اس کے وصف بیان کیے فرمایا شاید اسے بعض وہ لوگ پائیں گے جنہوں نے مجھے دیکھا یا میرا کلام سنا۲ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ اس دن ہمارے دل کیسے ہوں گے فرمایا آج کی طرح یا اس سے بھی اچھے۳(ترمذی و ابوداؤد)	

۱یعنی دجال کا فتنہ اتنا بڑا ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ سے حضرات انبیاء کرام نے اپنی امتوں کو ڈرانا شروع کیا حالانکہ اس مردود کا خروج قریب قیامت ہوگا،وہ حضرات جانتے تھے کہ ہماری قومیں اسے نہ پائیں گی،کیوں ڈرایا،اس کی اہمیت و خطرناک ہونا دکھانے کے لیے جیسے قیام قیامت سے تمام نبیوں نے اپنی امتوں کو ڈرایا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ فتنہ صرف وہ ہی لوگ دیکھیں گے جو اس وقت موجود ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔

۲ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضور انور کو دیکھنے سے مراد ہے انسان کا بیداری میں ان آنکھوں سے دیکھنا اور کلام سننے سے مراد ہے بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننا،چونکہ اس زمانہ میں حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوں گے بلکہ اس کا مقابلہ کریں گے جیساکہ پہلے گزرچکا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی ہے،آپ کا کلام بھی سنا ہے بلکہ بیعت رضوان میں آپ نے ہاتھ شریف پر بیعت بھی کی ہے لہذا حدیث واضح ہے اسی فرمان عالی کے اور بہت مطلب بیان کئے گئے ہیں: بعض نے کہا

کہ اس سے وہ جن صحابی مراد ہیں جو اس وقت موجود ہوں گے،بعض نے کہا کہ کلام سننے سے مراد بالواسطہ احادیث سننا ہے اور دیکھنے سے مراد خواب میں حضور کو دیکھنا ہے مگر یہ توجیہیں کمزور ہیں۔
۳؎ یعنی اس زمانہ میں مسلمانوں کے دل ایمان سے بھرپور ہوں گے،ان کے دلوں میں دجال کے متعلق کوئی شبہ نہ ہوگا،انہیں یقین ہوگا کہ یہ مردود و شعبدے باز کافر ہے ان کے دل حضرات صحابہ کرام کی طرح پاک وصاف ہوں گے اور صحابہ سے بڑھ کر آزمائش میں ثابت قدم رہیں گے کہ حضرات صحابہ کرام کا امتحان دجال سے نہیں لیا گیا لیکن درجہ صحابہ ہی کا بڑا ہوگا۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن حریث سے ۱؎ وہ حضرت ابو بکر صدیق سے راوی فرمایا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی فرمایا دجال مشرقی زمین سے نکلے گا جسے خراسان کہا جاتا ہے اس کے پیچھے کچھ قومیں ہوں گی گویا ان کے چہرے کٹی ہوئی ڈھالیں ہیں ۲؎(ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام عمرو ابن حریث ہے،کنیت ابو سعید قرشی مخزومی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت بارہ برس کے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ شریف پھیرا ہے،دعائیں دی ہیں،آخر میں کوفہ میں رہے۔
۲؎ خراسان پورے علاقہ کا نام ہے،پھر ایک شہر کا نام بھی ہے،یہ علاقہ ایران کے ملک میں ہے۔فقیر نے وہ علاقہ دیکھا ہے اس کا ایک حصہ ہرات تک پھیلا ہوا ہے،ہرات افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے اس کی اتباع کرنے والے وہ ترک ہوں گے جن کی تحقیق ہم پہلے کرچکے ہیں یہ موجودہ ترک نہیں۔

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دجال کو سنے وہ اس سے دور رہے ۱؎ اللہ کی قسم کوئی شخص اس کے پاس جائے گا یہ سمجھ کر کہ میں مسلمان ہوں ۲؎ تو پھر اس کی اتباع کرلے گا ان شبہات کی وجہ سے جن کے ساتھ وہ بھیجا گیا ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی کوئی شخص تماشہ دیکھنے کے لیے بھی دجال کے پاس نہ جائے کہ اس میں خطرہ ہوگا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"بروں کی صحبت بری ہے۔
۲؎ یعنی وہ یہ سمجھے گا کہ میں پختہ مسلمان ہوں مجھے دجال اور اس کے شعبدے اسلام سے ہٹا نہیں سکتے اپنی اس موہومہ پختگی کے دھوکے میں مارا جائے گا۔آج بھی بعض لوگ اپنے ایمان کو ناقابل تسخیر قلعہ سمجھ کر بدمذہبوں کی صحبت ان کے وعظ ان کی کتب کا مطالعہ اختیار کرتے ہیں اور بے دین بن جاتے ہیں،بہت لوگ مرزا قادیان کو محض دیکھنے گئے اور قادیانی بن گئے۔

۳؎ یعنی یہ شخص اپنے کوپختہ مؤمن سمجھنے والا اس کی شعبدے بازیاں دیکھ کر شک میں ضرور پڑ جائے گا کہ شاید یہ خدا ہی ہے یہ شبہ بھی کفر ہے،ان شبہات کے باوجود وہ اپنے کو مؤمن ہی سمجھتا رہے گا اور آہستہ آہستہ اس کا کفر اور بھی پختہ ہوتا رہے گا۔ایمان ایک دولت ہے بے دین لوگ اس دونوں کے چور ڈاکو ہیں اگر اس دولت کی حفاظت کرنی ہے تو ان چوروں سے الگ رہو۔

	روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید ابن سکن سے۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال زمین میں چالیس سال رہے گا۲؎ ایک سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور دن آگ میں سوکھے پتے جلنے کی طرح ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ آپ مشہور صحابیہ انصاریہ ہیں،بڑی عالمہ عاقلہ عابدہ زاہدہ تھیں۔

۲؎ گزشتہ احادیث میں ارشاد تھا کہ چالیس دن رہے گا یا تو یہ اختلاف احساس کا ہے کہ بعض کو وہ زمانہ چالیس سال کا محسوس ہوگا مگرسال بھی ایسے جو یہاں مذکور ہیں اور بعض کو چالیس دن محسوس ہوگا۔(مرقات) یا دجال کا زمین پر رہنا چالیس سال کا ہوگا مگر اس کا زور آخری چالیس دن ہوگا لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں ان میں تعارض نہیں۔(اشعہ)

۳؎ **شعف** جمع **شعفۃ** کی،**شعفۃ** کھجور کی سوکھی شاخوں سوکھے پتوں کو کہتے ہیں یعنی اگر سوکھے پتوں سوکھی شاخوں میں آگ لگادو تو فورًا بھڑک اٹھتے ہیں اور جلدی راکھ بن کر بجھ جاتے ہیں ایک دن ایسا گزرے گا اس کی شرح گزشتہ احادیث میں گزر گئی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے۱؎ ستر ہزار آدمی دجال کی پیروی کریں گے جن پر نقشین لباس ہوگا ۲؎(شرح سنہ)

۱؎ غالب یہ ہے کہ امت سے مراد امت دعوت ہے جن پر فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں سارا عالم حضور کی امت دعوت ہے اور مسلمان امت اجابت اس صورت میں ایسی حدیث کی شرح وہ گزشتہ حدیث ہے کہ اصفہان کے یہودی دجال کی پیروی کرلیں گے۔یہاں **امتی** سے مراد وہ ہی یہود ہیں کہ وہ حضور کی امت دعوت ہیں اور ستر ہزار سے مراد ہزار ہا آدمی ہیں نہ کہ یہ عدد خاص مگر یہ توجیہ ضعیف ہے کہ اس سے مراد کلمہ پڑھنے والے مال دار مسلمان ہیں جیساکہ آگے مذکور ہے۔

۲؎ یعنی میری امت کے وہ لوگ دجال کو مانیں گے جو پہلے سے ہی فیشن پرست یہودونصارٰی کے نقال ان کی سی شکل و صورت بنانے والے یہود کا سا نقشین فیشن ایبل لباس پہننے والے ہوں گے انہیں کا بیڑا غرق ہوگا،یا یہ مطلب ہے کہ ستر ہزار امیر لوگ دجال پر ایمان لے آئیں گے تو غریبوں کی تو شمار ہی نہیں،ایک ایک امیر کی دیکھا دیکھی بہت سے غریب بہک جائیں گے مگر آخری یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ فقراء مسلمین بفضلہ تعالٰی دجال کے شر سے محفوظ رہیں گے،ابن الوقت امیر

لوگ زیادہ بگڑیں گے۔آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ اسلام غرباء کے دم سے قائم ہے نمازی،شہید،عالم حافظ عموما غریب ہی ہیں امیروں کے لیے صرف کالج اسکول ہیں،امیر لوگ عزت وجاہ حاصل کرنے کے لیے ہر دین اختیار کرلیتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے تو آپ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ دجال سے آگے تین سال ہوں گے ایک سال ایسا جس میں آسمان اپنی تہائی بارش روک لے گا اور زمین تہائی پیداوار[1]دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش روک لے گا اور زمین اپنی کل پیداوار اور تیسرے سال آسمان اپنی پوری بارش روک لے گا اور زمین اپنی کل پیداوار[2]تو کوئی کھر والا ڈاڑھ والا جانور نہ بچے گا مگر ہلاک ہوجاوے گا[3]اور اس کے سخت ترین فتنوں میں سے یہ ہوگا کہ ایک بدوی کے پاس آوے گا کہے گا بتا تو اگر میں تیرا اونٹ زندہ کردوں تو کیا تو یقین نہ کرے گا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں[4]تو شیطان اس کے سامنے اس کے اونٹ کی شکل میں آجاوے گا جیسے تھن ہوتے ہیں اس سے اچھے اور خوب بلند کوہان[5]فرمایا اور آوے گا ایک شخص کے پاس جس کے بھائی باپ مرچکے ہوں گے تو کہیں گے کہ بتا تو اگر میں تیرے سامنے تیرے باپ بھائی زندہ کر دوں تو کیا تو یقین کرے گا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں[6]تو اس کے سامنے شیطان اس کے باپ بھائی کی شکل میں آجاوے گا[7]فرماتی ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی کام کے لیے تشریف لے گئے پھر واپس ہوئے حالانکہ قوم بہت رنج و غم میں تھی[8]اس خبر کی وجہ سے جو حضور نے انہیں دی،فرماتی ہیں کہ حضور نے دروازے کے دو بازو پکڑ کر فرمایا اسماء کیا ہے[9]میں نے عرض کیا یارسول اللہ دجال کے ذکر سے ہمارے دل نکل گئے[10]فرمایا اگر وہ نکلا اور ہم زندہ ہوئے تو اس کے مقابل ہم ہوں گے[11]ورنہ میرا رب ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے[12]عرض کیا یارسول اللہ ہم اپنا آٹا گوندھتے ہیں تو روٹیاں نہیں پکاتے حتی کہ ہم بھوکے ہو جاتے ہیں تو اس دن

	مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۱۳فرمایا انہیں وہ تسبیح و تہلیل کافی ہوگی جو آسمان والوں کو کافی ہوتی ہے۔

۱؎یعنی دجال کی آمد سے نو برس پہلے ہی بے برکتی قحط سالی نمودار ہوجاوے گی پہلے تین سالوں میں جتنی بارش چاہیے اس کی تہائی ہوگی اور جتنا غلہ چاہیے اس کا تہائی ہوگا،اگلے چھ سالوں میں اس سے بھی کم بارش ہوگی اور کم پیداوار،یہ سخت آزمائش ہوگی اللہ تعالٰی جسے بچائے گا اس کا ایمان بچے گا۔

۲؎غرضکہ دجال کے آنے پر لوگ بالکل خالی ہاتھ بے دانہ قحط زدہ ہوچکے ہوں گے اب جب کہ اس کے نکلتے ہی اس کے ماننے والوں پر بارشیں غلہ کی بہتات،دودھ گھی کی فراوانی ہوگی تو بولو لوگوں کا ایمان کیسے بچے گا اللہ حافظ ہے۔

۳؎کھر والے جانوروں سے مراد گائے بھینس،بکری ہرن وغیرہ ہیں۔ڈاڑھ والے سے مراد اونٹ وغیرہ جانور ہیں۔ہلاکت سے مراد صرف مرجانا ہی نہیں بلکہ مرجانا یا قریب موت ہوجانا ہے یعنی قحط اور خشکی سالی کی وجہ سے جانور گویا فنا ہو جائیں گے لہٰذا یہ فرمان عالی اس فرمان کے خلاف نہیں کہ دجال کو مان لینے والوں کے جانور موٹے تازے اور خوب دودھ والے ہوجائیں گے اور انکار کرنے والوں کے جانور دبلے پتلے خشک ہوجائیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور ہوں گے۔

۴؎یعنی جس بدوی کے اونٹ مرچکے ہوں گے اور وہ بڑا مغموم ہوگا اس سے دجال آکر یہ کہے گا اور اس سے یہ وعدہ لے گا۔

۵؎معلوم ہوا کہ جن شیاطین جانوروں کی شکل میں آسکتے ہیں۔چنانچہ جنات کتے اور سانپ کی شکل میں آجاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے اور جس جانور کی شکل میں آتے ہیں اس کے خواص بھی ان میں ہوجاتے ہیں۔چنانچہ اگر سانپ کی شکل میں آویں تو ان میں زہر ہوتا ہے،ان اونٹوں میں دودھ ہوگا لوگ اسے پئیں گے،موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جب سانپ بنتی تھی تو کھاتی پیتی تھی"تَلْقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ"۔

۶؎اس سے معلوم ہورہا ہے کہ دجال کو یہ خبر ہوگی کہ کس کا کون کون عزیز قریبی فوت ہوچکے ہیں تب ہی تو وہ سوال کرے گا،اسے رب کی طرف سے علم بھی دیا جائے گا اور تسلط و قدرت بھی یہ سب کچھ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہوگا۔آج ابلیس کو ہر شخص کے دلی ارادے کی خبر ہے وہ تمام شرعی احکام سے واقف ہے،جانتا ہے کہ شریعت میں کون سا کام حرام ہے کون سا کام فرض یا واجب تب ہی تو وہ فرائض سے روکتا ہے،حرام کی رغبت دیتا ہے،جب اس بیماری کے علم کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اس بیماری کا علاج ہیں وہ بے خبر کیسے ہوسکتے ہیں۔

۷؎معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں اس کے ماں باپ نہ ہوں گے بلکہ محض دھوکہ ہوگا،شیاطین ان کی شکل میں ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ دجال زندوں کو مردہ کرکے زندہ کرسکے گا مگر پرانے مردے زندہ نہ کرے گا بلکہ ان کی شکل میں شیاطین ہوں گے۔

۸؎یہ حضور انور کے کلام کی تاثیر تھی کہ لوگوں کے دل بدل گئے۔بعض علماء کے واعظ سے بے نمازی لوگ نمازی بن جاتے ہیں،حضور انور کے الفاظ شریفہ سادہ ہوتے تھے مگر انسان کی کایا پلٹ دیتے تھے،آج رنگین تقریروں میں تاثیر نہیں۔

۹؎لحمتی تثنیہ ہے لحمۃ کا،لحمہ چوکھٹ کے بازو کو کہتے ہیں،لحمتین دونوں بازو وعتبہ نیچے کی چوکھٹ۔

۱۰؎یعنی دجال کے حالات لوگوں کے معاملات سن کر ہم تو پریشان ہوگئے کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں نکل آیا تو ہمارا کیا بنے گا ورنہ اس زمانہ کے مسلمان کیا کریں گے۔

۱۱؎معلوم ہوا کہ اگر دجال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں آتا تو حضور کے مقابل فیل ہوجاتا حضور کے ہاتھوں مارا جاتا اب یہ کام حضور انور کی نیابت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کریں گے۔حضور انور اپنی امت کے والی وارث نگہبان تھے اور ہیں اور رہیں گے۔امام بوصیری کہتے ہیں۔شعر

احل امته فی حرز ملته　　　　کاللیث حل مع اباًلا شباًل فی الاجیم

۱۲؎یہاں خلیفہ بمعنی نائب یا وکیل نہیں بلکہ بمعنی حافظ،ناصر،والی وارث و نگہبان ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کسی کا نائب نہیں ہوتا یعنی اگر میرے بعد دجال نکلا تو میری امت رب کے حوالہ ہے وہ ہی اس کا ناصر ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی امت کا حقیقی نگہبان رب تعالٰی اور ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہےلہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے ذمہ داریاں مختلف ہیں۔

۱۳؎مقصد یہ ہے کہ مسلمان اس وقت دجال کے ماننے پر مجبور ہوں گے کہ ننگا بھوکا ہر نہ کرنے والا کام کرلیتا ہے،اگر دجال کو نہ مانیں گے تو مرجائیں گے کیونکہ حالات وہ ہوں گے جو حضور فرمارہے ہیں تو مسلمانوں کا ایمان کیسے بچے گا یعنی میری امت سے کہہ دو کہ اس وقت تنگی رزق سے دل تنگ نہ ہوں،اس زمانے میں زمینی مؤمن عرشی فرشتوں کی طرح ہوں گے کہ ذکر اللہ سے ان کا پیٹ بھرتا رہے گا ذکر اللہ ہمیشہ ہی غذاء روحانی ہے مگر اس زمانہ میں غذاجسمانی بھی ہوجائے گا۔بعض اولیاءاللہ نے تین تین سال تک پانی نہیں پیا مگر زندہ رہے کیسے ذکر اللہ کی برکت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق جتنا میں نے سوال کیا اس سے زیادہ کسی نے سوال نہ کیا اور حضور نے فرمایا کہ دجال تم کو نقصان نہ دے گا ۱؎میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہے ۲؎ فرمایا وہ اللہ پر اس سے زیادہ آسان ہے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی تم دجال سے مطلقًا خوف نہ کرو گے کیونکہ دجال تم کو ایمان سے نہ ہٹا سکے گا یا اس لئے کہ وہ تمہاری زندگی میں نہ آئے گا یا اس لیے کہ تم ایمان میں پختہ ہو اگر وہ تمہارے زمانہ میں آ بھی گیا تو تم کو بہکانہ سکے گا تم ایمانی قلعہ میں ہو۔بہرحال اس میں حضرت مغیرہ کی عمر اور آپ کی پختگی ایمان دونوں کی غیبی خبر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حال سے خبردار ہیں۔

۲؎ یعنی اس مردود کے ظہور کے وقت دنیا میں پانی اور رزق کی بہت تنگی ہوگی اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی پھر مجھے وہ کیوں نہ بہکا سکے گا،روٹی پانی کی ایسی تنگی میں روٹی پانی سے بڑے بڑے بہک جاتے ہیں۔سبحان اللہ!یہ ہے اپنے ایمان کا خوف،یہ خوف قوت ایمان کی دلیل ہے اس میں حضور انور کی خبر جھٹلانا نہیں بلکہ خوف کا اظہار ہے۔حضرات انبیاء کرام سے رب تعالٰی نے جنت کا وعدہ فرمالیا مگر انہیں پھر بھی خدا تعالٰی کی ہیبت ہے۔

۳؎ **ذالك** سے اشارہ ہے گمراہ کرنے کی طرف یعنی دجال میرے صحابہ کو بہکانے سے مجبور ہے وہ اس سے زیادہ ذلیل ہے کہ میرے صحابہ پر داؤ چلائے۔یا **ذالك** سے اشارہ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر کی طرف ہے یعنی دجال اس سے زیادہ ذلیل و خوار ہے کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ وغیرہ ہو اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا محض دھوکاشعبدہ ہوگا جس کی حقیقت کچھ نہیں۔(اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دجال ایک سفید گدھے پر نکلے گا ۱؎ جس کے پاس دو کانوں کے درمیان ستر باع کا فاصلہ ہوگا ۲؎ (بیہقی کتاب البعث والنشور)	

۱؎ **اقمر** کے معنی ہیں تیز سفید،بعض شارحین نے فرمایا کہ قمرہ سفیدی مائل بہ سبزی یا سرخی مائل بہ سیاہی قاموس میں یہ ہی معنی کیے گئے مگر پہلے معنی قوی ہیں کہ یہ قمر بمعنی چاند سے بنا ہے یعنی چاند جیسا چٹا سفید چمک دار،غرضکہ دجال کے گدھے کا رنگ تیز سفید ہوگا۔

۲؎ دونوں ہاتھ لمبائی میں پھیلاؤ تو ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں تک باع ہے یعنی اس گدھے کی قامت کا یہ عالم ہے کہ اس کا چہرہ ستر باع قریبًا سوگز ہے حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ہم نے جنگلی بھینسے کا کلہ قریبًا پانچ ہاتھ کا دیکھا ہے،علی پور شریف میں مچھلی کے ایک کانٹے کا پورا شہتیر ہے ہم نے خود دیکھا ہے،رب تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے،لشکر صحابہ نے ایک مچھلی کا گوشت پندرہ دن کھایا،اس کے آنکھ کے حلقہ میں ایک آدمی کھڑا ہوگیا۔

باب قصة ابن صیاد

ابن صیاد کا قصہ ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس کا نام عبداللہ ہے،لقب صاف،کنیت ابن صیاد یا ابن صائد،یہود مدینہ میں سے ایک یہودی کا لڑکا تھا جو بچپن میں بڑے شعبدے دکھاتا تھا بعد میں جوان ہوکر مسلما ن ہوگیا،عبادات اسلامی ادا کرتا تھا۔اس کے متعلق علماء کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ وہ دجال نہیں تھا بلکہ مسلمان ہوگیا تھا،دوسرے یہ کہ وہ دجال تو تھا مگر وہ مشہور دجال نہ تھا۔حضور انور نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بہت سے دجال ہوں گے یہ بھی انہیں دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔تیسرے یہ کہ وہ دجال مشہور ہی تھا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مدینہ منورہ میں ہی مرا وہاں ہی دفن ہوامگر یہ غلط ہے وہ جنگ حرہ تک دیکھا جاتا رہا،حرہ کے دن غائب ہو گیا۔تمیم داری والی حدیث میں جو دجال کا ذکر ہے اس کے متعلق مرقات میں ہے کہ اس جزیرے میں دجال کا جو جسم تمیم داری نے دیکھا وہ اس کا مثالی جسم ہے یہ جسم ظاہری۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں ابن صیاد کی طرف چلے حتی کہ ان بزرگوں نے ابن صیاد کو بچوں کے ساتھ بنی مغالہ کے ٹیلوں میں کھیلتا ہوا پایا ۱؎ اس دن ابن صیاد قریب بلوغ تھا تو اسے کچھ پتہ نہ لگا حتی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر مارا ۲؎ پھر فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۳؎ اس نے آپ کی طرف دیکھا بولا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے پڑھوں کے رسول ہیں ۴؎ پھر ابن صیاد بولا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۵؎ تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دبوچا ۶؎ پھر فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ۷؎ پھر ابن صیاد نے کہا کہ تو کیا دیکھتا ہے ۸؎ کہ میرے پاس سچے جھوٹے دونوں آتے ہیں ۹؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر یہ چیز خلط ملط کر دی گئی ۱۰؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ	

میں نے تیرے لیے ایک بات سوچی ہے ۱۱؎اور آپ نے یہ آیت سوچی" یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ"تو وہ بولا کہ دخ ہے ۱۲؎فرمایا دور ہوجا تو اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھے گا۱۳؎حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ کیا مجھے آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن مار دوں۱۴؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ وہی ہوا تو تم کو اس پر قابو نہ دیا جاوے گا اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اسکے قتل میں تمہارے لیے بھلائی نہیں۱۵؎ابن عمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابی بن کعب ایک دن اس باغ میں تشریف لے گئے جس میں ابن صیاد تھاتو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی شاخوں میں چھپنے لگے۱۶؎آپ اس حیلہ سے ابن صیاد سے کچھ سننا چاہتے تھے اس سے پہلے کہ وہ آپ کو دیکھے اور ابن صیاد اپنے بستر پر اپنی کمبلی میں لپٹا ہوا تھا جس میں اس کی کچھ گنگناہٹ تھی ۱۷؎ابن صیاد کی ماں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور کی شاخوں میں چھپتے ہوئے دیکھ لیا تو بولی اے صاف یہ اس کا نام تھا ۱۸؎یہ ہیں محمد،تو ابن صیاد نے گنگناہٹ بند کردی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اسے چھوڑے رہتی تو یہ بیان کردیتا ۱۹؎فرمایا عبداللہ ابن عمر نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے تو اللہ تعالٰی کی وہ تعریف کی جو اس کے لائق ہے۲۰؎پھر دجال کا ذکر فرمایا،پھر فرمایا کہ میں نے تم کو اس سے ڈرایاہے اور نہیں ہے کوئی نبی مگراس نے اپنی قوم کواس سے ڈرایا ۲۱؎چنانچہ حضرت نوح نے اپنی قوم کوڈرایا اور میں تم سے اس کے متعلق وہ بات کہتا ہوں جو کسی نے اپنی قوم سے نہ کہی تم جانتے ہو کہ وہ کانا ہے اور اللہ کانا نہیں ۲۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎بنی مغالہ یہود مدینہ کا ایک قبیلہ ہے۔الحم جمع ہے الحمۃ کی بمعنی مضبوط قلعہ یا ٹیلہ یعنی اس وقت ابن صیاد یہود کے ان مکانات محلوں ٹیلوں کے پاس بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

۲؎ ابن صیاد کا دعوی تھا کہ وہ آگے پیچھے اندھیرے اُجالے میں یکساں دیکھ لیتا ہے مگر اسے حضور انور کی تشریف آوری کا مطلقًا علم نہیں ہوا۔حضور انور اس کا دعویٰ جھوٹا کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔

۳؎ اس فرمان عالی میں سارے ایمانیات کی تلقین ہیں جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لے وہ توحید وغیرہ تمام عقائد کو مان لے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ کو اسلام کی تبلیغ کی جائے اور اس کا اسلام قبول کرنا معتبر ہے ورنہ حضور انور اسے یہ تبلیغ کیوں فرماتے۔

۴؎ یعنی آپ رسول تو ہیں مگر بے پڑھے لوگوں کے،میں خود عالم ہوں آپ میرے رسول نہیں۔بعض یہود کا عقیدہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے رسول ہیں عام خلق کے رسول نہیں،یہ عقیدہ بھی کفر ہے اسی لیے ابن صیاد اس کہنے سے مؤمن نہ بنا۔

۵؎ ابن صیاد کا یہ قول محض حضور انور کے فرمان عالی کے مقابلہ میں ہے ورنہ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔خیال رہے کہ کافر ذمی کو قتل نہیں کیاجاتا،نہ کافر بچہ کو قتل کیا جاوے نابالغ بچہ کا ارتداد معتبر نہیں ہے،ان وجوہ سے ابن صیاد قتل نہیں کیا گیا۔لہذا اس حدیث کی بنا پر قادیانی یہ نہیں کہہ سکتے کہ مدعی نبوت مرتد نہیں اور نہ اسے قتل کیا جائے اس حدیث کا منشا کچھ اور ہی ہے۔

۶؎ مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں **فرفضه** ہے **رفض** سے مشتق بمعنی چھوڑنا یعنی حضور انور نے اسے چھوڑ دیا پھر اس سے یہ سوال نہ کیا۔عام نسخوں میں **فرصه** ہے ص کے شد سے،یہ بنا ہے رصٌّ سے بمعنی دبوچنا،بعض اعضاء کو بعض سے ملادیا،اسی سے ہے **مرصوص**،رب تعالٰی فرماتاہے:"**كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ**"بعض نسخوں میں ہے **فرضه** نقطہ والی ضاد سے،رض کے معنی ہیں توڑنا مروڑنا۔

۷؎ یعنی میرا ایمان سارے رسولوں پر ہے اور تو رسول ہے نہیں پھرمیں تجھے رسول اللہ کیسے کہہ دوں،میں خاتم النبیین ہوں،سب سے آخری نبی،نہ میرے زمانہ میں کوئی نبی ہوسکتا ہے نہ میرے بعد۔خیال رہے کہ حضور انور کے زمانہ میں بھی کوئی نبی نہیں ہوسکتا،جو ایسا مانے وہ مرتد ہے خاتم النبیین کا منکر۔خیال رہے کہ جھوٹے مدعی نبوت سے معجزہ مانگنا کفر ہے جب اس کی تصدیق کی نیت سے ہو۔

۸؎ یعنی تجھے غائبانہ کون سی چیز نظر آتی ہیں جن کی بنا پر تو بڑے بڑے دعوے کرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔

۹؎ یعنی میرے پاس جنات غیبی خبریں لاتے ہیں جن میں بعض سچی ہوتی ہیں اکثر جھوٹی۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابن صیاد نبوت کا مدعی نہ تھا بلکہ اپنے کو کاہن کہتا تھا،یہ نہ کہتا تھا کہ میرے پاس حضرت جبریل آتے ہیں اور محمدی بیگم کے ساتھ میرے نکاح کی بشارت لاتے ہیں لہذا قادیانی لوگ اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑسکتے،مرزا جی اپنے کو صاف صاف نبی کہتے رہے۔

۱۰؎ یعنی خود تجھے اپنی خبروں کے متعلق اطمینان نہیں تو تیرے ذریعہ کسی اور کو اطمینان کیسے ہوسکتا ہے لہذا تیری صحبت خطرناک ہے۔

۱۱؎ابن صیاد کا دعویٰ تھا کہ میں لوگوں کے دلوں کے حالات خیالات جانتا ہوں اس لیے حضور انور نے اس سے یہ سوال فرمایا۔معلوم ہوا کہ کاہنوں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ان سے غیبی خبریں پوچھنا جائز ہے،حضور انور نے اس کا جھوٹ ظاہر فرمانے کو یہ سوال کیا اسے اس طرح رسوا کرنا ثواب ہے۔

۱۲؎یعنی اس پوری آیت میں سے وہ پورا ایک لفظ بھی معلوم نہ کرسکا لفظ **دخان** کا صرف **دخ** معلوم کرسکا۔یہ ہی حال کاہنوں کا ہوتا ہے ان کی دس باتوں بلکہ سو میں سے ایک درست نکلتی ہے اور وہ سو میں سے ایک کا پتہ چلاتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور نے یہ آیت اس لیے دل میں سوچی کہ اس میں علامت قیامت کا ذکر ہے اور دجال بھی علامات قیامت سے ہے،نیز قتل دجال مرخ پہاڑ کے نزدیک ہوگا ان وجوہ سے حضور نے یہ آیت سوچی۔(اشعہ،مرقات)

۱۳؎یعنی تو صرف ایک کاہن ہے نہ تجھے علم غیب ہے نہ تو خدا ہے نہ خدا کا مقبول بندہ پھر تو مجھ سے کیوں کہتا ہے کہ آپ میری نبوت کی گواہی دیتے ہیں تیری یہ حیثیت اور یہ بات۔

۱۴؎یعنی چونکہ اس سے بڑا فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لیے اسے قتل کردینا مناسب ہے،یہ ہے حضرت فاروق کا جوش ایمانی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ جو جادوگر لوگوں میں فساد پھیلاتے ہیں انہیں ہلاک کرتے ہیں بادشاہ اسلام انہیں قتل کرادے۔

۱۵؎یعنی اگر یہ دجال ہے تو ارادۂ الٰہی یہ ہی ہے کہ دجال کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے اور اگر یہ دجال نہیں ہے تو یہ نابالغ بچہ بھی ہے ہمارا ذمی کافر بھی اسے قتل کرنا جائز نہیں،صرف کاہن ہونا قتل کے جواز کا سبب نہیں۔ حضور انور کا اگر مگر سے کلام فرمانا یا اس لیے تھا کہ اس وقت تک دجال کے متعلق حضور کو پورا علم عطا نہ ہوا تھا بعد میں حضور نے دجال کی شکل اس کے اعمال اس کے خروج کا وقت سب کچھ بتادیا،یہ اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کا اظہار مناسب نہیں،یہ شک کے لیے نہیں بلکہ تشکیک کے لیے ہے ایسے صیغہ قرآن مجید میں بھی آئے ہیں یہ بےعلمی کی دلیل نہیں یہ ہی قول صحیح ہے۔

۱۶؎عرب میں باغ والے لوگ اپنے باغ میں مکان بنالیتے ہیں وہاں ہی رہتے سہتے ہیں،ابن صیاد کے ماں باپ بھی انہیں میں سے تھے۔

۱۷؎ابن صیاد بھی گنگناہٹ میں اپنے حالات بیان کردیتا تھا،حضور انور کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت یہ اپنی مستی میں اپنے حالات بیان کررہا ہے ہم خود بھی سن لیں اور اس کے متعلق صحیح فیصلہ کردیں۔اس سے معلوم ہواکہ بے دین مفسدین کے حالات چھپ کر دیکھنا سننا جائز ہے تاکہ ان کے فساد کی روک تھام ہوسکے،آج ملکی انتظامات میں جاسوسی کو بڑا دخل ہے۔جس تجسّس سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا وہ مسلمانوں کی عیب جوئی کے لیے تجسّس کرنا مراد ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۱۸؎یعنی حضور انور یہاں تشریف فرما ہیں تو ان کا ادب و احترام کر تعظیم کے لیے اٹھ اپنا گانا چھوڑ۔

۱۹؎یعنی یہ بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہوا کہ وہ سب کچھ اپنے متعلق بیان کررہا تھا ایک واقعہ درپیش آگیا کہ وہ کہتے کہتے رک گیا۔معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کا یہ ہی منشاء ہے کہ اس کا حال صیغہ راز میں رہے ورنہ وہ اس وقت اپنی موج میں خود اپنے حالات بیان کررہا تھا کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں یہ کرسکتا ہوں۔

۲۰؎ حضور انور کا طریقہ مبارکہ تھا کہ اپنا کلام حمد الٰہی سے شروع فرماتے تھے وعظ عمومًا دوسرے کلام خصوصًا،یہ فرمان بطور وعظ تھا۔

۲۱؎ یہاں نبی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ا ور ان کے بعد والے پیغمبر ہیں جیسا کہ گزشتہ حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا ڈرانا اس کی اہمیت کے لیے تھا جیسے حضور نے صحابہ کو قیامت سے ڈرایا حالانکہ ان حضرات کے زمانہ میں قیامت آنے والی نہ تھی۔

۲۲؎ یہ فرمان عالی ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ابن صیاد دجال نہیں کہ حضور انور نے فرمایا کہ وہ کانا ہے اور ابن صیاد کانا نہ تھا،نیز یہ صاحبِ اولاد تھا،مدینہ منورہ میں رہتا تھا،مکہ معظّمہ حج کے لیے جاتا تھا کیونکہ حضور کے بعد وہ مسلمان ہوگیا تھا۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں مرا،اس پر مسلمانوں نے نماز پڑھی،اسے وہاں ہی دفن کیا مگر دوسری روایات میں ہے کہ وہ جنگ حرہ میں گم ہوگیا۔**واللہ اعلم!** بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین دلا دیا تھا کہ ابن صیاد دجال نہیں،تمیم داری کی حدیث آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ اس سے یعنی ابن صیاد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر و عمر مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ملے ۱؎ تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۲؎ تو وہ بولا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالٰی اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اس کے رسولوں پر ایمان لایا،تو کیا دیکھتا ہے بولا میں عرش پانی پر دیکھتا ہوں ۴؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو دریا پر ابلیس کا تخت دیکھتا ہے فرمایا تو اور کیا دیکھتا ہے وہ بولا میں دو سچے ایک جھوٹا یا دو جھوٹے ایک ایک سچا دیکھتا ہوں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر شبہ ڈال دیا گیا ہے ۵؎ اسے چھوڑو (مسلم)	

۱؎ یعنی کا فاعل حضرت ابو سعید خدری ہیں۔(مرقات)یہ ملاقات عوالی مدینہ میں اتفاقًا تھی اور ابن صیاد کے گھر تشریف لے جانے کا واقعہ دوسرا ہے،اس وقت ابن صیاد مسلمان نہ ہوا حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد مسلمان ہوگیا،صحابہ کرام کے ساتھ اس نے حج کیا۔

۲؎ اس کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ ابن صیاد کا یہ قول حضور انور کے مقابلہ میں تھا ورنہ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔

۳؎ جیسے بعض اولیاء اللہ ابلیس اور اس کے تخت کو آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور اس پر لاحول پڑھ کر اسے دفع کردیتے ہیں،بعض بے دین کاہنوں کو بھی وہ نظر آتاہے اور وہ اس سے بہک جاتے ہیں خدا کی پناہ! ابن صیاد کا یہ دیکھنا اسی طرح کا تھا وہ یہ ہی بیان کررہا ہے۔

۴؎ یعنی اسے اپنی معلومات پرخود ہی یقین نہیں کہ سچی خبر کونسی ہے جھوٹی کونسی تو اس سے کچھ پوچھ گچھ کرنا بے کار ہے۔

۵؎ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ابن صیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معتقد ہوگیا تھا کہ حضور سے غیبی خبریں پوچھنے لگا تھا اور آپ کے جواب پرکسی قسم کی جرح قدح نہیں کرتا تھا،حضور کے پردہ فرمانے کے بعد تو مسلمان ہوگیا تھا۔معلوم یہ بھی ہوا کہ ابن صیاد بھی یہ جانتا تھاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہے وہ جنت و دوزخ زمین و آسمان سب کی خبر رکھتے ہیں۔

روایت ہے انہیں سے کہ ابن صیاد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ سفید میدہ خالص مشک ۱؎(مسلم)	

۱؎ درمكة بروزن جعفرة بمعنی سفید میدہ،بعد میں بیضاء فرمانا توضیح کے لیے ہے یعنی جنت کی مٹی رنگت میں سفید خوشبو مشک خالص کی سی ہے۔حضور کیوں نہ بتاتے حضور تو جنت کی سیر کرکے آئے ہیں۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ابن صیاد سے ملے ۱؎ تو آپ نے اس سے ایسی بات کہی جس نے اسے غضب ناک کردیا تو وہ پھولا حتی کہ گلی بھردی ۲؎ پھر ابن عمر جناب حفصہ کے پاس گئے انہیں یہ خبر پہنچ چکی تھی انہوں نے ان سے کہا اللہ تم پر رحمت کرے تم نے ابن صیاد سے کیا چاہا کیا تمہیں خبرنہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال ایک غصہ کی حالت میں ہی نکلے گا جس پر اسے غصہ آوے گا ۳؎(مسلم)	

۱؎ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد کا ہے جیساکہ مضمون حدیث سے واضح ہے۔

۲؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے واقعی وہ پھول کر اتنا موٹا ہوگیا کہ گلی ساری بھر گئی،اب بھی بعض چیزوں میں ہوا بھردی جاوے تو موٹی ہو جاتی ہیں۔

۳؎ یعنی اے ابن عمر تم اسے غصہ نہ دلاؤ اگر یہ واقعی دجال ہوا تو ابھی تم اسے غصہ سے دجال بنا دو گے اور ابھی اس کے خروج کا وقت ہے نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ تک ابن صیاد کے ساتھ رہا تو اس نے مجھ سے کہا میں	

نے لوگوں سے بہت مصیبت پائی۱وہ گمان کرتے ہیں کہ میں دجال ہوں۲کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنتے نہ رہے کہ دجال کے اولاد نہ ہوگی اور میری اولاد ہے،کیا حضور نے یہ نہ فرمایا کہ وہ کافر ہے اور میں مسلمان ہوں۳کیا حضور نے یہ نہ فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہوسکے گا نہ مکہ میں اور میں مدینہ سے آرہا ہوں اور مکہ کا ارادہ کررہا ہوں۴پھر اس نے مجھ سے اپنے آخری قول میں کہا کہ آگاہ رہو کہ میں اس کی پیدائش گاہ اور اس کی جگہ جانتا ہوں اور یہ کہ وہ کہاں ہے اور میں اس کے باپ و ماں کو پہچانتا ہوں۵فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے شبہ میں ڈال دیا ۶میں نے اس سے کہا کہ تو ہمیشہ ہلاک رہے فرمایا اور اس سے کہا گیا کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو ہی وہ دجال ہے فرماتے ہیں وہ بولا کہ اگر یہ مجھ پر پیش کیا جاوے تو میں ناپسند نہ کروں ۷(مسلم)	

۱یہاں ما استفہامیہ ہے تعجب کے لیے یعنی مجھے کیسی مصیبت پڑی ہے جو لوگوں سے میں سنتا ہوں۔

۲یعنی لوگ مجھے دجال کہتے ہیں حالانکہ میں دجال نہیں ہوں،میرے دجال نہ ہونے کی دلیلیں یہ ہیں جو میں خود عرض کررہا ہوں۔

۳اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد اس وقت مسلمان ہوچکا تھا۔

۴ان دلائل کی بنا پر اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ابن صیاد دجال معروف نہیں مگر جو حضرات فرماتے ہیں کہ وہ دجال ہی ہے وہ ان کے جواب یہ دیتے ہیں کہ ابھی ابن صیاد دجال نہیں بنا تھا جب دجال بن کر آوے گا تب اس کے یہ حالات ہوں گے کہ وہ کافر بھی ہوگا،لاولد بھی ہوگا،کانا بھی اور حرمین طیبین کی زمین سے محروم بھی۔

۵غالب یہ ہے کہ ابن صیاد نے یہ سب کچھ جھوٹ بولا اسے کچھ بھی پتہ نہ تھا صرف شیخی سے یہ کہہ رہا تھا۔ (مرقات)بعض لوگوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں ہی دجال ہوں اس کی ہر حالت جانتا ہوں۔(اشعہ)

۶یعنی پہلے تو مجھے خیال ہوگیا تھا کہ واقعی یہ دجال نہیں مگر اس کی گفتگو سے مجھے اشتباہ ہوگیا کہ یہ دجال ہے یا نہیں۔

۷یعنی اگر میں ہی دجال بنادیا جاؤں اور اس کے تمام عیوب مجھ کو دے دیئے جاویں تو میں اس سے راضی ہوں،اس سے اس کا کفر ظاہر ہے کہ رضا بالکفر کفر ہے۔(لمعات،اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ وہ اسلام ظاہر کرنے پر بھی دل سے مسلمان نہ تھا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں ابن صیاد سے ملا اس کی آنکھ سوج گئی۱تو میں نے کہا کہ تیری آنکھ	

نے کیا کیا جو میں دیکھ رہا ہوں بولا مجھے خبر نہیں ۲؎ میں نے کہا کہ تجھے خبرنہیں حالانکہ وہ تیرے سر میں ہے بولا اگر اللہ چاہے تو تمہاری لاٹھی میں آنکھ پیدا کردے۳؎ فرماتے ہیں پھر گدھے کی سی سخت آواز نکالی جو تو نے سنا ہو۴؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی پہلے اس کی آنکھ اچھی بھلی تھی کہ اچانک سوج گئی اور کسی علاج سے اچھی نہ ہوئی پہلے میں نے اس کی آنکھ اچھی دیکھی تھی آج ورم ہوگیا۔

۲؎ یعنی بغیر سبب بغیر وجہ خود بخود یہ آنکھ ایسی ہوگئی۔

۳؎ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد خدا کو مانتا تھا،اس کے قادر مطلق ہونے پر ایمان رکھتا تھا،وہ کہہ یہ رہا ہے کہ مجھے یہ ورم تکلیف کے بغیر ہوا ہے اس لیے مجھے پتہ نہ لگا اگرچہ آنکھ میرے سر میں تھی جیسے اے ابن عمر اگر رب تعالٰی اچانک تمہاری لاٹھی میں آنکھ پیدا کردے بغیرکسی سبب کے تو اگرچہ لاٹھی تمہارے ساتھ رہتی ہے مگر تمہیں پتہ نہ لگے گا کیونکہ یہ کام اچانک ہوگا ایسے ہی میرا معاملہ ہے۔

۴؎ یعنی تم نے جتنے گدھوں کی آواز سنی ہو ان میں سخت تر آواز سے وہ رینگنے لگا کوئی گدھا اتنی سخت آواز سے نہیں رینگتا۔اس میں دو احتمال ہیں: یا **سمعت** متکلم کا صیغہ ہو یا **سمعت** واحد مخاطب کا صیغہ دونوں مطلب درست ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت محمد ابن منکدر سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے ۲؎ میں نے کہا کہ آپ اللہ کی قسم کھارہے ہیں فرمایا کہ میں نے حضرت عمر کو نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس اس پر قسم کھاتے سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہ فرمایا ۳؎ (مسلم بخاری)	

۱؎ آپ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں،بڑے عالم فاضل زاہد ہیں،بہت صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور بہت سے تابعین نے آپ سے روایات لی ہیں، ۱۳۰ھ ایک سو تیس ہجری میں وفات پائی۔(اشعہ)آپ سے سفیان ثوری،عمرو ابن دینار جیسے حضرات نے روایات لیں۔

۲؎ حضرت جابر کا یہ قسم کھانا کسی نص شرعی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اپنے ذاتی خیال کی وجہ سے تھا جو انہوں نے بعض علامات سے قائم کیا تھا اسی علامت کا ذکر آگے ہے۔

۳؎ بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ غالب گمان پر قسم کھالینا جائز ہے قسم کے لیے یقین ضروری نہیں مگر بعض نے فرمایا کہ قسم صرف یقین پر کھائی جاسکتی ہے اور یہاں دجال سے مراد جھوٹا دجال ہے یعنی فتنہ گر فسادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تیس دجال ہوں گے اور ظاہرہے کہ ابن صیاد ان تیس میں سے یقینی ہے خصوصًا اس وقت جب کہ اس نے اسلام ظاہر نہ کیا تھا۔اس معنی سے وہ یقینًا دجال تھا اور یہ قسم یقین پر تھی اور ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر کا یہ مذہب ہو کہ یقینًا ابن صیاد دجال اکبر ہے اپنے یقین پرقسم کھائی ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کہتے تھے اللہ کی قسم میں اس میں شک نہیں کرتا کہ مسیح دجال ابن صیاد ہے ۱؎(ابوداؤد،بیہقی کتاب البعث والنشور)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں دجال سے مراد وہ ہی بڑا دجال ہے اور یہ حضرت ابن عمر کی اپنی رائے ہے علامات کی بنا پر۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے حرہ کے دن ابن صیاد کو گم پایا ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎جنگ حرہ وہ حادثہ ہے جو یزید مردود کے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے پر نمودار ہوا واقعہ کربلا کے بعد۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنگ حرہ تک تو ہم نے ابن صیاد کو مدینہ منورہ میں دیکھا پھر اس کے بعد وہ ہم کو نظر نہ آیا۔یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں مرا اور ہم نے اس پر نماز پڑھی اسے دفن کیا کیونکہ حضرت جابر کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ملی وہ اپنے علم کے مطابق فرمارہے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوبکر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال کا باپ تیس سال تک لاولد رہے گا کہ اس کے ۱؎اولاد نہ ہوگی پھر ان کے کانا بڑی ڈاڑھ والا کم نفع والا لڑکا پیدا ہوگا۲؎ جس کی آنکھیں سوئیں گی اس کا دل نہ سوئے گا۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ اس کا باپ دراز قد دبلا ہوگا گویا اس کی ناک چونچ ہے اور اس کی ماں موٹی لمبے ہاتھ والی عورت ہے۴؎ ابوبکر کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں یہود میں ایک بچہ سنا تو میں اور زبیر ابن عوام گئے ۵؎ حتی کہ ہم اس کے ماں باپ کے پاس گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف ان دونوں میں تھے ۶؎ تو ہم نے کہا کیا تمہارے کوئی بچہ ہے تو وہ دونوں بولے ہم تیس سال رہے کہ ہمارے اولاد نہ ہوئی پھر ہمارے کانا ۷؎ بڑی ڈاڑھ والا بچہ پیدا ہوا کم نفع والا جس کی آنکھیں سوتی اور اس کا دل نہیں سوتا۸؎ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے پاس سے نکلے تو وہ دھوپ میں ایک کمبل میں لیٹا ہوا تھا اس کی کچھ گنگناہٹ تھی ۹؎ تو اس نے اپنا سر کھولا تو بولا کہ تم نے کیا کہا ہم نے کہا کہ	

	کیا تم نے ہماری بات سن لی بولا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۱۰(ترمذی)

۱؎ یہ وہ علامات ہیں جن کی بناء پر بعض صحابہ کو یقین ہوگیا کہ ابن صیاد دجال ہے۔ممکن ہے اس حدیث میں دجال سے مراد بڑا دجال نہ ہو بلکہ چھوٹے دجالوں میں سے ایک دجال ہو۔(مرقات)

۲؎ اضرس کے دومعنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اس کے منہ میں پیدائشی ڈاڑھ ہوگی کہ اپنے منہ میں ماں کے پیٹ سے ڈاڑھ لائے گا،دوسرے یہ کہ پیدا تو بغیر دانت و داڑھ کے ہی ہوگامگر جب اس کے ڈاڑھیں نکلیں گی تو دوسرے انسانوں سے بڑی ہوں گی،دوسرے معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

۳؎ یعنی اس بچہ میں دوسری حیرت ناک بات یہ ہوگی کہ وہ گھر والوں یا دوسرے کو کوئی فائدہ نہ دے گا یا بہت کم دے گا،کام کاج کم کرے گا،ماں باپ کی فرمانبرداری کم کرے گا مگر نقصان زیادہ دے گا،اس کے ذریعہ چیزیں زیادہ خراب ہوں گی،لوگوں سے لڑائی دنگے بہت کرے گا۔سوتے میں دل اس کا بیدار رہے گا کہ لوگوں کی باتیں سن لیا کرے گا،ہر چیز دیکھ لیا کرے گا۔

۴؎ یعنی جیسے اس لڑکے میں چند حیرتناک علامات ہوں گی ایسے ہی اس کے ماں باپ میں چند خصوصیات ہوں گی جن علامات سے وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوں گے۔باب لمبا دبلا،ناک چونچ کی طرح،ماں موٹی لمبے ہاتھ والی،اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو ہر چیز بتائی بلکہ دکھائی ہے۔

۵؎ یعنی ہم کو خبر لگی کہ یہود مدینہ میں ایک بچہ اس شکل و شبہات کا پیدا ہوا ہے جو حضور انور نے ارشاد فرمائی تھی ہم کو اس کے دیکھنے کا شوق ہوا اس لیے ہم اس محلّہ میں اس کے گھر گئے۔

۶؎ ان بزرگوں نے اس بچہ کو دیکھنے سے پہلے اس کے ماں باپ کی تحقیق کی،انہیں اسی طرح کا پایا جو حضور انور نے دجال کے ماں باپ کے متعلق خبر دی تھی۔خیال رہے کہ کافرہ،فاسِقہ،بے پردہ آوارہ عورتوں کا دیکھنا حرام نہیں خصوصًا ضرورت کے وقت۔ان بزرگوں نے اس کی ماں کو تحقیق کے لیے دیکھا طبیب مریضہ کو،قاضی شاہدہ کو،گواہ مدعیہ کو ضرورۃً دیکھ سکتے ہیں۔

۷؎ غالبًا وہ پیدائشی ایک آنکھ کا کانا ہوگا بعد میں یہ ہی آنکھ سوج گئی ہوگی یا دوسری آنکھ لہذا یہ حدیث گزشتہ اسی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہم نے دیکھا اس کی ایک آنکھ آج سوج گئی،ہم نے پوچھا کب سوجی وہ بولا مجھے خبر نہیں۔

۸؎ چنانچہ اس کے سونے کی حالت میں جو کچھ کہا جاوے وہ سن لیتا ہے،جو کوئی آئے اسے دیکھ لیتا ہے،پھر خراٹے بھی لیتا ہے۔خیال رہے کہ دجال کے لیے یہ صفت عیب ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت کمال ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہیں سب کچھ دیکھتے سنتے ہیں ان کی حفاظت و ہدایت کے لیے،وہ سب کو دیکھتا ہے گمراہ کرنے کے لیے۔دجال کی گمراہ گری کبھی بند نہیں ہوتی،حضور انور کی ہدایت کبھی نہیں رکتی۔اب بھی حضور ہم سب کو دیکھتے ہم سب کی سنتے ہیں۔

۹؎ **همهمة** گائے کی ہلکی آواز کو کہتے ہیں۔یہاں وہ آواز مراد ہے جو سوتے میں نکلتی ہے جس میں انسان کچھ باتیں کرتا ہے،اسے اردو میں گنگناہٹ یا بڑبڑانا کہتے ہیں۔(مرقات)

۱۰؎ اس لیے میں نے سوتے میں ہی تم کو دیکھ بھی لیا اور تمہاری باتیں سن بھی لیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک یہودیہ عورت نے مدینہ منورہ میں ایک بچہ جنا جس کی ایک آنکھ سپاٹ تھی اس کی ڈاڑھ اگی ہوئی تھی ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کیا کہ یہ ہی دجال ہوگا ۲؎ اسے ایک کمبل کے نیچے پایا گنگنارہا تھا ۳؎ اس کی ماں نے خبر دیدی بولی اے اللہ کے بندے یہ ابوالقاسم ہیں ۴؎ تو وہ کمبل سے نکل پڑا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا اسے غارت کرے اسے کیا ہوا ۵؎ اگر یہ اسے چھوڑ دیتی تو یہ بیان کر دیتا،پھرحضرت ابن عمر کی حدیث کے معنی کی مثل ذکر کیا تب جناب عمر ابن خطاب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اسے قتل کردوں ۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ وہ ہی ہے تو اسکے قاتل تم نہیں اس کے قاتل حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں ۷؎ اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمہیں مناسب نہیں کہ ذمہ والوں میں سے کسی کو قتل کرو ۸؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوف فرماتے رہے کہ یہ دجال ہو ۹؎(شرح سنہ)	

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی کانا اور ڈاڑھ والا تھا،حدیث پاک کے ظاہری معنی یہ ہی ہیں۔بعض شارحین نے کہا کہ یہاں ناب جنسی معنی میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس کی ساری ڈاڑھیں کیلیں پیدائشی تھیں۔

۲؎ اس کے متعلق عرض کیا جاچکا کہ یہاں دجال سے مراد چھوٹا دجال ہے اور ممکن ہے کہ بڑا دجال ہی مراد ہو اور یہ پہلے کا واقعہ ہو بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے دجال کی بہت سی نشانیاں بیان فرمائی ہوں۔

۳؎ اس گنگنانے میں وہ اپنے حالات خصوصی بیان کررہا تھا کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں،وہ سب کچھ ہی کہہ جاتا اگر اسے روکا نہ جاتا۔

۴؎ یعنی یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اپنا گنگنانا چھوڑ،ان کا ادب و احترام کر۔معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی نیت بری نہ تھی اور منظور الٰہی یہ تھا کہ ابن صیاد کے حالات پردہ میں ہی رہیں۔

۵؎ یعنی اسے سوجھ گیا کہ میری خبر ابن صیاد کو دے کر اسے خاموش کردیا کچھ دیر خاموش رہی ہوتی۔خیال رہے کہ عربی میں قاتله الله اظہار غضب کے لیے کہا جاتا ہے،اس سے بد دعا مقصود نہیں ہوتی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ"۔

۶؎ کیونکہ یہ بڑا فتنہ گر فسادی ہوگا اگرچہ یہ ابھی بے قصور بچہ ہے مگر حضرت خضر نے بھی تو ایک بے قصور بچہ کو اس لیے قتل کیا کہ وہ آگے چل کر فساد پھیلاتا مجھے بھی اس کے قتل کی اجازت دیجئے تاکہ فساد کی جڑ کٹ جائے۔

۷؎ یعنی اگر یہ وہ ہی بڑا دجال ہے جس کا خروج قریب قیامت ہوگا تو تم اس کے قتل پر قادر نہ ہو گے کہ یہ ارادۂ الٰہی کے خلاف ہے۔

۸؎ یعنی اسلامی قانون سے اس کا قتل جائز نہیں کہ یہ ہے یہودی ذمی اور ذمی کا قتل بغیر بڑے جرم کے جائز نہیں۔حضرت خضر علیہ السلام بھی اب کسی بے قصور بچے کو قتل نہیں کرسکتے کہ اب وہ بھی اسلامی قوانین کے پابند ہیں۔یہ دین موسوی نہیں جس سے حضرت خضر یا کوئی شخص الگ ہو۔

۹؎ اس کے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور انور کا یہ خوف اولًا تھا پھر بعد میں تو حضور نے دجال کے ایسے حالات بیان فرمائے جن سے ہم سننے والوں کو یقین ہے کہ وہ دجال ابھی نہیں آیا۔ادھر تمیم داری کی وہ حدیث کہ انہوں نے ایک کلیسہ میں اسے زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا واضح کرتی ہے کہ ابن صیاد دجال نہیں لہذا حضور انور کو بعد میں یقین تھا کہ یہ دجال نہیں ماں باپ کے حالات یکساں ہوسکتے ہیں،صفات کے ایک ہونے سے چند موصوف ایک نہیں ہوجاتے لہذا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا کمی علمی ثابت نہیں ہوتی۔

باب نزول عیسی علیہ السلام

عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لائیں گے،دین محمدی کے تابع ہوں گے،حضور کی شریعت پر عمل کریں گے اور لوگوں سے عمل کرائیں گے،جزیہ اور سؤر کو ختم فرمادیں گے یعنی کسی شخص کو کافر رہ کر جزیہ دینے کا اختیار نہ ہو گا کوئی سؤر نہ کھاسکے گا،سؤر فنا کردیئے جائیں گے یہ دونوں حکم آپ منسوخ نہ کریں گے،خود حضور انور نے فرمادیا تھا کہ ان کی تشریف آوری پر یہ دونوں حکم منسوخ ہوجائیں گے ان کے ناسخ خود حضور انور کے فرمان ہیں جن کا ظہور اس وقت ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں [1] ابن مریم حاکم عادل ہوکر اتریں وہ صلیب کو توڑیں گے سؤروں کو فنا کردیں گے [2] جزیہ کو ختم فرمادیں گے،مال کو بہادیں گے حتی کہ اسے کوئی قبول نہ کرے گا حتی کہ ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہوگا [3] پھر جناب ابوہریرہ فرماتے تھے کہ اگرچاہو تو یہ آیت پڑھو کہ کوئی اہل کتاب سے نہیں مگر وہ ان پر ان کی وفات سے پہلے ایمان لے آوے گا [4] (مسلم،بخاری)	

[1] یعنی تم مسلمانوں میں وہ آئیں گے نہ کہ تم صحابہ میں۔

[2] اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سؤروں کا شکار کرتے رہیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نہ کافر رہنے کی اجازت ہوگی،نہ سؤر کھانے شراب پینے کی،اس وقت کفار کے لیے دو ہی صورتیں ہوں گی: یا اسلام یا قتل،یہ حضور ہی کا حکم ہے جس کا ظہور اس دن ہوگا۔

[3] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی برکت سے دنیاوی مال دلی تقویٰ بہت ہی ہوجائے گا،سارے لوگ متقی پرہیزگار عبادت گزار شب بیدار ہوجائیں گے۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے دم قدم سے زمانے بدل جاتے ہیں،دل تقویٰ سے بھر جاتے ہیں،دلوں پر ان کا اثر پڑتا ہے،یہ حضرات لوگوں کے دل رنگ دیتے ہیں۔لوگ سوچ لیں کہ کیا مرزائے قادیان

کے زمانہ میں یہ کام ہوئے وہ تو خود چندہ کرتے ہوئے قبریں فروخت کرتے ہوئے مرا پھر کس طرح وہ مسیح موعود ہوسکتا ہے رب تعالٰی اس کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔

۴؎ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے یہودی اور عیسائی سارے ہی آپ کو اللہ کا بندہ اللہ کا رسول مان لیں گے اور ابھی تو سب مسلمان ہوئے نہیں۔معلوم ہوا کہ ابھی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی نہیں ہوئی۔**قبل موته** میں **ہ** ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے نہ کہ اہل کتاب کی طرف کیونکہ اپنی موت کے وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا لہذا اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ سارے اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح پر ایمان لے آتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مرزائے قادیانی مسیح موعود نہیں وہ تو خود عیسائیوں کی سلطنت میں ان کا غلام بن کر رہا انہیں کی غلامی میں مرا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم ابن مریم اتریں گے حاکم عادل ہوکر ۱؎ تو صلیب توڑ دیں گے اور سؤر فنا کردیں گے جزیہ ختم فرما دیں گے۲؎ اونٹنیاں آوارہ چھوڑ دی جائیں گی جن پر کام کاج نہ کیا جاوے گا۳؎ اور کینے،بغض،حسد جاتے رہیں گے۴؎ وہ مال کی طرف بلائیں گے تو کوئی اسے قبول نہ کرے گا ۵؎ (مسلم)اور مسلم،بخاری کی روایت میں ہے فرمایا تم کیسے ہوں گے جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا ۶؎

۱؎ چونکہ قریب قیامت آپ چوتھے آسمان سے فرش پر آویں گے اسی لیے نزول فرمایا گیا،چونکہ آپ بغیر والد کے پیدا ہوئے اس لیے ابن مریم فرمایا،نیز ابن مریم فرماکر یہ بتایا کہ یہ مسیح وہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے جو پہلے دنیا میں تشریف لاچکے تھے اس نام کا کوئی اور آدمی نہ ہوگا۔افسوس ہے کہ مرزا قادیانی کا نام غلام احمد ماں کا نام چراغ بی بی اور وہ آسمان سے اترے نہیں بلکہ ماں کے پیٹ سے جنے گئے مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں،بھلا کچھ حد ہے اس ڈھٹائی کی۔

۲؎ ان تینوں کے معنی پہلے عرض کیے جاچکے ہیں کہ صلیب توڑنے کے معنی یہ ہیں کہ صلیب فنا کردی جائے گی،کسی کو اس کی پرستش کی اجازت نہ ہوگی،اسی طرح سؤر فنا کردیئے جائیں گے کہ نہ کوئی انہیں کھاسکے گا نہ پال سکے گا۔مرزائی ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام سؤروں کا شکار کھیلتے پھریں گے وغیرہ وغیرہ اس کا مطلب یا سمجھتے نہیں یا دیدہ دانستہ یہ کہتے ہیں۔

۳؎ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اونٹوں کی زکوۃ نہ لی جاوے گی کہ مال کی زیادتی کی وجہ سے زکوۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔یعنی **یسعی** بنا ہے **سعایة** سے جس سے ہے ساعی۔دوسرے یہ کہ اونٹنیوں پر سواری بار برداری نہ کی جائے گی کیونکہ دوسری سواریاں ان کاموں کے لیے بہت ایجاد ہوچکی ہوں گی۔خیال رہے کہ ابھی اونٹنیاں معطل نہ ہوئیں ان سے بہت کام لیے جارہے ہیں لہذا مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ میرے زمانہ میں اونٹ بے کار ہوگئے ریل موٹر وغیرہ کی وجہ

سے محض غلط ہے،آنکھوں دیکھ لو کہ اونٹوں سے صدہا کام لیے جارہے ہیں لوگوں میں امیری نہیں خود مرزا جی مانگتے رہے یا اونٹوں کو شکاری جانور کا خطرہ نہ رہے گا کوئی انکی حفاظت نہ کرے گا۔

۴؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے لوگوں کے دلوں سے حسد بغض کینے نکل جائیں گے کیونکہ کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ رہی گی،ہر ایک کو دین و ایمان کی لگن لگ جائے گی،محبت دنیا ان سب کی جڑ ہے جب جڑ ہی کٹ گئی تو شاخیں کیسے رہیں،نیز مختلف دین نہ رہیں گے سب کا دین ایک اسلام ہوگا۔غرضکہ نہ دنیاوی جھگڑے رہیں گے،نہ دینی اختلافات،نہ کسی کو حرص مال ہوگی،نہ عزت و جاہ کی خواہش۔غرض کہ آپ کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل جاوے گی۔

۵؎ یعنی لوگوں کو مال کی نہ ضرورت رہے گی نہ ہوس۔کفایت،قناعت دونوں میسر ہوں گی اس لیے مال لینا منظور نہیں کریں گے کہ انہیں رغبت نہ ہوگی۔

۶؎ اس فرمان عالی کے چند معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ **وامامکم** میں واؤحالیہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس حالت میں اتریں گے کہ نماز کی جماعت ہورہی ہوگی اور مسلمانوں کو ان کا امام نماز پڑھا رہا ہوگا یعنی امام مہدی،بعد میں نمازیں عیسیٰ علیہ السلام ہی پڑھایا کریں گے۔دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفۃ المسلمین ہوں گے مگر امامت نماز حضرت مہدی کیا کریں گے جو عرب ہوں گے،قرشی ہاشمی مسلمین میں سے ہوں گے۔تیسرے یہ کہ خود عیسیٰ علیہ السلام ہی تم مسلمانوں میں سے ہوں گے اور امام ہوں گے نماز پڑھایا کریں گے،بعض شارحین نے اس تیسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ پہلے دو معنی سے لازم آوے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت بھی مسلمانوں میں سے نہ ہوں بلکہ ان کا دین اپنا پرانا دین ہو۔پہلے دو معنے سے معلوم ہورہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ہوں گے امام کوئی اور ہوگا مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ میں ہی عیسیٰ ہوں،میں ہی امام مہدی،میں ہی کرشن،میں ہی خدا اور یہ حدیث پیش کرتا ہے،یہ حدیث تو اس کے خلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر قیامت تک لڑتی رہے گی ۱؎ فرمایا تب عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آیئے ہم کو نماز پڑھایئے تو وہ کہیں گے ۲؎ نہیں تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں یہ اللہ کی طرف سے اس امت کے احترام کی وجہ سے ۳؎ (مسلم)اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

۱؎ قیامت سے مراد قریب قیامت ہے جب کہ دنیا میں مؤمن و کافر دونوں ہوں گے،قیامت کے قیام کے وقت تو مؤمن نہ رہیں گے۔اور طائفہ سے مراد اسلام کے غازی مجاہد اور علما ربانی،صوفیاء کرام،اولیاء عظام ہیں کہ تاقیامت اسلام میں یہ جماعتیں رہیں گی۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک ہے مگر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ میں نے جہاد منسوخ کردیا۔

۲؎ امیر سے مراد امام مہدی ہیں جو مسلمانوں کے اس وقت دینی امیر حاکم ہوں گے رضی اللہ عنہ۔وہ کہیں گے کہ آپ مجھ سے افضل ہیں کہ اپنے وقت کے نبی اور اس وقت کے عالم مجتہد ہیں آپ نماز پڑھایئے۔

۳؎ یعنی میں نماز پڑھانے نہیں آیا دین اسلام کی دوسری خدمتیں کرنے آیا ہوں امام آپ ہی ہیں،اول وقت تو آپ یہ فرمائیں گے بعد میں بہت سی نمازیں بارہا پڑھائیں گے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں گے۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عیسیٰ ابن مریم زمین کی طرف اتریں گے،نکاح کریں گے،انکے اولاد ہوگی۱؎ اور پینتالیس سال قیام کریں گے۲؎ پھر وفات پائیں گے میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن کیے جائیں گے۳؎ تو ہم اور عیسیٰ ابن مریم ابوبکروعمر کے درمیان ایک مقبرے سے اٹھیں گے۴؎(ابن جوزی کتاب الوفاء)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نکاح ایک ہی کریں گے اور اولاد ایک سے زیادہ ہوگی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

۲؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین میں ٹھہرنے کے متعلق تین روایتیں ہیں: سات سال،چالیس سال،پینتالیس سال، ان میں مطابقت اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ آپ تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر تشریف لے گئے اوراب قریب قیامت تشریف لاکر بارہ سال زمین میں رہیں گے۔جن روایات میں پینتالیس سال ہے وہاں یہ مجموعی پوراقیام مرادہے، جن میں چالیس ہے وہاں مجموعی دونوں قیاموں کی دہائی لے لی گئی ہیں،اکائی جو مثل کسر کے ہے چھوڑ دی گئی ہے،سات سال والی روایت میں آئندہ قیام کا ذکر ہے،پانچ سال دجال کو فنا کرنے یاجوج ماجوج سے مسلمانوں کو بچانے،دنیا میں انتظام قائم کرنے میں صرف ہوں گے اور سات سال مستقل امان کے ساتھ خلافت کرنے میں۔(مرقات)

۳؎ چنانچہ اب روضہ شریف میں تین قبریں ہیں چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے،وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے،لوگوں نے امام حسن کو وہاں دفن کرنا چاہا حضرت عائشہ صدیقہ نے اجازت دے دی مگر بنی امیہ نے دفن نہ ہونے دیا،پھر عبدالرحمٰن ابن عوف کو دفن کرنا چاہا جناب عائشہ صدیقہ نے اجازت دی مگر یہ نہ ہوسکا،پھر حضرت عائشہ صدیقہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ وہاں دفن ہوں کہ گھر آپ ہی کا ہے مگر آپ نے فرمایا نہیں مجھے میری سہیلیوں یعنی دوسری ازواج کے ساتھ دفن کرنا بقیع میں،ارادۂ الٰہی تھا کہ وہ جگہ خالی رہے۔(اشعہ)

۴؎ یہاں قبر سے مراد مقبرہ ہے یعنی قیامت کے دن روضہ انور سے ہم چار صالحین اٹھیں گے جن میں دو نبی ہوں گے بیچ میں اور داہنے بائیں صدیق اور عمر فاروق شہید اکبر ہوں گے گویا"مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ

وَالصّٰلِحِیۡنَ"اس آیت کا پورا مظہر اور ان پانچوں کا مجمع یہاں ہوگا۔حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق بعد انبیاء سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر خوش نصیب ہیں۔

باب قرب الساعۃ و ان من مات فقد قامت قیامتہ

قیامت کا قریب ہونا اور جو مر گیا تو اس کی قیامت قائم ہوگئی۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ قیامت کو ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت کا قیام بھی پل بھر میں اچانک ہوجائے گا۔حدیث شریف میں قیامت تین معنی میں ارشاد ہوتا ہے:قیامت صغریٰ(چھوٹی)یعنی انسان کی اپنی موت،قیامت وسطیٰ(درمیانی)ایک زمانہ کا ختم ہونا جسے قرن کہتے ہیں،قیامت کبریٰ(بڑی)یعنی لوگوں کا سزا جزا کے لیے اٹھنا۔یہاں پہلی ساعت سے مراد قیامت کبریٰ ہے اور دوسری قیامت سے مراد قیامت صغریٰ ہے۔قیامت کبریٰ قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کا بہت زمانہ گزر چکا جتنا باقی ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔خیال رہے قیامت کبریٰ کے بہت سے موقعہ ہیں: پہلا نفخہ جب سب فنا یا بے ہوش ہوجائیں گے،دوسرا نفخہ جب سب زندہ یا باہوش ہوجائیں گے،پھر اول حال ظہور جلال کا وقت،پھر درمیانہ حال جب حساب وکتاب اس کے علاوہ دوسرے کام ہوں گے،پھر آخر حال فیصلہ کا وقت ان مختلف اوقات میں مختلف حال ہوں گے۔

روایت ہے حضرت شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ جناب انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح بھیجے گئے ہیں۱؎ شعبہ نے فرمایا کہ میں نے قتادہ کو انکے وعظوں میں فرماتے سنا۲؎ کہ جیسے ان دونوں میں سے ایک کی زیادتی دوسری۳؎ پر مجھے یہ خبر نہیں کہ اسے حضرت انس سے روایت کیا یا قتادہ نے خود کہا۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ ھاتین سے اشارہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی طرف ہے۔اور اس فرمان عالی کے چند معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان میں کوئی انگلی نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں،ہمارا دین قیامت سے ملا ہوا اور قیامت تک ہے یا ہم قیامت سے بہت قریب ہیں۔کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی سے قریب یا ہم قیامت سے وہاں کے حالات سے خبردار ہیں جیسے قریب والا اپنے قریب والے کے حالات سے خبردار ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ بڑی انگلی کا کنارہ کلمہ کی انگلی کے کنارہ سے اوپر ہے مگر ہے قریب ایسے ہی قیامت ہمارے بعد مگر ہے قریب،حضور کی تشریف آوری علامات قیامت سے ایک علامت ہے۔

۲؎ جس تقریر میں احکام شرعی یا رحمت و عذاب کا ذکر ہو اسے وعظ کہتے ہیں اور جس میں یہ چیزیں نہ ہوں بلکہ گزشتہ یا آئندہ کے واقعات وغیرہ ہوں اسے قصہ کہتے ہیں اور مقرر کو قاضی۔

۳؎ یہ دوسری حدیث ہے اس میں آخری معنی مراد ہیں کہ بڑی انگلی کلمے کی انگلی سے کچھ ہی بڑی ہے ایسے ہی قیامت ہم سے کچھ ہی دور ہے یہ جملہ پہلے جملہ کی شرح نہیں ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے فرماتے سنا کہ تم مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو۱؎ اس کا علم اللہ کے پاس ہے۲؎ اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ زمین پر ایسی کوئی نفاس سے پیدا ہونے والی ذات نہیں۳؎ جس پر سو سال گزریں اور وہ اسی دن زندہ ہو۴؎(مسلم)	

۱؎ یعنی تم مجھ سے یہ پوچھتے ہو کہ قیامت کس سنہ،کس دن،کس مہینے ،کس تاریخ میں قائم ہوگی،یہاں قیامت سے مراد پہلا نفخہ ہے جس میں وہ سب فنا ہوجائیں گے۔

۲؎ یعنی قیامت کا وقوع اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کا علم صرف خدا تعالٰی کو ہے کسی اندازے تخمینہ اٹکل قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی،ہاں اللہ تعالٰی ہی کسی کو بتائے تو وہ قادر ہے۔حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو قیامت کا علم بھی عطا فرمایا اس لیے حضور انور نے قیامت کی ساری علامتیں بیان فرمادیں،قیامت کا دن،تاریخ،مہینہ بتادیا کہ جمعہ کے دن محرم کے مہینہ دسویں تاریخ کو قائم ہوگی،ہاں سنہ نہ بتایا کہ یہ صیغہ راز میں رہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو،بلکہ اللہ تعالٰی حضور کے توسل سے بعض اولیاء اللہ کو بھی علم قیامت بخشتا ہے اس لیے حضور انور نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے اللہ نے قیامت کا علم نہ دیا ہے نہ دے گا۔

۳؎ نفس کا معنی زندہ چیز،**منفوسہ** بنا ہے **نفاس** سے یعنی جو زندہ نفاس والی عورت سے پیدا ہوا ہے وہ آج سے سو برس کے بعد زندہ نہ رہے گا۔خیال رہے کہ اس فرمان عالی سے مراد ہے کہ جو انسان ظاہری زمین پر موجود ہے وہ سو برس کے اندر وفات پاجائے گا۔جنات انسان نہیں،حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام زمین پر نہیں آسمان یا جنت میں ہیں،حضرت خضر زمین پر نہیں رہتے پانی میں رہتے ہیں،الیاس علیہ السلام اور اصحاب کہف ظاہری زمین پر نہیں جو سب کو نظر آویں۔سانپ گدھ وغیرہ جانور نفس تو ہیں مگر منفوسہ یعنی نفاس والی عورت سے پیدا نہیں لہذا یہ سب چیزیں اس فرمان سے علیحدہ ہیں۔چار نبی زندہ ہیں: دو زمین میں حضرت خضر و الیاس کہ خضر پانی میں اور الیاس خشکی میں رہتے ہیں،دو آسمان میں حضرت عیسیٰ چوتھے آسمان پر،ادریس جنت میں علیہم السلام۔(مرقات،اشعہ) حضور غوث پاک کبھی دوران وعظ فرماتے تھے اے اسرائیلی ٹھہریئے ایک محمدی کا کلام سنتے جانا یعنی حضرت خضر سے فرماتے تھے۔(اشعہ)

۴؎ یعنی آج کی تاریخ سے سو برس بعد یہ فرق ختم ہوجائے گا اگرچہ بعض صحابہ کی عمریں سو برس سے زیادہ ہوئیں جیسے حضرت سلمان فارس اور حضرت انس مگر آج کی تاریخ سے سو برس میں سب وفات پاچکیں گے۔معلوم ہوا کہ حضور انور کو سب کی موت کا علم دیا گیا۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ سو برس ایسے نہ گزریں گے کہ زمین	

	پر کوئی جنی ہوئی ذات آج کی جو موجود رہے ۱؎(مسلم)

۱؎ہم ابھی عرض کرچکے کہ منفوسہ سے مراد انسانی ذات ہے کہ نفاس والی عورتوں سے انسان ہی پیدا ہوتا ہے اور علی الارض فرماکر اصحاب کہف حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کو مستثنٰی فرمادیا کہ وہ اگرچہ زمین میں ہیں مگر زمین پر نہیں یعنی لوگوں پر ظاہر نہیں اور حضرت عیسٰی و ادریس علیہما السلام نہ زمین میں ہیں نہ زمین پر وہ تو آسمان پر ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ دیہاتی لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے تو آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے تھے ۱؎تو آپ ان میں سے سب سے چھوٹے کی طرف نظر فرماتے تھے کہ اگر یہ زندہ رہا تو اسے بڑھاپا نہ آئے گا کہ حتی کہ تم پر تمہاری قیامت قائم ہوجاوے گی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎وہ لوگ ساعت سے قیامت کبریٰ یعنی حشرونشر کا دن مراد لیتے تھے،پوچھتے تھے کہ اب سے کتنے عرصہ بعد قیامت کبریٰ قائم ہوگی،حضور انور جواب میں یہ نہ فرماتے تھے کہ تم مشرک ہوگئے کہ تم نے قیامت کا سوال مجھ سے کیا یہ تو اللہ تعالٰی ہی کو معلوم ہے کسی اور کو اس کا علم ماننا شرک ہے کفر ہے بلکہ احسن طریقہ سے اس سوال کا جواب دیتے تھے۔

۲؎یہاں ساعت سے مراد قیامت صغریٰ یعنی ہر ایک کی اپنی موت ہے یا قیامت وسطٰی یعنی اس قرن کا ختم ہوجانا۔یہ جواب حکیمانہ ہے کہ تم بڑی قیامت کی فکر کیوں کرتے ہو،تم اپنی قیامت کی فکر کرو یعنی موت کی وہ بہت قریب ہے اسی بچہ کے بڑھاپے سے پہلے تم سب مرجاؤ گے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں قیامت کے اندر بھیجا گیا ہوں ۲؎ تو میں قیامت سے اس طرح پہلے ہوں جیسے یہ انگلی اس سے اور اپنی دو انگلیوں کلمہ کی اور بیچ کی طرف اشارہ کیا ۳؎(ترمذی)

۱؎آپ بہت کمسن صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چھوٹے بچے تھے مگر آپ سے بہت احادیث مروی ہیں اولًا کوفہ میں پھر مصر میں رہے۔

۲؎یعنی میری بعثت اس وقت ہوئی ہے جب علامات قیامت شروع ہوچکی ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد ابتداء ہے جب کہ اس کی نشانیاں ظاہر ہونے لگی ہیں،اسی سے ہے"وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ"بلکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری علامت قیامت ہے۔

۳؎اس جملہ کی شرح ابھی گزر گئی۔اس میں اشارۃً فرمایا کہ ہم قیامت کے پڑوسی ہیں جیسے ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی سے بے خبر نہیں ہوتا ایسے ہی ہم قیامت سے بے خبر نہیں اور جیسے بیچ کی انگلی کچھ ہی بڑی ہے پہلی انگلی سے یونہی قیامت کچھ ہی دورہے،ہم سے ہماری آمد ہوچکی اب قیامت ہی کاانتظار کرو۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ میں امید کرتا ہوں کہ میری امت اپنے رب کے نزدیک اس سے عاجز نہیں ہوگی انہیں آدھے دن کی مہلت دے ۱؎سعد سے کہا گیا کہ آدھا دن کتنا فرمایا پانچ سو سال ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎اس فرمان کے بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالٰی پانچ سو سال تک میری امت کو اعمال کرنے کی مہلت ضرور دے گا کہ اس سے پہلے قیامت نہ آوے گی،اس سے زیادہ مہلت دے دے تو اس کی مہربانی ہے۔

الحمدللہ یہ خبر بالکل درست ہوئی اب قریبًا چودہ سو برس گزر چکے اور ابھی قیامت نہیں آئی۔دوسرے یہ کہ پانچ سو سال تک میری امت بڑے فتنوں بڑی آفتوں سے محفوظ رہے گی پھر بڑے بڑے فتنے آفتیں نمودار ہوں گی۔ (مرقات،اشعہ)

۲؎یعنی اس فرمان عالی میں دن سے مراد اللہ کا دن ہے اور اللہ کے دن کے متعلق رب فرماتاہے:"اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ"۔شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے ایک سال کے بعد جو پانچ سو سال ہوں گے یہ امت اس سے آگے نہ بڑھے قیامت اس دوران میں آجائے گی،اب پونے چودہ سو برس ہوئے ڈیڑھ سو سال باقی ہیں۔(اشعہ)ایک روایت میں ہے انسانی دنیا کی عمر ساڑھے سات ہزار سال ہے،حضور انور کی ولادت پاک حضرت آدم علیہ السلام سے ساڑھے چھ ہزار سال بعد ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ سو سال تک اسلامی نظام نہ بگڑنے پائے گا اس مدت کے بعد اس میں خلل پیدا ہوگا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک کاٹ دیا گیا پھر وہ آخر میں ایک	

	دھاگے سے ہلکا رہ گیا قریب ہے کہ یہ دھاگہ ٹوٹ جاوے ۱؎(بیہقی شعب الایمان)

۱؎یہ تشبیہ نہایت ہی بلیغ ہے جس میں بتایا گیا ہے دنیا اب قریب الختم ہے مگر یہ قرب رب تعالٰی کے علم کے لحاظ سے ہے نہ کہ ہمارے حساب سے،وہاں کا ایک دھاگہ بھی بہت دراز ہوتا ہے اس لیے یہ نہیں کہاجاسکتا کہ قریبًا اس فرمان کو چودہ سو برس ہوچکے اب تک وہ دھاگہ ٹوٹا ہی نہیں۔خیال رہے کہ آدم علیہ السلام تو آخری مخلوق ہیں اور انسان انکی اولاد دنیا آپ سے کروڑوں بلکہ اربوں سال پہلے پیدا ہوچکی تھی،فرشتے،آسمان زمین،چاند ستارے سورج،پھر زمین کے جانور وغیرہ سب پہلے ہی پیدا ہوچکے تھے اور قیامت میں یہ ساری مخلوق فنا کردی جاوے گی یا بے ہوش اور قیامت حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے سات ہزار سال بعد قائم ہوگی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے چھ ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ اس فرمان عالی کے وقت دنیا دھاگے میں لگی رہ گئی تھی اب تو اس فرمان عالی کو بھی پونے چودہ سو سال گزرے اب تو قیامت بہت ہی قریب ہے رب تعالٰی اس کا خوف نصیب کرے۔

باب لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس

قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین لوگوں پر ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ بدترین سے مراد کفار اور بدکار ہیں یعنی مؤمنین صالحین قیامت سے پہلے ہی مرچکے ہوں گے جیساکہ پہلے گزر چکا۔ نیکوں کا وجود دنیا کا تعویذ ہے جب تک یہ لوگ ہیں قیامت نہیں آسکتی۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جاوے گا۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اس شخص پر قیامت نہ قائم ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہو ۲؎(مسلم)	

۱؎ اللہ اللہ کی تکرار تاکید کے لیے ہے یعنی اس وقت کوئی ایسا آدمی نہ رہے گا جو اللہ کا نام لے اس وقت سارے انسان بت پرست کفار ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم کا بقا علماءوعاملین اور صالحین کی برکت سے ہے،معلوم ہوا کہ علماء صالحین کی برکت،جن،فرشتے،حیوانات،جمادات،نباتات سب کو پہنچتی ہے کہ ان کی وجہ سے یہ تمام قیامت کی وحشت سے امن میں ہیں۔(مرقات)اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے علماء کی بقاء کے لیے پانی میں مچھلیاں دعا کرتی ہیں۔

۲؎ یہاں احد سے مراد انسان ہیں ورنہ فرشتے تو اس وقت بھی اللہ اللہ کرتے ہوں گے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین مخلوق پر ۱؎(مسلم)	

۱؎ شرار سے مراد عقائد،اعمال،اخلاق میں بدترین۔خلق سے مراد صرف انسان ہیں یعنی جن انسانوں پر قیامت قائم ہوگی وہ سارے کافربے حیابدکاربے شرم ہوں گے،نیکی کا نام بھی نہ لیں گے،فرشتے اس وقت ہوں گے جو اللہ کرتے ہوں گے لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں گناہ انسان یا جنات ہی کرتے ہیں دوسری مخلوق نہیں کرتی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دوس کی عورتوں کے چوتڑ ذی الخلصہ کے اردگرد تھل تھل ہوں گے ۱؎ اور ذوالخلصہ دوس کا وہ بت ہے جس کی وہ زمانہ جاہلیت میں پوجا کرتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ دوس یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے،اس ہی قبیلہ کے حضرت ابوہریرہ تھے،دوسی کفار نے کعبہ معظّمہ کے مقابلہ میں ایک بت خانہ بنایا تھاجس میں ایک بت تھا خلصہ نام اس لیے اس گھر کو کعبہ یمانیہ بھی کہتے تھے اور ذوالخلصہ بھی۔اس ذوالخلصہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر ابن عبداللہ اور دیگر غازی صحابہ کرام کے ذریعہ آگ سے جلوا کر فنا کروادیا تھا۔یہاں ارشاد ہورہا ہے کہ قریب قیامت دوس کے کفار پھر اس بت خانہ کو آباد کریں گے اور وہاں کے لوگ اس کا طواف کریں گے۔عورتوں کے چوتڑ ملنے سے مراد ہے کہ ان کی عورتیں تک اس بت خانہ کے اردگرد طواف کعبہ کی طرح چکر لگائیں گی حالانکہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں دین پر بہت پختہ ہوتی ہیں اس وقت وہ بھی بہک جائیں گی۔
۲؎ خلصہ بت کا نام تھا اور ذوالخلصہ بت خانہ کا نام یعنی خلصہ والا گھر،یہ تفسیر یا تو حضرت ابوہریرہ کی ہے یا کسی اور راوی کی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رات و دن ختم نہ ہوں گے حتی کہ لات و عزیٰ کی پرستش کی جانے لگے ۱؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں گمان کرتا تھا کہ جب یہ آیت کریمہ اتری کہ وہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور حق دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین ناپسند کریں کہ یہ لازوال ہے ۲؎ فرمایا کہ جس قدر اللہ چاہے گا تب تک رہے گا ۳؎ پھر اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو ہر وہ شخص وفات دے دیا جاوے گا ۴؎ جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہے تو وہ باقی رہ جائیں گے،جن میں بھلائی نہیں وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے ۵؎ (مسلم)

۱؎ لات بنا ہے لت سے بمعنی ستو گوندھنا،لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کے لیے ستو گھولا اور گوندھا کرتا تھا،اس کے مرے بعد قبیلہ ثقیف نے ایک بت رکھ لیا۔عزیٰ قبیلہ غطفان کا بت تھا یہ دونوں پہلے کعبہ معظّمہ میں تھے،قریب قیامت جب کعبہ معظّمہ ڈھا دیا گیا ہوگا مکہ کے لوگ مشرک ہوکر پھر لات و عزیٰ بت بنا کر اسے پوجنے لگیں گے۔خیال رہے کہ جب تک دنیا میں اسلام،قرآن،کعبہ معظّمہ ہے تب تک حجاز مقدس میں بت پرستی ہرگز نہیں ہوسکتی،جب روئے زمین سے یہ چیزیں اٹھ جائیں گی تب حجاز میں بھی مشرکین اور بت پرستی ہوگی لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ شیطان حجاز والوں سے شرک نہیں کرا سکتا کیونکہ قریب قیامت تو روئے زمین پر کہیں ایک مسلمان نہ ہوگا تو حجاز میں مؤمن کہاں سے آئیں گے۔
۲؎ یعنی میں نے **لیظھرہ** کے معنی یہ سمجھے تھے کہ اب دنیا سے اسلام کبھی بھی ختم نہ ہوگا مگر حضور والا کے فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ قریب قیامت اسلام بھی ختم ہوجاوے گا میرا یہ خیال درست نہ نکلا مجھے اس پر تعجب ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا محققانہ جواب ہے یعنی اسلام دین تام بھی ہے غالب بھی مگر اس غلبہ کی ایک حد ہے جس پر پہنچ کر ختم کردیا جاوے گا۔سورج یقینًا منور ہے مگر بعد غروب سورج کالا نہیں ہوجاتا بلکہ زمین اس کا فیض لینے سے محروم ہوجاتی ہے،نقصان سورج میں نہیں آیا زمین کے فیض لینے میں آیا لہذا اسلام تام ہی ہے۔

۴؎ جب اس طیب ہوا سے تمام روئے زمین کے مسلمان وفات پا جائیں گے تو حجاز مقدس میں مسلمان کیسے رہ سکتے ہیں وہاں بھی مشرکین ہی رہ جائیں گے۔خیال رہے کہ رائی بھر ایمان سے یہ بتایا کہ فاسق سے فاسق مسلمان جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہو صرف عقائد کا درست ہو وہ بھی وفات پاجاوے گا نیک و صالحین کا تو ذکر ہی کیا۔

۵؎ اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ جو عنداللہ مؤمن ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہے وہ تو اس ہوا سے وفات پاجائیں گے اور جو دنیا میں کلمہ گو تھے مگر اللہ کے علم میں کافر مرنے والے تھے وہ مرتد ہوکر باپ دادوں کا دین اختیار کرلیں گے یعنی مرتد ہوجائیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب سارے مسلمان فوت ہوگئے تو مرتد کون ہوا۔

لطیفہ: مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا کہ وہ ہوا چل چکی اور سارے مسلمان مشرک ہوچکے جس سے لازم آیا کہ مولوی اسماعیل اور ان کی ذریت بھی مرتد مشرک ہوچکے کیونکہ وہ بھی زمین پر ہی رہتے تھے وہ کیسے مسلمان رہ گئے،مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں اپنے اور اپنوں پر بھی ہاتھ صاف کر گئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال نکلے گا تو چالیس تک پھرے گا میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا مہینے یا سال ۱؎ پھر اللہ تعالٰی عیسٰی ابن مریم کو بھیجے گا گویا وہ عروہ ابن مسعود ہیں ۲؎ آپ اسے تلاش کریں گے ہلاک کردیں گے پھر آپ لوگوں میں سات سال ٹھہریں گے ۳؎ کہ دو شخصوں کے درمیان دشمنی نہ ہوگی ۴؎ پھر اللہ ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے بھیجے گا ۵؎ تو روئے زمین پر کوئی نہ رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی یا ایمان ہو مگر وہ ہوا اسے وفات دیدے گی حتی کہ اگر تم میں سے کوئی وسط پہاڑ میں داخل ہوجائے تو وہ اس تک داخل ہوگی کہ اسے وفات دیدے گی ۶؎ فرمایا پھر بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے چڑیوں کی طرح ہلکے درندوں کی سی والے ۷؎ نہ کسی اچھی بات کو جانیں گے نہ کسی برائی کو برا جانیں گے ۸؎ ان کے پاس شیطان انسانی شکل اختیار کے آوے گا کہے گا تم شرم کیوں نہیں کرتے ۹؎ وہ کہیں گے تو ہمیں کیا حکم دیتا ہے وہ انہیں بت پرستی کا حکم دے گا ۱۰؎ وہ اس حال میں ہوں گے ان کا رزق بہتا ہوگا ان کا عیش

	خوب ہوگا ۱۱؎ پھر صور پھونکا جاوے گا تو اسے کوئی نہیں سنے گا مگر گردن کبھی جھکائے گا اور کبھی اٹھائے گا ۱۲؎ فرمایا پہلا جو شخص سنے گا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹ کا حوض پیتا ہوگا ۱۳؎ پھر لوگ بے ہوش ہوجائیں گے ۱۴؎ پھر الله شبنم کی طرح بارش بھیجے گا تو اس سے لوگوں کے جسم اُوگیں گے ۱۵؎ پھر صور میں دوبارہ پھونکا جاوے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے دیکھتے ہوں گے ۱۶؎ پھر کہا جاوے گا اے لوگو اپنے رب کی طرف چلو انہیں ٹھہراؤ ان سے پوچھ گچھ کی جاوے گی ۱۷؎ پھر کہا جاوے گا آگ کی رسد نکالو تو کہا جاوے گا کتنی سے کتنی تو فرمایا جاوے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے ۱۸؎ فرمایا کہ وہ وقت ہوگا جو بچوں کو بڈھا کر دے گا اور یہ وہ دن ہوگا جب پنڈلی کھولی جاوے گی ۱۹؎ (مسلم) اور جناب معاویہ کی حدیث لاتنقطع الهجرة توبہ کے باب میں ذکر کردی گئی ۲۰؎

۱؎ یہ شک ان راوی کو ہے کہ حضور انور نے کیا فرمایا کہ چالیس دن فرمائے یا چالیس ماہ یا سال ورنہ حضور انور نے چالیس دن فرمایا ایک دن ایک سال کی برابر وغیرہ۔

۲؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عروہ ابن مسعود کے ہم شکل ہوں گے،عروہ ابن مسعود سیدنا عبدالله ابن مسعود کے بھائی ہیں،بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہیں جو صلح حدیبیہ کے دن کفار کی طرف سے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے،پھر ۹ھ میں غزوہ طائف کے بعد یہ اسلام لائے پھر اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی جس پر قوم نے انہیں قتل کردیا،یہ عبدالله ابن مسعود کے بھائی نہیں کہ وہ تو عبدالله ابن مسعود ابن غافل ہذلی ہیں یہ ہی صحیح ہے۔(مرقات)

۳؎ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے کہ بعض روایات میں ہے چالیس سال،بعض میں ہے سات،سال والی روایات میں آپ کا پہلا قیام جو ۳۳ سال تھا اور سات سال یہ قیام بعد نزول والا ملاکر مراد ہے اور بھی زیادہ کی روایات ہیں۔

۴؎ یعنی ان سات سال میں تمام دنیا میں اسلام ہی ہوگا سب مسلمان متقی ہوں گے،سب کے سینے کینہ سے پاک و صاف ہوں گے۔

۵؎ حضرت عیسیٰ کے پردہ فرمانے کے بعد کچھ عرصہ تو یہ ہی خیر و برکت رہے گی،پھر انسان کافر بھی ہونے لگیں گے حتی کہ کچھ عرصہ بعد دنیا میں کفار بھی بہت ہوجائیں گے لہذا حدیث شریف واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جب سارے انسان مسلمان ہوچکے تھے تو اس کے ہوا چلنے پر کافر کہاں سے آئے جو زندہ رہے۔

۶؎ خلاصہ یہ ہے کہ اس ہوا سے کوئی مسلمان کسی طرح بچے گا نہیں جہاں بھی ہوگا وفات پاجائے گا۔یہ موت الله تعالٰی کی بڑی رحمت ہوگی کہ بدترین لوگوں میں مسلمان نہ رہیں گے ہم کو اس دعا کی تعلیم دی گئی ہے وتوفنا مع الابرار۔

۷؎ یعنی وہ لوگ بالکل بے عقل ہوں گے اور سخت خونخوار۔چڑیا ہر کام میں جلدی کرتی ہے ایسے ہی وہ ہر برائی بغیر سوچے سمجھے جلدی کریں گے گویا گناہ پر اڑ کر پہنچیں گے اور بے رحمی،غصہ وحشت،بربریت طیش میں خونخوار درندوں کی طرح ہوں گے،بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کو بات بات پر قتل و غارت کریں گے۔

۸؎ بلکہ برعکس اچھائیوں کو برا سمجھیں گے اور برائیوں کو اچھا سمجھیں گے،عقل و علم سے خالی ہوں گے اور ساتھ ہی بڑے مالدار ہوں گے،جب مال ہو مگر عقل،دین،علم نہ ہو تو مال زہر ہے،مال سانپ ہے جس کا تریاق دین ہے۔

۹؎ شیطان کا انسان کے دل میں وسوسے ڈالنا اس کا ادنی فریب ہے مگر شکل انسانی میں آکر بہکانا اس کا بڑا ہی سخت فریب ہے جس سے بچنا مشکل ہے اس لیے قرآن مجید میں انسان شیطان کو جن شیطان سے سخت تر فرمایا کہ "شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ"۔(مرقات)وہ کہے گا کہ تم خدا رسی کا ذریعہ کیوں اختیار نہیں کرتے اللہ کی راہ سے کیوں بہکے ہوئے ہو۔

۱۰؎ یعنی تم لوگ بت پرسی کرو خدارسی کے لیے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اولًا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے ہوں گے نہ خدا تعالٰی کی نہ بتوں کی،جانوروں کی طرح یوں ہی زندگی گزارتے ہوں گے شیطان انہیں برے راستہ پر لگا دے گا۔

۱۱؎ یعنی ان پر بڑا عذاب یہ ہوگا کہ اس بے علمی بے عقلی بے دینی کے ساتھ ان کے پاس مال و دولت رزق بہت ہی وسیع ہوگا کہ اس سے ان پر گناہوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

۱۲؎ لیت لام کے کسرہ سے گردن کی ایک طرف ایک حصہ کو کہتے ہیں یعنی وہ گھبراہٹ میں کبھی گردن کی داہنی کروٹ اونچی کرے گا بائیں نیچی کبھی اس کے برعکس۔اس کی یہ حرکت انتہائی گھبراہٹ میں ہوگی کہ کبھی وہ صور کی آواز داہنے کان سے سنے گا کبھی بائیں سے۔

۱۳؎ صور کی آواز لازمًا نہایت ہلکی اور باریک ہوگی جسے سوا اس شخص کے کوئی نہ سنے گا پھر آہستہ آہستہ تیز ہوتی جائے گی۔

۱۴؎ پہلے بے ہوش ہوں گے پھر فنا،یا بے ہوشی سے مراد ہلاکت ہے،اشعۃ اللمعات نے یہ ہی معنی کیے۔

۱۵؎ یہ واقعہ پہلے نفخہ سے چالیس سال بعد ہوگا اس دوران میں ان مردوں کے جسم گل چکے ہوں گے،اس بارش سے لوگوں کے جسم ایسے اگیں گے جیسے کھیت میں سبزہ اگتا ہے۔

۱۶؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ جسموں کی بالیدگی تو اس ہلکی بارش سے ہوگی اور سب کا زندہ ہونا صور کی آواز سے ہوگا۔

۱۷؎ پہلا خطاب زندہ ہونے والے لوگوں سے تھا کہ اے زندہ ہونے والو یہاں سے میدان حشر کی طرف یعنی شام کی زمین کی طرف چلو، جب یہ لوگ وہاں پہنچ جائیں گے تب فرشتوں سے کہا جائے گا کہ انہیں یہاں کھڑا کردو یہاں ہی ان کا حساب ہوگا۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کی نگرانی میں محشر تک جائیں گے اور انہیں فرشتے وہاں کھڑا کریں گے۔

۱۸؎ یہ سوال جواب رب تعالٰی اور ان فرشتوں کے درمیان ہوگا یعنی اے فرشتو تمام لوگوں میں سے آگ کے مستحقین کو الگ کردو تب وہ یہ سوال کریں گے کہ آگ کا حصہ کتنا ہے ،فرمایا جائے گا ہزار میں سے نو سو ننانوے۔اس فرمان عالی کی دو شرحیں ہیں: ایک یہ کہ نو سو ننانوے میں کفار گنہگار جو بھی دوزخ کے لائق ہیں سب ہوں گے،پھر سارے گنہگار حضور کی

شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے،بعض تو یہاں ہی اور بعض دوزخ میں سزا پاکر صرف کفار وہاں رہیں گے۔دوسری شرح یہ ہے کہ محشر کی اس جماعت میں یاجوج ماجوج بھی ہوں گے ان کی تعداد کا یہ حال ہے کہ یہاں بیرونی زمین کے انسان ان کے مقابلے میں فی ہزار ایک ہیں۔(اشعۃ اللمعات)بہرحال یہ خطاب بہت ہی ہولناک ہوگا۔

۱۹؎یعنی اس دن کی وحشت ودہشت کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس دن بچے ہوتے تو بڈھے ہوجاتے غم و اندوہ کی وجہ سے۔پنڈلی کھلنے سے مراد ہے سخت پریشان ہونا یعنی لوگوں کو اس وقت انتہائی پریشانی ہوگی۔مرقات نے فرمایا کہ جب حاملہ اونٹنی کے پیٹ میں بچہ مرجاتا ہے تو آدمی ہاتھ ڈال کر اسے نکالتا ہے،پہلے اس بچہ کی پنڈلی نمودار ہوتی ہے،یہ اونٹنی پر سخت تر وقت ہوتا ہے،پھر محاورہ میں ہر مشکل میں پھنسنے کو پنڈلی کھل جانے سے سے تعبیر کیا جاتاہے۔قرآن مجید میں جوارشاد ہوا "**یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّ یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ**"وہاں پنڈلی کھولے جانے سے مراد بعض کے نزدیک یہ ہے کہ رب تعالیٰ اپنی ساق قدرت کھولے گا،لوگوں کو حکم دے گا کہ ہماری ساق کو سجدہ کرو۔

۲۰؎وہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی ہم نے وہاں بیان کی وہاں کے زیادہ مناسب ہے۔

باب النفخ فی الصور

صور پھونکے جانے کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صور سینگ کے اس بگل کا نام ہے جو قیامت میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔پہلی پھونک جانداروں کو بے جان کرنے کے لیے،دوسری پھونک مردوں کو زندہ کرنے کے لیے۔ان دونوں نفخوں میں چالیس سال کا فاصلہ ہوگا کہ اگر سورج ہوتا اور دن رات نکلتے تو چالیس سال کی مدت ہوتی،اس صور کی بڑائی اس کی آواز کی ہیبت ہمارے خیال و وہم سے ورا ہے۔آج ایٹم بم اور چیخنے والے بم کی آواز ہی لوگوں کو مار دیتی ہے،بستیوں میں زلزلے ڈال دیتی ہے وہ تو صور ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو نفخوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے لوگوں نے عرض کیا اے ابوہریرہ کیا چالیس دن فرمایا میں نہیں کہہ سکتا،کہا چالیس مہینے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا،کہا چالیس سال فرمایا میں نہیں کچھ کہہ سکتا ۱؎ پھر اللہ آسمان سے پانی اتارے گا تو لوگ ایسے اگیں گے جیسے ساگ اگتا ہے ۲؎ اور نہیں ہے انسان کی کوئی چیز مگر وہ گل جاوے گی سواء ایک ہڈی کے اور وہ ریڑھ کی ہڈی ہے ۳؎ اس سے قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب دی جاوے گی ۴؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یوں بھی ہے کہ سارے انسان مٹی کھالے گی سواء ریڑھ کی ہڈی کے اس سے پیدا کیا گیا ۵؎ اور اس میں ترکیب دیا جاوے گا۔	

۱؎ یعنی مجھے یاد نہیں کہ حضور انور نے دن فرمایا یا مہینے یا سال اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر دوسری روایات میں چالیس سال وارد ہے۔

۲؎ یعنی اس غیبی بارش سے یہ گلے جسم درست ہوجائیں گے،روح پڑنے کے لائق ہوجائیں گے پھر صور پھونکنے پر یہ اجسام زندہ ہوجائیں گے۔

۳؎ **عجب الذنب** کے لفظی معنی ہیں دم گچھ،**عجب** بمعنی اصل ذنب بمعنی دم،جانور کی دم اس ہڈی کے کنارہ سے شروع ہوتی ہے اس کا نام ہے،ریڑھ کی جو گردن سے شروع ہوتی ہے چوتڑ پر ختم ہوتی ہے اسی پر انسان بیٹھتا ہے یہ اس کے لیے ایسی ہے جیسے دیوار کے لیے بنیاد،اگر یہاں یہ ہی ہڈی مراد ہے تو حدیث کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہڈی جلد فنا نہیں ہوتی،اسے خاک سو برس کے بعد گلاتی ہے اور اگر اس سے مراد ہیں اجزاء اصلیہ جو انسان کی جسم کی اصل ہیں تو وہ واقعی کبھی نہیں فنا ہوتے یہ ایسے باریک اجزاء ہیں جو خوردبین سے بھی دیکھنے میں نہیں آتے،انہیں انگریزی میں ایٹم کہتے ہیں۔عربی میں **اجزاء لایتجزی**۔انسان جل جاوے،اسے شیر کھا جاوے اور پاخانہ بن کر اس کے پیٹ سے نکل جاوے وہ اجزاء ویسے ہی رہتے ہیں حتی کہ غذا خون نطفہ میں یہ اجزاء ہوتے ہیں انہیں اجزاء سے انسان پہلے بھی بنا تھا اور آئندہ بھی بنے گا اس لیے ہم بڈھے کو کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی ہے جو پہلے

بالشت بھر کا بچہ بلکہ نطفہ تھا وہ ہی کیسے کہا جاتا ہے انہیں اصلی اجزاء کو یہ خوب یاد رہے۔زائد اجزاء میں فرق ہوتا رہتا ہے کہ بیماری میں گل کر نکل جاتے ہیں آدمی دبلا ہوجاتا ہے،عیش میں اور اجزاء بڑھ جاتے ہیں مگر اصل اجزاء اسی طرح رہتے ہیں۔

۴؎ لہذا اگرچہ جنت میں سارے انسان جوان اور ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے،دوزخی انسان اتنا بڑا کہ اس کی ایک داڑھ پہاڑ کی برابر مگر ہوں گے وہ ہی دنیا کے انسان کیونکہ ان کے اصل اجزاء وہ ہی ہوں گے روح وہ ہی ہوگی جو دنیا میں تھی لہذا اسلام کا محشر اور ہے آریوں کا تناسخ کچھ اور،حتی کہ جو لوگ دنیا میں بندر سوئر بنادیئے گئے ان کے بھی اجزاء اصلیہ وہ ہی تھے اور روح وہ ہی تھی لہذا وہ بھی تناسخ نہیں۔

۵؎ ہمارا جسم پہلے مٹی تھا پھر دانہ بنا پھر آٹا پھر غذا پھر خون پھر نطفہ پھر گوشت کا ٹکڑا پھر یہ انسانی جسم مگر اصلی اجزاء ہر جگہ وہ ہی رہے۔شعر

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام　　ہمچو سبزہ بار بار روئیدہ ام

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن زمین کو سمیٹ لے گا ۱؎ اور آسمان کو اپنے داہنے ہاتھ پر لپیٹ لے گا ۲؎ پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آج سائنس والے کہتے ہیں کہ اصل زمین ایک انچ کی تھی جسے پھیلا کر اتنا فراخ کردیا گیا ہے،ان کے قول پر تو یہ حدیث بالکل ہی ظاہر ہے کہ زمین جتنی پہلے تھی اتنی ہی چھوٹی سی کردی جاوے،اسلام بھی کہتا ہے کہ پہلے زمین پانی پر جھاگ تھی یہ جھاگ کعبہ معظّمہ کی جگہ محفوظ ہے وہ ہی زمین کی اصل ہیں قیامت میں بھی ایسی ہی کردی جاوے گی اس کی کیفیت رب تعالٰی ہی جانے۔

۲؎ قرآن کریم میں ہے "وَ الْاَرْضُ جَمِیۡعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیۡنِہٖ"یہ حدیث اس آیت کا بیان ہے۔یمین کے معنی اگر داہنا ہاتھ ہے تو وہ آیت اور یہ حدیث متشابہات میں سے ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اس میں بحث نہ کرو اور اگر اس سے مراد قدرت ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ آسمان و زمین اللہ تعالٰی کی قدرت سے حقیر و ذلیل ہوں گے جیسے مٹھی کی چیز مٹھی والے کے ہاتھ میں یا ہاتھ پر لپٹی ہوئی چیز ہاتھ والے کے قبضے میں ہوتی ہے ایسے ہی آسمان و زمین اس کے قبضہ میں حقیر ہوں گے۔

۳؎ یعنی تمام بادشاہوں کی بادشاہت عارضی فانی تھی جو ختم ہوگئی ہماری بادشاہت اصلی دائمی ہے اس لیے فنا نہیں ہوئی۔خیال رہے کہ بادشاہ زمین ہی میں تھے وہ ہی تکبر و غرور کرتے تھے اس لیے الارض کی قید ارشاد ہوئی۔آسمان کی مخلوق فرشتے وغیرہ نہ بادشاہ تھے نہ متکبر انہیں علیحدہ فرما دیا،نیز صرف بادشاہوں کا ذکر فرمایا حضرات انبیاء اولیاء کا ذکر نہ فرمایا کہ ان حضرات نے تکبر کبھی نہیں کیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ دے گا ۱؎ پھر انہیں اپنے داہنے ہاتھ میں لے گا پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہوں کہاں ہیں جابر لوگ کہاں ہیں تکبر والے لوگ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں اپنے دوسرے ہاتھ میں لے گا ۳؎ پھر کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر لوگ کہاں ہیں تکبر و غرور والے لوگ ۴؎ (مسلم)

۱؎ آسمان ایسے لپیٹے جائیں گے جیسے دفتر لپیٹ دیئے جاتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡکُتُبِ"۔

۲؎ ہاتھ سے مراد قدرت ہے،لپیٹنے سے مراد ان سب کو مسخر اور تابع فرمان بنالینا ہے اگرچہ آج بھی آسمان وزمین تابع فرمان ہیں مگر قیامت میں اس کا پورا پورا ظہور ہوگا۔آسمان کے لیے داہنا ہاتھ فرمانا اور زمین کے لیے بایاں ہاتھ فرمانا اس لیے ہے کہ آسمان پر کبھی کسی کی بادشاہت نہ ہوئی زمین پر بادشاہتیں لوگوں کی رہی ہیں اس لیے زمین کے لیے شمال فرمایا تاکہ اس کی زیادہ مقہوری ظاہر ہو۔(مرقات)کہا جاتا ہے کہ یہ کام تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یعنی نہایت معمولی ہے میرے قبضہ میں ہے۔

۳؎ یہ الفاظ اس حدیث کے زیادہ مناسب ہیں کہ اللہ تعالٰی کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں اور شمال کے جو معنی ابھی ہم نے عرض کیے اس معنی سے یہ مضمون اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ یہ فرمانا اظہار غضب کے لیے ہوگا اس وقت جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا۔حضور انور نے آج ہم کو یہ سب کچھ سنادیا تاکہ ہم لوگوں میں تکبر و غرور پیدا نہ ہو۔خیال رہے کہ ملک بمقابلہ مالک کے عظیم تر ہے مگر بعض لحاظ سے مالک عظیم تر ہے ملک سے۔مالک اور ملک کے بہت نفیس فرق ہماری تفسیر نعیمی **مالك یوم الدین** کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ یہود کا ایک بڑا عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو بولا اے محمد اللہ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں کو درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی مٹی کو ایک انگلی پر اور ساری مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا پھر انہیں ملائے گا۱؎ پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں میں اللہ ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے قول پر تعجب کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسے۲؎ پھر آپ نے تلاوت کی کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدرت نہ جانی۳؎ جو اس کا حق ہے اور زمین ساری اس کے قبضہ میں ہے قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہوئے ہیں اس کے داہنے ہاتھ میں،پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جسے یہ شریک ٹھہراتے ہیں۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس عالم نے غالبًا یہ مضمون توریت شریف یا کسی اور اپنی دینی کتاب سے بیان کیا ہوگا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید نہ کی بلکہ تصدیق فرمائی لہذا درست ہے۔ان چیزوں کو انگلیوں پر رکھنے سے مراد نہایت ہی اعلٰی درجہ کی تسخیر ہے یہ ہی بتانا مقصود ہے۔اردو میں کہتے ہیں کہ تم تو مجھ کو اپنی انگلیوں پر گھماتے ہو یعنی مجھ پر پورے پورے قابض ہو،تمہارے اشاروں پر میں کام کرتا ہوں لہذا یہ بالکل واضح ہے اگرچہ آج بھی ہر چیز رب کے قبضہ میں ہے مگر اس دن اس کا ظہور ہوگا۔

۲؎ اس تبسم اور تردید نہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے اس یہودی عالم کی اس بات کی تصدیق فرمادی لہذا یہ درست ہے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اور ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود نے تلاوت کی ہو اس پوپ کی تصدیق کے لیے **ماقدروا اللہ** میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے اللہ تعالٰی کی شان نہ جانی کہ اس کی یہ قدرتیں جانتے ہوئے اس کے لیے اولاد یا شریک مانا ایسی قدرتوں والا اولاد شریک سے پاک ہے کہ اولاد اور شریک اختیار کرنا مجبوری کی بنا پر ہوتا ہے فانی اور کمزور کو بقاء نسل اور دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اولاد کی ضرورت ہوتی ہے، یوں ہی شریک وہ اختیار کرتا ہے جو اکیلا کچھ نہ کرسکے۔

۴؎ زمین کے قبضہ میں ہونے اور آسمانوں کے لپٹے ہوئے ہونے کے معنی ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے کہ یہ حدیث یا تو متشابہات میں سے ہے یا یمین سے مراد قدرت ہے اور **مطویات** کے معنی ہیں قبضہ میں ہونا اس صورت میں معنی ظاہر ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رب تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق پوچھا کہ جس دن زمین دوسری زمین سے اور آسمان بدل دیئے جائیں گے۱؎ کہ اس دن لوگ کہاں ہوں گے فرمایا پل صراط پر ۲؎ (مسلم)

۱؎ خیال رہے کہ تبدیلی ذات جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے روپیہ کو پیسوں سے بدل لیا اور صفات کی تبدیلی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے اس چھلے کو انگوٹھی سے بدل لیا یعنی اسے پگھلا کر انگوٹھی کی شکل میں بنالیا۔قیامت کے دن تبدیلی زمین و آسمان کے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ زمین و آسمان کی ذات بدل دی جاوے گی کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کے کردیئے جائیں گے۔دوسرے یہ کہ ذات تو یہ ہی رہے گی مگر ان کے اوصاف بدل دیئے جائیں گے کہ زمین میں نہ پہاڑ رہیں گے،نہ غار،نہ دریا نہ نہریں،ساری زمین روئی کی طرح صاف ہوجاوے گی،پہلا احتمال قوی ہے کہ ذات ہی بدل دی جاوے گی۔(مرقات،اشعہ)

۲؎ سوال کا مقصد یہ ہے کہ زمین بدلنے کی حالت میں زمین پر رہنے والے انسان کہاں جائیں گے وہ اس پر تو رہ نہیں سکتے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المؤمنین تبدیلی ذات ہی سمجھی ہیں حضور انور نے بھی اس کی تائید کی کہ فرمایا ہاں واقعی اس وقت لوگ اس زمین پر نہ ہوں گے بلکہ پل صراط پر ہوں گے۔(مرقات) یا کسی اور راستے پر ہوں گے۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورج و چاند قیامت کے دن سیاہ کردیئے جائیں گے ۱؎ (بخاری)

۱؎ **مکوران** کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ ان دونوں کو ایسا لپیٹ دیا جاوے گا جیسے گیلا دھلا کپڑا لپیٹ کر گھر کے گوشہ میں ڈال دیا جاتا ہے،دوسرے یہ کہ چاند سورج بے نور کردیئے جائیں گے مگر سورج کی گرمی باقی رہے گی۔چنانچہ میدان حشر میں تجلی نور الہی کی ہوگی گرمی سورج کی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا**" غرضکہ عجیب نظارہ ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم نے کہ میں کیسے خوشی کروں حالانکہ صور والا فرشتہ ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اور اپنے کان لگائے ہوئے ہے ۱؎ اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے ہے انتظار کر رہا ہے کہ کب پھونکنے کا حکم دیا جاوے ۲؎ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں ۳؎ فرمایا کہو ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے ۴؎(ترمذی)

۱؎ یعنی میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت اسرافیل منہ میں صور لیے عرش اعظم کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم ملے اور میں بلا تاخیر صور پھونک دوں،جب میری آنکھیں یہ نظارہ کر رہی ہیں تو میرے دل کو چین وخوشی کیسے ہو،ادھر خوف لگا ہوا ہے۔معلوم ہوا کہ حضور کی نظریں سب کچھ دیکھتی ہیں۔شعر

اے فروعت صبح آثار ودھور چشم تو بینندہ ما فی الصدور

خیال رہے کہ یہ فرمان عالی اظہارِ خوف وخشیت کے لیے ہے اس لیے نہیں کہ ابھی صور پھونک جانے قیامت آجانے کا اندیشہ ہے قیامت تو اپنے وقت پر آوے گی اس سے پہلے بہت سی علامات ہوں گی خروج دجال،نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔یہ ایسا ہی ہے جیسے آندھی بادل آنے پر سرکار پر خوف کے آثار ظاہر ہوجاتے تھے ہیبت الٰہی کی وجہ سے اس لیے نہیں کہ عذاب الٰہی آنے کا اندیشہ ہے،رب تعالٰی وعدہ فرماچکا ہے کہ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ"۔

۲؎ کان لگانا،سر جھکانا تیار رہنے کی علامت ہے۔خیال رہے کہ یہ تیاری قیامت کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بندہ وقت سے پہلے کام کے لیے تیار رہتا ہے۔

۳؎ یعنی ہم قیامت قائم ہونے پر یا مصیبتوں پر یا ہر وقت یا اب ہمارے دلوں پر بہت گھبراہٹ ہے کیا کریں کون سا عمل کریں جس سے دل کو چین ہو آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔

۴؎ خیال رہے کہ یہ کلمات بڑے مبارک ہیں۔جب حضرت خلیل اللہ نمرود کی آگ میں جارہے تھے تو آپ کی زبان شریف پر یہ ہی کلمات تھے اور جب صحابہ کرام کو خبر پہنچی کہ کفار ہمارے مقابلہ کے لیے بڑی تعداد میں جمع ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی یہ ہی کلمات کہے،یہ کلمات مصیبتوں تکلیفوں میں بہت ہی کام آتے ہیں۔(مرقات)ہر مصیبت میں یہ کلمات پڑھنے چاہئیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جاوے گا ۱؎(ترمذی، ابوداؤد،دارمی)

۱؎ رب جانے کہ وہ سینگ کتنا بڑا ہے اس کا سرا جو منہ میں لیا جاوے گا اس کی فراخی آسمان کے برابر ہے۔(مرقات)قیامت میں یہ دو بار پھونکا جاوے گا ایک بار دنیا کو فنا کرنے کے لیے دوبارہ مردے زندہ کرنے کے لیے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا آپ نے رب تعالٰی کے اس قول کی تفسیر میں "فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ "فرمایا صور ہے ١ اور راجفہ پہلی بار پھونکنا ہے اور رادفہ دوسری پھونک ٢ (بخاری ایک باب کے عنوان میں)	

١ یعنی اس آیت کریمہ میں ناقور کے معنی ہیں صور اور نقر کے معنی صور میں پھونکنا لہٰذا آیت کے معنی ہوئے جب صور میں پھونکا جاوے گا۔ناقور کے لغوی معنی ہیں کریدنے والا کھودنے والا،چونکہ صور دوبارہ پھونکنے پر قبریں اکھیڑ کر مردے باہر ہو جائیں گے اس لیے ناقور کہتے ہیں۔

٢ یعنی قرآن مجید کا فرمان "يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ" میں راجفہ سے مراد صور کا پہلا نفخہ ہے اور رادفہ سے مراد دوسرا نفخہ۔راجفہ بنا ہے رجف سے بمعنی کانپنا تھرتھرانا،رادفہ کے معنی ہیں پیچھے آنے والا،چونکہ پہلے نفخہ پر تمام زمین آسمان تھرتھرا کر پھٹیں گے اس لیے اس کا نام راجفہ ہے دوسرا نفخہ اس کے بعد ہے لہٰذا وہ رادفہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے صور والے کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ان کی داہنی طرف حضرت جبریل ہیں اور ان کی بائیں طرف جناب میکائیل ١	

١ یعنی جس وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور حضرت میکائیل علیہ السلام بائیں طرف اس حالت میں آپ صور پھونکیں گے اس کی وجہ رب تعالٰی ہی جانے۔

روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے ١ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ خدا تعالٰی مخلوق کو کیسے لوٹائے گا اور اس کی خلقت میں اس کی نشانی کیا ہے ٢ فرمایا کیا تم اپنی قوم کے جنگل میں خشک سالی میں نہیں گزرے تھے وہاں اس وقت نہ گزرے جب سبزہ سے لہلہا رہی ہیں میں نے عرض کیا ہاں فرمایا تو یہ اللہ کی نشانی ہے اس کی مخلوق ہیں اسی طرح اللہ مردے زندہ کردے گا ان دونوں کو رزین نے روایت کیا ٣	

١ آپ کا نام لقیط ابن عامر ہے،طائف والوں سے ہیں،مؤلف نے آپ کا ذکر اسماء الرجال میں نہیں کیا۔(اشعہ،مرقات)

٢ یعنی دنیا آخرت کا نمونہ ہے آخرت میں مرے ہوئے لوگ زندہ کیے جاویں گے اس کی مثال دنیا میں کیا ہے جسے ہم اس کی دلیل بنا سکیں۔

٣ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ دلیل ہے کہ خشک زمین میں بارش سے تر ہو کر سوکھے سبزہ کے ریزہ دوبارہ ہرے ہو جاتے ہیں ایسے ہی صور کی آواز سے مردوں میں جان بھی پڑ جاوے گی،قرآن مجید میں اسی مثال سے قیامت میں اٹھنے کو سمجھایا گیا ہے،دنیا کی چیزیں عالم غیب کی دلیلیں ہیں ان میں غور کرنا ضروری ہے۔

باب الحشر

حشر کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱قیامت کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام حشر بھی ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا یا جمع ہونا اسے حشر یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن سارے اولین و آخرین ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہوجائیں گے بخلاف دنیا کے،یہاں مختلف جگہ میں لوگ پیدا ہوتے مرتے رہتے ہیں یا اس لیے کہتے ہیں کہ اسی دن ہر شخص اپنے اعمال اپنے احباب کے ساتھ جمع ہوگا،مؤمن مؤمنین کے ساتھ،کافر کفار کے ساتھ **المرء مع من احب** اس دن محبت جامع ہوگی۔ قیامت تک کے حضور کے شیدائی ان شاءاللہ حضور کے ساتھ ہوں گے۔اس کا مقابل ہے **نشر** بمعنی بکھیرنا یا جدا ہونا،جداکرنا،چونکہ قیامت میں بعض وقت لوگ جمع ہوں گے،بعض وقت ایک دوسرے سے الگ بلکہ بیزار اس لیے اسے یوم حشرونشر کہتے ہیں"**يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيۡهِ**"اس لیے اسے **یوم الفصل** بھی کہتے ہیں کہ اس دن مؤمن و کافر الگ الگ کردیئے جاویں گے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ قیامت کے دن اس سفیدہ زمین میں جمع کیے جائیں گے۱جو میدہ کی روٹی کی طرح ہے۲جس میں کسی کا نشان نہ ہوگا۳(مسلم،بخاری)

۱ **بیضاء** بمعنی سفید،**عفراء** بمعنی مائل بہ سرخی یعنی زمین ہوگی تو سفید مگر خالص تیز سفید نہ ہوگی بلکہ سفیدی میں سرخی کی جھلک ہوگی۔

۲ **قرصة** بمعنی ٹکیہ یا روٹی،یہ **قرص** سے بنا ہے،شیخ سعدی نے گلستان میں فرمایاشعر

قرص خورشید در سیاہی شد　　　　یونس اندر دہان ماہی شد

نقی بمعنی میدہ،**قرصة** میں ت وحدت کی ہے یعنی ایک روٹی۔

۳یعنی اس دن ساری روئے زمین پر نہ کسی کا مکان ہوگا،نہ باغ،نہ کھیت،نہ غار،نہ پہاڑ،صاف شفاف میدان ہوگا جس میں نہ کسی کو ٹھوکر لگے نہ کوئی غار میں گرے۔سب کی نظریں آسمان کی طرف ہوں گی اور زمین طے کرتے ہوں گے،اس طرح سب زمین شام تک پہنچیں گے جہاں قیامت کا اجتماع ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہوجاوے گی جسے اللہ تعالٰی اپنے دست قدرت سے تیار کرے گا۱؎ جیسے تم میں سے کوئی سفر میں اپنی روٹی تیار کرتا ہے جنت والوں کی مہمانی کے لیے۲؎ پھر ایک یہودی شخص حاضر ہوا بولا اے ابوالقاسم اللہ آپ پر برکت نازل کرے کیا میں آپ کو جنتیوں کی مہمانی جو قیامت کے دن ہوگی اس کے متعلق خبر نہ دوں۳؎ فرمایا ہاں،بولا زمین ایک روٹی ہوجاوے گی جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا پھر تبسم فرمایا حتی کہ آپ کی کیلیں مبارک نمودار ہوگئیں۴؎ پھر بولا کیا میں آپ کو ان کے سالن کی خبر نہ دوں بالام اور مچھلی۵؎ صحابہ نے کہا وہ کیا چیز ہے بولا بیل اور مچھلی کہ ان دونوں کی کلیجی کے ٹکڑے سے ستر ہزار کھائیں گے۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ساری زمین کو رب تعالٰی صرف کلمہ کن سے بغیر واسطہ فرشتہ روٹی بنادے گا،چونکہ روٹی ہاتھ سے پکتی ہے اس لیے یہاں یہ ارشاد ہوا مراد دست قدرت ہے۔ظاہر یہ ہے کہ حدیث شریف اپنے ظاہری معنی پر ہے واقعی یہ زمین روٹی میں تبدیل ہوجائے گی جو جنتیوں کو اولًا ہی کھلا دی جائے گی۔زمین سے یہ پھل پھول،میوہ پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس روٹی میں یہ سارے مزے ہوں گے اگرچہ کڑوی زہریلی خاردار چیزیں بھی زمین سے ہی نکلتی ہیں مگر ان کی آمیزش اس روٹی میں بالکل نہ ہوگی۔کریلے کڑواہٹ نکال کر پکائے جاتے ہیں،کوارگندل کا جب حلوہ بناتے ہیں تو اس کی کڑواہٹ دور کردیتے ہیں۔

۲؎ یعنی جنتیوں کو پہلے یہ غذا دی جاوے گی پھر وہ غذا سے مستغنی ہوں گے پھل فروٹ لذت کے لیے کھایا کریں گے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ کلام شریف بطور تشبیہ ہے کہ روٹی قدرتی ہوگی مگر زمین کی سی ہوگی،ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ قیامت کے بعد اس زمین اور سمندر کو آگ سے پُر کردیا جاوے گا اور دوزخ کے ساتھ اسے ملادیا جائے گا۔

۳؎ یعنی ہماری توریت شریف میں اہلِ جنت کی پہلی غذا کے متعلق جو لکھا ہے کیا میں حضور کی خدمت میں عرض کروں۔معلوم ہوا کہ وہ یہودی ادب والا تھا کہ حضور سے اجازت لے کر کچھ سنا رہا ہے،بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کرنا ہی ادب کا تقاضا ہے۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم خوشی کے طور پر تھا کہ حضور کے فرمان عالی کی تصدیق ایک یہودی عالم نے کردی۔معلوم ہوا کہ توریت و انجیل کی وہ باتیں جو اسلام کے موافق ہوں قبول کی جاسکتی ہیں اسلام کی تائید کے لیے نہ کہ محض ان کی تصدیق کے لیے۔

۵؎ بالام عبرانی زبان کا لفظ ہے،بمعنی بیل یا گائے،چونکہ حضرات صحابہ اسے سمجھے نہیں اس لیے اس نے ترجمہ کیا۔

۶؎ ستر ہزار سے مراد بے حساب بے اندازہ لوگ ہیں یا ستر ہزار وہ حضرات ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے سب سے پہلے جائیں گے انہیں یہ غذا دی جائے گی۔(مرقات)شاید یہ بیل وہ ہوگا جس پر زمین قائم ہے اور مچھلی وہ جس پر بیل قائم ہے۔زائدۃ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ ستر ہزار جنتی اس بیل کی پوری کلیجی نہ کھائیں گے بلکہ کلیجی کا اوپر والا حصہ اسی سے سب سیر ہوجائیں گے۔خیال رہے کہ یہ غذا جنت میں آگ سے نہ پکے گی کہ وہاں آگ نہیں بلکہ قدرتی طور پر پکی ہوئی ہوگی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانی دسترخوان میں بھونی ہوئی مچھلی اور روٹی آسمان سے اتری تھی۔یہ بھی خیال رہے کہ اہلِ جنت اس کے بعد پھر کبھی غذا نہ کھائیں گے آئندہ پھل ہی کھایا کریں گے صرف لذت کے لیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تین طریقوں سے جمع کیے جائیں گے۱؎ رغبت کرتے خوف کرتے۲؎ اور دو ایک اونٹ پر۳؎ اور تین ایک اونٹ پر اور چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ پر۴؎ باقیوں کو آگ جمع کرے گی ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی جہاں وہ لوگ قیلولہ کریں گے اور رات گزاریں گے اور ان کی ساتھ صبح کرے گی جہاں صبح کریں گے اور ان کے ساتھ شام کریں گے۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی مردے زندہ ہوکر اپنی قبروں سے میدان قیامت کی طرف تین طرح جائیں گے،اس دراز راستہ کو تین طریقہ سے طے کریں گے۔ان طریقوں کا ذکر اگلی حدیثوں میں آرہا ہے کہ بعض تو سواریوں پر،بعض پیدل اور بعض منہ کے بل گھسٹتے۔

۲؎ یہ ان طریقوں کا بیان نہیں بلکہ اس کے علاوہ دوسرے حالات کا بیان ہے کہ حضرات اولیاء اللہ تو خوشی خوشی راغب ہو کر جائیں گے جن کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ" اور فرماتا ہے:"لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ"اور فرمایا:"یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا"۔ان حضرات پر قیامت کی گھبراہٹ بالکل طاری نہ ہوگی۔رہے خائفین یہ وہ لوگ ہیں جو گنہگار ہیں ان کی بخشش کی امید ہے۔خوف سے مراد پکڑے جانے کا خوف ہے،پہلے لوگ طیارین ہیں دوسرے سیارین۔

۳؎ واثنان کا واؤ حالیہ ہے یہ راغبین راھبین کی ضمیر سے حال ہے۔

۴؎ یہ اونٹ قربانی کے جانور نہ ہوں گے بلکہ قدرتی ہوں گے اور ان میں سے ایک ایک پر چند کا سوار ہونا یا تو اجتماعًا ہوگا کہ سب یک دم اس پر سوار ہوں گے یا باری باری والے کہ ایک سوار ہوگا باقی پیدل چلیں گے پھر دوسرے کی باری،جتنا درجہ زیادہ اتنی ہی شرکت تھوڑی ہوگی۔

۵؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس حشر سے مراد وہ اجتماع ہے جو قیامت سے پہلے ہوگا کہ لوگ اپنی زندگی میں زمین شام میں پہنچ جائیں گے اور اس طرح پہنچیں گے مگر ترجیح اس کو ہے کہ یہ حشر قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا جو کہ علاوہ شام کے اور زمین میں دفن ہوئے ان کو میدان حشر میں ان طریقوں سے پہنچایا جائے گا۔(اشعہ،مرقات)خیال رہے کہ یہاں محشر تک جانے کا ذکر ہے اور اگلی حدیث میں قبروں سے اٹھنے کا تذکرہ لہذا مطلب واضح ہے اس کے متعلق اور بہت قول ہیں۔اس جگہ صبح شام سے مراد حقیقی صبح و شام نہیں بلکہ اتنا وقت مراد ہے کیونکہ اس دن رات و دن صبح شام نہ ہوں گے،یہاں مرقات نے بہت تحقیق کی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ تم حشر کیے جاؤ گے ننگے پاؤں،ننگے بدن بے ختنہ۱؎ پھر آپ نے تلاوت فرمائی کہ جیسے ہم نے اولاد پیدائش کی ابتداء کی تھی ویسے ہی لوٹائیں گے ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے ہم کرنے والے ہیں۲؎ اور پہلے جسے لباس پہنایا جاوے گا قیامت کے دن وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۳؎ اور میرے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ بائیں طرف پکڑ لیے جائیں گے۴؎ تو میں فرماؤں گا کہ میرے ساتھ والے ہیں میرے ساتھ والے۵؎ تو کہیں گے کہ یہ لوگ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے اپنی ایڑیوں پر لوٹے رہے۶؎ تو جو اس نیک بندے نے کہا ہے وہ ہی میں کہوں گا کہ میں ان کا ذمہ دار نگران تھا جب میں ان میں رہا **عزیز الحکیم** تک۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس فرمان عالی میں **انکم** فرماکر بتایا گیا کہ تم عوام لوگ اس حالت میں اٹھو گے ننگے بدن،ننگے پاؤں،بے ختنہ مگر تمام انبیاءکرام اپنے کفنوں میں اٹھیں گے حتی کہ بعض اولیاء اللہ بھی کفن پہنے اٹھیں گے تاکہ ان کا ستر کسی اور پر ظاہر نہ ہو۔جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں قبر انور سے اُٹھوں گا اور فورًا مجھے جنتی جوڑا پہنادیا جاوے گا لہذا یہاں اس فرمان عالی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء،بعض اولیاء مستثنٰی ہیں۔(مرقات،اشعہ)اس لیے یہاں **انتم** فرمایا **نحن** نہیں فرمایا یہ خوب خیال رہے۔

۲؎ یعنی جیسے تم اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے ایسے ہی اپنی قبروں کے پیٹ سے اٹھو گے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ننگے نہیں پیدا ہوئے تھے حریر میں لپٹے ہوئے پیدا ہوئے۔شعر

لپٹے ہوئے حریر میں ختنہ کیا ہوا آنکھوں میں سرمہ بالوں میں شانہ دیا ہوا

حضور فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکروعمر کے ساتھ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھیں گے،پھر جنت البقیع والوں کا انتظار فرمائیں گے،پھر مکہ معظّمہ والے جنت معلیٰ کے مردوں کا،پھر محشر کی طرف اس برات کے ساتھ جائیں گے ایسی حالت میں حضور بغیر لباس کیسے ہوسکتے ہیں۔(مرقات)

۳؎یعنی کفن اتارکر جنتی جوڑا پہلے حضرت خلیل اللہ کو پہنایا جاوے۔یا تو اس حکم سے حضور علیحدہ ہیں متکلم مستثنٰی ہوتا ہے یا یہ بدلہ ہے اس کا کہ نمرودی آگ میں جاتے وقت آپ کے کپڑے اتار لیے گئے تھے یہ خصوصی فضیلت ہے۔(مرقات)نیز آپ ننگوں کو کپڑے پہناتے تھے،نیز آپ حضور انور کے جدامجد ہیں ان وجوہ سے آپ کا یہ اکرام فرمایا گیا۔

۴؎ اصیحاب تصغیر ہے اصحاب کی،یہاں شرعی صحابہ مراد نہیں کہ شرعًا صحابی وہ ہیں جنہیں بحالت ایمان حضور انور کی صحبت نصیب ہو اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو بلکہ لغوی اصحاب مراد ہیں یعنی میرے پاس بیٹھنے والے لوگ۔یہ وہ لوگ ہیں جو حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد مرتد ہوگئے تھے جیسے منکرین زکوۃ یا مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آنے والے بن گئے تھے،خوارج کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت علی و فاطمہ ہیں،روافض کہتے ہیں کہ ان سے مراد سواء تین چار شخصوں کے باقی تمام صحابہ ہیں جیسے ابوبکر صدیق وغیرہم،دونوں فرقے جھوٹے ہیں اگر حضرت علی یا صدیق اکبر مرتد ہیں تو دنیا میں مسلمان کوئی نہیں رہ سکتا کہ ہم تک حضور کا دین پہنچانے والے تو وہ ہی حضرات ہیں۔

۵؎یعنی یہ لوگ میرے ساتھی ہیں انہیں میرے پاس آنے دو،حضور انور کا یہ فرمان عالی بطور عتاب ہوگا جیسے رب تعالٰی دوزخی کافر سے فرمائے گا:"ذُقۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ"اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کو اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی،یہاں تو بتارہے ہیں وہاں کیسے بھول جائیں گے،نیز قیامت میں کافر و مؤمن چہروں اور دوسری علامات سے پہچانے جائیں گے،رب فرماتاہے:"یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰہُمۡ"نیز دوسری روایت میں ہے اعرفھم ویعرفوننی میں انہیں پہچانتا ہوں وہ مجھے جانتے ہیں لہذا اس فرمان عالی سے وہابی حضور کی بے علمی پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۶؎یعنی یہ لوگ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد یا منکر زکوۃ ہوکر یا مسیلمہ کذاب کے امتی بن کر مرتد ہوگئے تھے۔فرشتوں کا یہ عرض کرنا ان مردودوں کو رسوا کرنے کے لیے ہوگا نہ کہ حضور انور کو مطلع کرنے کے لیے،حضور کو رب نے ہر غیب پر مطلع فرمادیا۔شعر

خدا مطلع ساخت برجملہ غیب　　　　علی کل شیئ خبیر آمدی

جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت صدیق و فاروق ہوں گے وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر صدیق وفاروق مرتد ہیں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر لینے والے اہلِ بیت اطہار پر کیا فتویٰ ہوگا،امام حسین نے یزید فاسق کی بیعت نہ کی تو ان حضرات نے حضرت صدیق اکبر و فاروق کی کیوں کرلی۔

۷؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی اپنی بیزاری ظاہر فرمانے کے لیے ہے یعنی جب تک میں ان میں رہا ان کی نگرانی کرتا رہا،انہیں کفر سے بچاتا رہا،میری وفات کے بعد میری نگرانی ختم ہوگئی پھر تو جانے وہ جانے۔یہ عرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائی کفار کے متعلق کریں گے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح عرض کریں گے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ جمع کیے جائیں گے۱ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مرد و عورتیں سارے بعض بعض کو دیکھیں گے۲ تو فرمایا اے عائشہ وہ حال اس سے سخت تر ہوگا کہ بعض بعض کی طرف نظر بھی کریں۳ (مسلم، بخاری)	

۱ ناس فرماکر بتایا کہ یہ حالت عام لوگوں کی ہوگی حضرات انبیاء و خاص اولیاء کی یہ حالت نہیں جیساکہ پہلے عرض کیا گیا، نیز جنات جانوروں کے جمع ہونے کی اور نوعیت ہوگی وہ بھی **الناس** سے خارج ہیں۔

۲ یعنی رب تعالٰی پاکباز نیک بی بیوں کی بے پردگی کیوں فرمائے گا، وہ مردوں کے سامنے صرف بے پردہ ہی نہیں بلکہ ننگی ہوں، بڑا پیارا سوال ہے۔خیال رہے کہ ازواج پاک اور فاطمہ زہرہ باپردہ اٹھیں گی جیساکہ عرض کیا گیا کہ وہ خاص اولیاء اللہ میں داخل ہیں۔

۳ یعنی اس دن جلال و ہیبت حجاب بن جاوے گی کوئی کسی کو نہ دیکھے گا، سب کی نظر آسمان پر ہوگی قدم زمین پر، آج بھی بڑی آفت میں سامنے والا آدمی پاس کی چیز نظر نہیں آتی۔

روایت ہے حضرت انس سے ایک شخص نے عرض کیا یا نبی اللہ قیامت کے دن کافر اپنے چہرے کے بل کس طرح محشر میں لایا جائے گا۱ فرمایا کہ جس نے دنیا میں دو پاؤں پر چلایا وہ اس پر قادر نہیں کہ اسے قیامت کے دن اس کے منہ کے بل چلائے۲ (مسلم، بخاری)	

۱ ان صاحب نے یہ سوال جب کیا جب کہ حضور انور نے خبر دی کہ کفار اپنے قبروں سے زمین حشر تک منہ کے بل گھسٹتے یا رینگتے ہوئے جائیں گے۔

۲ یعنی اللہ تعالٰی کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ اس دن کفار کو سانپ کی طرح رینگتا ہوا زمین شام تک لے جاوے اس پر شبہ یا تعجب نہ کرو۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حضرت ابراہیم اپنے باپ آزر سے قیامت کے دن کہیں گے آزر کے منہ پر سیاہی اور مٹیلا رنگ ہوگا۱ اس سے ابراہیم فرمائیں گے کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر ان کا باپ کہے گا کہ اب میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۲ جناب ابراہیم کہیں گے اے رب تو	

نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جس دن لوگ اٹھائیں جائیں گے تو مجھے رسوا نہ کرے گا تو میری ہلاکت والے باپ سے بڑھ کر کون سی رسوائی بڑی ہے۳؎ اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ میں نے کفار پر جنت حرام کردی ہے۴؎ پھر حضرت ابراہیم سے کہا جاوے گا کہ تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے وہ دیکھیں گے۵؎ کہ وہ ایک لتھڑے ہوئے بھیڑیئے پر ہے۶؎ پھر آزر کے ہاتھ پاؤں پکڑ لیے جائیں گے اسے آگ میں ڈال دیا جاوے گا۔(بخاری)	

۱؎ تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے،قرآن کریم یا حدیث شریف میں اسے باپ کہنا مجازًا ہے،ان کے والد کا نام تارخ ہے وہ مؤمن موحد تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ سارے ہی مؤمن موحد ہیں کوئی مشرک کافر زانی نہیں،یہ نسب پاک ان دونوں عیبوں سے منزہ ہے۔قیامت کے دن کفار کے چہرے کالے ہوں گے،مؤمنوں کے منہ اجیالے،یہ چہروں کے رنگ دلوں کے رنگ کے مطابق ہوں گے،حضرت بلال کا حسن وہاں دیکھنا ان شاءاللہ۔یہاں باپ کہہ کر آزر فرمادیا گیا تاکہ کوئی حقیقی والد نہ سمجھ لے چچا ہی سمجھے۔(اشعہ)

۲؎ آزر یہ الفاظ بطور توبہ کہے گا کہ میں نے گزشتہ زمانہ میں غلطی کی اب ہر طرح تمہاری اطاعت کروں گا مجھے بچالو مگر توبہ کی جگہ دنیا ہے اس لیے اب یہ سب کچھ بے کار ہوگا۔

۳؎ یعنی آزر کا دوزخ میں جانا میرے لیے بدنامی کا باعث ہے تو اسے بخش دے۔**ابعد** فرماکر یہ بتایا کہ یہ تیری رحمت سے یا مجھ سے بہت دور رہا،متقی مؤمن اللہ سے نبی سے قریب ہے "**اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ**"۔اور گنہگار مؤمن ان سے کچھ دور ہے مگر کافر ان سے بہت ہی دور ہے کہ عملًا بھی دور ہے عقیدۃً بھی دور،یا یہ مطلب ہے کہ یہ میری محبت سے دور ہے مجھے اس سے محبت نہیں بلکہ اپنی بدنامی کا خوف ہے،قیامت میں کسی مسلمان کو کسی کافر قرابتدار سے مطلقًا محبت نہ ہوگی۔

۴؎ یعنی اے میرے پیارے خلیل اس کے دوزخی ہونے میں آپ کی رسوائی قطعًا نہیں،اگر یہ مؤمن متقی ہوتا پھر دوزخی ہوتا تو آپ کی بدنامی ہوتی کہ نبی کی خبر غلط نکلی انہوں نے متقی مؤمنوں سے جنت کا وعدہ کیا تھا غلط ہوا یہ تو اپنے کفر کی وجہ سے سے دوزخ میں جارہا ہے نہ کہ آپ کا عزیز قریبی ہونے کی وجہ سے،یہ ہے رب تعالٰی کا کرم اپنے خلیل پر۔

۵؎ معلوم ہوا کہ حضرت خلیل کی نگاہ بچاکر آزر کو دوزخ میں پھینکا جائے گا آپ کے سامنے نہیں،اس میں بھی جناب خلیل اللہ کا احترام ہے،یا یہ مطلب ہے کہ حضرت خلیل خود آزر کو اپنے پاؤں کے نیچے دیکھیں گے یہ ہی ظاہر ہے۔

۶؎ **ذیخ** کا ترجمہ ہے بھیڑیا،**متلطح** بمعنی لتھڑا ہوا گارے کیچڑ وغیرہ میں یعنی اب حضرت خلیل دیکھیں گے کہ آزر بجائے شکل انسانی کے بھیڑیئے کی شکل میں ہے ڈراؤنا ہیبت ناک اور وہ بھی کیچڑ میں لتھڑا ہوا گھناؤنا،اس حالت کو دیکھ کر

آپ کے دل میں سخت نفرت پیدا ہوگی۔خیال رہے کہ وہاں شکلوں پر دلوں کا حال نمودار ہوگا،چونکہ آزر دنیا میں حضرت ابراہیم کے لیے بھیڑیا موذی تھا اور اس کا دل کفر میں لتھڑا ہوا تھا اس لیے اس کی شکل یہ ہوگی۔

ے خیال رہے کہ اس واقعہ میں نہ تو حضرت خلیل نے آزر کی شفاعت فرمائی اورنہ رب تعالیٰ نے آپ کی شفاعت روکی بلکہ آپ نے اپنی عزت کا سوال فرمایا،رب تعالیٰ نے آپ کو مطمئن فرماکر آپ کی عزت کی حفاظت فرماکر آزر کو اس کے اصلی روپ میں دکھا کر حضرت خلیل اللہ کو اس سے متنفر فرماکر اسے دوزخ میں ڈالا۔لہٰذا حدیث شریف پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ نبی نے کافر کی شفاعت کیوں فرمائی،نہ یہ کہ نبی کی شفاعت منظور کیوں نہ ہوئی۔آپ نے اس کی شفاعت یا دعا کا ایک لفظ بھی یہاں نہ فرمایا اپنے متعلق عرض کیا جیسے حضرت نوح نے کنعان بیٹے کے متعلق فرمایا تھا"اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ" یہ شفاعت نہ تھی بلکہ ایک مسئلہ کا جواب پوچھنا تھا کہ اگر کفار مجھ پر یہ سوال کریں تو میں کیا جواب دوں اسی لیے کنعان کے ڈوبنے کے چھ ماہ بعد یہ عرض کیا جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہرگئی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگ پسینہ پسینہ ہوجائیں گے حتی کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز چلا جاوے گا اور ان کی لگام بن جاوے گا حتی کہ ان کے کانوں تک پہنچ جاوے گا ا(مسلم،بخاری)

ا یہ حال ان لوگوں کا ہوگا جنہیں عرش اعظم کا سایہ میسر نہ ہوگا،سایہ والے لوگ بڑے آرام سے ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے،وہاں پسینہ کیسا عادل بادشاہ،جوان صالح،اکیلے میں اپنے گناہ یاد کرکے رونے والاعرش کے سایہ میں ہوں گے،پھر اولیاء انبیاء کا کیا پوچھنا دنیا ان کے سایہ میں ہوگی وہ خود سایہ ہوں گے۔شعر

امی و دقیقہ داں عالم   بے سایہ و سائبان عالم

یہ پسینہ سورج اور دوزخ کی گرمی،انتہائی پریشانی وفکر اور ندامت کی وجہ سے ہوگا۔(مرقات)اور مطابق اپنے اعمال کے ہوگا زیادہ گناہ کیے تو پسینہ زیادہ۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر ایک کا پسینہ الگ ہوگا دوسروں کے پسینہ سے مل کر دریا نہ بنے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی سے پانی میں طاق بن گیا،بعض نے فرمایا کہ تمام پسینوں کا دریا بن جاوے گا مگر یہ دریا کسی کے ٹخنوں تک،کسی کے منہ تک جیسے ایک ہی قبر میں مؤمن مردہ جنت میں ہے،کافر مردہ دوزخ میں،ایک چار پائی پر دو آدمی سورہے ہیں ایک اچھی خواب سے خوش ہے دوسرا بری خواب سے پریشان۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت مقداد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن سورج مخلوق سے قریب کردیا جاوے گا حتی کہ ان سے میل کی مقدار رہ جاوے گا ا تو لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے ۲ بعض وہ ہوں گے کہ ان کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا،بعض وہ جن کے گھٹنوں تک ہوگااور بعض وہ جن

	کی کمر تک ہوگا اور ان میں بعض وہ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بن جاوے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ شریف سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۳؎ (مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ میل سے مراد راستہ کا میل ہے کوس کا تہائی حصہ،آج کل ہمارے ہاں آٹھ فرلانگ کا میل ہوتا ہے،عرب میں پانچ فرلانگ کا جسے کیلو کہتے ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں میل سے مراد سرمہ کی سلائی ہے بہرحال ہوگا نہایت ہی قریب۔

۲؎ اعمال سے مراد گناہ ہیں یعنی بداعمال خواہ کفر ہو یا دوسرے گناہ اس پسینہ کی تحقیق ابھی ابھی ہوچکی۔

۳؎ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس پسینہ میں ڈوبا نہ ہوگا،بعض قریب ڈوبنے کے ہوں گے،اس اختلاف حال کی وجہ ابھی کچھ پہلے عرض کردی گئی۔خیال رہے کہ **فم** منہ کو کہتے ہیں اور **وجہ** چہرہ کو،فی بنا ہے **فم** سے بمعنی منہ۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرمائے گا اے آدم وہ عرض کریں گے حاضر ہوں خدمت گزار ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے۱؎ فرمائے گا آگ کا حصہ نکالو۲؎ عرض کریں گے آگ کا حصہ کیا ہے فرمائے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے۳؎ تو اس وقت بچے بڈھے ہوجائیں گے اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی۴؎ اور تم لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۵؎ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ ایک ہم میں سے کون ہوگا۶؎ فرمایا خوش ہوجاؤ کہ تم میں سے ایک شخص اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار۷؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگ جنتیوں کے چوتھائی ہوگے تو ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کے تہائی ہوؤ گے ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں میں آدھے ہو گے۸؎ ہم نے تکبیر کہی۹؎ پھر فرمایا تم لوگوں میں نہیں مگر ایسے جیسے سفید بیل کی کھال میں ایک کالا بال یا جیسے کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال۱۰؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ فرمان عالی قیامت کے دن ہوگا حساب سے پہلے،شاہی آستانہ کا ادب یہ ہے کہ نداء کے جواب میں صرف بلٰی یا لبیك نہ کہا جاوے بلکہ اپنی وفاداری،سلطان کی اور دربار کی خدمت گزاری کا بھی ذکر کیا جائے،بادشاہ کی تعریف بھی کی جاوے۔

۲؎ یعنی اپنی اولاد میں سے کفار کو جو آگ کا حصہ ہیں مؤمنین سے الگ کرو۔معلوم ہوا کہ یہ چھانٹ حضرت آدم علیہ السلام سے کرائی جاوے گی۔

۳؎ یہاں فی ہزار ایک جنتی فرمایا گیا باقی دوزخی،حضرت ابوہریرہ کی روایت فی سینکڑہ ایک جنتی تھا باقی دوزخی،اس فرق کی چند وجہ ہوسکتی ہیں: یا تووہاں یاجوج ماجوج کے سواء کے باقی انسانوں کا ذکر تھا اور یہاں مع یاجوج ماجوج کا ذکر ہے،یا وہاں صرف کفار کا ذکر تھا جو ہمیشہ کے دوزخی ہیں اور یہاں کفار اور مؤمن گنہگار سب شامل ہیں۔مؤمن گنہگار عارضی دوزخی ہیں یا وہاں صرف انسان کفار کا ذکر تھا یہاں جن و انس سارے کافروں کا ذکر ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عدد کثرت و زیادتی بیان کرنے کے ہوں خاص تعداد مراد نہ ہو جیسے ہم کہتے ہیں جلسہ میں بیسیوں آدمی تھے۔

۴؎ یعنی اگر اس دن نومولود بچے اور عورتوں کے حمل ہوتے تو اس صدمہ سے بچے تو بڈھے ہوجاتے اور عورتیں حمل گرادیتیں اس فرمان کی دہشت سے۔

۵؎ یہاں حقیقت مراد ہے یعنی یہ سن کر لوگوں کے ہوش اڑ جاویں گے جیسے انہوں نے نشہ پیا ہے مگر یہ نشہ نہ ہوگا ہیبت الٰہی ہوگی۔اس سے بھی حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ علیحدہ ہیں اور تمہیں اس دن نہ گھبراہٹ ہوگی نہ خوف،رب فرماتاہے:"لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ"اور فرماتاہے:"لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"۔

۶؎ حضرات سامعین پر خوفِ الٰہی ایسا طاری ہوا کہ وہ سمجھے ہم مؤمنین یا ہم صحابہ میں سے ایک فی ہزار جنتی ہوگا تب یہ عرض کی۔

۷؎ یعنی یہ تعداد صرف تم میں سے پوری نہ کی جاوے گی بلکہ اولین و آخرین جس میں قوم یاجوج اور قوم ماجوج بھی داخل ہے انہیں ملا کر پوری کی جاوے گی،اس لحاظ سے واقعی مؤمن ایک ہےاور کافر نوسو ننانوے تم کو اس کا کیا خوف۔

۸؎ یعنی اولًا تم لوگ تمام اولین و آخرین جنتیوں میں چہارم ہوگے کہ تین حصوں میں سارے جنتی انسان از آدم تا عیسٰی علیہ السلام اور چوتھائی تم،پھر تم نصف تہائی ہوجاؤ گے پھر آدھے۔دوسری روایات میں ہے کہ دو تہائی جنتی حضور کی امت ایک تہائی میں سارے لوگ مگر اس طرح کہ مسلمان جنت میں آگے پیچھے پہنچیں گے،جب سارے مسلمان وہاں داخل ہوجائیں گے تب حضور کی امت ۲/۳ اور باقی امتیں ۱/۳۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوزخی انسان زیادہ ہیں جنتی تھوڑے"وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ"لیکن جنت میں فرشتے اور حوروغلمان بھی ہوں گے،ان کا مجموعہ دوزخی جن وانسانوں سے بڑھ جاوے گا **غلبت رحمتی علی غضبی** اس طرح ہوگا۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ وعظ و تقریریں،اچھی خوشخبری،اعلٰی نکتہ سن کر نعرۂ تکبیر لگانا سنت صحابہ ہے جو آج کل بھی رائج ہے۔

۱۰؎ یعنی سارے مؤمنین یا میری امت کے سارے مؤمنین تمام کفار جن و انس کے مقابلہ ایسی نامعلوم نسبت رکھتے ہیں جیسے کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال۔خیال رہے کہ یہ نسبت سارے کفار کے لحاظ سے ہے مجموعہ کفار سے مسلمان واقعی تھوڑے ہیں ورنہ آج دنیا میں مسلمانوں کی مردم شماری ہر کافر قوم سے زیادہ ہے،آج مسلمان دنیا میں قریبًا ایک ارب ہیں ان کے بعد عیسائیوں کی تعداد ہے،پھر دوسری قوم کی لیکن اگر سب کافر ملائے جاویں اور قوم یا جوج ماجوج بھی ملالی جاوے تو اس مجموعہ میں مسلمان کالی گائے کی کھال میں ایک سفید بال ہی ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی قدرت کھولے گا۱؎ اور اسے ہر مؤمن مرد و عورت سجدہ کریں گے۲؎ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھلاوے یا شہرت کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنے لگیں گے تو ان کی پیٹھ ایک تختہ بن جاوے گی۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ احتیاط یہ ہے کہ اس حدیث کو متشابہات میں سے مانو اس پر ایمان لاؤ مگر اس کا مطلب رب کے حوالہ کرو کیونکہ رب تعالٰی پنڈلی وغیرہ اعضاء سے پاک ہے۔بعض نے فرمایا کہ اپنے نور کی تجلی فرمائے گا،تجلی نور کو ساق سے تعبیر فرمایا گیا،قرآن کریم میں ہے"یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّ یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ"وہاں پنڈلی سے مراد انسانوں کی پنڈلی ہوسکتی ہے کہ ان پر ایسی مصیبت طاری ہوگی کہ ان کی پنڈلی کھولی جاوے گی مگر یہاں یہ مطلب نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں ساقه فرمایا گیا کہ رب اپنی پنڈلی ظاہر فرمائے گا۔

۲؎ یہ اس وقت ہوگا جب کھلے کافر چھانٹ کر الگ کیے جاچکے ہوں گے یہاں صرف مؤمنین مخلصین اور منافقین رہ جائیں گے،یہ سجدہ مخلصین اور منافقین میں چھانٹ کے لیے ہوگا۔

۳؎ یعنی مخلصین تو درست سجدے کرلیں گے مگر ریاکار اور منافقین سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے مگر نہ کرسکیں گے،ان کی پیٹھ تختہ کی طرح آکڑ جاوے گی جس سے وہ بجائے سجدہ کے اوندھے گر جاویں گے۔یہ سجدہ مخلص و منافق میں چھانٹ کے لیے ہوگا مگر ان مخلصین میں متقی و گنہگار شامل ہوں گے،یہ سب اپنے رب کو سجدہ کریں گے اور صحیح کریں گے۔وہ سجدہ بڑے مزے کا ہوگا یار سامنے ہے گنہگار سجدہ میں گررہا ہے،اللہ وہ سجدہ ہمیں بھی نصیب کرے۔شعر

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آلباس مجاز میں ۔۔۔ کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبیں نیاز میں

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک بڑا موٹا آدمی قیامت کے دن آوے گا۱؎ اللہ کے نزدیک مچھر کے پر برابر وزن نہ دے گا۲؎ اور فرمایا کہ یہ تلاوت کرو کہ ہم قیامت کے دن ان کا وزن نہ رکھیں گے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ **عظیم** سے مراد ہے دنیا میں درجہ کا بڑا،**سمین** سے مراد ہے جسم کا موٹا تازہ فربہ یعنی وہ دنیا میں سردار مالدار بھی تھا اور تندرست و توانا بھی مگر تھا منافق یا کافر۔

۲؎ یعنی وہ کافر و منافق اور اس کے اعمال مچھر کے پر برابر بھی وزن نہ دیں گے کیونکہ ان میں ایمان نہیں،وزن ایمان و اخلاص کا ہوتا ہے۔

۳؎ اس آیت کریمہ کے دو معنی کیے گئے ہیں:ایک یہ کہ وزن بمعنی میزان ہے یعنی ہم قیامت میں کفار کے لیے میزان قائم ہی نہیں کریں گے کیونکہ وہاں وزن باٹ سے نہ ہوگا بلکہ نیکیوں کا بدیوں سے ہوگا،کافر کے پاس نیکیاں ہی نہیں پھر وزن کیسا۔دوسرے یہ کہ وزن بمعنی بوجھ ہے اور معنی یہ ہیں کہ کفار کی نیکیوں میں ہم وزن نہیں رکھیں گے کہ ان کی نیکیاں صدقات خیرات وغیرہ تولے جائیں گے مگر بہت ہی ہلکے ہوں گے۔یہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے:"وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوٰزِیۡنُہٗ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ"جس سے معلوم ہوا کہ کفار کی نیکیاں تولی جائیں گی مگر نہ اُٹھیں گی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ اس دن زمین اپنی خبریں دے گی فرمایا کہ جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں۱؎لوگوں نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانتے ہیں فرمایا اس کی خبریں یہ ہیں کہ ہر بندے اور بندی پر گواہی دے گی اس کی جو اس نے اس کی پشت پر عمل کیے۲؎ کہ کہے گی کہ مجھ پر فلاں فلاں دن فلاں فلاں عمل کیے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہیں۳؎(احمد،ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔	

۱؎ حضور انور کا یہ سوال خود جواب دینے کے لیے ہے جو بات پوچھ کر بتائی جاوے وہ خوب یاد رہتی ہے اس لیے اس طرح بتایا خود سائل خود مجیب۔

۲؎ زمین کی پیٹھ عام ہے خود زمین مکان کی چھت،پہاڑ کی چوٹی،سمندر کی سطح،ہوائی جہاز کی سیٹ جہاں بھی کوئی عمل کیا جاوے وہ زمین کی پیٹھ پر ہی ہے کیونکہ پہاڑ بھی زمین پر ہے اور پانی و ہوا بھی زمین پر ان میں سے جہاں بھی کچھ کیا جاوے وہ زمین کی پیٹھ پر ہی ہے،قبر کو زمین کا پیٹ کہا جاتا ہے اور ظاہری زمین کو زمین کی پیٹھ۔

۳؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین میں حواس ہیں،یہ عمل کرنے والوں کو بھی پہچانتی ہے ان کے عملوں کو بھی اس کی یہ جان پہچان تفصیل وار ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کو قیامت کے دن ہر ایک کی پہچان ہوگی ان کا ہر عمل یاد ہوگا۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں جو مرے مگر شرمندہ ہوگا۱؎ عرض کیا یارسول اللہ اس کی شرمندگی کیا ہوگی،فرمایا اگر نیک کار ہوگا تو شرمندہ ہوگا کہ اس نے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں۲؎ اور گنہگار ہوا تو شرمندہ ہوگا کہ وہ کیوں نہ باز آیا۳؎(ترمذی)	

۱؎ لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ موت سے پہلے زندگی کو،بیماری سے پہلے تندرستی کو،مشغولیت سے پہلے فراغت کو غنیمت جانے جتنا موقع ملے کر گزرے۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے　　اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

اس دنیا کا ایک ہی پھیرا مڑ نہیں آنا دو جی وار　　جو کرنا ہے کرلے یار ہوجا سمجھدار

۲؎ حتی کہ اگر کوئی شخص اپنی ساری زندگی سجدہ سجود میں گزار دے وہ یہ کہے گا کہ میری عمر اور زیادہ کیوں نہ ہوئی کہ میں سجدے سجود اور زیادہ کرلیتا اور آج اس سے بھی اونچا درجہ پاتا۔اس فرمان عالی سے بھی حضرات انبیاء کرام علیحدہ ہیں،انہیں وہاں ندامت کیسی وہ تو عظمت کے انتہائی درجہ میں ہوں گے۔

۳؎ اس فرمان میں کفار اور گنہگار سب داخل ہیں۔کفار کو شرمندگی ہوگی کہ ہم مسلمان کیوں نہ بنے،گنہگاروں کو شرمندگی ہوگی ہم نیک کار پرہیزگار کیوں نہ بنے گناہوں سے باز کیوں نہ آئے مگر کفار کو اس وقت کی یہ ندامت کام نہ دے گی۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ قیامت کے دن تین طرح جمع کیے جائیں گے۱؎ ایک قسم پیدل،ایک قسم سوار۲؎ اور ایک قسم اپنے چہروں پر،عرض کیا گیا یارسول اللہ وہ اپنے چہروں پر کیسے چلیں گے،فرمایا جس نے انہیں ان کے قدموں پر چلایا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ انہیں ان کے چہروں پر چلائے۳؎ آگاہ رہو کہ وہ اپنے چہروں سے ہر ٹیلے اور کانٹے سے بچیں گے۔(ترمذی)	

۱؎ غالبًا یہ تین جماعتیں محشر سے جنت دوزخ جاتے وقت ہوں گی کہ مسلمان گنہگار تو پیدل ہوں گے،متقی حضرات سوار،کفار اوندھے منہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے چلیں گے،قبروں سے محشر کی طرف سب پیدل جائیں گے جیساکہ پچھلی حدیث میں گزرا۔ممکن ہے کہ قبروں سے محشر ہی کی طرف ان مختلف طریقوں سے لوگ جائیں،دوسرا احتمال اس لیے قوی ہے کہ یہاں **محشر** فرمایا گیا یعنی جمع کیے جائیں گے یا محشر کی طرف جائیں گے۔

۲؎ یہ دوسری جماعت اپنی قربانیوں نیک اعمال پر سوار ہوں گے۔خیال رہے کہ مؤمن اپنے اعمال پر سوار ہوں گے اور کفار پر ان کا مال ان کے اعمال سوار ہوں گے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ لَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَ اَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ" جیسے تندرست آدمی غذا پر سوار ہوتا ہے اور پیٹ کے مریض پر غذا سوار ہوتی ہے،چونکہ پیدل لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی سواروں کی کم اس لیے پیدل لوگوں کا ذکر پہلے فرمایا،درجہ ان سواروں کا زیادہ ہوگا۔

۳؎ یعنی یہ بات اللہ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں وہ بڑی قدرتوں والا ہے وہ اس دن انہیں سانپ کی طرح چلائے گا یعنی اس طرح چلنے میں اس کا سر آگے ہوگا باقی حصہ پیچھے،اب اگر ٹیلے روڑے وغیرہ کی ٹھوکر کھائے گا تو کانٹا لگے گا تو سر میں۔غرضکہ راستہ کی ہر آفت سر برداشت کرے گا جیسے دنیا میں راستہ کی ہر مصیبت پاؤں برداشت کرتے ہیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر محشر سے دوزخ کی طرف ہے کیونکہ قبروں سے محشر کی طرف جاتے وقت ساری زمین میدہ کی روٹی کی طرح صاف کردی جاوے گی کہ وہاں نہ خار،نہ غار،نہ ٹیلہ،نہ کنکر وغیرہ جیساکہ پہلے احادیث میں گزر گیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کا دن آنکھوں دیکھے کی طرح دیکھے۱؎ تو اذا الشمس کوّرت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کی تلاوت کرے۲؎(احمد،ترمذی)	

۱؎ سن کر یقین کو علم الیقین کہتے ہیں،دیکھ کر یقین عین الیقین کہلاتا ہے،اندر داخل ہوکر آزماکر یقین حق الیقین کہلاتا ہے۔ابھی ہم لوگوں کو قیامت اور وہاں کے حالات کا یقین ہے مگر علم الیقین،سرکار فرمارہے ہیں کہ اگر تم قیامت کا عین الیقین چاہتے ہو تو یہ سورتیں پڑھو،ان میں قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے جیسے کہ بندہ اسے دیکھ ہی رہا ہے،بعض بیان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سننے سے خبر گویا سامنے آجاتی ہے۔

۲؎ ان سورتوں میں قیامت کا بیان اس کے حالات ایسے طریقہ سے بیان ہوئے ہیں کہ قیامت گویا سامنے آجاتی ہے،بعض وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر ایسے ہی فرماتے تھے کہ قیامت کا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھچ جاتا تھا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ سچ کہنے والے سچی خبر دینے والے۱؎ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ لوگ تین فوجوں میں جمع کیے جائیں گے۲؎ ایک فوج سوار عیش والے لباس پہنے ہوئے۳؎ اور ایک فوج فرشتے ان کے چہروں پر گھسیٹیں گے اور انہیں آگ جمع کرے گی۴؎ اور	

	ایک فوج جو چلیں گے اور دوڑیں گے۵؎ اللہ تعالٰی ان کی سواری پر آفت ڈال دے گا وہ باقی نہ رہے گی حتی کہ ایک شخص جس کے پاس باغ ہوگا وہ ایک قابل سواری اونٹ کے عوض دے گا مگر وہ اس پر قادر نہ ہوگا۶؎ (نسائی)

۱؎ یعنی حضور انور کی دو صفتیں ہیں:ایک یہ کہ آپ ہم کو سچی خبریں دیتے ہیں،دوسرے یہ کہ رب تعالٰی انہیں سچی خبریں دیتا ہے سچ سننے والے سچ بولنے والے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ حشر کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ قریب قیامت عدن سے ایک عالمگیر آگ اٹھے گی جو تمام دنیا کو فلسطین میں پہنچادے گی یہ حشر اول ہے۔دوسرے یہ کہ دوسرا صور پھونکنے پر مردے قبروں سے اٹھ کر فلسطین پہنچیں گے۔تیسرے یہ کہ فیصلہ ہوچکنے پر لوگ اپنے ٹھکانوں کی طرف چلیں گے۔غالب یہ ہے کہ یہاں پہلا حشر مراد ہے جیساکہ آگے والے مضمون سے ظاہر ہے،ممکن ہے کہ دوسرا یا تیسرا حشر مراد ہو۔

۳؎ یعنی یہ لوگ اطمینان سے اپنی سواریوں پر سوار ہوکر سفرکریں گے اعلٰی لباس پہنے ہوئے۔اگر پہلا حشر مراد ہے تو سواریوں سے مراد ان کی اپنی مملوکہ سواریاں جو اس وقت ان کے قبضے میں ہوں گی اور اگر تیسرا حشر مراد ہے تو قربانی یا اپنے اعمال کی سواریاں مراد ہیں۔اور اگر دوسرا حشر مراد ہے تو سواری پر خاص خاص لوگ ہوں گے باقی لوگ پیدل،یہ سواری ان خاص لوگوں کو رب کی طرف سے مہیا کی جاوے گی۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں آگ سے مراد وہ ہی عالمگیر آگ ہے جو عدن سے اٹھ کر تمام لوگوں کو حشر کے میدان تک پہنچادے گی۔اس صورت میں ملائکہ کے کھینچنے سے مراد ہے ان کا نہایت ذلت کے ساتھ چلنا فرشتے انہیں نظر نہیں آئیں گے مگر کام کریں گے،جیسے آج فرشتے ہمارے ساتھ رہتے ہیں ہم کو نظر نہیں آتے۔یہ اس صورت میں ہے کہ حشر سے مراد پہلا حشر ہو یعنی زندہ لوگوں کا زمین فلسطین میں پہنچنا جمع ہونااور اگر دوسرا یا تیسرا حشر مراد ہے تو فرشتوں کا انہیں کھینچنا ظاہر ہے۔اس صورت میں **تحشر** کا فاعل فرشتے ہیں اور **النار** کو فتح ہے اصل میں **الی النار** تھا یعنی فرشتے انہیں دوزخ کی طرف گھسیٹیں گے۔(اشعہ)

۵؎ یعنی یہ پیادہ لوگ اطمینان سے نہیں جائیں گے بلکہ بھاگتے ہوئے جائیں گے۔

۶؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہلا حشر مراد ہے یعنی اپنی قبروں سے زمین فلسطین کی طرف جانا اور مطلب یہ ہے کہ اس وقت سواریاں بہت زیادہ ہلاک ہوچکی ہوں گی،جب اس بھاگڑ کا وقت آوے گا تو باغ یا کھیت یا باغ کا مالک چاہے گا کہ کوئی میری یہ زمین لے لے اور مجھے ایک اونٹ قابل سواری دے دے مگر کوئی نہ دے گا کیونکہ اب باغ کھیت بے کار ہوچکے ہوں گے،جب یہاں سے بھاگ جانا ہی ہے تو باغ یا کھیت کا کیا فائدہ۔یہ حدیث علامات قیامت میں آنی چاہیے تھی نہ کہ حشر کے بیان میں مگر صاحب مصابیح کی اتباع میں صاحب مشکوۃ نے یہاں ہی بیان کردی،بعض نے فرمایا کہ اس پوری حدیث میں دوسرے یا تیسرے حشر کا ذکر ہے مگر بعض راویوں نے **ویلقی اللہ الافة** الخ ایک دوسری حدیث کا ٹکڑا اس میں داخل کردیا ہے اس صورت میں مطلب ظاہر ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ قبروں

سے محشر کی طرف سب لوگ پیدل جائیں گے مگر حضرات انبیاء اور خاص اولیاء اس وقت بھی سواریوں پر ہوں گے۔(مرقات)پھر محشر سے جنت کی طرف جاتے ہوئے اور پل صراط پر عام متقی مسلمان سواریوں پر ہوں گے اور سواریوں کی رفتار مختلف ہوگی یہ سواریاں قربانیاں اور اعمال کی ہوں گی۔(از مرقات)

باب الحساب و القصاص و المیزان

حساب،بدلہ،ترازو کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱حساب کے معنی میں گنتی و شمار،یہاں مکلّف جن و انس کے اعمال کی گنتی مراد ہے جو قیامت میں بندے کے سامنے کی جائے گی سزا و جزا کے لیے۔اس حساب کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے،اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔**قصاص** بنا ہے**قص** سے بمعنی برابری،یہاں مراد ہے اعمال کا بدلہ جو اعمال کے برابر ہو حساب سب کا نہ ہوگا مگر قصاص سب سے لیا جاوے گا اسی لیے قیامت میں جانوروں کو بھی اٹھاکر قصاص دلواکر مٹی کردیا جاوے گا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی جس کا قیامت کے دن حساب لیا جاوے گا ۱مگر وہ ہلاک ہوجاوے گا میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالٰی یہ نہیں فرماتا کہ اس کا حساب آسان لیا جاوے گا۲فرمایا یہ تو صرف پیشی ہوگی لیکن جس سے حساب میں جرح کرلی گئی۳وہ ہلاک ہوجاوے گا۴(مسلم،بخاری)	

۱میزان یعنی اعمال تولنے کی ترازو حق ہے،اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث سے ہے،اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔اس کے دو پلڑے ڈنڈی،زبان سب کچھ ہے،دو پلڑوں کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مشرق و مغرب میں فاصلہ ہے۔اعمال نامے یا خود اعمال اس میں وزن کیے جائیں گے۔حضرات انبیاءکرام اور بعض اولیاء کے اعمال کا وزن نہ کیا جائے گا،وہاں وزنی پلڑا اونچا ہوگا ہلکا پلڑا نیچے کیونکہ نور اوپر کو اٹھتا ہے نیچے نہیں جھکتا،وہاں وزن باٹ سے نہ ہوگا بلکہ نیکیوں کا گناہوں سے ہوگا۔

۲حساب سے مراد ہے جرح والا حساب تو نے کیا کیا اور گناہ کیوں کیے۔ہلاکت سے مراد ہے عذاب میں گرفتاری جس سے کیوں پوچھ لیا وہ گیا۔

۳یعنی حضور کا یہ فرمان عالی قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق کیونکر ہوا کہ جب حساب آسان ہوگا تو سزا کیسے ہوسکتی ہے۔

۴یعنی ہمارے فرمان عالی میں حساب سے مراد ہے تحقیق وجرح والا حساب جس میں ہر عمل کی پوچھ گچھ ہو،کوئی گناہ نظر انداز نہ کیا جاوے،پھر وجہ گناہ بھی پوچھی جاوے۔اور قرآن مجید میں حساب سے مراد صرف پیشی کا حساب ہے جس میں بعض موٹے موٹے گناہ پیش ہوں اور اکثر نظر انداز کردیئے جاویں،ان پیش فرمودہ اعمال کو دکھاکر اقرار کرا کر معاف کردیا جاوے وہاں بخشش ہی بخشش ہے۔اعلٰی حضرت نے عرض کیا شعر

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا سے حساب　　　　بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اس سے اس کا رب کلام کرے گا۱؎ اس کے اور رب کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا۲؎ اور نہ پردہ جو اس کے لیے آڑ ہو تو وہ اپنے دائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہ ہی عمل جو آگے بھیجے اور اپنے بائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہ ہی جو آگے بھیجے اور اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ کے سوا نہ دیکھے گا اپنے سامنے۳؎ تو تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کی قاش سے۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر ایک کو رب کا دیدار بھی ہوگا اور ہر ایک رب کا کلام بھی سنے گا مگر صالحین کو رحمت کا دیدار و کلام ہوگا بدکاروں سے غضب و قہر کا۔قرآن مجید میں جو ارشاد باری ہے کہ ہم ان سے کلام نہ کریں گے،ہم ان کو دیکھیں گے نہیں وہاں رحمت و کرم کا دیدار و کلام مراد ہے۔

۲؎ یعنی ہر چہار طرف اعمال ہوں گے بیچ میں عامل ہوگا اپنے ہر عمل کا نظارہ کرے گا۔

۳؎ یعنی حساب یہاں ہورہا ہوگا اور دوزخ کی آگ سامنے سے نظر آرہی ہوگی کیسا بھیانک نظارہ ہوگا۔خدا کی پناہ!

۴؎ یعنی دوزخ سے بچنے کا اعلیٰ ذریعہ صدقہ و خیرات ہے،صدقہ اگرچہ معمولی ہو اخلاص سے وہ بھی آگ سے بچالے گا،وہاں صدقہ کی مقدار نہیں دیکھی جاتی وہاں صدقہ والے کی نیت پر نظر ہوتی ہے،کھجور کی قاش کی ہی خیرات کردو شاید وہ ہی دوزخ سے بچالے یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا معمولی حق بھی نہ مارو کہ وہ بھی دوزخ میں بھیج دے گا،کسی کی کھجور کی قاش اس کی بغیر اجازت نہ لو۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو قریب کرے گا۱؎ تو اس پر اپنا پردہ رکھے گا اور اسے چھپائے گا۲؎ پھر فرمائے گا کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے،کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے وہ کہے گا ہاں یارب۳؎ حتی کہ اس سے اس کے سارے گناہوں کا اقرار کرالے گا اور وہ اپنے دل میں سمجھے گا کہ ہلاک ہوا۴؎ رب فرمائے گا کہ میں نے یہ عیوب دنیا میں چھپالیے تھے۵؎ اور آج انہیں بخشتا ہوں۶؎ پھر اس کی نیکیوں کی تحریر اسے دی جاوے گی۷؎ لیکن کفار ومنافقین انہوں کو مخلوق کے سامنے پکارا جاوے گا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولے آگاہ رہو! کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۸؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کنف کے کئی معنی ہیں: پردہ، حفاظت، پناہ، نگہبانی، سایہ، پرندے کے بازو جن سے وہ اڑتا ہے، یہاں پردہ کے معنی ہیں۔(اشعہ)چونکہ پرندہ انہیں بازوؤں پروں سے اپنے انڈوں بچوں کو چھپاتا بھی ہے ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اس لیے اسے کنف کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی مؤمن کو گناہوں کے حساب کے وقت محشر والوں سے چھپایا جاوے گا کسی کو خبر نہ ہوگی کہ رب نے کیا حساب لیا اور بندے نے کیا حساب دیا۔

۳؎ اس فرمان عالی سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ مؤمن اپنے گناہوں کا فورًا اقرار کرے گا وہاں بہانے نہ بنائے گا،کفار جھوٹ بولیں گے"وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ"۔دوسرے یہ کہ مؤمنوں کی نیکیوں کا حساب علانیہ ہوگا گناہوں کا حساب خفیہ ہوگا بلکہ نیکیوں کی نیکی چہروں پر نمودار ہوگی کہ ان کے منہ چمکتے ہوں گے مگر بدوں کی برائیاں چہروں پر ظاہر نہ ہوں گی ان کے منہ نہ بگڑیں گے،کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ پردہ پوش لجپال محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں ان کی پردہ پوشی دنیا میں بھی ہے آخرت میں بھی ہوگی۔

۴؎ یعنی اب میں پکڑا گیا عذاب میں گرفتار ہوا وہ شخص دل میں یہ سوچتا ہوگا کسی سے کہے گا نہیں اس لیے فی نفسہ فرمایا گیا،رب بھی اس کے عیب چھپائے گا بندہ بھی خاموش رہے گا۔

۵؎ اس فرمان عالی سے ہی معلوم ہورہا ہے کہ یہاں دنیا کے چھپے گناہوں کو بندہ خود ہی علانیہ کرتا رہا ہو ان کا وہاں بھی اعلان ہوگا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ غدار کے چوتڑوں پر اس کی غداری کے مطابق جھنڈا لایا جائے گا جس سے وہ سارے محشر میں مشہور ہوگا،وہ غداری بھی علانیہ تھی اس لیے اس کی سزا بھی علانیہ ہوئی۔

۶؎ مؤمن کی بخشش ضرور ہوگی کسی کی اول ہی سے،کسی کی کچھ سزا دے کر،کسی کی شفاعت کے پانی سے گناہ دھو کر،کسی کی بخشش دوزخ کی آگ میں کچھ روز تپا کر۔بہرحال ہر گنہگار کی بخشش یقینی ہے کیوں نہ ہو کہ محبوب کی امت تو ہے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے　　　واعظ ان کا میں گنہگار وہ میرے شافع

۷؎ یہ تحریر گویا جنت کا پروانہ وہاں کا ویزا ہوگا اس میں اس بندے کی نیکیوں کا ذکر تو ہوگا مگر گناہوں کا تذکرہ نہ ہوگا کہ وہ تو معاف کردیئے گئے۔

۸؎ یعنی کفار و منافقین کی نیکیوں کا ذکر تک نہ ہوگا کیونکہ وہ سب رد ہوچکیں بغیر ایمان کوئی صدقہ وغیرہ قبول نہیں،نیز وہ لوگ ان نیکیوں کی عوض دنیا میں اللہ کی نعمتیں استعمال کرچکے،ہاں ان کے گناہوں کا اعلان بھی ہوگا اور حساب علانیہ بھی کیونکہ وہ پردہ پوش نبی کے دامن سے دور رہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی عطا فرمائے گا تو کہے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے آگ سے ۱؎(مسلم)	

۱؎ فك کے معنی ہیں گروی چیز کو چھڑانا،**فکاك** وہ مال ہے جو دے کر گروی چیز چھڑائی جاوے۔ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانہ دوزخ میں ہے دوسرا جنت میں،مؤمن جنت میں اپنا ٹھکانا بھی لے گا اور کسی کافر کا بھی اور کافر دوزخ میں اپنا مقام بھی لے گا اور کسی مؤمن کا بھی۔یہاں یہ ہی مطلب ہے کہ اے مؤمن تو جنت میں اپنا ٹھکانہ بھی لے اور اس یہودی عیسائی کا بھی،یہ تیرے لیے ایسا ہے جیسے گروی چیز کا فکاک۔چونکہ عیسائی یہودی مسلمانوں سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور رہے تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر ہوا،یہ مطلب نہیں کہ مسلمان کے گناہوں کے عوض کافر دوزخ میں جاوے گا کہ یہ اسلامی قانون کے خلاف ہے"**لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی**"۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا ان سے کہا جائے گا کہ آپ نے تبلیغ کی تھی وہ عرض کریں گے ہاں یارب ۱؎ پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم کو تبلیغ کی گئی تھی وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا فرمایا جاوے گا اے نوح! تمہارے گواہ کون ہیں ۲؎ عرض کریں گے محمد مصطفٰے اور ان کی اُمت،حضور نے فرمایا کہ پھر تمہیں کہہ دیا جاوے گا تم گواہی دو گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی ۳؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے نگران گواہ ہوں ۴؎ (بخاری)

۱؎ چونکہ نوح علیہ السلام پہلے وہ نبی ہیں جو کفار کی طرف بھیجے گئے اس لیے ابتداء انہیں سے ہوگی۔گزشتہ کافر امتیں اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی اس لیے مقدمہ چلے گا اور اس مقدمہ کی نوعیت یہ ہوگی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کوئی کافر انکار نہ کرسکے گا۔

۲؎ یعنی تم تبلیغ کردینے کے مدعی ہو تمہاری امتیں اس کی منکر اور مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہوتا ہے وہ اگر گواہ قائم نہ کرسکے تو مدعیٰ علیہ قسم کھاکر مقدمہ جیت لیتا ہے۔معلوم ہوا کہ مقدمہ کا فیصلہ اس قانون کے ماتحت ہوتا ہے حاکم کے ذاتی علم پر فیصلہ نہیں ہوتا،دیکھو رب تعالٰی علیم و خبیر ہے مگر تحقیقات ہورہی ہے۔

۳؎ **تشھدون** میں خطاب صحابہ سے نہیں بلکہ ساری امت رسول اللہ سے ہے اولین و آخرین صالحین اور ہم جیسے گنہگار اور یہ گواہی صرف نوح علیہ السلام کے حق میں نہیں ہوگی بلکہ قریبًا تمام نبیوں کے حق میں ہوگی کیونکہ سب کی کافر امتیں ان حضرات کی تبلیغ کا انکار کریں گی۔یہ امت ان انبیاءکرام کی گواہ ہوں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے کہ واقعی یہ سچ کہہ رہے ہیں،میں نے ان کو ان حضرات انبیاءکرام کی تبلیغ کی خبر دی تھی اور حضور اسی امت کی صفائی

بھی یہاں بیان فرمائیں گے کہ الٰہی میری امت گواہی دینے کے قابل ہے۔مدعی کو گواہ بڑا پیارا ہوتا ہے،تمام نبیوں کو یہ امت پیاری ہے۔ہم کو بھی چاہیے کہ مسلمان بن کر رہیں کہ کل قیامت میں ہم نے نبیوں کی گواہی دینی ہے فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی،رب تعالٰی توفیق دے۔

۴؎ اس آیت کریمہ کی نفیس و لذیذ تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ کرواور شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔یہاں دو باتیں سمجھ لو کہ اس آیت میں **وسط** کے معنی بہترین ہے،رب فرماتاہے:"**قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ**"درمیانی زمانہ والی مراد نہیں کیونکہ یہ امت تو آخری ہے۔دوسرے یہ کہ یہاں"**یَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡكُمۡ شَهِیۡدًا**"میں **شھد** بمعنی گواہ نگران ہے اسی لیے یہاں **علیکم** ارشاد ہوا۔یہاں مرقات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں حاضر و ناظر ہیں۔(مرقات)بے خبر نہ گواہ بن سکتا ہے نہ کسی کی صفائی بیان کرسکتا ہے،حضور اپنے ہر امتی کے ہر عمل سے خبردار ہیں اسی لیے آپ ان کی صفائی بیان فرمائیں گے اس لیے وہ انبیاءکرام عرض کریں گے **محمد وامتہ**۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو حضور ہنسے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس چیز سے ہنستا ہوں فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانیں۱؎ فرمایا بندے کے اپنے رب سے عرض معروض کرنے پر عرض کرے گا اے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے امان نہیں دی فرمائے گا ہاں فرمایا تو بندہ کہے گا کہ میں اپنی ذات پر کوئی گواہی روا نہیں رکھتا مگر اپنے میں سے گواہ ۲؎ فرمایا کہ رب فرمائے گا آج تو ہی اپنے نفس پر کافی گواہ ہے اور کراماً کاتبین فرشتے گواہ ہیں ۳؎ فرمایا پھر اس کے منہ پر مہر کردی جائے گی ۴؎ پھر اس کے اعضاء سے کہا جاوے گا بولو فرمایا وہ اس کے اعمال کے متعلق کلام کریں گے ۵؎ پھر بندے اور اس کے کلام کے درمیان خلوت کردی جائے گی ۶؎ فرمایا کہ وہ کہے گا کہ تمہیں دوری اور ہلاکت ہو میں تمہیں سے دفع کرتا تھا ۷؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی ہم کو خبر نہیں کہ حضور انور کس چیز سے ہنس رہے ہیں اس مجلس میں کوئی ہنسی کی بات تو ہو نہیں رہی ہے اس کی حقیقت حضور کو معلوم ہے نہ معلوم کیا خیال آگیا کہ حضور ہنس پڑے۔

۲؎ یہ بندہ کافر ہوگا اور کافر بھی وہ جو اپنے کفر و گناہوں کا انکار کرے گا کہ میں نہ مشرک و کافر تھا نہ گنہگار،میں تو نہایت ہی نیک اعمال والا مؤمن تھا،تیرے فرشتوں نے میرے نامۂ اعمال غلط بھرے ان میں غلط اندراج کیا ہے،یعنی سخت ڈھیٹ کافر ہوگا کہے گا مجھے تو میرے جسم میں سے گواہ چاہیں،میں تو ان کی گواہی مانوں گا مجھے انہیں کا اعتبار ہے۔

۳؎ رب تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم تیرے ان ہی اعضاء سے گواہی لے لیتے ہیں جن سے تو گناہ کرتا تھا اور اس گواہی کی تائید میں کراما کاتبین فرشتوں کی تحریریں پیش کرتے ہیں تو اپنے ان اعضاء کا بیان سن اور وہ تحریریں دیکھ دونوں کو یکساں پائے گا۔سبحان اللہ! کون ہے جو رب کے حساب پر جرح کرسکے یا بہانہ بنا سکے رب تعالیٰ رحم فرمائے۔شعر

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

۴؎ اس طرح کہ اس کے دونوں ہونٹ ملا کر ان پر مہر لگادی جائے گی تاکہ ہونٹ ہل نہ سکیں اور بندہ بول نہ سکے۔معلوم ہوا کہ کافر انسان کی زبان بڑی ہی بے حیا ہے،رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی جھوٹ بولنے دھوکہ دینے کی کوشش سے باز نہ آوے گی،سارے اعضاء سچ بول دیں گے مگر زبان جھوٹ ہی بولتی رہے گی۔رب کی پناہ!

۵؎ یعنی اسکا ہر عضو اپنے اعمال کی خبر اور دوسرے عضو کے اعمال کی گواہی دے گا لہذا یہ ہی اعضاء زبان کے کفر و شرک جھوٹ غیبت کی بھی گواہی دیں گے لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ زبان کے گناہوں کی گواہی کون دے گا۔بہرحال سارے گناہ سامنے آجائیں گے۔سائیں بلّے شاہ فرماتے ہیں ۔

جنڈڑی تینوں یار دے اگے نچنا پیناں جنڈڑیئے گھنڈ چک کے

۶؎ یعنی اعضاء کی ان گواہیوں کے بعد اسے تنہا چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ اپنے اعضاء سے باتیں کرے،اسے کلام کا موقعہ دیا جائے گا جہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔

۷؎ یعنی تمہارا بیڑا غرق ہو میں تمہاری ہی مدد سے تو گناہ کرتا تھا لوگوں کو دفع کرتا تھا اور تم نے ہی میرے خلاف گواہی دے دی تم نے یہ کیا کیا،یا میں تم سے لوگوں کی تکالیف دور کرتا تھا تم کو ہر شر اور ہر تکلیف سے بچاتا تھا مگر تم نے مجھ سے دشمنی کی مجھے نہ بچایا بلکہ پھنسادیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے ۱؎ فرمایا کیا تم دوپہری میں جب کہ سورج بادل میں نہ ہو اس کے دیکھنے میں کچھ تردد کرتے ہو لوگ بولے نہیں ۲؎ تو کیا تم چودھویں رات چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو جب کہ وہ بادل میں نہ ہو عرض کیا نہیں،فرمایا تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اپنے رب کے دیکھنے میں نہیں شک کرو گے مگر جیساکہ شک کرتے ہو تم ۳؎ ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں،فرمایا رب بندے سے ملے گا ۴؎ فرمائے گا اے فلاں کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی،تجھے سردار نہیں بنایا،تجھے بیوی نہیں دی،گھوڑے اونٹ کو تیرا فرمانبردار نہیں کیا اور تجھے نہ کہا کہ تو سردار بنے چہارم غنیمت سے وہ کہے گا ۵؎ ہاں پھر فرمائے گا کیا تجھے

	یقین تھا کہ تو مجھ سے ملے گا عرض کرے گا نہیں ۶؎ فرمائے گا میں تجھے بھولا ہوا چھوڑتا ہوں ۷؎ جیسے تو نے مجھے بھلا دیا تھا پھر دوسرے بندے سے ملے گا اس طرح ذکر فرمایا ۸؎ پھر تیسرے بندے سے ملے گا اس کی مثل فرمائے گا وہ عرض کرے گا الٰہی میں تجھ پر تیری کتاب پر تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا میں نے نمازیں پڑھی ہیں روزہ رکھے خیرات کی جہاں تک ہوسکے گا اپنی تعریفیں کرے گا ۹؎ تو رب فرمائے گا اچھا تو تو یہاں ہی ٹھہر ۱۰؎ پھر فرمایا جاوے گا اب ہم تجھ پر گواہ لائیں گے وہ اپنے دل میں سوچے گا کہ ایسا کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے گا ۱۱؎ تب اس کے منہ پر مہر کردی جاوے گی اور اس کی ران سے کہا جاوے گا کہ تو بول، اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال بتائیں گی ۱۲؎ یہ اس لیے ہوگا تاکہ بندہ کے عذر دور کر دے ۱۳؎ یہ بندہ منافق ہوگا، یہ وہ ہوگا جس سے اللہ ناراض ہے ۱۴؎ (مسلم) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی میری امت میں سے جنت میں جائیں گے باب توکل میں بروایت حضرت ابن عباس روایت کردی گئی ۱۵؎

۱؎ دیدار الٰہی قیامت میں بھی ہوگا اور جنت میں بھی، قیامت میں تو ہر کافر و مؤمن دیکھے گا مگر کافر کو دیدار غضب و قہر والا ہوگا جیساکہ ابھی کچھ پہلے گزر چکا، مؤمن کو رحمت والا، یہاں محشر والے دیدار کے متعلق یہ سوال ہے۔

۲؎ **سبحان اللہ**! کیسا پیارا پاکیزہ جواب ہے کہ سورج جیسی چمک دار چیز جب حجاب میں نہ ہو تو اس کے دیدار میں کوئی تردد نہیں ہوتااسی طرح وہاں دیدار میں کوئی شک و شبہ نہ ہوگا۔

۳؎ یعنی جیسے تم ان حالات میں سورج اور چاند کو دیکھنے میں شک نہیں کرتے ایسے ہی رب تعالٰی کا دیدار کرو گے کہ تمہیں اس میں کسی قسم کا تردد نہ ہوگا یقین سے دیکھو گے۔خیال رہے کہ **تضارون** اگر رکے شد سے ہے تو یہ **ضرر** بمعنی نقصان سے بنا ہے اور اگر رپر پیش سے ہے تو خبر بمعنی مضائقہ و مناظرہ سے بنا ہے۔معنی یہ ہیں کہ تم لوگ رب تعالٰی کے دیدار میں تم ایک دوسرے سے جھگڑو گے نہیں سب مان لیں گے کہ واقعی رب کا دیدار ہوا۔مطلب یہ ہی ہے کہ اس دیدار میں کسی کو شک نہ ہوگا،شک سے ہی تو مناظرے اور جھگڑے ہوتے ہیں۔ چودھویں کے چاند دوپہر کے سورج میں کوئی مناظرہ نہیں کرتا سب مان لیتے ہیں۔**سبحان اللہ**! کیا نفیس تشبیہ ہے۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ اس بندہ سے مراد بندہ کافر و مشرک ہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے اور ملنے سے مراد ہے رب تعالٰی کو دیکھنا،قیامت میں رب کا دیدار اس سے ہم کلام کفار بھی ہوں گے مگر یہ دیدار و کلام غضب کے ہوں گے نہ کہ رحمت کے،دوزخ میں

پہنچ کر نہ انہیں رب کا دیدار ہوگا نہ اس سے کلام۔مسلمانوں کو یہ دونوں چیزیں قیامت میں بھی میسر ہوں گی دیدار و کلام رحمت والا میسر ہوگا اور جنت میں میسر ہوا کرے گا لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کیخلاف ہے"اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ"اور نہ اس فرمان کے خلاف ہے"لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنۡظُرُ اِلَيۡهِمۡ"قرآن کریم میں رحمت کے دیدار و کلام کی نفی ہے یہاں غضب کے دیدار وکلام کا ثبوت ہے یا قرآن مجید میں دوزخ میں پہنچنے کے بعد دیدار و کلام کی نفی ہے یہاں قیامت میں دیدار و کلام کا ثبوت دونوں برحق ہیں۔

۵؎زمانہ جاہلیت میں سرداران قوم جنگوں میں اگرچہ شریک نہ ہوتے مگر وہاں کے لوٹے ہوئے مال میں سے چہارم حصہ خود لیتے تھے اپنی سرداری کا حق،یہاں اسی کا ذکر ہے یعنی ہم نے تجھ کو دنیا میں عمومی نعمتیں بھی عطا کی تھیں اور خصوصی نعمتیں بھی۔خیال رہے کہ اسلام میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا جاتا تھا اور حضور انور اس میں سے بھی بقدر ضرورت خود لے کر باقی مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ فرمادیتے تھے لہذا اس چہارم اور اس خمس میں بڑا فرق ہے۔

٦؎اس سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ کلام کافر سے ہے جو قیامت کا منکر تھا۔

۷؎یہ فرمان اس آیت کی شرح ہے "وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى"یہاں بھولنے سے مراد ہے چھوڑ دینا کیونکہ اللہ تعالٰی بھول چوک سے پاک ہے۔

۸؎یعنی اس دوسرے کافر بندے سے بھی وہ ہی سوال ہوگا اور وہ بندہ وہی جواب دے گا یعنی اپنے کفر و عناد کا اقرار کرے گا۔

۹؎یہ تیسرا بندہ بھی کافر بلکہ منافق ہوگا مگر ڈھیٹ کافر کہ اپنے کفر و شرک اور تمام گناہوں کا انکار کردے گا اور اپنے تقویٰ و طہارت کے دعویٰ کرے گا رب تعالٰی سے بھی شرم نہ کرے گا۔

۱۰؎پچھلے دونوں بندوں کو دوزخ میں بھیج دیا جاوے گا مگر ان کا عذاب اس ڈھیٹ سے ہلکا ہوگا کیونکہ عدالت کو دھوکا دینا جرم ہے یہ جرم اس تیسرے نے کیاان دونوں نے نہیں کیا اسے اس دھوکے کی سزا بھی ملے گی۔یعنی جب تو یہ کہتا ہے تو ٹھہر جا تیرا فیصلہ گواہی وغیرہ کے بعد ہوگا کیونکہ تو اپنے جرموں کا انکاری ہے جرم کے اقراری پر گواہ قائم نہیں کیے جاتے۔ھھنا سے پہلے وقف پوشیدہ ہے یعنی تو اسی حساب کی جگہ ٹھہرا رہے۔

۱۱؎کیونکہ میں نے کفر و شرک اور صدہا گناہ لوگوں سے چھپ کرکئے تھے میرے خلاف گواہی کون دے سکتا ہے،گواہ باخبر چاہیے لوگ بے خبر ہیں لوگوں کو تو میرے کلمہ نمازوں کی خبر ہے۔

۱۲؎یعنی اس کے سارے اعضاء جن سے اس نے گناہ کئے تھے وہ اپنے عمل کا اقرار کریں گے اور دوسرے اعضاء اس پر گواہ ہوں گے مثلًا آنکھ کان کے خلاف گواہ اور کان آنکھ کے خلاف گواہ۔

۱۳؎لیعذر باب افعال کا مضارع ہے،اس کا مصدر اعذار ہے بمعنی دفع عذر،یعنی رب تعالٰی بندے کے سارے عذر ختم کرکے پھر سزا کا فیصلہ سنائے گا۔

۱۴؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ بندہ اپنی دانست میں سچ کہے گا واقعی وہ دنیا میں ریا کاری کے لیے نماز وغیرہ ادا کرتا تھا، منافقت سے کلمہ پڑھتا تھا مگر اس کے یہ اعمال قابل قبول نہ تھے اس لیے ردہوگئے، خفیہ طور پر کفر و فسق کرتا تھا ان پر پکڑا گیا۔

۱۵؎ یعنی صاحب مصابیح امام بغوی نے وہ حدیث یہاں روایت کی تھی بروایت ابوہریرہ اور باب التوکل میں بھی بیان کی تھی بروایت حضرت ابن عباس گویا مکرر بیان کی تھی۔ہم نے یہاں سے ابوہریرہ والی روایت حذف کردی اور باب التوکل میں بروایت ابن عباس نقل کردی۔(مرقات)اس عبارت میں بظاہر اشکال دور ہوگیا کہ حدیث ایک ہے مگر دو راویوں سے دو جگہ مصابیح میں ذکر کی گئی تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمالیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں اس طرح داخل فرمائے گا کہ نہ ان کا حساب ہوگا نہ عذاب۱؎ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ۲؎ اور میرے رب کے لپوں میں سے تین لپ۳؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ عربی زبان میں لفظ سبعتین یا لفظ سبعین الفًا زیادتی بیان کرنے کے لیے آتا ہے وہ ہی مراد ہے۔لاحساب کے معنی ہیں کہ ان سے مطلقًا حساب نہ ہوگا نہ حساب یسیر نہ حساب مناقشہ،مگر مرقات نے فرمایا کہ یہاں حساب مناقشہ کی نفی ہے پیشی والا حساب تو ہوگا مگر قوی یہ ہی ہے کہ مطلقًا حساب نہ ہوگا اور جب حساب ہی نہ ہوا تو عذاب کا سوال ہی نہیں۔حساب سے مراد حساب قیامت ہے اور ہوسکتا ہے کہ حساب قیامت اور حساب قبر دونوں مراد ہوں،نہ حساب قبر سب کے لیے ہے نہ عذاب محشر سب کے لیے،بعض حضرات ان حسابوں سے علیحدہ ہیں۔

۲؎ پہلے ستر ہزار تو وہ تھے جو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے بے حساب جنتی ہوئے اور دوسرے ستر ہزار وہ ہیں جو ان پہلوں کی طفیل ان کی خدمت ان کے قرب کی وجہ سے بے حساب جنت میں گئے۔گلدستہ میں پھولوں کے ساتھ گھاس بندھ جاتی ہے تو وہ بھی عزت پاجاتی ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بے شمار لوگ ہوں گےجوان کے طفیل بخشے جائیں گے۔شعر

شنیدم کہ در روز امیدوبیم | بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ ثلث معطوف ہے سبعون الفا پر۔مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار اور رب تعالٰی کے تین لپ،بعض نے فرمایا کہ یہ معطوف ہے سبعین الفًا پر اور یدخل کامفعول ہے۔یعنی مجھ سے رب نے وعدہ فرمایا کہ تین لپ بھر اور بھی جنت میں بے حساب بھیجے گا مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔لپ سے مراد ہے بے اندازہ کیونکہ جب کسی کو

بغیر گنے بغیر تولے ناپے دینا ہوتا ہے تو وہاں لپ بھر بھر کر دیتے ہیں یا کہو کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے ورنہ رب تعالٰی مٹھی اور لپ سے پاک ہے۔

روایت ہے حضرت حسن سے ۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی دو پیشیاں تو بحث اور معذرت کی ہیں ۲؎ اور رہی تیسری پیشی تو اس وقت نامہ اعمال ہاتھوں میں اڑ کر پہنچ جائیں گے ۳؎ بعض داہنے ہاتھوں میں لیں گے بعض بائیں ہاتھوں میں ۴؎ (احمد،ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث اس وجہ سے صحیح نہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ سے سنا نہیں ۵؎ بعض محدثین نے یہ حدیث بروایت حسن عن ابی موسیٰ روایت کی ہے ۶؎	

۱؎ حسن سے مراد حضرت خواجہ حسن بصری ہیں،آپ تابعی ہیں،آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ کی خادمہ تھیں،ایک بار آپ رو رہے تھے آپ کی ماں ام سلمہ کا کام کررہی تھی،ام المؤمنین نے آپ کو گود میں لے کر اپنا پستان آپ کے منہ میں دیا،اس پستان شریف کی برکت تھی کہ آپ علوم کے دریا بے پایاں ہوگئے تمام طریقت کے سلسلوں کے مرکز ہیں رضی اللہ عنہ۔

۲؎ **جدال** سے مراد کفار و منافقین کا اپنے جرموں سے انکار کردینا پھر ان کے اعضاء کی گواہی ان کے خلاف۔ **معاذیر** سے مراد ہے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ساتھ ہی اپنی مجبوری و معذوری پیش کرنا کہ میں نے فلاں مجبوری سے یہ گناہ کیا تھا،پہلے گناہوں کا انکار کریں گے پھر اقرار مع ان بہانوں کے مگر گنہگار مسلمان بغیر حیل و حجت اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا اس پر رحمت ہوگی۔

۳؎ یعنی اس بار سب کے نامہ اعمال نہایت تیزی سے اچانک تقسیم ہوجائیں گے گویا اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ گئے پل بھر میں تقسیم ہوگی۔

۴؎ یعنی نامہ اعمال بعض کو داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ بائیں میں نہ پڑ سکیں گے یہ مؤمنین ہوں گے،بعض کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے یہ داہنے میں نہ لے سکیں گے یہ کفار منافقین ہوں گے،اس سے ہی مؤمنین و کفار کی پہچان ہوجائے گی۔جو کہے کہ حضور انور کو اپنے پرائے کی پہچا ن نہ ہوگی وہ جھوٹا ہے۔

۵؎ لہذا یہ حدیث منقطع ہے اس میں کوئی راوی رہ گیا ہے۔خیال رہے کہ بخاری نے تین حدیثیں عن الحسن عن ابی ہریرہ روایت کیں،مسلم نے روایت نہیں کیں۔بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ حسن بصری کی ملاقات حضرت ابوہریرہ سے ہے یہ تو سب مانتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ کا زمانہ پایا ہے غالب ہے کہ ملاقات بھی کی ہو۔(مرقات،اشعہ)

۶؎ صاحب مشکوۃ نے اکمال میں لکھا کہ خواجہ حسن بصری نے حضرت انس ابن مالک سے،ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ ابن عباس وغیرہم سے ملاقات کی ہے لہذا حسن عن ابی موسیٰ والی روایت ان کے نزدیک متصل ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن مخلوق کے سامنے چھانٹے گا۱؎ تو اس کے سامنے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے ہر دفتر تاحد بصر ہوگا۲؎ پھر فرمائے گا کیا تو ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے۳؎ کیا تجھ پر میرے نگران کاتبین نے ظلم کیا ہے عرض کرے گا نہیں یارب پھر فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے عرض کرے گا نہیں۵؎ یارب تو فرمائے گا ہمارے پاس تیری ایک نیکی بھی ہے اور تجھ پر ظلم آج نہ ہوگا ۶؎ تو ایک ورقہ نکالا جاوے گا جس میں ہوگا **اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ** ۷؎ رب فرمائے گا جا اپنے تول پر حاضر ہو۸؎ وہ کہے گا یا رب یہ ورقہ ان دفتروں کے مقابل کیا ہے ۹؎ رب فرمائے گا کہ تو ظلم نہیں کیا جائے گا فرمایا کہ پھر یہ دفتر ایک پلے میں اور یہ پرچے دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا۱۰؎ تو یہ دفتر ہلکے ہوجائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہوجاوے گا۱۱؎ اللہ کے نام کے مقابل کوئی چیز وزنی نہ ہو گی ۱۲؎ (ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی ایک شخص کو دوسرے لوگوں سے علیحدہ کردیا جاوے گا جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو آگے مذکور ہے۔

۲؎ سجل سین اور جیم کے کسرہ لام کے شد سے بڑی کتاب یعنی دفتر،قرآن کریم میں دفتر کے محافظ فرشتے کو سجل فرمایا گیا ہے "كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ" یعنی اس شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پیش کیے جائیں گے اسے دکھائے جائیں گی یہ ہے پیشی والا حساب جسے یسیر کہا جاتا ہے۔(مرقات)

۳؎ خیال رہے کہ قیامت میں کوئی شخص اندھا،کانا،بے پڑھا نہ ہوگا ہر جاہل سے جاہل شخص بھی اس دن سب کچھ پڑھے گا۔

۴؎ خیال رہے کہ بندہ کا یہ اقرار جرم ہے رب تعالٰی کو آج بھی پیارا ہے کل قیامت میں بھی پیارا ہوگا۔اللہ تعالٰی اقرار جرم کی توفیق دے،بہانہ بازیاں اور انکار جرم پر بڑی سخت پکڑ ہے۔اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کیا خوب کہا۔

عذر بدتراز گنہ کا ذکر کیا ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجئے

۵؎ یہاں عذر سے مراد اپنی معذوری یا بہانہ ہے جو گناہ کا باعث ہو یعنی کیا تیرے پاس کوئی وجہ گناہ موجود ہے،مجبوری،بے خبری وغیرہ بندہ اس کا انکار کرے گا۔عرض کرے گا میں نے بغیر کسی مجبوری بے علمی کے گناہ کیے ہیں میں گنہگار ہوں معافی

دے دے، جس لائق میں تھا میں نے کرلیا جو تیری شان عالی کے لائق ہے وہ تو کر،میں گنہگار تو ستار و غفار ہے مہربانی فرما،یا ببول کے درخت میں کانٹے ہی ہوں گے پھل نہیں۔

۶؎بندے کے اس عذر پر دریائے رحمت جوش میں آجاوے گا۔**بطاقه** وہ چھوٹا سا پرچہ جو حفاظت کے لیے کپڑے میں لپیٹ کررکھا جاوے،طاقة کہتے ہیں کپڑے کی تہہ کو،ب زائد ہے۔(قاموس ولمعات)معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کا کلمہ طیبہ رب کی بارگاہ میں بڑی حفاظت سے رہتا ہے۔

۷؎یہ کلمہ طیبہ وہ ہوگا جسے مؤمن زندگی میں صدق دل سے پڑھا کرتا تھا اور جواس نے مرتے وقت پڑھا تھا،اسی پر جان رب کے سپرد کی تھی۔اللہ تعالٰی ہم سب کو کلمہ طیبہ پر خاتمہ نصیب کرے۔ہم نے عرض کیا ۔

وہ ہی موت ہےوہ زندگی جوخدانصیب کرےہمیں　　　کہ مرے تو ان ہی کے نام پر جو جئے تو ان پہ نثار ہے

۸؎یعنی میزان اعمال پر جا اپنے ان دفتروں کو اس پرچے سے وزن کرا۔معلوم ہوا کہ وہاں وزن باٹوں سے نہ ہوگا بلکہ نیک اعمال کا برے اعمال سے ہوگااس لیے حضرات انبیاءکرام اور خاص اولیاء اللہ کے لیے وزن نہیں کہ وہاں گناہ کوئی نہیں پھر وزن کس چیز سے ہو۔

۹؎یعنی یارب اس وزن سے سوائے میری رسوائی کے اور کیا ہوگا ابھی تو میرا معاملہ تیرے حضور ہے اور جب وزن ہوا تو اس وزن کو سب دیکھیں گی وہاں یہ پرچہ یقینًا ہلکا ہوگا تو میری رسوائی ہی ہوگی اس لیے وزن نہ کرا میرا پردہ رکھ لے۔

۱۰؎اس طرح کہ نیکیوں کے پلے میں یہ پرچہ رکھا جاوے گااور گناہوں کے پلہ میں وہ لاکھوں من کے دفتر۔اس سے معلوم ہوا کہ وزن خود اعمال کا نہ ہوگا بلکہ اعمال کی تحریروں کا ہوگا،بعض علماء کا یہ ہی قول ہے۔

۱۱؎خیال رہے کہ قیامت کے دن وزن بقدر اخلاص ہوگا،منافقین بھی کلمہ پڑھتے تھے آج مرزائی چکڑالوی وغیرہ بھی کلمہ پڑھتے ہیں ان کے کلمہ کا کوئی وزن نہیں گویا یہ بے معنی الفاظ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جب یہ وزن ہے تو سمجھو کہ حضور کے اعمال کا وزن کیسا ہوگا،حضور کا ایک سجدہ ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کے گناہوں سے زیادہ وزنی ہوگا۔خدا تعالٰی ہماری بدکاریوں کو ہماری نیکیوں سے نہ تولے بلکہ اس راتوں کو رونے والے گنہگاروں کا غم کھانے والے امت کے رکھوالے کے سجدہ سے وزن فرمادے تاکہ ہم ڈوبتوں کا بیڑا پار لگ جاوے۔

۱۲؎بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور کے اعمال کا وزن نہ ہوگا کیونکہ کارخانہ قدرت میں کوئی تراوز ایسی نہیں بنی جو حضور کے اعمال تول سکے جیسے آج کوئی ترازو ایسی نہیں جو سمندر کاپانی یا ہوا تول سکے،سورج کی روشنی کا کوئی میٹر نہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ انہیں دوزخ یاد آگئی تو رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کون سی چیز رلاتی ہے بولیں مجھے آگ یاد آگئی تو میں رو پڑی ۱؎اے مردو! کیا تم قیامت میں اپنے گھر والوں کو یاد کرو گے ۲؎تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین موقعوں میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا: میزان کے پاس حتی کہ جان لے کہ اس کا وزن ہلکا ہے یا بھاری اور نامہ اعمال	

	ملنے کے وقت جب کہا جاوے آؤ اپنا نامہ اعمال پڑھو حتی کہ جان لے کہ اس کا نامہ اعمال کہاں پڑتا ہے اس کے داہنے ہاتھ میں یا بائیں میں پیٹھ کے پیچھے اور پلصراط کے نزدیک جب کہ وہ دوزخ کے کناروں کے درمیان رکھا جاوے گا۳ (ابوداؤد)

۱یہاں ذکر سے مراد زبان سے ذکر کرنا نہیں بلکہ دل میں سوچنا مراد ہے۔یہ ہیبت کمال ایمان کی دلیل ہے ورنہ آپ کے جنتی ہونے پر آیات قرآنیہ احادیث نبویہ دال ہیں آپ یقینًا جنتی ہیں مگر خوف خدا رُلارہا ہے۔

۲اس میں خطاب عام خاوندوں سے ہے یعنی اے خاوندوں! تم لوگ قیامت میں اپنے بال بچوں کو بخشواؤ گے یا نہیں۔اس خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہیں،حضور کی شفاعت تو ہر مسلمان کو پہنچے گی چہ جائیکہ خاص اپنے گھر والے لہذامطلب واضح ہے اس سے شفاعت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۳یعنی کوئی خاوند اس وقت تک اپنے بیوی بچوں کو یاد نہ کرے گا جب تک اسے اپنے متعلق ان تین باتوں کا اطمینان نہ ہو جائے: وزن کے وقت نیکیوں کا پلہ بھاری ہوجائے،نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں مل جائے،پلصراط سے بخیریت پار لگ جائے ان تین منزلوں سے گزرکر مطمئن ہوکر اپنے بال بچوں کو یادکرے گا۔جواب شریف سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ ان خاوندوں کے متعلق ہے جن کو یہ تین الجھنیں ہوں انہیں اپنی فکریں ہوں،حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن گنہگاروں کی فکر ہوگی اپنی فکر نہ ہوگی۔حضرت انس نے حضور انور سے سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ قیامت میں آپ کے ملنے کے مقامات کون کون سے ہیں وہاں آپ کو کہاں ڈھونڈھوں تو حضور نے اپنے ملنے کے یہ ہی مقامات بیان فرمائے: میزان،حوض کوثر،پلصراط۔غرضکہ یہ سوال وجواب عوام کے متعلق ہے نہ کے حضور کے متعلق۔خیال رہے کہ قیامت میں پلصراط دوزخ پر رکھی جاوے گی جس پر گزرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے،کفار وہاں ہی گرجائیں گے مؤمن بخیریت گزر جائیں گے،وہاں سے گزرنا ضروری ہے کہ جنت کے راستہ میں یہ پل ہے "وَاِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُھَا"۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سےفرماتی ہیں کہ ایک شخص حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں میری نافرمانی کرتے ہیں میں انہیں گالیاں دیتا ہوں مارتا ہوں۱تو ان کے متعلق میرا کیا حال ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان خیانتوں نافرمانیوں

اورجھوٹوں کا اور تیرا انہیں سزا دینے کا حساب لگایا جاوے گا۲؎ پھر اگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے جرموں کے بقدر ہوگی تو ادلا بدلا ہوجاوے گا نہ تجھے مفید نہ مضر ۳؎اور اگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے قصوروں سے کم ہوگا تو تجھے ان پر بزرگی حاصل ہوگی۴؎اوراگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے قصور سے زیادہ ہوا تو زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جاوے گا۵؎تو وہ آدمی الگ ہٹ گیا اور چیخیں مارنے رونے لگا۶؎تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو رب کا یہ فرمان نہیں پڑھتا کہ ہم قیامت کے دن انصاف والی ترازو رکھیں گے ۷؎تو کوئی جان کچھ بھی ظلم نہیں کی جاوے گی اگر رائی کے دانہ کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لائیں گے،ہم کافی حساب لینے والے ہیں۸؎تو وہ شخص بولا یارسول اللہ میں اپنے اوران غلاموں کے لیے انکی جدائی سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارے آزاد ہیں۹؎(ترمذی)	

۱؎یعنی اس عمل کی وجہ سے میرا کیا حال ہوگاآیا میں اس مارپیٹ گالی گلوچ میں حق بجانب ہوں یا نہیں اور اس کی وجہ سے میری کوئی پکڑ تو نہیں ہوگی۔

۲؎یعنی ان غلاموں کے جرم اور تیری سزا کا حساب لگایا جاوے گا کہ دونوں برابر ہیں یا ایک دوسرے سے کچھ کم و بیش ہیں۔معلوم ہوا کہ سزا اور جرم کی حدود مقرر ہیں۔

۳؎یعنی چونکہ نہ ان کے جرم کم ہیں نہ تیری سزا زیادہ ہے اس لیے نہ تجھ پر کچھ وبال ہوگا نہ تجھے کوئی ثواب ملے گا حساب برابر رہے گا۔

۴؎یعنی اگر غلاموں کے جرم زیادہ ہوئے اور تیری سزا کم تو غلاموں کی پکڑ ہوگی تو تجھے ثواب ملے گا کہ تو نے ان غلاموں کو ان کے جرم سے کم سزا دی ان کے بعض جرموں پر عفو و تحمل سے کام لیا ہے۔

۵؎اس فرمان عالی سے حکام،مدرسین و معلّمین،خاوندوں،ماں باپ کو عبرت لینی چاہیے اگر یہ لوگ اپنے ماتحتوں کو ان کے جرم سے سزا زیادہ دیں گے تو یقینًا پکڑے جائیں گے۔کبھی استاد غصہ میں اپنے شاگردوں کو بے تحاشا ماردیتا ہے اس کی بھی پکڑ ہے۔علامہ شامی نے فرمایا کہ تین طمانچہ سے زیادہ ہرگز نہ مارے اور طمانچہ بھی منہ پر نہ مارے،بلا قصور ہرگز نہ مارے،بعض لوگ اپنی بیویوں کو بات بات پر مارتے ہیں اور بہت مارتے ہیں ان کی بھی پکڑ ہے ان کے اس عمل کا بھی حساب ہے ہر وقت اللہ کا خوف دل میں رکھو۔

۶؎یہ ہے اس زبان حق ترجمان کی تاثیر کہ دو لفظوں میں اس کے دل کی دنیا بدل دی رب تعالٰی ہم کو بھی حضور کے فرمان پر عمل اور حضور کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔آمین!

ے یعنی حضور نے اپنے فرمان کی تائید قرآن مجید سے پیش کی۔

۸ یہ آیت کریمہ حضور کے فرمان عالی کی حرف بحرف تائید کررہی ہے۔اس آیت میں چند چیزیں فرمائی گئیں: ایک یہ کہ میزان اور اس کے ذریعہ اعمال کا وزن برحق ہے۔دوسرے یہ کہ اس ترازو کے وزن میں کمی بیشی کا شائبہ نہیں،نہ اس میں پاسنگ ہے نہ تولنے والوں میں ڈنڈی مارنے کا اندیشہ۔تیسرے یہ کہ غیر مجرم کو سزا دے دینا یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دے دینا بھی ظلم ہے اللہ تعالٰی اس ظلم سے پاک ہے۔ظلم کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کی چیز اس کی بغیر اجازت تصرف میں لانا۔ظلم کے یہ معنی رب تعالٰی کے لیے ممکن نہیں کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی ملک ہے۔چوتھے یہ کہ حساب دانہ دانہ اور قطرہ قطرہ کا لیا جاوے گا یہ ہے قانون۔اگر اللہ تعالٰی کسی کو معافی دے دے حساب نہ لے تو اس کی مہربانی ہے، قانون اور چیز ہے مہربانی کچھ اور، یہاں قانون کا ذکر ہے اس آیت میں ہے "یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ" لہذا آیتوں میں تعارض نہیں۔

۹ آزاد کرنے کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ یہ غلام نہ میرے پاس میری ملکیت میں رہیں گے نہ آئندہ مجھ سے ایسے قصور ہوں گے،ان تمام قصوروں کی وجہ ان لوگوں کا میری ملکیت میں رہنا ہے۔دوسرے یہ کہ غلام آزاد کرنا بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے،میں ان کو آزاد کرتا ہوں تاکہ گزشتہ کوتاہیوں کا کفارہ ہوجائے میں اس آزاد کرنے کی وجہ سے ان گناہوں سے دنیا میں ہی پاک ہوجاؤں۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعض نمازوں میں فرماتے سنا الٰہی مجھ سے آسان حساب لے ۱ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! آسان حساب کیا چیز ہے ۲ فرمایا یہ ہے کہ اس کے نامہ اعمال پر نظر کرادی جاوے پھر اسے معافی دے دی جاوے ۳ جس سے حساب میں اس دن جرح کرلی گئی اے عائشہ وہ ہلاک ہوجاوے گا ۴ (احمد)	

۱ یہ دعا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کررہی ہے "فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا" حضرت ام المؤمنین کے سوال نے یہ آیت حل کرادی۔خیال رہے کہ حضور انور کی یہ دعا اُمت کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور انور کا حساب نہ ہوگا ان محبوب عظیم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے،ان کے خاص غلام بے حساب بخشے جائیں گے جیساکہ ہماری پیش کردہ آیت اور دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

۲ یعنی جس حساب یسیر کی آپ دعا ہم کو سکھارہے ہیں اور رب تعالٰی اپنے کلام میں خبر دے رہا ہے یہ حساب یسیر ہے کیا چیز۔اپنے فرمان عالی کی شرح اور رب کی آیت کی تفسیر حضور ہی فرمادیں۔

۳ یعنی جرم دکھانا اور معافی دے دینا حساب یسیر ہے اور جرم دکھانا اور ان پر جرح فرمانا کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیے یہ سخت حساب ہے۔

۹؎ یعنی جرموں پر جرح ہی اس سے کی جاوے گی جس کو سزا دینا ہوگی جسے بخشنا ہوگا اسے دکھاکر معافی دے دی جائے گی،بعض وہ بندے بھی ہوں گے جن کا حساب مطلقًا نہ ہوگا نہ جرح کا نہ پیشی کا بلاحساب جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا مجھے خبر دیجئے کہ قیامت کے دن کھڑے ہونے پر کون قدرت رکھے گا جس کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے ۱؎ تو فرمایا کہ وہ دن مؤمن پر ہلکا کردیا جاوے گا حتی کہ اس پر ایک فرض نماز کی طرح ہوجاوے گا ۲؎	

۱؎ یعنی قرآن کریم کی ایک آیت فرمارہی ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا "خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ"۔دوسری یہ آیت فرمارہی ہے کہ اس دن کسی کو بیٹھنے لیٹنے کی اجازت نہ ہوگی سب کھڑے ہی ہوں گے تو اتنی دراز مدت تک کون کھڑا رہ سکے گا،حضرت عبداللہ ابن عمر نے یہ ہی سورت تلاوت کی جب اس آیت پر پہنچے توپھوٹ کر رونے لگے حتی کہ آگے نہ پڑھ سکے۔(مرقات)

۲؎ یہاں نماز فرض سے مراد نماز کا وقت نہیں بلکہ اداء نماز مرادہے نماز بھی چار رکعت والی یعنی مؤمن متقی کو قیامت کا دن ایسا معلوم ہوگا جیسے اس نے چار رکعت نماز فرض پڑھی۔فرض کی قید اس لیے لگائی کہ بمقابلہ سنت و نفل کے فرض جلد ادا کیے جاتے ہیں کہ اس کی آخری دو رکعت خالی ہوتی ہیں،نیز اس میں قومہ اور جلسہ سے دعائیں نہیں ہوتیں۔خیال رہے کہ غم کی تھوڑی مدت بہت محسوس ہوتی ہے اور خوشی کی دراز مدت کا کم احساس ہوتا ہے،وصال کی رات منٹوں میں فراق کی رات گھنٹوں میں،دردو بیماری کی بے خوابی کی رات سالوں میں گزرتی معلوم ہوتی ہے،مؤمن دیدار مصطفٰی دیدار خدا کی خوشی میں پھولا نہ سمائے گا اسے قیامت کیا معلوم ہو۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اس دن کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے کہ اس دن کی کتنی درازی ہے ۲؎ تو فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ دن مؤمن پر ہلکا کردیا جاوے گا حتی کہ اس پر اس فرض نماز سے بھی زیادہ آسان ہوجاوے گا جسے وہ دنیا میں پڑھتا تھا ۳؎ (بیہقی کتاب البعث والنشور)	

۱؎ یعنی میری موجودگی میں یہ سوال کسی اور نے کیا میں نے سوال بھی سنا حضور کا جواب بھی۔

۲؎ یعنی کتنی دراز مدت ہے اللہ اکبر! یہ ما اظہار تعجب کے لیے ہے۔یارسول اللہ اس مدت میں لوگوں کا کیا حال ہوگا کیسے کھڑے رہ سکیں گے۔(مرقات)

۳؎ قرآن مجید میں قیامت کو ایک ہزار سال بھی فرمایا گیا ہے اور پچاس ہزار سال بھی،اس حدیث شریف نے اسے چار رکعت نماز سے بھی کم فرمایا یہ اختلاف احساس کا ہے دن تو پچاس ہزار برس ہی کا ہے مگر کسی کو ایک ہزار سال محسوس ہوگا کسی کو چار رکعت نماز کی بقدر۔

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے

الٰہی ہماری یہ شب کیسی آئی نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا لوگ قیامت کے دن ایک میدان میں جمع کیے جاویں گے ۱؎ تو پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کے پہلو اپنی خواب گاہوں سے الگ رہتے تھے ۲؎ پس وہ لوگ کھڑے ہوجائیں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے ۳؎ تو وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے ۴؎ پھر باقی تمام لوگوں کو حساب کی طرف جانے کا حکم دیا جاوے گا ۵؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ صعید چٹیل سفیدہ ہموار زمین کو کہتے ہیں،یہ زمین شام یا زمین فلسطین ہوگی جہاں قیامت قائم ہوگی،اس جگہ سب اچھے برے اکٹھے ہوں گے یعنی سارے مؤمن،رہے کفار تو وہ پہلے ہی چھانٹ دیئے گئے ہوں گے "وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ" فرماکر۔

۲؎ یعنی پابندی سے نما تہجد پڑھنے والے مسلمان پہلے حاضر ہوں جن کا حال یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں جب سب سوتے ہیں تو یہ مصلوں پر روتے تھے۔بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عشاء اور فجر جماعت سے پڑھتے ہیں مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ تہجد والے لوگ تھوڑے ہوں گے یہاں ارشاد ہے وھم قلیل۔

۳؎ یعنی مسلمانوں میں تہجد پر پابند تھوڑے ہی ہوں گے،رب فرماتاہے:"قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ" اور فرماتاہے:"وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ" اور فرماتا ہے:"اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِیْلٌ مَّا هُمْ"۔(مرقات)

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز پر پابندی ذریعہ ہے قیامت کے حساب سے بچنے کا،رب فرماتاہے:"اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ"۔خیال رہے کہ یہ لوگ اس وقت جنت کے دروازے پر تو پہنچ جائیں گے مگر ابھی وہاں داخلہ نہ ہوں گا کیونکہ جنت کا دروازہ پہلے حضور کے لیے کھولا جائے گا اور حضور گنہگاروں کو بخشوا کر حساب دلوا کر

جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔یدخلون کے معنی ہیں دخول کے مستحق ہوجائیں گے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔

۶؎ یعنی تہجد والوں کو یہ حکم روانگی سناکر پھر دوسروں کا حساب شروع ہوگا۔

باب الحوض و الشفاعۃ

حوض ۱ اور شفاعت کا بیان ۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ حوض کے معنی ہیں پانی کا جمع ہونا اور بہنا،اسی سے ہے حیض،رحم سے خون بہنا۔اصطلاح میں پانی کے تالاب کو حوض کہا جاتا ہے۔حضور کے حوض دو ہیں: ایک میدان محشر میں،دوسرا جنت میں،دونوں کا نام کوثر ہے۔محشر والے حوض کا پانی مؤمنوں کو وزن کے عمل سے پہلے ملے گا۔تمام نبیوں کے الگ الگ حوض ہوں گے،حضور کے حوض کانام کوثر ہے، کوثر کے معنی ہیں بہت ہی زیادہ۔(مرقات)بعض شارحین نے فرمایا کہ حوض کوثر ایک ہی ہے جنت میں وہاں سے ایک نہر میدان محشر میں آوے گی۔

۲؎ شفاعت بنا ہے شفع سے بمعنی ملنا اور جوڑا ہوا اس کا مقابل ہے وتر،رب فرماتا ہے:"وَ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ"الخ۔ شفیع وہ جو قیامت میں گنہگاروں سے مل کر انہیں اپنے سینے سے لگالے گا،اب اس کا ترجمہ ہوتا ہے سفارش۔شفاعت دو قسم کی ہے: شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ۔شفاعت کبریٰ صرف حضورکریں گے،اس شفاعت کا فائدہ ساری خلقت حتی کہ کفارکو بھی پہنچے گا کہ اس شفاعت کی برکت سے حساب کتاب شروع ہوجاوے گا اور قیامت کے میدان سے نجات ملے گی،یہ شفاعت قیامت کے اول وقت جب کہ عدل خداوندی کا ظہور ہوگا حضور ہی کریں گے،اس وقت کوئی نبی اس شفاعت کی جرأت نہ فرمائیں گے۔شفاعت صغریٰ ظہور فضل کے وقت ہوگی یہ شفاعت بہت لوگ بلکہ قرآن،رمضان،خانہ کعبہ بھی کریں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع درجات کے لیے صالحین حتی کہ نبیوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے اور گناہوں کی معافی کے لیے ہم گنہگاروں کی شفاعت کریں گے لہذا آپ کی شفاعت سے انبیاءکرام بھی فائدہ اٹھائیں گے۔**اللھم ارزقنا شفاعة حبيبك** صلی اللہ علیہ وسلم۔حضور کی شفاعت ہم گنہگاروں کا سہارا ہے۔شعر

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے مولیٰ — رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

حضور کی شفاعت نو قسم کی ہے:(۱)حساب شروع کرانے کے لیے جس کا فائدہ سب کو ہوگا(۲)بے حساب جنتیوں کو جنت میں پہنچانے کے لیے(۳)جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں ان کی نیکی کا پلہ وزنی کرانے کے لیے(۴)ہم جیسے دوزخ کے لائق لوگوں کو چھڑانے کے لیے(۵)صالحین کے درجے بلند کرانے کے لیے(۶)دوزخ میں گرے ہوئے گنہگاروں کو وہاں سے نکلوانے کے لیے(۷)جنت کا دروازہ کھلوانے کے لیے(۸)اہل مدینہ اور زائرین روضۂ رسول کو اپنا قرب دلوانے کے لیے۔(اشعہ)(۹)بعض کفار کا عذاب ہلکا کرانے کے لیے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم جنت میں سیر فرمارہے تھے تو ایک نہر پر پہنچے جس کے کناروں پر کھکل موتی کے خیمے تھے ۱؎ ہم نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا اس کی مٹی خالص مشک تھی ۲؎(بخاری)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ شبِ معراج کا ہے جب حضور نے سارا عالم غیب دیکھا۔غالبًا یہ وہ ہی نہر ہے جو حوض کوثر سے نکل کر محشر کی طرف پہنچائی جائے گی۔

۲؎ کوثر کے معنی ہیں خیرکثیر،حوض کوثر بھی اس کی ایک فرد ہے حضور کے بے شمار فضائل،حضور کے اہلِ بیت اطہار،علماء،اولیاء سب ہی کوثر میں داخل ہیں،یہاں حوض کوثر کو کوثر فرمایا گیا۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کا ہے ۱؎ اور اس کے گوشے برابر ہیں ۲؎ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے ۳؎ اس کی خوشبو مشک سے زیادہ اچھی ہے ۴؎ اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں ۵؎ جو اس سے پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی حوض کوثر جو میرا حوض ہے اس کی لمبائی چوڑائی کا یہ حال ہے کہ اگر اس کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف چلا جاوے تو چلنے والا ایک مہینہ میں وہاں پہنچے۔

۲؎ یعنی حوض کوثر مربع ہے لمبائی چوڑائی برابر اور اس کا ہر گوشہ زاویہ قائمہ ہے حادہ یا منفرجہ نہیں بلکہ گہرائی بھی ہر جگہ یکساں ہے یہ نہیں کہ کنارہ پر کم گہرا بیچ میں زیادہ گہرا۔

۳؎ نحوی قاعدہ سے اشد بیاضا چاہیے کیونکہ رنگت اور عیب سے فعل تعجب اور تفضیل بروزن افعل نہیں آتا مگر اس فرمان سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے،حضور تو نحویوں صرفیوں عربیوں کے امام اعظم ہیں نحوان کی پابند ہے۔

۴؎ یعنی اس حوض میں دودھ بلکہ دودھ سے بھی اعلیٰ چیز جس کی خوشبو مشک خالص سے بھی اچھی،اللہ تعالٰی ہم سب کو نصیب کرے۔

۵؎ تعداد اور چمک دمک میں تاروں کی طرح ہیں۔

۶؎ کوثر کا پانی اولًا تو پیاس بجھانے کے لیے ہم لوگ پئیں گے قبروں سے پیاسے اٹھیں گے،پھر جنت میں پہنچ کر وہ ہی کوثر پیا کریں گے مگر پیاس بجھانے کے لیے نہیں صرف لذت کے لیے،رب فرماتاہے:"وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیۡہَا وَلَا تَضْحٰی"مگر بغیر پیاس بھی اس کے پینے میں لذت آئے گی جیسے بغیر بھوک وہاں کے پھل کھانے میں مزہ آوے گا،دنیا میں بغیر بھوک پیاس غذا و شربت میں مزہ نہیں آتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا حوض زیادہ بڑا ہے ایلہ سے عدن تک کے فاصلہ سے[1] وہ برف سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا جو دودھ سے مخلوط ہو[2] اس کے برتن تاروں کے شمار کے ہیں اور میں دوسرے لوگوں کو اس سے روکوں گا جیسے کوئی شخص دوسرے لوگوں کے اونٹ کو اپنے حوض سے روکتا ہے[3] صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اس دن آپ ہم کو پہچان لیں گے فرمایا ہاں تمہاری وہ نشانی ہوگی جو کسی دوسری امت کی نہ ہوگی[4] تم میرے پاس آثار وضو کی وجہ سے روشن منہ پنج کلیان آؤ گے[5] (مسلم) اور مسلم کی روایت حضرت انس سے یوں ہے کہ فرمایا اس میں سونے چاندی کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی شمار میں دیکھے جائیں گے[6] اور اس کی دوسری روایت میں حضرت ثوبان سے مروی ہے فرمایا حضور سے پانی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ دودھ سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا اس میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں جو اسے بڑھاتے ہیں[7] ایک سونے کا ہے دوسرا چاندی کا۔

[1] ایلہ شام اور یمن کا سرحدی شہر ہے کوہ طور کے پاس واقع ہے،یہاں شام کا علاقہ ختم ہوجاتا ہے اور عدن وسط شام میں ہے وہاں کا دارالخلافہ ہے بحر ہند پر واقع ہے ان دونوں شہروں میں بڑا فاصلہ ہے۔خیال رہے بعض روایات میں عدن و عمان کا ذکر ہے،بعض میں صنعاء اور مدینہ منورہ فرمایا گیا،یہ تمام فرمان سمجھانے کے لیے ہیں قطعی حد بندی کے لیے نہیں جیسا آدمی ویسے اس سے خطاب۔جن صاحبوں کو ایلہ اور عدن کے فاصلہ کی خبر تھی ان سے ان دونوں شہروں کا ذکر فرمایا،جنہیں دوسرے مذکورہ شہروں کی خبر تھی ان سے وہ شہر بیان فرمائے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

[2] برف سفید بھی ہوتی ہے ٹھنڈی بھی وہاں کا پانی بھی ایسا ہی ہوگا اس لیے برف سے تشبیہ دی۔دودھ شہد سے مخلوط ہوکر بڑا لذیذ ہوتا ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی،یہ تشبیہیں صرف سمجھانے کے لیے ہیں ورنہ دنیا کی کوئی چیز حوض کوثر کے پانی کی طرح نہیں ہوسکتی۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرے لوگوں سے مراد مرتدین و منافقین ہیں جو مسلمانوں کے علاوہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے دوسری امتوں کے مؤمنین مراد ہوں کیونکہ ہر نبی کا حوض الگ ہوگا ان میں اپنی امت ہی ان کے حوض پر پیئے گی۔فقیر کے نزدیک دوسرے معنی قوی ہیں یعنی دنیا میں کوئی شخص دوسرے کے اونٹوں کو اپنے حوض پر پانی نہیں پینے دیتا تاکہ جانور مخلوط نہ ہوجاویں ایسے ہی وہاں ہوگا۔

۴؎ یعنی قیامت میں ساری امتوں کے مؤمنین جمع ہوں گے پھر کیاآپ اپنی امت کے مؤمنوں کو پہچانیں گے۔اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوسری امتوں کو دور فرمانے کا ذکر ہے۔

۵؎اگرچہ ساری امتوں کے مؤمنین وضو کرتے تھے مگر آثار وضوسے اعضاء کا چمکنا صرف تمہارے لیے ہوگا۔خیال رہے کہ حضور کا پہچاننا اس پر موقوف نہ ہوگایہ علامات تو عام کے پہچاننے کی ہے۔حضور کی امت میں بعض وہ لوگ ہیں جو وضو فرض ہونے سے پہلے فوت ہوگئے جیسے اولین مؤمنین یا چھوٹے بچے یا دیوانے یا بے نماز مسلمان یا وہ لوگ جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہوگئے حضور انہیں بھی پہچانیں گے حالانکہ نہ انہوں نے کبھی وضو کیا تھا نہ ان کے چہروں پر وضو کا پانی پہنچا تھا،ان کی پہچان نور نبوت سے فرمائیں گے،یہ حدیث **باب فضل الوضو** میں گزرچکی۔حق یہ ہے کہ گزشتہ نبوتوں میں وضو تھا مگر وضو کا یہ اثر صرف امت مصطفوی کے لیے ہے جیسا قاسم ویسی تقسیم،ڈول کی تقسیم اور رہٹ کی اور ٹیوب ویل کی تقسیم اور ہے،پانی ایک ہے تقسیم مختلف،نمازوضو ایک ہے مگر نتیجہ مختلف۔

۶؎ پچھلی حدیث میں **کیزان** ارشاد ہوا۔معلوم ہوا کہ کوزے بھی بہت ہوں گے لوٹے بھی بے شمار لہذا ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔

۷؎یعنی پہلے سے بھی حوض کوثر میں پانی ہے اور جنت سے دو پرنالے اس میں گریں گے تاکہ پانی کم نہ ہونے پائے۔**میزاب** بنا ہے **مزب** سے بمعنی بہنا **یغت** بنا ہے **غت** سے بمعنی گرنا اور پے درپے پانی پینا،پیٹ میں ڈالنا۔

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں ۱؎جو مجھ پر گزرے گا وہ پئے گا اور جو پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۲؎میرے پاس کچھ قومیں آئیں گی جنہیں میں پہچانتا ہوں اور وہ مجھے پہچانتے ہیں۳؎پھر میرے اوران کے درمیان آڑ کردی جاوے گی۴؎تو میں کہوں گا یہ تو میرے ہیں ۵؎تو فرمایا جاوے آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا باتیں پیدا کیں ۶؎میں کہوں گا اسے دوری ہو جو میرے بعد تبدیلی کرلے ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎**فرط** صفت مشبہ ہے اس کا مصدر **فرط** بمعنی آگے ہونا،پیشوائی کرنا،**فرط** کے معنی ہیں پیشرو یعنی حوض کوثر پر تم لوگ میرے پیچھے پیچھے حوض کوثرپر پہنچو گے،حوض کوثر پر رہبری بھی ہم ہی کریں گے یا مطلب یہ ہے کہ حوض کوثر پر پہلے ہم پہنچ چکے ہوں گے وہاں کا انتظام فرمانے کے لیے بعد میں تم پہنچو گے۔غالب یہ ہے کہ یہاں حوض سے مراد وہ حوض ہے جو میدان حشر میں ہوگا کہ پیاس یہاں ہی بجھے گی۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ پینا حساب کتاب سے فارغ ہوکر نصیب ہوگا۔(مرقات)بعض شارحین نے فرمایا کہ مؤمن میدان حشر میں پہنچ کر میزان و حساب سے پہلے یہ پانی پئیں گے،اللہ نصیب کرے۔

۳؎ یعنی تا قیامت جتنے مرتدین وہاں حوض کوثر سے روکے جانے والے ہیں انہیں میں آج ہی پہچانتا ہوں اور اس دن بھی پہچانتا ہوں گا،وہ مجھے دنیا میں بھی پہچانیں گے اور آخرت میں بھی،یا اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں موجود مرتدین جو بعد پردہ فرمانے کے مرتد ہوگئے تھے جیسے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آنے والے مرتدین ہیں جن سے حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق نے جہاد کیے۔

۴؎ اس طرح کہ انہیں دھکے دے کر وہاں سے نکال دیا جاوے گا اتنی دور کہ وہ مجھے نظر نہ آئیں میں انہیں نظر نہ آؤں۔یہ مطلب نہیں کہ انہیں وہاں ہی رکھا جاوے اور بیچ میں پردہ حائل کردیا جاوے۔خیال رہے کہ ان مرتدین کو یہاں لاکر سب کچھ دکھا کر انہیں دور کیا جاوے گا تاکہ انہیں بہت ہی افسوس ہو۔

۵؎ یعنی میرے دوست یا میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے میرا نام لینے والے ہیں۔حضور انور کا یہ فرمان ان کو زیادہ ذلیل کرنے کے لیے ہوگا،جیسے رب تعالٰی دوزخیوں سے فرمائے گا:"**ذُقۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ**"تو چکھ تو تو بڑا عزت والا کرم والا ہے۔یہ مطلب نہیں کہ حضور انور پہچانیں گے نہیں ابھی فرمان عالی گزرا **اعرفھم** میں انہیں پہچانتا ہوں،نیز یہ واقعہ حضور کو آج تو معلوم ہے کل کیسے بھول جاوے گا،نیز ان کے منہ کالے،ہاتھ بندھے ہوئے،بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لیے ہوں گے،رب فرماتا ہے:"**يُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِيۡمٰهُمۡ**"۔

۶؎ فرشتوں کا یارب تعالٰی کا یہ کہنا کہ تم نہیں جانتے ان مرتدین پر اظہار غضب کے لیے ہے جیسے بلاشبہ باپ بیٹے کو مارنے لگے ماں جو اس سے سخت نالاں تھی محبت مادری میں بچانا چاہے باپ کہے تو اس خبیث کو نہیں جانتی اسے تو میں ہی جانتا ہوں۔اس کا مقصد یہ ہے کہ اسے مت بچا مجھے سزا دے لینے دے،رب تعالٰی منافقین کے متعلق فرماتا ہے:"**لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ**"انہیں تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں حالانکہ حضور منافقین کو خوب جانتے تھے،فرماتا ہے:"**وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ**"تم انہیں کلام کی روش سے ہی پہچان لیتے ہو۔

۷؎ یعنی میری وفات کے بعد اپنا دین بدلے کہ اسلام چھوڑ کر کافر ہوجائے۔خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر روافض کہتے ہیں کہ سارے حضرات صحابہ مرتد ہو گئے تھے **نعوذ باللہ**!اگر یہ مطلب ہے تو حضرت علی وغیرہم بھی صحابی ہیں ان پر بھی الزام آجائے گا اگر وہ حضرات مرتد ہوتے تو حضرت علی نہ ان سے بیعت کرتے نہ انکے پیچھے نمازیں پڑھتے نہ ان کے ہدایا لیتے اور دیوبندی کہتے ہیں کہ حضور انور کو قیامت میں بھی مخلص مؤمن اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی اس کے جواب ابھی عرض کیے گئے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنین قیامت کے دن روکے جائیں گے ۱؎ حتی کہ اس کی وجہ سے سخت غمگیں ہوں گے تو کہیں گے کہ ہم اپنے رب کی بارگاہ کو شفیع لاتے کہ وہ کہیں اس جگہ سے راحت دے چنانچہ وہ حضرت آدم کے پاس حاضر ہوجائیں گے ۲؎ عرض	

	کریں گے آپ انسانوں کے باپ ہیں اللہ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا آپ کو اپنی جنت میں رکھا آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا آپ کو ہر چیز کے نام بتائے اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں۳ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے نجات دے،وہ فرمائیں گے کہ میں تمہارے اس مقام میں نہیں ہوں۴ اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے جو انہوں نے کی تھی یعنی درخت سے کھانا حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا ۵ لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ نے زمین والے کفار کی طرف بھیجا ۶ تو وہ حضرت نوح کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے کہ میں تمہارے اس مقام میں نہیں ہوں اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے جو کی تھی یعنی اپنے رب سے بغیر جانے سوال کرنا ۷ لیکن تم اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ فرمایا تو لوگ جناب ابراہیم کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے کہ میں تمہارے اس مقام کا نہیں اور اپنی تین خلاف واقعہ باتیں یاد کریں گے ۸ لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ بندے جنہیں اللہ نے توریت بخشی اور ان سے کلام کیا اور انہیں مشورہ کے لیے قرب بخشا فرمایا تو لوگ جناب موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے جو انہوں نے کی یعنی ایک کا قتل ۹ لیکن تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ اللہ کے بندے اس کے رسول اللہ کی طرف سے روح اسکا کلمہ فرمایا پھر لوگ جناب عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں ۱۰ لیکن تم حضور محمد مصطفیٰ کے پاس جاؤ وہ بندے جن کی طفیل اللہ نے ان کے گنہگاروں کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ۱۱ فرمایا تو سب میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب کے پاس اس کے مقرر گھر میں حاضری کی اجازت مانگوں گا ۱۲ مجھے اجازت دی جاوے گی میں جب رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گرجاؤں گا پھر جتنا اللہ چاہے گا مجھے چھوڑے رکھے

گا۱۳؎ پھر فرمائے گا اے محمد سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جائے گی، شفاعت کرو قبول کی جاوے گی، مانگو تم کو دیا جاوے گا۱۴؎ فرمایا تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اللہ کی وہ حمدوثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھائے ۱۵؎ گا پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جاوے گی میں وہاں سے چلوں گا انہیں آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۱۶؎ پھر دوسری بار لوٹوں گا اپنے رب سے اس کے گھر میں اجازت مانگوں گا۱۷؎ مجھے وہاں کی اجازت دی جاوے گی جب میں رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا جتنا سجدے میں رہنا رب چاہے گا اتنا مجھے سجدے میں چھوڑے گا پھر فرمائے گا محمد سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائے گی شفاعت کرو قبول کی جاوے گی مانگو دیئے جاؤ گے فرمایا تب میں سر اٹھاؤں گا اپنے رب کی ایسی حمدوثنا کروں گا جو مجھے سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جاوے گی میں روانہ ہوں گا انہیں آگ سے نکالوں گا جب جنت میں داخل کروں گا ۱۸؎ پھر میں تیسری بار لوٹوں گا اپنے رب سے اس کی جگہ میں اجازت مانگوں گا مجھے اس پر اجازت دی جاوے گی تو جب میں رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گرجاؤں گا جب تک اللہ مجھے چھوڑے رکھنا چاہیے گا چھوڑے رکھے گا۱۹؎ پھر فرمائے گا محمد سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جاوے گی شفاعت کرو قبول کی جاوے گی مانگو تمہیں دیا جاوے گا فرمایا تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اپنے رب کی وہ حمدوثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا۲۰؎ تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جاوے گی پھر میں وہاں سے روانہ ہوں گا انہیں آگ سے نکالوں گا جنت میں داخل کروں گا حتی کہ آگ میں صرف وہ ہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روکا یعنی جن پر ہمیشگی ضروری ہوگئی ۲۱؎ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر اٹھائے فرمایا یہ مقام محمود وہ ہے جس کا تمہارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے ۲۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ مؤمنین سے مراد آدم علیہ السلام روز قیامت سارے اہل ایمان ہیں،روکے جانے سے مراد میدان حشر میں کھڑا رہنا اور حساب کتاب کا انتظار کرنا ہے اس سے حضرات انبیاء علیحدہ ہیں۔

۲؎ طلب شفیع کا ولولہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوگا مگر تلاش میں کفار ساتھ ہوں گے سارے انسان ڈھونڈھیں گے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کا وسیلہ پکڑنا یہ وہ کام ہے جس سے قیامت کے کاموں کی ابتداء ہوگی وہاں پہلے یہ ہی کام وسیلہ والا ہوگا بعد میں دوسرے کام۔

۳؎ معلوم ہوا کہ کسی سے کچھ مانگنا ہو تو پہلے اس کی تعریف کی جاوے بعد میں عرض و معروض اس لیے آج بھی پہلے ہم لوگ اللہ کی حمد،حضور کی نعت و درود کے بعددعا مانگتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ان فضائل و کمالات کے ذریعہ ہماری شفاعت کریں۔

۴؎ یعنی تمہاری شفاعت کبریٰ فرمانا میرا منصب میرا درجہ نہیں یہ دروازہ کسی اور ہی کے ہاتھ پر کھلنے والا ہے۔

۵؎ آپ کا یہ قول رب تعالٰی سے انتہائی ہیبت و خوف کی بنا پر ہے کہ آپ اپنی وہ خطا یاد کرکے رب کے حضور جانے سے جھجکتے ہیں کہ کبھی میری اس خطا کا تذکرہ نہ آجاوے تو میں شفاعت کیسے کروں گا ورنہ رب تعالٰی نے معافی دے کر انہیں زمین کا خلیفہ بنایا،ان کی معافی کا اعلان توریت و زبور و انجیل و قرآن میں کیا گیا۔خوف و خشیت اور چیز ہے،رب تعالٰی کے وعدوں پر بے اعتباری کچھ اور،لہذا اس حدیث سے مسئلہ امکان کذب پر دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

۶؎ زمین سے مراد نوح علیہ السلام کی قوم کی زمین ہے جہاں وہ آباد تھی اور ساری کافر تھی سارے کفار کی طرف رسول پہلے آپ ہی ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام و شیث،ادریس،صالح علیہم السلام مؤمنین یا مؤمن و کافر مخلوط کی طرف بھیجے گئے،بعض شارحین نے فرمایا کہ آپ سے پہلے حضرات نبی تھے رسول و مرسل نہ تھے پہلے رسول آپ ہی ہیں۔

۷؎ یعنی میں نے اپنے کافر بیٹے کنعان کے متعلق رب تعالٰی سے عرض کیا تھا "اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ"وہ میرا اہل بیت ہے،اس پر رب نے فرمایا تھا:"اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ"الخ،اگر اس کا تذکرہ آگیا تو میں تمہاری شفاعت کیسے کروں گا۔خیال رہے کہ نوح علیہ السلام نے کعنان کی شفاعت نہیں کی تھی کیونکہ آپ کا یہ عرض کرنا اس وقت تھا جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر چکی تھی،کنعان کو ڈوبے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا جیسا کہ قرآن کریم سے صراحۃً معلوم ہورہا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مولٰی میں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میرے اہل طوفان سے محفوظ رہیں گے اور کنعان ڈوب گیا میں لوگوں کو کیا جواب دوں مگر چونکہ اس کے جواب پر ظاہر عتاب تھا اس لیے آج انہیں یہ خوف ہے سوالی بغیر علم کا مطلب یہ ہے کہ تم کو علم ہے کہ تمہارا اہل نہیں ورنہ سوال تو اس چیز کا ہوتا ہے جس کا علم نہ ہو۔

۸؎ ایک یہ کہ میں بیمار ہوں دوسرے یہ کہ یہ کام اس بڑے نے کیا،تیسرے یہ کہ سارہ میری بہن ہے۔خیال رہے کہ یہ تینوں کلام سچے ہیں مگر ظاہر کے خلاف اس لیے آپ نے رب کے سامنے پیش ہونے سے انکار فرمایا،ہماری مراد دل کی بیماری یعنی کفار سے بیزاری ہے اور کبیرھم کا مقصد یہ ہے کہ اس بڑے بت نے دوسرے بت توڑے ہوں گے یہ کلام بطور استہزاء ہے بت پرستوں کی حماقت ظاہر کرنے کو اور حضرت سارہ کو دینی بہن فرمایا نہ کہ نسبی بہن۔

۹؎ اس قتل سے مراد قبطی کو گھونسہ مار کر ہلاک کردینا۔خیال رہے کہ موذی کافر کو مار ڈالنا گناہ نہیں بلکہ عبادت ہے، نیز آپ نے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا،نیز اس خطا کی معافی کا اعلان بھی ہوچکا مگر ہیبت الٰہی کے باعث حاضر دربار نہیں ہوتے کہ حکم الٰہی آنے سے پہلے مجھ سے یہ قتل واقع ہوگیا ورنہ بعد میں تو آپ کی دعا سے سارے قبطی ہلاک کردیئے گئے یہ بات خوب خیال رہے۔

۱۰؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی کوئی خطا بیان نہ فرمائیں گے مگر پھر بھی شفاعت کی ہمت نہ کریں گے یا تو اس لیے کہ آپ کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا کہا تھا۔چنانچہ آپ سے سوال ہوگا"ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ"الخ یا اس لیے کہ آپ جانتے ہیں شفاعت کبریٰ صرف حضور انور فرمائیں گے۔

۱۱؎ یہاں چند باتیں خیال رہیں:ایک یہ کہ یہاں حضور کے طفیل لوگوں کے گناہ معاف کرنا مراد ہے،حضور انور نے کبھی گناہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا ورنہ مغفرت تو سارے نبیوں کی ہوچکی ہے خصوصیت سے حضور انور کے لیے یہ کیوں فرمایا گیا۔دوسرے یہ کہ دنیا میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور انو رکی تشریف آوری کی بشارت دی"مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ"۔قیامت میں بھی حضور کا پتہ آپ ہی دیں گے۔حضرت مسیح صبح کا وہ تارا ہیں جو سورج کی خبر دیتاہے۔تیسرے یہ کہ ان تلاش کرنے والوں میں سارے محدثین و فقہاء ہوں گے جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہم کو سمجھائی مگر کسی کو یاد نہ آئے گاکہ حضور شفیع المذنبین ہیں چلو وہاں چلیں حتی کہ حضرات انبیاءکرام کو بھی یاد نہ رہے گا۔یہ لوگ اپنے خیال سے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور حضرات انبیاءکرام کے بھیجنے سے ایک دوسرے کے پاس۔یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ حضور کی شان معلوم ہو اگر پہلے ہی لوگ حضور کے پاس پہنچ جاتے اور شفاعت ہوجاتی تو کون کہہ سکتا تھا کہ شفاعت ہر جگہ ہوسکتی تھی ہم اتفاقًا یہاں آگئے اور حضور نے شفاعت کردی،یہ خیال دفع فرمانے کے لیے اسی طرح پھرایا گیا،یہ بات مرقات نے بیان کی اعلیٰ۔حضرت نے فرمایا۔شعر

خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہیں نہ بنی — یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے

چوتھے یہ کہ اس وقت تو مخلوق حضور کو ڈھونڈھے گی بعد میں حضور انور اپنے ہر گنہگار کوتلاش فرمائیں گے۔شعر

ہیں جن کی جستجومیں ہوں وہ مجھ کو آپ ڈھونڈیں گے — خداوندا میں تیرے حشر کے میدان کے صدقے

۱۲؎ دارہ میں ہ کی ضمیریا تو رب تعالٰی کی طرف ہے تو یہ اضافت عزت و شرف کی ہے یا شفاعت کی طرف یعنی میں اس شفاعت کی جگہ تشریف فرما ہوں گا۔یہ جگہ یا تو مقام محمود ہے یا مقام وسیلہ ہے یا عرش کے نیچے کوئی جگہ یا کوئی اور خاص جگہ جہاں صرف حضور کی رسائی ہے۔خیال رہے کہ لوگ تلاش کرتے کرتے حضور تک ایک ہزار سال میں پہنچیں گے۔

۱۳؎ رب تعالٰی بے حجاب حضور انور کو اپنا دیدار عطا کرے گا،حضور سجدہ کریں گے یہ سجدہ شفاعت کبریٰ کی چابی ہے جس سے دروازہ شفاعت کھلے گا اوررب تعالٰی عدل سے فضل کیطرف توجہ فرمائے گا۔حضور کا سجدہ میں گرنا ہم گرتے ہوئے گنہگاروں کے سنبھلنے کا ذریعہ ہوگا،یہ سجدہ عرض معروض کی اجازت حاصل کرنے کے لیے ہوگا جیسے شاہی دربار میں جب کچھ عرض کرنا ہو تو پہلے سلامی مجرا ادا کیا جاتاہے۔حضور کا وہاں سے ہٹ کر یہاں آنا اس لیے ہے کہ وہ جگہ حساب کی تھی اور یہ جگہ اکرام واحترام کی یہ عرض اسی جگہ ہونی چاہیے تھی۔(مرقات) یہ سجدہ ایک ہفتہ کی برابر رہے گا۔

۱۴؎ اس سجدے سے دربار رحمت جوش میں آجاوے گا حکم ہوگا پہلے سر اٹھاؤ تم ہم کو دیکھو ہم تم کو دیکھیں،پھر عرض کرو آج ہماری تمہاری بات آمنے سامنے ہوگی اللھم صلی علی سیدنا محمد و سلم۔

۱۵؎ یعنی وہ حمدوثنا مجھے بطور الہام مجھے وہاں ہی سکھائی جاوے گی ابھی ہم کو معلوم نہیں۔خیال رہے کہ رب تعالٰی کے اوصاف دنیا کے واقعات نہیں،حضور کا علم دنیا کے واقعات کو محیط ہے نہ کہ صفات الٰہیہ کو لہذا یہ واقعہ علم غیب کے خلاف نہیں۔

۱۶؎ یعنی یہ جگہ تو شفاعت کی تھی بخشش کی جگہ دوسری ہوگی۔چنانچہ ہم یہاں سے چل کر وہاں پہنچیں گے جہاں بخشش کا ظہور ہوگا۔حد مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حکم ہوگا اپنی اتنی امت کو جنت میں داخل کردو۔معلوم ہوا کہ لوگ جنت میں حضور کے پہنچائے پہنچیں گے اپنے آپ نہ جائیں گے۔

۱۷؎ دارہ کی تحقیق ابھی کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد ہے شفاعت کی جگہ یا اللہ کا گھر جو شفاعت کے لیے خاص کیا گیا وسیلہ یا اور جگہ۔

۱۸؎ خیال رہے اس حدیث میں اختصار ہے۔حضور کی شفاعتیں چند ہوں گی: پہلی شفاعت جس کی تمام دنیا طلبگار ہوگی وہ تو ہے حساب کتاب شروع کرانا،لوگوں کو میدان محشر سے نجات دلانا۔یہ اس وقت ہوگی جب کہ کوئی جنت یا دوزخ میں نہ گیا ہوگا کہ ابھی تو حساب ہی نہیں ہوا ہے وہاں جانا کیسا،اسی مطالبہ اور عرض معروض کا ذکر اول حدیث میں ہوا۔آخری شفاعت دوزخ میں گرے ہوئے مسلمانوں کو وہاں سے نکالنا اس کا ذکر یہاں ہورہا ہے،یہ شفاعت سب سے آخر میں ہوگی درمیان میں بہت سی شفاعتیں ہوں گی۔کسی کا ہلکا پلہ بھاری کرانا،صراط پر گرتے ہوؤں کو سہارا دے کر گزار دینا،بندھے ہوئے گنہگاروں کو کھلوادینا،پکڑے ہوئے گنہگاروں کو چھڑوادینا،ہم جیسے روسیاہوں کے منہ کی کالک صاف کراکر چہرے اوجیالے کرادینا وغیرہ ان شفاعتوں کا یہاں ذکر نہیں فرمایا گیا ابتداء انتہا کا ذکر ہے۔اس کی اور توجیہیں بھی کی گئی ہیں مگر مرقات نے اس کو ترجیح دی۔غرضکہ حدیث میں اختصار ہے ایسے اختصار قرآن مجید میں بہت ہیں۔

۱۹؎ ہم پہلے بہ حوالہ مرقات عرض کرچکے کہ حضور انور کے یہ سجدے ایک ایک ہفتے کی بقدر ہوں گے یعنی اگر دن رات ہوتے تو فی سجدہ ایک ہفتہ گزرتا،نہ معلوم اتنے دراز سجدوں میں حضور کیا کیا اور کیسی کیسی حمد کریں گے اور رب تعالٰی حضور کے کیسے کیسے درجے بلند فرمائے گا یہ تو یا دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۰؎ معلوم ہوا کہ اس آخری شفاعت کے تین حصے ہوں گے ہر حصہ میں تہائی گنہگار دوزخ سے نکالے جائیں گے۔خیال رہے کہ فاستاذن علی ربی میں اس مقام شفاعت میں داخلہ کی اجازت مراد ہے اور یہاں سجدہ کے بعد جو اجازت ہے وہ شفاعت کی اجازت ہے لہذا فرمان عالی میں تکرار نہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور کا ان دوزخیوں کو نکالنا بلاواسطہ بھی ہوگا اور بالواسطہ بھی یعنی بعض کو خود حضور انور نکالیں گے بعض کو حضور انور کے غلام یعنی مؤمنین،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ جنتی مؤمن دوزخ میں جاکر وہاں دوزخی مؤمنین کو نکالیں گے اولًا انہیں جنکے دل میں درہم برابر ایمان ہے،پھر انہیں جن میں نصف درہم برابر ایمان ہے حتی کہ آخر میں انہیں جن میں رائی برابر ایمان ہے۔

۲۱؎ یعنی جن کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا:"خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا"۔اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہورہا ہے کہ دوزخ میں پہنچے ہوئے گنہگار مؤمنین کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضور کی امت کے اولیاء علماء نکالیں گے،یہ مؤمنین خواہ امت

محمدیہ کے ہوں یا دوسری امتوں کے سب کی رہائی حضور کی شفاعت سے ہوگی۔دوسرے نبیوں کا گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس امت کے گنہگاروں کو تو حضور انور اور آپکے خدام نکالیں گے دوسری امتوں کے دوزخی گنہگاروں کو وہ حضرات نکالیں۔واللہ ورسولہ اعلم!

۲۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی خود حضور انور کا اپنا ہے۔نبیکم فرمانا ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی قرآن مجید میں فرماتاہے:"هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ"یعنی کبھی متکلم اپنا نام یا اپنے القاب سے اپنا ذکر کرتا ہے اور ممکن ہے یہ کلام کسی راوی کا ہو تب نبیکم فرمانا بالکل ظاہر ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ بعض بعض میں مخلوط ہوجائیں گے ۱؎پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے عرض کریں گے اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت کیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کے لیے نہیں لیکن تم حضرت ابراہیم کا دامن پکڑو وہ اللہ کے خلیل ہیں ۲؎تو وہ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کے لیے نہیں لیکن تم جناب موسیٰ کو پکڑو وہ اللہ کے کلیم ہیں تووہ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے اس کے لیے میں نہیں ۳؎لیکن تم حضرت عیسیٰ کو پکڑو کہ وہ روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں تو لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے اس کے لیے میں نہیں ہوں لیکن تم حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو ۴؎تو وہ میرے پاس آئیں گے میں فرماؤں گا ہاں میں اس کے لیے ہوں پھر میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا ۵؎مجھے اجازت ملے گی اور ایسی حمدیں مجھے الہام کرے گا جو ابھی میرے علم میں حاضر نہیں ۶؎میں ان حمدوں سے حمد کروں گا اور رب کے لیے سجدہ میں گرجاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جاوے گی،مانگو دیئے جاؤ گے،شفاعت کرو قبول کیجاوے گی،میں عرض کروں گا یا رب میری امت میری امت ۷؎تو فرمایا جاوے گا جاؤ اس کو نکالو جس کے دل میں جَو برابر ایمان ہو تو میں چلوں گا اور یہ عمل کروں گا ۸؎پھر

	واپس لوٹوں گا انہی حمدوں سے رب کی حمد کروں گا پھر اس کے لیے سجدہ میں گروں گا تو کہا جاوے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ،کہو سنی جاوے گی،مانگو تمہیں وہ دیا جاوے گا، شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں عرض کروں گا یا رب میری امت میری امت تو کہا جاوے گا چلو اسے نکال لو جس کے دل میں ذرہ یا رائی کے دانہ برابر ایمان ہو۹چنانچہ میں چلوں گا یہ عمل کروں گا پھر لوٹ کر آؤں گا تو رب کی انہیں حمدوں سے ثنا کروں گا،پھر اس کے لیے سجدہ میں گرجاؤں گا تو کہا جاوے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی،مانگو تمہیں دیا جاوے گا،شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں کہوں گا یارب میری امت میری امت فرمایا جاوے گا۱۰جاؤ اسے نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کمتر ایمان ہوچنانچہ میں جاؤں گااسے آگ سے نکال لاؤں گا چنانچہ ہم جائیں گے اوریہ کام کریں گے ۱۱پھر میں چوتھی بار لوٹوں گا اور رب تعالٰی کی حمد و ثنا انہیں محامد سے کروں گا،پھر میں اس کے حضور سجدہ کناں عرض کروں گا تو کہا جاوے گااے محمد سر اٹھاؤ،کہو سنی جاوے گی،مانگو دیئے جاؤ گے،شفاعت کرو قبول کی جاوے گی۱۲تو میں عرض کروں گایارب مجھے اس کے متعلق اجازت دے جس نے لا الہ الا اللہ کہاہو۱۳رب فرمائے گایہ تمہارا نہیں لیکن میری عزت و جلالت اورکبریائی کی اور میری عظمت کی قسم میں وہاں سے اسے نکال دوں گا جس نے کہا لا الہ الا اللہ ۱۴(مسلم،بخاری)

۱؎ ماج بنا ہے موج سے بمعنی مخلوط ہونا،بے قرار ہونا۔یعنی اولًا تو لوگ محشر میں اکیلے اکیلے حیران کھڑے ہوں گے، بہت دراز عرصہ گزارنے پر بعض بعض سے ملیں گے اور مشورہ کریں گے۔اس ناس میں از آدم علیہ السلام تا روز قیامت سارے انسان داخل ہیں کافر ہوں یا مؤمن سواء حضرات انبیاء کرام کے،تلاش شفیع کے لیے سب ہی نکلیں گے حضرات انبیاء کرام نہ نکلیں گے اور ممکن ہے کہ ان لوگوں میں وہ لوگ شامل نہ ہوں جو عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے کیونکہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی جس کو دفع کرانے کے لیے شفیع کو تلاش کریں مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ یہ سارے لوگ ہی تلاش شفیع میں پھریں گے۔جو محشر میں گرفتار بلا ہیں وہ تو رہائی کے لیے شفیع ڈھونڈیں گے،دوسرے لوگ رسائی کے لیے کہ حساب شروع ہو رب کا دیدار اس سے ہم کلامی نصیب ہو۔

۲؎ یہاں ایک واسطہ کا ذکر نہیں فرمایا یعنی نوح علیہ السلام کا،حضرت آدم علیہ السلام بھیجیں گے نوح علیہ السلام کے پاس، وہ بھیجیں گے ابراہیم علیہ السلام کے پاس مگر چونکہ حضرت آدم کے بھیجنے سے نوح علیہ السلام کے پاس گئے ہوں گے اس لیے نوح علیہ السلام کا بھیجنا بالواسط آدم علیہ السلام کا بھیجنا ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں وہاں تفصیل تھی اور یہاں اجمال ہے۔

۳؎ یہاں بھی کچھ اجمال ہے،پہلے لوگ ان سے شفاعت کے لیے کہیں گے اس کے جواب میں آپ یہ فرمائیں گے لست لھا کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کبریٰ میرا کام نہیں اس درجہ میں میں نہیں ہوں یہ کوئی اور ہی کرے گا ہم شفاعت صغریٰ کریں گے۔

۴؎ حضور تک پہنچتے پہنچتے لوگوں کو ہزار سال تک لگ جائیں گے اتنی بڑی بھیڑ میں تلاش کرنا آسان نہیں ہے نہ معلوم یہ حضرات کہاں کہاں ملیں گے۔

۵؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ یہ اجازت اس جگہ داخل ہونے کی ہے نہ کہ عرض و معروض کرنے کی،عرض و معروض کی اجازت تو سجدہ کرکے حاصل کی جاوے گی۔

۶؎ یعنی وہ صفات جن سے میں اس سجدے میں اللہ کی حمد کروں گا وہ مجھے ابھی نہیں بتائے گئے اس وقت ہی بتائے جائیں گے۔خیال رہے کہ ہم بذات خود رب تعالٰی کی حمد نہیں کرسکتے جب تک کہ ہم کو حضور نہ سکھائیں،ہماری حمد حضور کے سکھانے سے ہے اور حضور کی حمد رب تعالٰی کے سکھانے اور رب کی جیسی حمد حضور انور نے کی ہے اور کریں گے مخلوق میں کسی نے ایسی حمد نہ کی اسی لیے آپ کا نام احمد ہے۔اس سجدہ میں حضور انور رب کی بے مثال حمد کریں گے اور مقام محمود پر رب تعالٰی حضور انور کی ایسی حمد کرے گا جو کوئی نہ کرسکا ہوگا اس لیے حضور انور کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔خیال رہے کہ حضور انور کا علم واقعات کو گھیرے ہوئے ہے کہ ہر واقعہ حضور کے علم میں ہے مگر اللہ تعالٰی کے اوصاف کوئی نہیں گھیر سکتا کہ اس کے اوصاف غیر محدود ہیں لہذا یہ واقعہ حضور کے علم غیب کلی کے خلاف نہیں۔

۷؎ یعنی میری امت کو بخش دے میری امت کو بخش دے۔اللہ تعالٰی نے ہر نبی رسول کو ایک ایک خصوصی دعا عطا فرمائی تھی جس کی قبولیت کا پورا وعدہ فرمایا تھا،سارے نبیوں نے اپنی دعائیں دنیا ہی میں مانگ لیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ دعاء خاص محفوظ رکھی ہے اس دعا سے امت کی شفاعت فرمائیں گے۔یہ وہ ہی دعا ہے جس سے آپ شفاعت فرمارہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

۸؎ خیال رہے کہ ایمان و اسلام میں حقدار کی زیادتی کمی ناممکن ہے کیونکہ یہ ایک بسیط چیز ہے جس کے اجزاء نہیں،ہاں کیفیات میں یا نتائج میں زیادتی کمی ہوسکتی ہے جیسے علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین اعلیٰ ہے مگر کیفیت میں،نیز بعض مؤمنین کو اعمال کی توفیق ملتی ہے بعض کو عرفانِ الٰہی،یہ نتیجہ میں فرق ہے جو وغیرہ کا ذکر اسی فرق کی بنا پر ہے لہذا احادیث واضح ہیں۔

۹؎ ذرہ سے مراد یا چھوٹی چیونٹی ہے یا ریت کا ذرہ یا ھباءً منثورًا یعنی جو اندھیری کوٹھری میں کسی روزن سے دھوپ آنے سے اس میں باریک باریک روئیں اڑتے نظر آتے ہیں۔بہرحال مقصود ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے جس کے ساتھ اور کوئی نیکی نہ ہو۔

۱۰؎ حمد الٰہی وہ ہی ہوگی شفاعت کے الفاظ بھی وہ ہی ہوں گے مگر ان سے فائدہ اٹھانے والے جدا گانہ پہلی بار اور لوگ نکالے گئے اس بار،دوسرے لوگ ہر بار میں مختلف گنہگار بخشے جائیں گے جیساکہ حدیث سے ظاہر ہے۔

۱۱؎ اس پوری حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں تشریف لے جائیں گے جس سے پتہ لگا کہ حضور ہم گنہگاروں کی خاطر ادنی جگہ پر تشریف لے جائیں گے۔اگر آج میلاد شریف یا مجلس ذکر میں حضور تشریف لاویں تو ان کے کرم سے بعید نہیں ان سے ان کی شان نہیں گھٹتی ہمارے اور ہمارے گھروں کی شان بڑھ جاتی ہے۔شعر

ذیشان و شوکت سلطان نہ گشت چیزے کم　　　زالتفات بمہماں سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقان بہ آفتاب رسید　　　کہ سایہ برسر ش افگند چوں تو سلطانے

ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

جو کرم سے اپنے شاہِ امم رکھیں مجھ غریب کے گھر قدم　　　مرے شاہ کی نہ ہو شان کم کہ گدایہ ان کا پیار ہے
ولے مجھ غریب کا غمکدہ بنے رشک خلد بریں شہا　　　کرے ناز اپنے نصیب پر بلے شاہ وہ جو گنوار ہے

دوسرے یہ کہ دوزخ کی آگ نور میں اثر نہیں کرسکتی حضور نور ہیں آگ سے تکلیف حضور کو نہیں پہنچ سکتی۔ہمارا نور نظر آگ سے نہیں جلتابلکہ حضور کے خاص خدام بھی شفاعت کرنے دوزخ سے نکالنے کے لیے دوزخ میں کود جائیں گے انہیں بھی آگ نقصان نہیں دے گی۔تیسرے یہ کہ رب تعالٰی ہے بخشنے والا رحمت فرمانے والا مگر اپنی ساری نعمتیں حضور کی معرفت دیتا ہے۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان لوگوں کو دوزخ سے رہائی دنیا میں بھی ہم کو قرآن،ایمان،اسلام،عرفان جو کچھ دیا سب رب نے دیا مگر حضور انور کے ذریعہ دیا بغیر ان کے واسطے کے کسی کو کچھ نہیں دیتا۔شعر

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے　　　حاشا غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

حضور کی شفاعت پہلے ہوئی گنہگار کی رہائی بعد میں بلکہ رہائی شفاعت کے وجہ سے ہوئی۔چوتھے یہ کہ شرعی ایمان والوں کی حضور صرف شفاعت ہی نہیں کریں گے بلکہ شفاعت بھی کریں گے اور دستگیری بھی۔سجدہ کرکے عرض معروض کرنا شفاعت ہے،دوزخ میں جاکر انہیں نکالنا دستگیری ہے۔حضور دستگیر دو جہاں ہیں جو انہیں دستگیر مددگار نہ مانے وہ اس فرمان عالی کا منکر ہے۔پانچویں یہ کہ ایمان شرعی والوں کی حضور شفاعت و دستگیری دونوں کریں گے جن کا ایمان شرعی نہ تھا ان کی شفاعت تو فرمائیں گے دستگیری نہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۱۲؎ خیال رہے کہ یہ چوتھی شفاعت ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں شرعی مؤمن نہ تھے عند اللہ مؤمن تھے ورنہ شرعی مؤمن تو ادنی سے ادنی بھی پہلی تین شفاعتوں سے دوزخ سے رہا کردیئے گئے ہیں اب یہ وہ ہی لوگ ہیں جو شرعًا مؤمن تھے ہی نہیں عنداللہ مؤمن تھے۔

۱۳؎ اس کے متعلق بڑی گفتگو ہے کہ یہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کون لوگ ہیں۔بعض شارحین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو عمر بھر کافر رہے مرتے وقت مؤمن ہو کر مرے عمل کوئی نہ کیا،بعض نے فرمایا کہ یہ گزشتہ امتوں کے کلمہ گو گنہگار لوگ ہیں نہ کہ حضور کی امت کے،یہ مرقات نے فرمایا مگر یہ دونوں توجیہیں کچھ ضعیف سی ہیں کیونکہ یہ دونوں تو مؤمن ہیں

بلکہ پہلا شخص بے گناہ مؤمن ہے کہ اسے گناہ کا وقت نہیں ملا۔فقیر کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں ایمان تھا مگر زبان سے اس کا اقرار نہیں کیا،یہ لوگ اللہ کے نزدیک مؤمن ہیں شریعت میں کافر،جیسے ابو طالب وغیرہ انہیں شریعت میں ساتر کہتے ہیں اور جس کی زبان پر ایمان ہو دل میں کفر اسے منافق کہتے ہیں اور جو دل و زبان دونوں کا مؤمن ہو اسے مخلص مؤمن اور جو دل و زبان دونوں کا کافر ہوا اسے مجاہر کہا جاتا ہے۔**فیمن قال** میں قول سے مراد دلی قول ہے یعنی ماننا اور **لا الہ الا اللہ** سے مراد سارے اسلامی عقیدے ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔اس میں منافقین یا دوسرے توحیدی عقیدہ رکھنے والے کفار داخل نہیں،صرف ساترین مراد ہیں لہذا موجودہ مرزائی چکڑالوی وغیرہ اس سے خارج ہیں۔

۴؎ یعنی ان ساترین کے متعلق تمہاری یہ چوتھی شفاعت قبول ہے مگر انہیں نکالنے کے لیے آپ کو تکلیف نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ صراحۃً آپ کی امت میں داخل نہیں ہوئے اور دنیا میں ان پر شریعت کے احکام جاری نہیں ہوتے حتی کہ ان کا اسلامی کفن دفن نہیں کیا گیا،آج بھی مخلص مؤمن اور یہ ساترین تمہاری شفاعت سے تو نکلیں گے مگر تمہارے ہاتھوں سے نہیں کیونکہ دنیا میں ان کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ نہ تھا۔ہماری اس شرح سے پتہ لگا کہ یہ لوگ بھی حضور کی شفاعت سے ہی نکلے،شفاعت سے کوئی بے نیاز نہیں اس لیے انہیں اس سجدہ سے اور شفاعت سے پہلے دوزخ سے نہیں نکالا گیا۔

روایت ہے جناب ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا لوگوں میں زیادہ کامیاب میری شفاعت سے قیامت کے دن ۱؎ وہ ہوگا جس نے اپنے خالص دل یا خالص نفس سے کہا لا الہ الا اللہ ۲؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی میری شفاعت سے ہر انسان کو حصہ ملے گا کافر ہو یا مؤمن، مخلص ہو یا منافق مگر پورا بہرہ ور میری شفاعت سے مؤمن ہی ہوں گے کہ وہ اس کی برکت سے دوزخ سے نجات پاجائیں گے۔عام کفار شفاعت کی وجہ سے محشر کی تکلیف سے نجات پائیں گے اور بعض کفار کے عذاب ہلکے ہوجائیں گے اس لیے یہاں **اسعد** فرمایا گیا۔(مرقات)اس کی اور بہت شرحیں کی گئیں ہیں۔

۲؎ **لا الہ الا اللہ** کہنے سے مراد ہے سارے عقائد اسلامیہ کا اقرار کرنا جیسے کہا جاتا ہے نماز میں **الحمد** پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا۔**خالصًا** فرماکر منافقین کو علیحدہ فرمادیا گیا کہ وہ صرف زبان سے اسلام مانتے ہیں دل میں کافر ہوتے ہیں۔اخلاص کے ساتھ قلب کا ذکر صرف تاکید کے لیے ہے ورنہ اخلاص تو دل سے ہی ہوتا ہے جیسے رب فرماتاہے:"**اٰثِمٌ قَلْبُہٗ**"۔(مرقات)

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی حضور کو دستی پسند تھی ۱؎ تو آپ نے اس میں سے نوچ کر کھایا ۲؎ پھر فرمایا میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں ۳؎ جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے ۴؎ اور	

	سورج قریب ہوگا لوگوں کو اس قدر غم و تکلیف پہنچے گی جس کی وہ طاقت نہ رکھیں گے ۵؎ پھر لوگ کہیں گے تم کسی ایسے شخص کو کیوں نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کرے ۶؎ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور شفاعت کی حدیث ذکر فرمائی اور فرمایا کہ پھر میں چلوں گا تو عرش کے نیچے پہنچوں گا پھر اپنے رب کے حضور سجدہ میں گروں گا ۷؎ پھر اللہ مجھ پر اپنی وہ حمد وہ اچھی ثنائیں کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر نہ کھولی تھیں ۸؎ پھر فرمائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ مانگو دیئے جاؤ گے،شفاعت کرو قبول کی جاوے گی ۹؎ تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا عرض کروں گا یارب میری امت میری امت تو کہا جاوے گا ۱۰؎ اے محمد اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں ۱۱؎ جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے داخل کرو یہ لوگ دروازوں میں لوگوں کے ساتھ برابر کے حق دار ہیں ۱۲؎ پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے ایک کی دو چوکھٹوں کے درمیان ۱۳؎ اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ معظّمہ اور ہجر کے درمیان ہے ۱۴؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ دستی کا گوشت بے ریشہ ہوتا ہے اور نرم بھی مزے دار بھی،جلد گل جاتا ہے،سارے جانور میں یہ ہی گوشت بہت اچھا ہوتا ہے۔

۲؎ **نهس** خالی سین سے اگلے دانتوں سے نوچنا اور **نهش** نقطہ والے شین سے داڑھوں سے گوشت نوچنا یعنی ہڈی سے بوٹی چھوڑانا دونوں لفظ روایات میں وارد ہیں۔

۳؎ اس **ناس** میں سارے انسان داخل ہیں حضرات انبیاء کرام اور ان کی ساری امتیں،اگرچہ حضور ہمیشہ سے ہی ساری مخلوق کے سردار ہیں مگر اس سرداری کا ظہور قیامت کے دن ہوگا کہ سارے لوگ آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور سب حضور کا منہ تکیں گے کوئی آپ کی سرداری کے انکار کرنے کی ہمت نہ کرسکے گا کفار بھی اس کا اقرار کریں گے اور نادم ہوں گے اس لیے **یوم القیامۃ** کا ذکر فرمایا۔

۴؎ یہ **یوم القیامۃ** کا بیان ہے،چونکہ یہ حاضری بارگاہ قیامت کا مقصود ہے اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا ورنہ قیامت میں اور بھی کام ہوں گے جیسے کہ آگے سے معلوم ہورہا ہے۔

۵؎ گرمی کی شدت کا یہ حال ہوگا کہ انسان کا پسینہ ستر گز زمین میں جذب ہوکر اس کے منہ کی لگام بن جائے گا یعنی منہ تک پسینہ میں آدمی ڈوبا ہوگا۔

۶؎ معلوم ہوا کہ قیامت کے کاروبار کی ابتداء توسل یعنی وسیلہ کی تلاش سے ہوگی۔آج جو حضور کے وسیلہ کے منکر ہیں وہ بھی یہ ہی کام پہلے کریں گے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا شعر

ہم بھی محشر میں سیر دیکھیں گے　　　　نجدی آج ان سے التجا نہ کرے

۷؎ یہاں جہاں مجھے لوگ پائیں گے اور ساری مخلوق مجھے گھیرے گی وہاں سے روانہ ہوکر اپنے مقام شفاعت میں پہنچوں گا جو میرے لیے خالص تیار کیا گیا ہے۔غالب یہ ہے کہ حضور انور ان سب کو لے کر وہاں پہنچیں گے۔**واللہ و رسولہ اعلم!** وہ نظارہ عجیب ہوگا۔

۸؎ یعنی اس دن جیسی حمد اپنے رب کی میں کروں گا ایسی حمد مخلوق الٰہی میں کسی نے نہیں کی ہوگی یہ حمد مجھے میرا رب بطور الہام سکھائے گا۔

۹؎ اسے کہتے ہیں عرض سے پہلے قبولیت ابھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا کے لیے لب نہیں ہلائے کہ قبولیت کا رب نے وعدہ فرمالیا۔

۱۰؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں یہاں عبارت میں اجمال ہے۔ابتداء ہوئی شفاعت عامہ کے ذکر سے اور انتہا ہوئی شفاعت خاصہ کے ذکر پر،یہ شفاعت اپنی امت کو جنت میں پہنچانے کی ہے عام لوگوں کے لیے شفاعت محشر سے نجات دلانے کی ہوگی۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا حساب نہ ہوگا،بعض بے حساب جنت میں بھیجے جائیں گے۔جو دنیا میں اپنا حساب خود لیتا رہے گا اس کا حساب یا تو ہوگا نہیں یا ہوگا تو ہلکا ہوگا۔

۱۲؎ یعنی ان بے حساب جنتیوں کے لیے ایک دروازہ خاص ہے جس سے دوسرے جنتی داخل نہیں ہوسکتے مگر یہ حضرات ان دروازوں سے جاسکتے ہیں جیسے ریل کا فسٹ کلاس کا مسافر ہر درجہ میں سفر کرسکتا ہے مگر تھرڈ والے فسٹ میں سفر نہیں کرسکتے۔

۱۳؎ ایک دروازے کے حصے ہوں تو ہر حصہ مصرع کہلاتا ہے اس سے مقصود ہے دروازہ جنت کی چوڑائی بیان کرنا۔

۱۴؎ ہجر مدینہ منورہ کے علاقہ میں ایک گاؤں کا نام بھی ہے اور بحرین کے ایک شہر کا نام بھی یہاں یہ ہی شہر مراد ہے جو بحرین میں ہے،اس تشبیہ سے مقصود ہے اس دروازے کی فراخی بیان فرمانا حد بندی فرمانا مقصود نہیں۔(اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت حذیفہ سے شفاعت کی حدیث کے بارے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۱؎ فرمایا کہ امانت اور رحمی رشتے بھیجے جائیں گے ۲؎ وہ پلصراط کے دونوں طرف داہنے بائیں کھڑے ہوں گے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ حضرت حذیفہ نے پوری حدیث شفاعت بیان کی اس طرح جو بھی ذکر کی گئی مگر اس حدیث میں یہ زیادتی اور ہے۔

۲؎ امانت داری مؤمن کی ایک پاکیزہ صفت ہے اس کی بہت قسمیں ہیں: بات کی،مال کی،عزت و آبرو کی امانت داری۔اس کا مقابل ہے خیانت جو انسان کا بڑا عیب ہے۔رحم سے مراد ہے آپس کی نسبتی قرابت داریاں یہ بہت قسم کی ہیں یہ دونوں شکل والی چیزیں ہوں گی وہاں اوصاف اعراض کی شکلیں ہوں گی وہ کلام کریں گی۔

۳؎ یہ ان دونوں وصفوں کی انتہائی تعظیم ہوگی کہ ان دونوں کو پل صراط کے آس پاس کھڑا کیا جاوے گا شفاعت اور شکایت کے لیے کہ ان کی شفاعت پر نجات ان کی شکایت پر پکڑ ہوگی۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ انسان امانت داری اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی ضرور احتیاط کرے کہ ان دونوں میں کوتاہی کرنے پر سخت پکڑ ہے مگر انکی شفاعت پر دوزخ سے نجات ہے انکی شکایت پر وہاں گرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی کا یہ کلام تلاوت کیا جو حضرت ابراہیم کے متعلق ہے ۱؎ یارب ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا تو جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہوگیا ۲؎ اور جناب عیسٰی کہیں گے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں ۳؎ تو حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے عرض کیا الٰہی میری امت اور روئے ۴؎ تو اللہ تعالٰی نے فرمایا اے جبریل جناب محمد کے پاس جاؤ تمہارا رب خوب جانتا ہے مگر ان سے پوچھو انہیں کیا چیز رُلارہی ہے ۵؎ تو حضور کے پاس حضرت جبریل آئے حضور سے پوچھا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عرض و معروض کی خبر دی ۶؎ تو اللہ تعالٰی نے حضرت جبریل سے فرمایا تم جناب محمد کے پاس جاؤ کہو کہ ہم تم کو تمہاری امت کے معاملہ میں راضی کرلیں گے تمہیں غمگیں نہ کریں گے ۷؎ (مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے نماز کے باہر یہ آیت کریمہ سورۂ ابراہیم کی تلاوت فرمائی جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عرض معروض بیان فرمارہا ہے جو آپ قیامت میں بطور شفاعت عرض کریں گے کہ خدایا جن لوگوں نے میری اطاعت کی وہ تو میرے ہوچکے تو انہیں میرے طفیل بخش دے اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو مولٰی تو گنہگاروں کا بخشنے والا ہے۔غرضکہ شکایت ان کی بھی نہیں کی انہیں بھی بددعا نہ دی یہ ہے شان جمالی۔

۳؎ اس پوری آیت میں عیسٰی علیہ السلام کی شفاعت کا ذکر ہے وہ بھی جمال الٰہی کا مظہر ہیں۔آپ کی عرض بھی یہ ہے کہ میرے مولٰی اگر تو ان گنہگاروں کو عذاب دے تو تو ان کا رب ہے وہ تیرے بندے،کون تجھے عذاب سے روک سکتا ہے اور

تو انہیں معافی دے دے تو تو عزیز ہے حکیم ہے، تیرے ہر کام میں حکمت ہے،تو سب پر غالب ہے جسے جو چاہے دے دے تجھ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

۴؎ یعنی ان دو محبوب نبیوں کی شفاعت کا ذکر پڑھا تو شفیع المذنبین کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اپنی گنہگار امت یاد آگئی اور اس وقت شفاعت فرمائی۔معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جیسی آیت تلاوت کرے اسی طرح کی دعا مانگے یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔دعا کے وقت رونا علامت قبولیت ہے پھر حضور انور کا رونا حضور کے آنسو **سبحان اللہ**!حضور کا رونا ہماری ہنسی و خوشی کا ذریعہ ہے بادل روتا ہے تو چمن ہنستا ہے۔شعر

تانہ گریہ ابر کے خند و چمن　　　　تابہ گرید طفل کے جوشد لبن

۵؎ **سبحان اللہ**!کس ناز کا سوال ہے خود جانتا ہے مگر پوچھتا ہے تاکہ محبوب صراحۃً زبان پاک سے شفاعت کریں اور امت گنہگار کی مشکلیں حل ہوں دریائے بخشش الٰہی جوش میں آئے۔

۶؎ کہ امت کی فکر ان کا غم میرے رونے کا سبب ہے۔خیال رہے کہ رونا بہت قسم کا ہے ان تمام قسموں میں افضل حضور کا شفاعت امت کے لیے رونا ہے۔

۷؎ یعنی آپ اپنی امت کے متعلق جو چاہیں گے جو کہیں گے ہم وہ ہی کریں گے۔احادیث میں ہے کہ اس پر حضور انور نے عرض کیا کہ تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو، خداکرے ہم امتی رہیں۔(اشعہ) مرقات نے بھی اسی کے قریب فرمایا یہاں مرقات نے شفاعت ابراہیمی،شفاعت عیسوی اور شفاعت محمدی میں بہت شاندار فرق بیان فرمایا کہ ان حضرات نے اجمالی شفاعت کی مگر حضور انور نے اپنی امت کا نام لے کر تفصیلی شفاعت فرمائی کہ گنہگار ہو مگر میرا امتی ہو اسے بخش دے۔شعر

خاک اوباش وبادشاہی کن　　　　آن اوباش ہرچہ خواہی کن

نیز اس شفاعت میں اگر مگر نہیں جزم کے ساتھ دعا ہے کہ اسے ضرور بخش دے۔اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شان،امت پر بڑا کرم،امت محمدیہ کا بڑا خوش نصیب ہونا معلوم ہوا۔سارے بندے اللہ کی رضا چاہتے ہیں اللہ تعالٰی حضور کو راضی کرنا چاہتا ہے۔اس کی تائید یہ آیت کررہی ہیں "**وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى**" حضرت ابوبکر صدیق کے لیے بھی فرمایا: "**وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى**"۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ۱؎ کیا تم صاف دوپہری میں جب سورج کے ساتھ بادل نہ ہو سورج کے دیکھنے میں شک کرتے ہو ۲؎ اور کیا تم چودھویں صاف رات میں جب کہ چاند کے ساتھ بادل نہ ہو چاند دیکھنے میں شک کرتے ہو عرض کیا یارسول اللہ نہیں ۳؎ فرمایا تم قیامت کے دن اللہ کے دیدار

میں شک نہیں کرو گے مگر ایسا جیسے ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں شک کرتے ہو۴؎ جب قیامت کے دن ہوگا تو اعلانچی اعلان کرے گا کہ ہر گروہ اس کے پیچھے جائے جس کی وہ پرستش کرتا تھا ۵؎ تو جو بھی اللہ کے سوا بتوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے اسمیں کوئی نہ بچے گا مگر دوزخ میں گرجائیں گے ۶؎ حتی کہ جب ان نیک بندوں کے سواء جو اللہ کی عبادت کرتے تھے کوئی نہ بچے گا تو انکے پاس رب العالمین آئے گا ۷؎ فرمائے گا تم کیا انتظار کررہے ہو ہر امت اپنے معبود کے ساتھ جارہی ہے ۸؎ پھر عرض کریں گے یارب ہم نے دنیا میں ان لوگوں کو چھوڑ ے رکھا جب کہ ہم ان کے بہت حاجت مند تھے اور ہم انکے ساتھ نہ رہے ۹؎ اور جناب ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ کہیں گے یہ ہی ہماری جگہ ہے حتی کہ ہمارے پاس ہمارا رب آوے پھر جب ہمارا رب جلوہ گر ہوگا ہم اسے پہچان لیں گے ۱۰؎ اور جناب ابو سعید کی روایت میں ہے کہ رب فرمائے گا کہ کیا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی نشانی کہ تم اسے پہچان لو گے وہ کہیں گے ۱۱؎ ہاں تو رب پنڈلی کھولے گا ۱۲؎ تو ان میں سے جو دل کے اخلاص سے رب کو سجدہ کرتے تھے کوئی نہ رہے گا مگر اللہ اسے سجدہ کی اجازت دے گا ۱۳؎ اور جو لوگ اپنے بچاؤ اور دکھلاوے کے لیے سجدہ کرتے تھے ان میں سے کوئی نہ بچے گا مگر اللہ اس کی پیٹھ ایک تختہ بنادے گا ۱۴؎ وہ جب بھی سجدہ کا ارادہ کرے گا اپنی پیٹھ پر گر جاوے گا ۱۵؎ پھر دوزخ پر پل رکھا جاوے گا ۱۶؎ اور شفاعت واقع ہوگی ۱۷؎ اور کہیں گے الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ ۱۸؎ تو مسلمان پلک جھپکنے کی طرح اور بجلی کی طرح اور ہوا کی طرح پرندے کی طرح اور تیز گھوڑے کی طرح اونٹ کی طرح ۱۹؎ گزریں گے، بعض تو نجات پائیں گے سلامت رہیں گے، بعض زخمی ہو کر چھوڑ دیئے جائیں گے ۲۰؎ بعض دوزخ کی آگ میں گرا دیئے جائیں گے ۲۱؎ حتی کہ جب مسلمان آگ سے خلاصی پالیں گے تو اس

کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے نہیں ہے تم میں سے کوئی زیادہ جھگڑنے والا اپنے اس حق میں جو تمہیں ظاہر ہوجاوے بمقابلہ مسلمانوں کے جو وہ اللہ سے جھگڑیں گے قیامت کے دن اپنے دوزخی بھائیوں کے لیے۲۲عرض کریں گے یارب وہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے۲۳تو ان سے کہا جاوے گا کہ جنہیں تم پہچانتے ہو نکال لوان کی صورتیں آگ پر حرام کردی جائیں گی۲۴یہ لوگ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے پھر کہیں گی یارب جن کے متعلق تو نے ہم کو حکم دیا تھا ان میں سے تو کوئی باقی نہ رہا ۲۵رب فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں دینار برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو تو وہ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا لوٹ جاؤ جس کے دل میں زرہ برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو وہ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں آدھی دینار برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو۲۶چنانچہ وہ بہت ہی خلقت کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گالوٹ جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو وہ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے ۲۷پھر عرض کریں گے یارب ہم نے دوزخ میں کسی بھلائی والے کو نہ چھوڑا ۲۸تب اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی رسولوں نے شفاعت فرمالی مؤمنوں نے شفاعت کرلی ۲۹اب سواء ارحم الراحمین کے اور کوئی باقی نہ رہا۳۰تب آگ میں سے ایک مٹھی بھرے گا تو ان لوگوں کو وہاں سے نکال دے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی ۳۱جو کوئلے ہوچکے ہوں گے ۳۲انہیں اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دہانوں میں ہے جسے زندگی کی نہر کہا جاتا ہےتو وہ یوں اگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کے کوڑا میں اگتا ہے۳۳پھر وہ نکلیں گے موتی کی طرح ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی۳۴انہیں لوگ کہیں کے کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں جنہیں رب نے بغیر عمل کیے ہوئے

	بغیر بھلائی آگے بھیجے ہوئے جنت میں داخل فرمادیا۵ ۳۵ تو ان سے کہا جاوے گا کہ تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے دیکھا اور اس کی مثل ۳۶ (مسلم،بخاری)

۱؎ خیال رہے کہ قیامت میں حساب کے وقت سارے بندے رب کو دیکھیں گے مؤمن ہو یا کافر مگر مؤمن بہ شان رحمت دیکھیں گے اور کافر بہ شان غضب جیساکہ پچھلی حدیث میں گزرچکا۔پھر اس کے بعد جنتی تو رب تعالٰی کو دیکھا کریں گے کوئی تو جب چاہیں اور کوئی روز ایک بار،کوئی ہفتہ میں ایک بار،کوئی مہینہ میں،کوئی سال میں ایک بار،کوئی اس سے زیادہ عرصہ میں مگر دوزخی لوگ دیدار سے محروم رہیں گے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ"جنتیوں کے بارے میں فرماتاہے:"اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"۔ غالبًا یہاں سوال قیامت کے دن کے دیدار کے متعلق ہے جنتی عورتوں،فرشتوں،مغفور جنات کے متعلق اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں انہیں بھی دیدار ہوگا بعض کہتے ہیں نہیں ہوگا۔(مرقات)

۲؎ تضارون باب مفاعلہ کا مضارع معروف ہے،ضار یضار مضارۃ کے معنی ہیں اژدھام اور بھیڑ میں پھنس جانا،پھر شک کے معنی میں استعمال ہونے لگاکیونکہ بھیڑ میں کوئی چیز صحیح نہیں دیکھی جاتی۔صحو کی معنی ہیں صاف جب کہ آسمان پر بادل نہ ہو تو اسے صحو کہتے ہیں۔

۳؎ سبحان اللہ!کیسی پیاری تشبیہ ہے جس میں یقینی دیدار کی مثال دے کر سمجھایا گیا۔خیال رہے کہ قمر عام ہے اور ہلال،بدر،محق خاص ہے۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے دیکھنے میں تو شک ہوتا نہیں تو یقینًا رب تعالٰی کے دیدار میں بھی شک نہیں ہوگا۔

۵؎ خیال رہے کہ قیامت میں رب کا دیدار دوبار ہوگا پہلی بار تو حساب کے وقت جیساکہ پہلے گزرچکا دوسری بار حساب سے فارغ ہوکر،یہ دوسرا دیدار صرف مسلمانوں کو ہی ہوگا کفار کو نہ ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لہذا یہ حدیث پچھلی احادیث کے خلاف نہیں۔اس موقعہ پر بت پرستوں کے تمام بت حتی کہ سورج،چاند بھی وہاں موجود ہوں گے۔خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ و مریم کو عیسائیوں نے اور حضرت عزیر کو یہود نے نہیں پوجا بلکہ ان کے فوٹوؤں کو اور صلیب کو پوجا تھا وہ لوگ ان تصویروں اور صلیب کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو چاہیے کہ یہ حضرات بھی دوزخ میں جائیں انہیں یہود یا عیسائیوں نے پوجا تھا۔

۶؎ بتوں میں سورج چاند بھی داخل ہیں کہ ان کی پرستش بھی ہوتی تھی۔خیال رہے کہ یہ چیزیں دوزخ میں جائیں گی مگر سزا پانے کے لیے نہیں بلکہ دوزخیوں کو سزا دینے کے لیے حتی کہ سورج کی گرمی آگ کی گرمی سے مل کر ان لوگوں کی تکلیف کو اور بھی زیادہ کردے گی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان پتھروں بتوں کو بلا قصور دوزخ میں کیوں ڈالا گیا اسی طرح دوزخ میں مقرر شدہ فرشتے عذاب دیں گے عذاب پائیں گے نہیں۔

۷؎ رب تعالٰی کے آنے سے مراد ہے اس کا حکم آنا یا یہ متشابہات میں سے ہے،اس ظاہری آنے جانے سے رب پاک ہے۔

۸؎ یعنی تم لوگ بھی ان سے کسی کے ساتھ کیوں نہیں جاتے،رب تعالیٰ کا یہ سوال اس کی بے علمی کی بنا پر نہیں بلکہ اس جواب کے لیے ہے جو وہ دے رہے ہیں۔خیال رہے کہ مشرکین تو اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے مؤمن اپنے نبیوں کے ساتھ اور یہ امت اپنے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں جاوے گی۔رہے توحیدی کفار یا دھریے کفار جو بت پرستی نہیں کرتے تھے انہیں فرشتے ہانک کر دوزخ میں ڈالیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دھریے اور توحیدیئے کفار کس کے ساتھ جائیں۔

۹؎ یعنی جب ہم دنیا میں کفار سے الگ رہے تو اب بھی ان سے الگ ہی رہیں گے وہاں تو ہم کو ان کے ساتھ رہنے کی ضرورت بھی تھی یہاں تو ہم ان سے بے نیاز ہیں ان کے ساتھ ہم کیوں جائیں۔

۱۰؎ یہاں آنے سے مراد تجلی فرمانا اپنا جمال دکھانا ہے۔خیال رہے کہ مسلمان قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور قیامت میں رب تعالیٰ کو تعلق ایمان سے پہچانیں گے اگرچہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی دیدار نہ کیا تھا وہاں پہچان رشتہ ایمان سے ہوگی۔

۱۱؎ وہ علامت و نشانی محبت الٰہی ہے جو ایمان و عرفان کا نتیجہ ہے اس ذریعہ سے ہم رب تعالیٰ کو پہچان لیں گے۔

۱۲؎ پنڈلی کھولنے کی بہت توجیہیں کی گئی ہیں مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے رب تعالیٰ پنڈلی وغیرہ سے پاک ہے۔بعض نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کی پنڈلی مراد ہے یعنی ان پر ایسی تکلیف نازل ہوگی کہ ان کی پنڈلی کھل جائے گی،بعض نے فرمایا کہ اس سے رب تعالیٰ کی پنڈلی مرادہے جو اس کے شان کے لائق ہے،بعض نے فرمایا کہ اس سے رب تعالیٰ کی تجلی صفات مراد ہے۔**اللہ اعلم بمراد حبیبه** صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۳؎ **سبحان اللہ**!مزے دار سجدہ یہ ہوگا اب تک بغیر دیکھے سجدے کیے تھے آج مسجودلہ کی تجلی دیکھ کر سجدے کریں گے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں — کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبیں نیاز میں

۱۴؎ یعنی ان ریاکار منافقوں کی پیٹھ اکڑ جاوے گی ٹیڑھی نہ ہوسکے گی اور سجدہ میں پیٹھ خم ہونا ضروری ہے اس لیے بجائے سجدہ کے اوندھے گریں گے۔

۱۵؎ یہ سجدہ مخلصین و منافقین میں چھانٹ ہوگا جو درست سجدہ کرلے گا وہ مخلص مؤمن ہے،جو نہ کرسکے گا وہ منافق۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ دیدار الٰہی منافقین کو بھی ہوگا۔(مرقات)مگر مؤمنوں کو محبت والا دیدار ہوگا منافقوں کو ہیبت بلکہ وحشت والا۔

۱۶؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط آج قائم نہیں ہے قیامت میں اس وقت قائم کیا جائے گا،اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو دوزخی اس سے پہلے دوزخ میں پہنچائے گئے وہ پل صراط سے نہ گزارے گئے کہ پل تو ان کے دوزخ میں پہنچنے کے بعد قائم کیا گیا۔

۱۷؎ اس شفاعت سے مراد ہے دوزخ سے گزارنے کی شفاعت ورنہ بہت سی شفاعتیں اس سے پہلے ہوچکیں،اب جب کہ دوزخ پر سے گزرنے کا وقت آیا تو اللہ کے مقبول بندے شفاعت میں مشغول ہوگئے،اسی شفاعت سے ہم گنہگار ان شاءاللہ بخیریت گزریں گے۔

۱۸؎ جب تک سارے مؤمنین بخیریت گزر نہ جائیں گے تب تک انبیاءکرام **سلم سلم** کہتے رہیں گے صرف دوبار ہی نہ کہیں گے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا شعر

پل سے گزارو راہ گزر کو خبر نہ ہو — جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

۱۹؎ یعنی مؤمن اپنے اعمال و تقویٰ و اخلاص کے مطابق پل سے گزریں گے۔رکاب جمع ہے مگر اس کا واحد کوئی نہیں۔(مرقاۃ) جیسے نساء کا واحد کوئی نہیں اور امراۃ کی جمع کوئی نہیں یعنی پل سے پار لگنے والوں کی رفتاریں مختلف ہوں گی بعض رفتار ایسی تیز جیسے نگاہ کی رفتار،بعض کے ہوا کی سی رفتار،آج ایسے ہوائی جہاز تیار ہوچکے ہیں جن کی رفتار آواز سے زیادہ ہے لہذا ان رفتاروں پر حیرت نہیں کرنی چاہیے۔

۲۰؎ پلصراط کے کنارے پر دو طرفہ جگہ جگہ ٹیڑھے کانٹے یعنی کنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو بار بار اوپر آتے اور گزرنے والوں کو لگتے ہوں گے،بعض لوگوں کو یہ کنڈے لگیں گے زخمی کرکے چھوڑ دیں گے،بعض لوگوں کے جسم میں داخل ہوکر انہیں نیچے کی طرف کھینچیں گے جس سے وہ دوزخ میں گرجاویں گے مخدوش سے ہی یہ مراد ہے،بعضوں کو یہ چھوئیں گے بھی نہیں وہ صحیح سلامت یہاں سے گزر جاویں گے،اللہ تعالٰی ہم گنہگاروں کو بخیریت پار لگادے۔

۲۱؎ مکدوش بنا ہے کدش سے بمعنی دفع یعنی پیچھے سے دھکیلنا۔یہ حال صرف کفار کا ہوگا جنہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔(مرقات)بعض روایتوں میں مکدوش شین سے بمعنی ٹکڑے ٹکڑے کردینا،بعض میں مکروس رے سے بمعنی اوپر تلے ڈالنا۔خیال رہے کہ گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں اور طرح پہنچایا جاوے گا جس سے ان کی پردہ دری نہ ہو،انہیں سزا خفیہ دی جاوے گی رسوا نہ کیا جاوے گا۔

۲۲؎ یعنی نجات یافتہ مسلمان ان مسلمانوں کی سفارش میں رب تعالٰی سے جھگڑیں گے جو دوزخ میں پہنچ گئے،ان کا اپنے رب سے جھگڑنا اس سے بھی زیادہ ہوگا کہ جب کوئی مقدمہ میں جیت جائے تو اپنا حق ہارے ہوئے مدعی علیہ سے مانگے بتاؤ وہ کیسی جلدی کرتا ہے ایسے ہی یہ جنتی رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر کہیں گے کہ مولیٰ انہیں سب کو جلدی سے دوزخ سے نکال دے یہ جھگڑنا ناز کا ہوگا نہ کہ بے ادبی کا۔

۲۳؎ یعنی وہ دوزخی مسلمان دنیا میں ان عبادات میں ہمارے ساتھ رہے آج ہمارے ساتھ جنت میں کیوں نہیں مولیٰ تو ان کے گناہ معاف فرمادے جنت میں پہنچادے۔

۲۴؎ یعنی ان دوزخی مسلمانوں کی صورتیں نہ بگڑیں گی نہ جل کر کوئلہ ہوں گی۔ان شفاعت کرنے والوں جنتیوں کو حکم ہوگا کہ اچھا تم خود دوزخ میں جاؤ پہچان پہچان کر انہیں نکال لاؤ۔

۲۵؎ یعنی جو نمازی روزہ دار حاجی حضرات اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گئے تھے انہیں تو ہم نکال لائے اب بے عمل لوگ جو صرف گناہ کرتے تھے وہ ہی رہ گئے۔معلوم ہوا کہ ان جنتیوں کو دوزخ کی آگ تکلیف نہ دے گی اور یہ حضرات لوگوں کے دلوں کے ایمان کو پہچانیں گے تو حضور انور کے علم کا کیا کہنا۔

۲۶؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ ایمان کی زیادتی کمی مقدار کی نہیں بلکہ کیفیت کی زیادتی کمی مراد ہے یہ تشبیہ صرف سمجھانے کے لیے ہے۔

۲۷؎ یہ ذرہ برابر ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جن کے عقیدے تو درست تھے باقی ان کے پاس کوئی نیک عمل نہ تھا اور گناہ ان سے بچا نہ تھا ہر قسم کے گناہ کرتے رہے مگر مرے مؤمن۔

۲۸؎ یہاں خیر سے مراد اہل خیر ہیں اور اہل خیر سے مراد شرعی ایمان والے حضرات ہیں یعنی جس کے دل میں رائی برابر شرعی ایمان تھا ہم اسے نکال لائے۔

۲۹؎ یعنی جو لوگ شفاعت کے لائق تھے ان کی شفاعت ہوچکی اور وہ شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نکل کر جنت میں پہنچ چکے۔اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انسانوں کی شفاعت فرشتے بھی کریں گے جیسے آج حاملین عرش فرشتے مؤمن انسانوں کے لیے دعائیں کررہے ہیں جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے۔

۳۰؎ اگرچہ اس سے پہلے بھی دوزخیوں کو رب تعالٰی نے ہی بخشا تھا مگر شفاعت کے وسیلہ سے اور ان نکالنے والوں کی معرفت سے اب ان کے نکلنے کی باری آئی جن کی بخشش کے لیے شفاعت مصطفوی کا وسیلہ تو ہے مگر انہیں دوزخ سے نکالنے میں کسی کا وسیلہ نہیں خود رب تعالٰی انہیں نکالے گا۔

۳۱؎ اس کی شرح پہلے گزرگئی کہ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے سواء کلمہ پڑھنے ایمان لانے کے اور کوئی نیکی نہیں کی مگر مرقات اور نووی شرح مسلم نے فرمایا کہ ان کے پاس صرف دل کے چھپے ایمان کے اور کچھ نہیں تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان شرعی نہ تھا یعنی ساترین۔خیال رہے کہ حضور کے والدین کریمین بلکہ سارے آباؤ اجداد جو ظہور نبوت سے پہلے وفات پاگئے دوزخ میں قطعًا نہیں جائیں گے کہ وہ حضرات اہلِ توحید تھے اور اس زمانہ میں صرف عقیدہ توحید نجات کے لیے کافی تھا ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا۔گناہ وہ کام ہے جس سے رب تعالٰی منع کرے ان تک ممانعت پہنچی نہیں کہ انہوں نے زمانہ نبوت پایا نہیں۔

۳۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں جلتے رہنا موت نہ آنا کفار و مشرکین کے لیے ہوگا مؤمن گنہگار اور وہ لوگ جن کو دوزخ سے نکالا جانا ہے وہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے،ان کی جان نکال لی جاوے گی انہیں دائمی عذاب نہ ہوگا۔

۳۳؎ یعنی جو کوڑا سیلاب میں بہتا ہوا آجائے اس میں کوئی دانہ ہو وہ پانی کے اثر سے بہت جلد اگ پڑتا ہے اس طرح وہ بڑھیں گے۔

۳۴؎ یعنی پہلے وہ کالے کوئلے تھے اب جو بڑھیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چمکیلے ہوں گے،ان کی گردنوں میں سونے کا زیور پڑا ہوگا جس سے وہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ بغیر عمل جنت میں آئے یا یہ لوگ عنداللہ مؤمن تھے شرعی ساتر تھے۔

۳۵؎ یعنی ان لوگوں کا لقب ہوگا عتیق الرحمٰن،نام ان کے وہ دنیا والے ہوں گے وہ لوگ اسی لقب سے بڑے خوش ہوا کریں گے۔

۳۶؎ یعنی جہاں تک تمہاری نظر کام کرتی ہے وہ بھی اور اس کی مثل اتنا ہی اور علاقہ بھی ہے ان کی نعمتوں کے تم کو دیا گیا۔خیال رہے کہ ان لوگوں کو صرف فضل کی جنت ملے گی اور مؤمنوں عاملین کو عمل کی جنت بھی ملے گی اور فضل کی بھی،رب فرماتا ہے:"وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ"اور دو جنتوں سے یہ ہی عدل و فضل کی جنتیں مراد ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو اسے نکال لوچنانچہ وہ نکال لیں گے ۱؎ حالانکہ

جل چکے ہوں گے اور کوئلے ہوگئے ہوں گے پھر وہ نہر حیٰوۃ میں ڈالے جائیں گے۲؎ تو ایسے اُگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کوڑے میں اُگتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ دانہ اوگا پیلا ٹیڑھا نکلتا ہے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ خطاب حضرات انبیاء کرام،فرشتوں اور جنتی مؤمنوں سے ہوگا کہ دوزخ میں جاؤ گنہگاروں کو نکال کر لاؤ کہ یہ سارے حضرات ہی یہ کام کریں گے۔

۲؎ نہر حیٰوۃ وہی چشمہ ہے جس کا ذکر ابھی گزرا کہ یہ جنت کے دروازے پر واقع ہے،چونکہ اس پانی میں ان مردوں کو زندہ کرنے کی تاثیر ہوگی اس لیے اسے نہر حیٰوۃ کہتے ہیں۔

۳؎ یعنی جیسے دانہ جب اُگتا ہے تو نہایت کمزور پیلا اور ٹیڑھا ہوتا ہے پھر ہوا پانی دھوپ پاکر بہتر قوی اور سیدھا ہوجاتا ہے یہ ہی حال ان لوگوں کا ہوگا کہ اس پانی سے اوگا جئیں گے اُگیں گے مگر کمزور زرد رنگ بعد میں قوت پائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیاہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے پھر حضرت ابو سعید کی حدیث کے معنی بیان کیے۱؎ سوا پنڈلی کھلنے کے اور فرمایا کہ دوزخ کے دونوں کناروں کے درمیان پلصراط قائم کیاجاوے گا ۲؎ تو جو پیغمبر اپنی امت کو لےکر گزریں گے ان میں پہلا میں ہوں گا ۳؎ اور اس دن سواء رسولوں کے اور کوئی کلام نہ کرے گا اور رسولوں کا کلام اس دن ہوگا الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ اور دوزخ میں خم دار کانٹے ہوں گے۴؎ سعد ان کے کانٹوں کی طرح ۵؎ جن کی بڑائی اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے ۶؎ ان میں سے بعض وہ ہوں گے جو اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاک کیے جائیں گے اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو زخمی ہو کر نجات پاجائیں گے ۷؎ حتی کہ جب اللہ تعالٰی اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہوجاوے گا ۸؎ اور جن کو آگ سے نکالنے کا ارادہ ہوچکا ہے انہیں نکالا جائے گا ان لوگوں میں سے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہے تو فرشتوں کو حکم دے گا۹؎ کہ انہیں نکال لو جو اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ انہیں نکال لیں گے اور انہیں سجدہ کے نشانوں سے پہچانیں گے اور اللہ تعالٰی آگ	

پر یہ ناممکن کردے گا کہ سجدہ کے نشان کو جلائے۱۰؎ چنانچہ انسان کے سارے جسم کو آگ کھاجائے گی سواء سجدہ کے اثر کے تو وہ آگ سے نکلیں گے کہ جل کر کوئلے ہوچکے ہوں گے ۱۱؎ پھر ان پر زندگی کا پانی بہایا جاوے گا تو وہ ایسے اُگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپری کوڑے میں اُگتا ہے اور ایک شخص جنت و دوزخ کے درمیان باقی رہے گا۱۲؎ اور وہ تمام دوزخیوں میں سب سے آخری جنت میں داخل ہونے والا ہوگا۱۳؎ اپنا منہ آگ کی طرف کیے ہوگا۱۴؎ عرض کرے گا یارب میرا منہ آگ سے پھیر دے مجھے اس کی لُونے جھلس دیا اور اس کی تیزی نے مجھے جلادیا ۱۵؎ تو رب فرمائے گا کیا ممکن ہے کہ اگر میں یہ کردوں تو اس کے علاوہ اور مانگے ۱۶؎ وہ کہے گا نہیں قسم تیری عزت کی تو اللہ تعالٰی کو عہدوپیمان دے جو اللہ چاہے چنانچہ اللہ تعالٰی اس کا منہ آگ سے پھیر دے گا ۱۷؎ پھر جب اس کو جنت کے سامنے کرے گا اور یہ اس کی ترو تازگی دیکھے گا۱۸؎ تو جب تک رب اس کی خاموشی چاہے یہ خاموش رہے گا ۱۹؎ پھر کہے گا یارب مجھے جنت کے دروازے کے پاس پہنچادے۲۰؎ رب تعالٰی فرمائے گا کہ کیا واقعہ یہ نہیں ہے کہ تو عہدوپیمان دے چکا ہے کہ پہلی مانگی چیز کے سوا اور کچھ نہ مانگے گا وہ عرض کرے گا یا رب میں تیری مخلوق میں بڑا بدنصیب نہ رہوں ۲۱؎ تو رب فرمائے گا کہ کیا ممکن ہے کہ تجھے یہ دیدیا جاوے تو تو اس کے سوا کچھ اور مانگے، کہے گا تیری عزت کی اس کے سواء میں اور کچھ نہ مانگوں گا۲۲؎ چنانچہ وہ اپنے رب کو عہدوپیمان دے گا جو رب چاہے اسے اللہ تعالٰی جنت کے دروازے تک بڑھائے گا پھر جب وہ اس کے دروازے تک بڑھادے گا پھر جب وہ اس کے دروازے پر پہنچے گا وہاں کی تروتازگی اور جو کچھ وہاں بہار اور خوشی دیکھے گا۲۳؎ تو جب تک اس کا خاموش رہنا اللہ چاہے وہ خاموش رہے گا پھر عرض کرے گا یا رب مجھے جنت میں داخل فرمادے۲۴؎ تو اللہ تعالٰی فرمادے گا افسوس تجھ پر

	اے ابن آدم تو کتنا عہد شکن ہے ۲۵؎ کیا تو نے عہدوپیمان نہیں دیا تھاکہ تو اس کے سوا نہ مانگے گا جو تجھے دے دیا گیا ۲۶؎ تو عرض کرے گا یارب مجھے اپنی خلقت میں بدنصیب نہ بنا ۲۷؎ تو وہ دعا کرتا رہے گا حتی کہ اس سے اللہ تعالٰی خوش ہوجاؤے گا ۲۸؎ تو جب خوش ہو جاوے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا پھر فرمائے گا تمنا کروہ تمنا کرے گا حتی کہ جب اس کی تمنائیں ختم ہوجائیں گی تو رب فرمائے گا فلاں فلاں تمنا کر خود رب تعالٰی اسے یاد دلانے لگے گا ۲۹؎ حتی کہ جب اس کی آرزوئیں ختم ہوجائیں گی تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ تیرے لیے یہ ہے اور اس کی مثل ۳۰؎ اور حضرت ابو سعید کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرمائے گا تیرے لیے یہ ہے اور اس سے دس گناہ اور ۳۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی انہوں نے وہ ہی حدیث بیان فرمائی جو ابھی گزری مگر اس کے الفاظ مختلف ہیں مضمون یکساں ہے صرف پنڈلی کھلنے کا ذکر نہیں باقی سارا مضمون وہی ہے،اس حدیث میں یہ مضمون زیادہ ہے جو ابھی بیان ہورہا ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ پل صراط آج نہیں ہے کیونکہ وہ تو گزرگاہ ہے جب گزرنے والے ہی ابھی نہیں ہیں تو اس پل کی کیا ضرورت ہے۔قیامت کے دن یہ پل قائم کیا جائے گا بدوں کے لیے تنگ ہوگا،نیکوں کے لیے وسیع ہوگا جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔

۳؎ قیامت کے حساب سے فارغ ہوکر اپنی امت کو لےکر پہلے وہاں سے میں گزروں گا اس طرح کہ امت کو اپنے آگے رکھوں گا میں پیچھے انکی حفاظت فرماتا روانہ ہوں گا تاکہ ساری امت میرے سامنے رہے حضور اس موقعہ پر گرتوں کو سہارا دیتے ہوں گے،ہر نبی اپنی امت کے ساتھ اس طرح ہوں گے کہ آگے امت پیچھے نبی۔

۴؎ کلالیب جمع ہے کلوب کی،لوہے کی لمبی سیخ اوپر سے خم دار کلوب کہلاتی ہے۔اردو میں اوکھنڈی کہتے ہیں۔

۵؎ سعدان عرب میں ایک خاص قسم کی گھاس ہوتی ہےخاردار جس کے شاخوں پتوں میں بڑے بڑے کانٹے ہوتے ہیں اسے اونٹ شوق سے کھاتا ہے اس کے کانٹوں کو خشک السعدان کہاجاتا ہے،اس کے پتے پستان کی گھنڈی کی طرح ہوتے ہیں۔(اشعہ،مرقات)

۶؎ اس طرح کہ لوگ گزرتے ہوں گے اور یہ کانٹے حرکت میں بارہا آتے ہوں گے کسی کو تو چھوئیں گے بھی نہیں،کسی کو چھوکر زخمی کرکے الگ ہوجائیں گے،کسی کو چھو کر نیچے گرادیں گےخدا کی پناہ! یہ فرق لوگوں کے ایمان و اعمال کے وجہ سے ہوگا۔

۷؎ کسی کو صرف خراش آوے گی کسی کو زخم کاری لگے گا مگر بچ جائے گا۔

۸؎ اس طرح کہ دوزخیوں کو دوزخ میں اور جنتیوں کو جنت میں داخل فرمادے گا۔یہ فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے کیونکہ قولی فیصلہ یعنی احکام کا صدور تو کب کا ہوچکا ہوگا۔

۹؎ یا تو یہ فرشتے وہ ہیں جو لوگوں کے نامہ اعمال لکھا کرتے تھے یا حاملین عرش اور ان کے اردگرد کے جو مسلمانوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ہم کو بھی چاہیے کہ ان فرشتوں کے لیے دعا کیا کریں ہر ختم و ایصال کے موقعہ پر ان کا نام لیا کریں۔

۱۰؎ یعنی دوزخ کی آگ ان لوگوں کے سارے اعضاء کو جلادے گی مگر اس کی پیشانی خصوصًا سجدہ گاہ کو نہ جلاسکے گی کہ یہ نور الٰہی کی جگہ ہے نور کو نار نہیں جلاسکتی،بعض شارحین نے فرمایا کہ سجدہ کے ساتوں عضو بھی محفوظ رہیں گے۔(اشعہ)بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد پورا چہرہ ہے،اس قول کی تائید بخاری شریف جلد دوم ص ۱۱۰۷ باب ردعمل الجهية میں کی اس حدیث سے ہوتی ہے ویحرم اللہ صورهم علی الناس بہرحال اس کے متعلق کئی احتمال ہیں۔

۱۱؎ یہ لفظ بنا ہے امتحاش سے بمعنی جل کر کوئلہ سیا ہوجانا۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ گنہگار مؤمن دوزخ میں جا کر مردہ بلکہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے وہاں جلنا اور نہ مرنا کفار کے لیے ہوگا۔

۱۲؎ اس ایک شخص سے مراد یا تو نوعًا ایک ہے یعنی ایک قسم کے لوگ جنہوں نے اس قسم کے جرم کیے تھے یا شخصًا ایک ہے یعنی ایک آدمی۔

۱۳؎ یعنی جو لوگ دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیجے جائیں گے ان میں سب سے آخر میں یہ نکالا جائے اور سب سے آخر میں یہ جنت میں پہنچایا جائے گا اسے راستہ میں بہت دیر لگے گی۔

۱۴؎ یعنی اسے دوزخ سے نکال کر کنارہ پر بٹھال دیا جائے گا کہ جنت کی طرف اس کی پیٹھ ہوگی اور دوزخ کی طرف اس کا منہ ہوگا جہاں اس کی تپش پہنچ رہی ہوگی جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے جنت تو ابھی دور ہوگی۔

۱۵؎ قشبنی بنا ہے قشب سے بمعنی جسم میں زہر کا سرایت کرجانا یا آگ کا جسم میں اثر کرکے اسے بگاڑ دینا اس کا ترجمہ جھلسانا بہت موزوں ہے۔

۱۶؎ یعنی ہم تیری یہ عرض پوری کردیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تو اس کے سواء اور کچھ نہ مانگے اسی منہ پھیر دینے پر قناعت کرے۔

۱۷؎ مگر رکھے گا منہ اسی طرح وہاں سے ہٹائے گا نہیں اب بجائے منہ کے اس کی پیٹھ کو تپش پہنچے جیساکہ مضمون سے ظاہر ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہاں سے اسے دور کردیا جائے مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

۱۸؎ اس دن ہر شخص کی نظر بہت تیز ہوگی یہاں سے جنت بہت دور ہوگی مگر یہ دیکھ لے گا،قرآن کریم فرماتاہے:"فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ"۔ہاں بعض کفار قیامت میں اٹھتے وقت اندھے اُٹھیں گے مگر بعد میں نہ کوئی اندھا رہے گا نہ کانا۔

۱۹؎ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بندے کا خاموش رہنا پھر دعا کرنا رب تعالٰی کی طرف سے ہوگا۔آج بھی ہمارا عبادات کرنا دعائیں مانگنا اس کی ہی توفیق سے ہے،وہ ہی ذوق دیتا ہے،وہ الفاظ دعا القاء کرتا ہے،وہ ہی بھیک کے لیے ہم کو جھولی دیتا ہے وہ ہی بھر دیتا ہے۔

۲۰؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اب تک اس کا صرف منہ پھیرا گیا تھاجنت تک پہنچایا نہ گیا تھا اس نے دور سے یہاں کی تروتازگی دیکھی تھی۔

۲۱؎ یہاں خلق سے مراد جنتی لوگ ہیں یعنی اے مولٰی جو جنت میں آرام کررہے ہیں وہ بھی تیری مخلوق تیرے بندے ہیں اور میں بھی تیری مخلوق ہوں تیرا بندہ ہوں میں ان سب سے بدتر کیوں رہوں مجھ پر کرم فرمادے ان کے پاس پہنچادے۔

۲۲؎ اس حدیث میں بڑی حوصلہ افزائی ہے اس بندے کا قسمیں کھا کھا کر توڑتے رہنا بھی رب تعالٰی کو پسند ہوگا کہ یہ قسم توڑنا سرکشی کے لیے نہ ہوگا بلکہ اللہ کی رحمت کی لالچ میں۔حضرت جندع ابن ضمیرہ نے مدینہ منورہ حاضر ہونے کے لیے کفار کے مجبور کرنے پر کفریہ باتیں منہ سے نکال دی تھیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی"اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمٰنِ"ایسے گناہوں پر ریا کاری کی نیکیاں قربان ہوجائیں،ان گناہوں کی بنا عشق و محبت یا ناز پر ہے۔

۲۳؎ یہ شخص دروازہ جنت پر پہنچ کر اندر جھانک جھانک کر دیکھنے لگے گاوہاں کی نعمتیں دیکھ کر دنگ رہ جاوے گا رب تعالٰی ہی صبر دے گا تو کچھ روز خاموش رہے گا ورنہ وہ فورًا ہی چیخ پڑتا یہ صبروخاموشی بھی رب کی طرف سے ہوگی۔

۲۴؎ یہ اس کی آخری عرض ہوگی اور یہ شخص بہت عرصہ میں یہاں تک پہنچ سکے گا اور یہ عرض کرسکے گا رب جانے کتنا عرصہ لگے گا۔

۲۵؎ ویل دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے مگر کبھی ہلاک و خرابی کے معنی میں آتا ہے یہاں بمعنی افسوس ہے یہ فرمان عالی انتہائی کرم کا ہوگا جیساکہ اگلے فرمان سے معلوم ہورہا ہے۔ما اغدرك فعل تعجب ہے یعنی تو کیسا عہد شکن ہے وعدہ توڑنے والا ہے،اللہ تعالٰی افسوس اور تعجب سے پاک ہے،یہ دونوں فرمان تعجب دلانے افسوس دلانے کے لیے ہیں نہ کہ تعجب یا افسوس کرنے کے لیے۔

۲۶؎ یعنی تو مجھ سے کتنے عہد کرچکا ہے ہر دفعہ عہد توڑدیتا ہے یہ تیری آخری بار ہے۔خیال رہے کہ اگر گناہ کرکے یار کو منالیا جاوے تو وہ گناہ نہیں ہوتاہزار نیکیوں سے افضل ہوتا ہے۔

۲۷؎ اس عرض کا مقصد یہ ہے کہ میں بارہا توڑ کر دیکھ چکا کہ میری ہر عہد شکنی پر تیرا کرم ہے پھر میں کیوں نہ عہد توڑوں۔شعر

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین   خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اس عہد شکنی پر ہزار ہا وفاء عہد قربان ہوجائیں،میں سمجھ گیا کہ میں بدنصیب خلق یعنی دائمی دوزخی نہیں ہوں،میں نصب ور ہوں یعنی مؤمن ہوں ورنہ دوزخ سے نکالا نہ جاتا۔(مرقات)

۲۸؎ یعنی اس کی اس عرض پر دریائے کرم جوش میں آجائے گا۔یہاں ضحك کے معنی ہنسنا نہیں اللہ تعالٰی ہنسنے رونے سے پاک ہے۔

۲۹؎اس کرم کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے اسے جنت میں داخلہ کی اجازت دی جاوے گی پھر جب وہ داخل ہوجائے گا تب اسے آرزوئیں کرنے کا حکم ہوگا،جب اس کی آرزوئیں ختم ہوجائیں گی تب رب تعالٰی اس سے خود فرمائے گا کہ بندے یہ بھی مانگ لے۔خیال رہے کہ مانگنے میں ہماری اپنی بندگی کا اظہار ہے رب چاہتا ہے کہ بندہ مجھ سے مانگتا رہے میں دیتا رہوں اور مانگنا سکھاتا ہے پھر دیتا ہے،ہمارا مانگنا بھی اس کی رحمت سے ہے۔شعر

مری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے　　　قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

۳۰؎وہ تیری طلب پر تھیں مثل میری عطا و فضل سے اپنی منہ مانگی مرادیں بھی لے اور میرا فضل و کرم بھی لے۔سبحان اللہ!

۳۱؎یعنی یہ زیادتی مقدار میں تو اس سے ایک گنا ہوگا مگر کیفیت میں دس گنا لہذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں،مقدار اور کیفیت میں بڑا فرق ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ آخری وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ شخص ہوگا جو کبھی چلے گا اور کبھی گرے گا ۱؎اور کبھی اسے آگ جھلسائے گی ۲؎پھر جب اس سے نکل جاوے گا تو اس کی طرف دیکھے گا کہے گا مبارک ہے وہ جس نے مجھے تجھ سے نجات دی ۳؎اللہ نے مجھے وہ شے دی ہے جو اگلے پچھلوں میں سے کسی کو نہیں دی ۴؎پھر اس کے سامنے ایک درخت پیش کیا جاوے گا ۵؎وہ کہے گا اے میرے رب مجھے اس درخت سے قریب کردے میں اس کا سایہ لوں گا اور اس کا پانی پیوں ۶؎تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ اے ابن آدم ممکن ہے کہ اگر میں تجھے یہ دیدوں تو تو مجھ سے اس کے سواء بھی مانگے ۷؎وہ عرض کرے گا نہیں اے رب اور اس سے وعدہ کرے گا کہ اس کے سواء اور نہ مانگے ۸؎اس کا رب اسے معذور جانے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھ رہا ہوگا جس پر صبر نہیں ہوسکتا تو اسے اس درخت سے قریب کردے گا وہ اس کا سایہ لے گا اور اس کا پانی پیئے گا ۹؎پھر دوسرا درخت اس کے سامنے کیا جاوے جو پہلے سے اچھا ہوگا تو کہے گا اے میرے رب مجھے اسی درخت سے قریب کر دے ۱۰؎تاکہ میں اس کا پانی پیوں اور اس کا سایہ لوں میں تجھ سے اس کے سواء نہ مانگوں گا ۱۱؎تو رب فرمائے گا اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے

معاہدہ نہ کیا تھا کہ تو اس کے سواء اور مجھ سے نہ مانگے گا پھر فرمائے گا ممکن ہے کہ اگر میں تجھے اس سے قریب کردوں تو تو مجھ سے اس کے سواء مانگے ١٢وہ رب سے وعدہ کرے گا کہ اس کے سواء نہ مانگے گا اور اس کا رب اسے معذور جانے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھے گا جس پر صبر ناممکن ہے رب اسے اس درخت سے قریب کر دے گا ١٣وہ اس کا سایہ لے گا اس کا پانی پیئے گا پھر اس کے سامنے جنت کے دروازے کے پاس ایک درخت ظاہر ہوگا جو پہلے دو سے اچھا ہوگا ١٤تو کہے گا اے میرے رب اب مجھے اس سے قریب کردے تاکہ میں اس کا سایہ لوں اور اس کا پانی پیوں ١٥اس کے سواء تجھ سے کچھ نہ مانگوں گا تو فرمائے گا اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہ کیا تھا کہ تو مجھ سے اس کا سواء کچھ نہ مانگے گا عرض کرے گا ہاں یارب یہ ہی آخری سوال ہے ١٦اس کے سوا تجھ سے اور نہ مانگوں گا اور اس کا رب اسے معذور رکھے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھے گا جس پر اس سے صبر نہ ہوگا ١٧تو اس کو اس سے قریب کردے گا تو جب اس سے قریب کردے گا وہ جنت والوں کی آواز سنے گا ١٨تو کہے گا اے رب مجھے اس میں داخل فرمارب فرمائے گا ابن آدم مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی ١٩کیا تجھے یہ بات راضی کرے گی کہ میں تجھے دنیا اور دنیا کی مثل اس کے ساتھ دوں ٢٠عرض کرے گا اے رب مجھ سے تو مذاق کرتا ہے تو رب العالمین ہے ٢١حضرت ابن مسعود ہنس پڑے پھر فرمایا تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں کس چیز سے ہنستا ہوں لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے تھے صحابہ نے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ حضور سرکار کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا رب العالمین کے ہنسنے سے جب وہ بندہ کہے گا ٢٢کہ کیا تو مجھ سے مزاق فرماتا ہے حالانکہ تو رب العالمین ہے تو فرمائے گا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا لیکن میں اپنے ہر

چاہے پر قادر ہوں۲۳؎اور اسی مسلم کی ایک روایت میں ہے جو حضرت ابو سعید سے ہے اسی طرح ہے مگر انہوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ اے ابن آدم مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی۲۴؎آخر حدیث تک اس میں یہ زیادتی کی ہے کہ اللہ اسے یاد دلائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ ۲۵؎حتی کہ جب اس کی خواہشیں ختم ہوجائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ سب کچھ تیرا ہے اور اس سے دس گنا اور ۲۶؎فرمایا پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوگا تو اس پر اس کی دو بیویاں آنکھ والی حوریں داخل ہوں گی۲۷؎کہیں گی شکر ہے اس اللہ کا جس نے تجھے ہمارے لیے اور ہمیں تیرے لیے زندہ رکھا ۲۸؎فرماتے ہیں وہ کہے گا کہ جیسا مجھے عطیہ کیا گیا وہ کسی کو نہ دیا گیا ۲۹؎

۱؎**فھو یمشی** میں **ف** تفصیلیہ ہے جس سے اس شخص کے جنت میں داخلہ کی تفصیل بیان فرمائی گئی،تعقیبیہ نہیں ہے۔جنت میں داخل ہوجانے کے بعد چلنا اور گرنا کیسا یعنی جب جنت میں آتا ہوگا تو راستہ اس طرح طے کرے گا۔

۲؎ **تسفع** کے لفظی معنی ہیں جلاکر نشان لگادینا،بالکل جلا دینے کو **خرق** کہتے ہیں اور معمولی جلا کر چہرہ وغیرہ سیاہ کردینے کو **سفع**۔(مرقات)لہذا اس کے معنی جھلسانا بہت موزوں ہیں مؤمن کو دوزخ کی آگ بالکل جلا ڈالنے پر قادر نہ ہوگی ہاں جھلسادے گی۔

۳؎اس کا آگ سے یہ کلام نہایت ہی فرحت و خوشی کی حالت میں ہوگا اس وقت اسے ایسی خوشی ہوگی کہ اگر موت ہوتی تو آج اسے شادی مرگ ہوجاتی۔

۴؎اس کا یہ کلام بھی انتہائی خوشی کا ہوگا۔خیال رہے کہ ادنی جنتی کو بھی یہ خیال نہ آوے گا کہ میں ادنی ہوں اگر یہ خیال ہوجائے تو اسے رنج ہو اور جنت میں رنج کیسا۔

۵؎یہ درخت جنت سے باہر ہوگا اس کے پاس پانی کا چشمہ ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اس درخت کی سرسبزی شادابی حسن و خوبصورتی بیان سے باہر ہے۔

۶؎یعنی میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس درخت تک پہنچ جاؤں ابھی اسے جنت کی خبر نہ ہوگی کہ وہاں کیا کیا ہے۔

۷؎رب تعالیٰ کا **لعلی** فرمانا اپنے شک کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ یا تو سامنے والے کے شک کی وجہ سے ہوتا ہے یا یقین کے لیے۔مطلب یہ ہے کہ تو یقینًا آگے اور بھی سوال کرے گا یا تو سوال نہ کرنے پر یقین نہ کر،تیری حالت اس مقام کی فرحت ایسی ہے کہ تو اپنے اس یقین پر قائم نہ رہے گا۔

۸؎اس وقت بندے کو اپنے پر پورا اعتماد ہوگا کہ مجھے وہاں پہنچ جانا ہی کافی ہے میں اس کے سواء اور کچھ نہ مانگوں گا، **نعوذ باللہ** جھوٹا وعدہ کرنے کی نیت نہ کرے گا لہذا اس فرمان پر کوئی اعتراض نہیں وہ جگہ جھوٹ بولنے کی ہوگی ہی نہیں۔

۹؎ یہ شخص یہاں وہ عیش و بہار دیکھے گا جو اس کے خیال و گمان وہم سے ورا ہوں گے وہ چیزیں بیان میں نہیں آسکتیں۔
۱۰؎ پہلا درخت بھی جنت کے راستہ ہی میں تھا اور یہ بھی وہاں ہی ہوگا مگر یہ درخت پہلے نظر نہ آوے گا اس درخت پر پہنچ کر نظر آوے گا،یہ سب کچھ رب تعالٰی کی طرف سے ہوگا،وہ ہی دکھائے گا،وہ ہی دل میں سوال پیدا کرے گا،وہ ہی عطا فرمائے گا۔
۱۱؎ وہ شخص یہ دعا فورًا نہ کرے گا اولًا عرصہ تک خاموش رہے گا،صبر کرنے کی کوشش کرے گا،پھر جب صبر کا جام چھلک جائے گا تب یہ عرض کرے گا جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔
۱۲؎ سبحان اللہ! یہ ارشاد عالی اسے مانگنے پر ابھارنے کے لیے ہے کہ تو مجھ سے اور مانگ یہ سارے کلام محبت وکرم پر ہیں۔
۱۳؎ بعض علماء کو میں نے فرماتے سنا کہ یہ وہ شخص ہوگا جو تھا تو مؤمن مگر اپنے والدین کی خدمت میں کوتاہی کرتا تھا، وہ جوان تھا کماؤ تھا،اس کے ماں باپ بوڑھے اور معذور تھے یہ انہیں خرچہ دیتا تو تھا مگر ترسا ترسا کر بہت انتظار دکھا کر، اس کی سزا کا ظہور اس طرح ہوگا کہ اسے جنت ملے گی تو مگر دکھا دکھا کر ترسا ترسا کر۔واللہ اعلم! غرضکہ ہوگا اسی طرح کا مجرم کہ اسے بہت انتظار کے بعد جنت دی جاوے ورنہ اور لوگ تو جنت میں بغیر انتظار داخل کیے جائیں گے۔
۱۴؎ وہ دونوں درخت تو راستہ جنت میں تھے اب یہ درخت دروازہ جنت سے متصل ہوگا جوان دونوں سے بہتر ہوگا اور یہاں سے جنت کا اندرونی حصہ دیکھنے میں آوے گا یہاں بہار ہی کچھ اور ہوگی جو بیان نہیں کی جاسکتی۔
۱۵؎ وہ سمجھے گا کہ ان دونوں درختوں کی طرح وہاں بھی صرف سایہ اور پانی ہے اسے کیا خبر کہ وہاں جنت کے نظارے بھی ہیں اس لیے صرف سایہ لینے پانی پینے ہی کا ذکر کرے گا۔
۱۶؎ یہاں ھذہ یا تو مبتداء ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یا مفعول ہے جس کا فعل پوشیدہ ہے یعنی آخری سوال میرا یہ ہی ہے اس کے بعد اور سوال نہ کروں گا یا تجھ سے آخری یہ ہی چیز مانگتا ہوں اب نہ مانگوں گا،وہ سمجھتا ہوگا کہ اس سے اعلیٰ تو کوئی چیز ہوسکتی ہی نہیں پھر سوال کیا۔
۱۷؎ لہذا یہ وعدہ خلافیاں بے صبری کی وجہ سے ہوں گی۔
۱۸؎ یا تو جنتی لوگوں کی آپس کی بات چیت سنے گا یا ان کی تسبیح تہلیل،تلاوت قرآن مجید کی آواز جنت میں ذکر اللہ اور تلاوت وغیرہ ہوں گے۔خیال رہے کہ قیامت میں کوئی اندھا بہرا نہ ہوگا سب کی یہ قوتیں بہت ہی تیز ہوں گی اس لیے یہ شخص جنت کے اندر کی آوازیں دروازے سے سن لے گا،رب فرماتاہے:"فَکَشَفۡنَا عَنۡکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ"۔
۱۹؎ یصرینی باب ضرب کا مضارع ہے،یہ بنا ہے صری سے بمعنی ختم ہونا،منقطع ہونا،چھٹکارا ملنا یعنی تیرا مجھ سے مانگنا ختم نہیں ہوتا تیری دادو حش سے فارغ نہیں ہوتا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ما استفہامیہ ہے۔معنی یہ ہیں کہ کون چیز مجھے تجھ سے فارغ کرے گی بتا کس چیز پر تیری مانگ ختم ہوتی ہوگی۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں عبارت الٹی ہے اصل میں یہ تھا مایصرینی منك میری کون سی عطا پر تیری طلب ختم ہوگی تو کس عطا پر مانگنے سے فارغ ہوگا،یہ فرمان عالی نہایت ہی کرم و رحم کا ہے۔

۲۰؎ یعنی اگر تجھے جنت کا اتنا رقبہ دے دوں جو ساری دنیا کے رقبہ سے دوگنا ہے تو کیا تو سوالات اور مانگ ختم کردے گا لے تو اتنا لے لے اور اپنی مانگ ختم کر۔

۲۱؎ یہ شخص انتہائی خوشی میں دربار عالیہ کے آداب بھی اور عرض کرنے کا طریقہ بھی بھول جاوے گا وہ سمجھے گا کہ جنت میں اتنی جگہ کہاں سے آئی مجھ سے یوں ہی میرے دل لگانے کے لیے فرمایا جارہا ہے۔استہزاء کے لغوی معنی ہیں دل لگی جو مخاطب کے دل کو لگ جاوے،اللہ تعالٰی دل اور دل لگنے سے پاک ہے اور دل لگی کے ظاہر معنی سے بھی پاک ہے کہ کچھ دینا تو نہ ہو صرف اس کا دل لبھانے کے لیے یہ فرمادے۔(اشعہ)مرقات نے فرمایا کہ اس کی یہ عرض و معروض ایسی بے خودی میں ہوگی جیسی اس گم شدہ اونٹ والے نے اونٹ مل جانے پر کہا الٰھی انت عبدی وانا ربك خدایا تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب اسے خبر ہی نہ رہی کہ میرے منہ سے نکل کیا رہا ہے ایسی جوش کی حالت کی بے ادبی معاف ہوتی ہے،یہ بے ادبی نہیں بلکہ بے خودی کی بدحواسی ہے۔

۲۲؎ رب تعالٰی کے ہنسنے سے مراد ہے اس کا خوش ہوجانا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا ہے آپ کا تبسم فرمانا یہ،تبسم بھی اظہار خوشی کے لیے ہے،حضرت ابن مسعود کا ہنسنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل فرماتے ہوئے ہے۔حضرات صحابہ کرام حضور کے افعال کریمہ کی روایت بالعمل بھی کرتے تھے جب غضب ہو تو بندہ کی عبادت پر ناراض ہوجائے اور جب کرم ہو تو اس کے گناہ پر خوش ہوجائے۔بلاتشبیہ شیخ سعدی کا وہ مقولہ دیکھو

گہے بر سلامے بر بخندو | گہے بہ دشنامے خلعت وہندہ

اس کی تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو۔اعلٰی حضرت نے فرمایا

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف | ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

رب ہم سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔

۲۳؎ یعنی تو نے میری قدرت جانی نہیں تیری طلب سے میری رحمتیں زیادہ ہیں میری عطائیں تیرے وہم و گمان سے ورا ہیں۔

۲۴؎ یعنی مسلم کی روایت میں اتنی عبارت نہیں اور دوسری دراز عبارت ہے جو دوسری روایت میں مذکور ہے۔

۲۵؎ سبحان اللہ!کیسا کریم رحیم ہے کہ خود ہی مانگنا سکھائے اور خود ہی عطائیں فرمائے جب حاکم فرمائے کہ تم فلاں مضمون کی درخواست ہم کو دے دو مطلب یہ ہوتا ہے کہ نوکر رکھ لیا ہے قانونی کارروائی کے لیے درخواست مانگی ہے یہ ہی وہاں بنے گا بلکہ دنیا میں بھی ایسا ہی ہے وہ ہی دعا سکھاتا ہے وہ ہی عطائیں فرماتا ہے۔

۲۶؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ اولًا ایک مثل کی عطا ہوگی پھر دس گنا کی لہذا روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

۲۷؎ اس کی یہ بیبیاں اس کی منتظر تھیں۔خیال رہے کہ اس جنتی کو دو بیویاں تو حورعین ملیں گی اور اس کی دنیا کی وہ بیوی جو اس کے نکاح میں فوت ہوئیں اگر اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے وہ بھی ملے گی ان کے سواء اور وہ عورتیں جو کنواری فوت ہوئیں یا وہ جن کے خاوند کافر مرے وہ بھی اسے ملے گی ہر جنتی کا یہ ہی حال ہوگا۔چنانچہ حضرت مریم اور حضرت بی

بی آسیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہوں گی،یہاں دو فرمانا صرف حوروں کے لیے ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ "وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ"وہاں ازواج جمع ارشاد ہوا ہے یہاں دو حوریں فرمایا گیا دونوں درست ہیں۔

۲۸؎ یعنی اس رب نے تم کو ہمارے لیے اور ہم کو تمہارے لیے دائمی زندگی بخشی کہ اب نہ مرنا ہے نہ یہاں سے نکلنا نہ ہماری تمہاری جدائی تجھے ہم تک پہنچایا۔

۲۹؎ یا تو اس شخص کو اعلیٰ درجات والے جنتیوں کی عطاؤں کی خبر نہ ہوگی وہ سمجھے گا سب سے اعلیٰ نعمتیں مجھے ہی دی گئی ہیں یا اسے ان حضرات کے عطیوں کی طرف دھیان نہ جاوے گا اپنی نعمتوں پر ہی دھیان رہے گا تاکہ اسے رنج نہ ہو کہ جنت میں رنج و غم نہیں،مرقات نے پہلی توجیہ اختیار کی غرضکہ اس کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ قوموں کو ان کے کیے ہوئے گناہوں کی وجہ سے آگ کی لپٹ پہنچے گی۱؎ سزا کے طور پر پھر اللہ انہیں جنت میں داخل فرمادے گا اپنے فضل اپنی رحمت سے انہیں جہنمی کہا جاوے گا۲؎ (بخاری)

۱؎ ایسی لپٹ پہنچے کہ جس سے ان کے چہرے جھلس تو جائیں گے مگر بالکل جلیں گے نہیں۔**سفع** کے معنی ہیں حرق قلیل تھوڑی سی جلن۔

۲؎ مگر انہیں اس نام سے خوشی ہوگی کہ رب تعالیٰ کی بخشش رحمت انہیں یاد آئے گی،رنج مطلقًا نہ ہوگا کہ جنت میں رنج کیسا۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محمد مصطفیٰ کی شفاعت سے ایک قوم آگ سے نکالی جاوے جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا نام جہنمیں رکھا جاوے گا۱؎ (بخاری)اور ایک روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ایک قوم میری شفاعت کی بنا پر آگ سے نکالی جاوے گی جو جہنمی نام دیئے جائیں گے۲؎

۱؎ ان میں سے وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے صرف کلمہ پڑھا اچھے عقیدے اختیار کیے مگر کوئی نیکی نہ کی اور وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے کلمہ بھی نہیں پڑھا ان کا ایمان شرعی نہ تھا مگر وہ عند اللہ مؤمن تھے،دل میں ایمان رکھتے ہیں زبان سے ظاہر نہ کرتے تھے کسی وجہ سے،ان پر دنیا میں نماز جنازہ بھی نہ ہوئی،انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا گیا،انہیں رب تعالیٰ اپنی قدرت والی مٹھی میں بھر کر جنت میں ڈالے گا۔یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہی دوزخ سے نکلیں گے اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے کی جاچکی ہے۔

۲؎ یہ وہ لوگ ہیں جو کلمہ پڑھ کر مسلمان تو ہوگئے مگر غفلت میں زندگی گزار گئے کوئی نیکی نہیں کی کیونکہ انہیں امتی فرمایا گیا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جانتا ہوں دوزخ والوں میں سے آخری نکلنے والے کو اور جنت میں آخری داخل ہونے والے کو ا؎ ایک شخص آگ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو رب فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا وہ وہاں جاوے گا اسے خیال بندھے کہ جنت بھری ہوئی ہے ۲؎ وہ کہے گا یارب میں نے جنت بھری ہوئی پائی ۳؎ تو رب فرمائے گا جا جنت میں داخل ہوجا کیونکہ تیری ملکیت دنیا کی برابر اور اس کا دس گنا ہے ۴؎ وہ کہے گا کیا تو مجھ سے تمسخر کرتا ہے یا مجھ سے ہنسی فرماتا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور ہنسے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک چمک گئیں ۵؎ اور کہا جاتا تھا کہ یہ جنت والوں میں ادنی درجہ کا ہوگا ۶؎ (مسلم،بخاری)

ا؎ رجل سے مراد صرف ایک شخص نہیں ہے بلکہ اس قسم کے لوگ ہیں۔حضور ان سب کو تفصیلاً جانتے ہیں ان کے نام، ان کے خاندان،ان کی شکل و صورت وغیرہ جیساکہ اعلم سے معلوم ہوا۔شعر

ہم نے عرض کیا ہے۔ ایک ماہ مدن گورا سا بدن نیچی نظریں کُل کی خبریں

۲؎ کیونکہ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرے گی وہاں تک آدمی ہی آدمی نظر آئیں گے کوئی جگہ جنتیوں سے خالی اسے نظر نہ آوے گی۔

۳؎ میرے مولیٰ اب میں کہاں جاؤں گا جنت میں تو کوئی جگہ خالی ہی نہیں۔

۴؎ اس دن گناہ فرمانے میں عجیب حکمت ہوگی کیونکہ مؤمن کا دنیا میں رہنا بھی نیکی ہے اور نیکی کا بدلہ دس گنا ہے "**مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا**" لہذا اس قانون سے اسے دنیا کا دس گنا رقبہ عطا ہوا۔(مرقات)

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے سے مراد ہوتا ہے آپ کا تبسم فرمانا کیونکہ قہقہہ لگانا حضور سے کبھی ثابت نہیں،رب تعالٰی کے استہزاء کے معنی بیان ہوچکے۔

۶؎ یہ قول یا تو حضرت ابن مسعود کا ہے یا کسی اور راوی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں۔اس لیے کان یقال فرمایا گیا۔یعنی لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ ادنی درجہ کا جنتی ہوگا جس کی املاک اس قدر وسیع ہوں گی۔اعلیٰ جنتیوں کی ملکیت کا رقبہ تو ہمارے خیال سے باہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جانتا ہوں جنتیوں میں سے آخری داخل ہونے والے کو جنت میں اور دوزخیوں میں سے وہاں سے آخری نکلنے والے کو۱؎ یہ شخص ہوگا جسے قیامت کے دن لایا جائے گا کہا جائے گا کہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس سے اس کے بڑے گناہ اٹھا رکھو ۲؎ چنانچہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہا جاوے گا تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے اور فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیے وہ کہے گا ہاں۳؎ انکار کرنے کی طاقت نہ رکھے گا۴؎ اور وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ اس پر وہ پیش کردیئے جاویں۵؎ کہا جاوے گا کہ تیرے لیے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی ہے ۶؎ تب وہ کہے گا کہ میں نے تو اور بڑے کام کیے تھے جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۷؎ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور سرکار ہنس پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں چمک گئیں ۸؎(مسلم)

۱؎ یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم ہیں جو دوزخ سے آخر میں نکلے گا وہ ہی جنت میں آخر میں جائے گا۔مرد سے مراد نوع مرد ہے نہ کہ شخصی مرد،اس قسم کے بہت لوگ ہوں گے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تفصیلًا جانتے ہیں۔

۲؎ یعنی اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ اقرار کرانے کے لیے پیش کرو ابھی بڑے گناہ اسے نہ دکھاؤ۔خیال رہے کہ ابھی ان بڑے گناہوں کی معافی نہیں ہے بلکہ اس سے چھپانا ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ اس دن اپنے گناہ مان لینا سعادت کی نشانی ہوگی اور بخشش کا پیش خیمہ کہ انکار کرنے پر مصیبت آجاوے گی،مسلمان یہ بات یاد رکھیں۔

۴؎ یعنی اس کے دل میں اس میں سے کسی گناہ کے انکار کی ہمت نہ ہوگی یہ بے ہمتی نیک بختی کی علامت ہے۔اللہ تعالٰی یہاں گناہ کرنے کی ہم کو ہمت ہی نہ دے یہ ہمت ہارنا ان شاءاللہ جیتنے کا پیش خیمہ ہے،یہ ہمت عذاب ہے کم ہمتی رحمت۔

۵؎ معلوم ہوا کہ اس دن ہر شخص کو اپنا ایک ایک عمل یاد ہوگا،نامہ اعمال اس کی یاد کی تصدیق کرے گا،رب فرماتا ہے: "اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا"بلکہ مرتے وقت بھی انسان کے سامنے اپنے ہر نیک و بد اعمال آجاتے ہیں بہتر ہے کہ ہر شخص روزانہ سوتے وقت اپنے اعمال کا حساب لیا کرے۔

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہوگا جس نے اپنے ان گناہوں سے توبہ نہیں کی تھی بغیر توبہ مرگیا تھا اور یہ تبدیلی محض کرم و فضل سے ہوگی۔اس تبدیلی کا مطلب یہ نہیں کہ گناہ نیکیاں بن جاویں گے کہ زنا جہاد بن جاوے اور جھوٹ سچے ہوجاوئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے فی گناہ ایک عطیہ دے دو اگر وہ نیکی کرتا تو یہ پاتا اسے ویسے ہی دے دو۔خیال رہے کہ

توبہ،ایمان،نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی تبدیلی قانون ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ"وہاں یہ تبدیلی صرف فضل و مہربانی ہے۔شعر

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا | کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا

بنیانہ کیتی کیتی ٹھکرائی | بن کیتی لکھ دین برائی

اللہ تعالٰی انصاف نہ کرے رحم فرمادے کہ ہماری کی ہوئی برائیاں بے کی ہوئی بنادے یعنی محو فرمادے،سب پر مہربانی و معافی کا قلم پھیر دے۔شعر

من نہ گویئم کہ طاعتم بہ پذیر | قلم عفو برگنا ہم کش

ے یعنی اس کرم کریمانہ کو دیکھ کر پکار اٹھے گا کہ مولٰی میرے بڑے گناہ تو یہاں موجود ہی نہیں وہ بھی لائے جاویں اور ان بڑے گناہوں پر بڑے عطیے دیئے جاؤیں،تو بخشش بے حساب کہ ہیں جرم بے حساب۔

۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے انقلاب حال پر تبسم فرمایا کہ ابھی تو گناہ کبیرہ سے ڈررہا تھا اب خود مانگ رہا ہے۔رب کا فضل تو آن کی آن میں کایا پلٹ دیتا ہے وہ اگر چاہے تو ہم جیسے لاکھوں گنہگار پرہیزگار بن جاویں وہاں کیا کمی ہے،پانچ منٹ کی بارش مردہ زمین کو زندہ کردیتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ سے چار آدمی نکالے جائیں گے ۱ پھر بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جائیں گے پھر انہیں آگ کیطرف جانے کا حکم دیا جاوے گا ۲ تو ان میں سے ایک مڑمڑ کر دیکھے گا عرض کرے گا یارب میں امیدوار تھا جب تو نے مجھے وہاں سے نکال لیا تو اب دوبارہ نہ لوٹائے گافرمایا تو رب اسے آگ سے نجات دے دے گا ۳ (مسلم)

۱ یعنی چار قسم کے لوگ نکالے جائیں گے یا ہر بار میں چار چار افراد نکالے جائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شخصی ہو۔خیال رہے کہ یہ سب لوگ بخشے جائیں گے حضور کی شفاعت سے ہی کوئی آگے کوئی پیچھے کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح۔شفاعت سے پہلے تو رب نہ کسی سے کلام فرمائے گا نہ قیامت کا کاروبار شروع فرمائے گا۔

۲ سبحان اللہ!کیسا پیارا حکم ہے دوزخ سے نکل کر ہمارے حضور آؤاچھا پھر وہاں ہی لوٹ جاؤ،اس حکم حکیمانہ پر دل و جان فدا۔اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایاشعر

جملہ عالم بندہ اکرام تو | صدچو جان من فدائے نام تو

۳ معلوم ہوا کہ رب تعالٰی سے امید بھی بڑی عبادت ہے ایسی عبادت کہ مشکلیں حل کردیتی ہے۔امید ہی وہ عبادت ہے جو اس عالم میں بھی ہوگی اور کام آوے گی امید ہی وہ عبادت ہے جو ہم جیسے گنہگاروں کا سہار اہے۔شعر

زطاعت نہ آورد م الا امید | خدایا مگرداں مرانا امید

اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چار میں سے ایک شخص یہ عرض کرے گا باقی تین بھی اسی کی عرض سے بخش دیئے جائیں گے،رحمت والے کا ساتھ بھی رحمت سے حصہ دلادیتا ہے،یا وہ چاروں باری باری سے یہ عرض کریں گے یہاں صرف ایک کا ذکر ہوا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان آگ سے نجات پائیں گے تو وہ جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائیں گے ۱؎ تو بعض کا ان ظلموں کا بدلہ لیا جاوے گا جوان کے درمیان دنیا میں تھے ۲؎ حتی کہ جب پاک و صاف کردیئے جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جاوے گی ۳؎ تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد مصطفی کی جان ہے ان میں سے ہر ایک اپنے جنتی گھر کا اس سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا جو اپنے دنیاوی گھر کا ہدایت یافتہ تھا ۴؎ (بخاری)	

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ پل جنت دوزخ کے درمیان کوئی اور پل ہے سواء پلصراط کے کیونکہ پلصراط تو دوزخ کے اوپر واقع ہے جنت کے درمیان نہیں،نیز یہاں ارشاد ہے کہ مؤمن آگ سے نجات پاکر اس پل پر پہنچیں گے یعنی پلصراط سے گزر جانے کے بعد اور اگر اس سے پلصراط ہی مراد ہو تو اس کا دوسرا کنارہ مراد ہوگا جو دوزخ کے دوسری طرف جنت کی جانب،اس کا پہلا کنارہ میدان حشر کی طرف،عام شارحین نے اس سے پلصراط مراد لیا ہے۔واللہ اعلم!

۲؎ یعنی ظالموں سے مظلوموں کو بدلہ دلوایا جاوے گا خواہ جانی ظلم ہو یا مالی یا عزت و آبرو کا ظلم۔غالبًا اس سے معمولی ظلم مراد ہیں بڑے ظلم جیسے قتل،مال مار لینا وغیرہ کی سزا میں تو دوزخ میں رکھا جاوے گا۔یہاں قصاص یا تو اس طرح لیا جاوے گا کہ مظلوم سے معاف کرادیا جاوے یا مظلوم کا درجہ بڑھادیا جاوے یا ظالم کا درجہ گھٹا دیا جاوے، قصاص کی بہت صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی گندا جنت میں نہ جائے گا وہاں تو پاک و صاف کی جگہ ہے۔مؤمن بعض گناہوں سے تو دنیاوی تکالیف فکریں بیماریوں وغیرہ کے ذریعہ صاف کردیئے جاتے ہیں،بعض گناہوں سے سکرات موت کی وجہ سے، بعض گناہوں سے عذاب قبر کی وجہ سے مگر بعض گناہ ایسے ہیں جنہیں کچھ دن دوزخ کی آگ میں رکھ کر دور کیے جائیں گے جیسے سونے چاندی کے معمولی میل صابن برش سے صاف کیے جاتے ہیں مگر بعض میل آگ میں تپا کر ہی دور کیے جاسکتے ہیں،یہ ہی ہمارے میلوں کا حال ہے۔(اشعہ)

۴؎ چنانچہ کوئی جنتی جنت میں پہنچ کر کسی سے اپنے گھر کا پتہ نہ پوچھے گا بلکہ خود بخود بے تکلف وہاں ایسے پہنچ جاوے گا جیسے وہاں کا پرانا باشندہ ہے کیونکہ گناہ دھل جانے کی وجہ سے اس کا دل نورانی خالص ہوگیا نور سے کچھ نہیں چھنا۔ (اشعہ)رب فرماتا ہے:"یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمٰنِہِمۡ"اللہ تعالٰی دنیا میں بھی ہم کو کامل نور ایمانی عطا فرمادے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا مگر پہلے اسے اس کا دوزخی ٹھکانہ دکھایا جاوے گا اگر وہ جرم کرتا۱ تاکہ وہ زیادہ شکر کرے اور کوئی آگ میں نہ جاوے گا مگر اسے اس کا جنتی ٹھکانہ دکھایا جاوے گا اگر وہ نیکیاں کرتا تاکہ اس پر حسرۃ ہوجاوے۲(بخاری)

۱ہر شخص کے لیے دو ٹھکانے مقرر ہیں ایک دوزخ میں،دوسرا جنت میں،مؤمن اپنا اور کافر کا جنتی مقام لے گا اور کافر دوزخ میں اپنا اور مسلمان کے مقام کو سنبھالے گا۔یہاں قبر کے امتحان میں کامیاب ہوجانے پر دکھایا جاوے گا،پھر قیامت میں دکھانا مراد ہے جیساکہ مضمون ہے اور عذاب قبر کے باب میں خود قبر میں دکھانے کا ذکر تھا۔
۲مؤمن کی خوشی کی انتہاء نہ رہے گی اور کافر کے رنج و غم بے حد ہوجائیں گےآگ کی تکلیف اور جنت کا گھر چھوٹ جانے کا صدمہ۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جاویں گے تو موت لائی جاوے گی حتی کہ جنت و دوزخ کے درمیان رکھی جاوے گی۱پھر ذبح کردی جاوے ۲ پھر پکارنے والا پکارے گا اے جنتیو اب موت نہیں اور اے دوزخیو اب موت نہیں۳تو جنتی لوگوں کو خوشی پر خوشی بڑھ جاوے اور دوزخی لوگوں کو غم پر غم زیادہ ہوجاوے گا۴(مسلم،بخاری)

۱دنبہ کی شکل میں موت اعراف پہ کھڑی کی جاوے گی۔خیال رہے کہ دنیا کے اعراض صفات وغیرہ سب کی صورتیں ہیں جو آخرت میں ظاہر ہوں گی،آج ہم خواب میں حالات کو اجسام کی شکل میں دیکھ لیتے ہیں شاہ مصر نے سات سال کا قحط سات بالیوں سات گایوں کی شکل میں دیکھا تھا۔

۲اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ موت وجودی چیز ہے محض عدم نہیں،رب فرماتاہے:"خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ"لہذا موت فنا ہوسکتی ہے کہ وہ بھی مخلوق ہے۔
۳لہذا اب ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو نہ مرنا ہے نہ یہاں سے نکلنا،نہ بیماری نہ کوئی تکلیف،تمہیں بھی یہاں ہیشگی ہے اور تمہارے عیش و آرام کو بھی دوام۔
۴اس خوشی اور غم کا بیان نہیں ہوسکتا اگر وہاں موت ہوتی تو جنتی تو خوشی سے مرجاتے اور دوزخی غم سے ہلاک ہوجاتے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ میرا حوض عدن سے لے کر[۱] عمان بلقاء تک ہے[۲] اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا[۳] اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کے برابر[۴] ہیں جو ایک گھونٹ پئے گا اس کے بعد پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا[۵] لوگوں میں سب سے پہلے وہاں پہنچنے والے وہ مہاجر فقیر ہیں جن کے بال پراگندہ ہیں کپڑے میلے جو امیر عورتوں سے نکاح نہ کرسکیں ان کے درازے نہ کھولے جاویں[۶] (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[۱] عدن آج کل یمن کا دارالخلافہ ہے،مشہور شہر ہے،بحر ہند کے کنارے پر واقع ہے،حجاج کا جہاز پہلے عدن ٹھہرتا ہے پھر جدہ پہنچتا ہے۔

[۲] عمان عین کے فتحہ میم کے شد سے اردن کا مشہور شہر ہے وہاں کا دارالخلافہ ہے اور عمان عین کے پیش میم کے شد سے یمن کا ایک شہر بھی ہے شام کا ایک مقام بھی اور بلقاء شام کی مشہور جگہ،عمان کو بلقاء کی طرف مضاف فرماکر بتایا کہ یہاں شام والا عمان مراد ہے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ بیان حد بندی کے لیے نہیں بلکہ سننے والے کو وسعت سمجھانے کے لیے ہے۔اسی واسطے مختلف احادیث میں مختلف شہروں کے نام لیے گئے جو شخص جن شہروں سے واقف تھا اسے وہ ہی شہر بتائے گئے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حوض کوثر بعض لوگوں کی نگاہ میں دراز ہوگا،بعض کی نگاہ میں بہت دراز،بعض کی نگاہ میں بہت ہی دراز جیسے مؤمن کی قبر کی فراخی مختلف ہے۔(مرقات)

[۳] مٹھاس کے بیان کے لیے شہد کا ذکر فرمایا کہ شہد میٹھا بھی ہوتا ہے لذیذ بھی اور اس میں شفاء بھی ہے دیگر شیرینی میں یہ خوبیاں جمع نہیں۔

[۴] کوزوں اور تاروں کی گنتی حضور کو معلوم ہے دوسروں کے علم سے وراء ہے،چونکہ تارے بہت بھی ہیں چمکدار بھی خوشنما بھی اس لیے ان کا ذکر فرمایا ذرات یا قطرات کا ذکر نہیں فرمایا۔ان کوزوں میں کثرت بھی ہے،چمک دمک بھی،بے مثال حسن بھی۔

[۵] حوض کوثر جنت میں ہے اس کی ایک نہر میدان حشر میں اسی میں تاثیر یہ ہے کہ نہ اب پیاس رہے نہ آئندہ پیاس محسوس ہو۔سبحان اللہ!

[۶] یہاں فقراء سے مراد وہ فقراء ہیں جو صالحین مؤمنین ہوں جو علم و عبادت میں مشغولیت کی وجہ سے مال و عزت حاصل نہ کرسکے اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف رکھا۔دوسری روایت میں بھی اسے یوں واضح فرمایا کہ دنیا میں بھوکے رہنے والے

آخرت میں سیر ہوں گے۔(مرقات)جنہیں دنیا والے نہیں پوچھتے انہیں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول پوچھتے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں **اشعث** وغیرہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گندے رہتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر وقت جسمانی صفائی کے پیچھے نہیں لگتے،اس صفائی میں مشغول ہوکر آخرت کو نہیں بھولتے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ارشاد ہے کہ صفائی و طہارت بہت اعلٰی چیزیں ہیں،فرمایا گیاطہارت نصف ایمان ہے،نیز اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ لوگوں کے دروازہ پر جاتے ہیں مگر ان کے لیے دروازے نہیں کھلتے۔یہ فرض و تقدیر کا بیان ہے کہ اگر بالفرض وہ کسی دنیادار کے دروازہ پر جائیں تو وہ ان بے چاروں کی طرف التفات نہ کریں ورنہ یہ فقراء تمام عالم سے غنی ہوتے ہیں۔مصرع

کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو

روایت ہے حضرت زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک منزل پر اترے تو فرمایا کہ تم ان کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہوجو میرے پاس حوض پر پہنچیں گے ۱؎ کہا گیا تم اس دن کتنے تھے فرمایا سات سو یا آٹھ سو ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت مراد ہے کہ ان شاءاللہ ہر امتی حوض کوثر پر حاضر ہوگاوہاں کا پانی پئے گا،کیوں نہ پئے کہ وہ اس کے نبی کا حوض ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یہ فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ حضور کی امت تو اربوں کھربوں کی تعداد میں ہے۔آج مسلمان دنیا میں قریبًا ایک ارب ہیں پھر تاقیامت کتنے ہوں گے ہم اندازہ نہیں کرسکتے۔

روایت ہے حضرت سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نبی کا حوض ہے اور وہ حضرت اس پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے پاس زیادہ آنے والے ہیں ۱؎ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ان سب میں زیادہ ہوں گا آنے والوں میں ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ ہر نبی کا حوض علیحدہ ہوگامگر ہمارے حضور کا حوض جس کا نام کوثر ہے ان سب سے بڑا سب سے خوبصورت اور سب سے لذیز ہوگا۔

۲؎ کیونکہ ہر نبی کے حوض پر ان کی امت ہی حاضرہوگی۔امت کی زیادتی نبی کے لیے،شاگردوں کی زیادتی استاد کے لیے، مریدین کی زیادتی شیخ کے لیے،رعایا کی کثرت بادشاہ کے لیے باعث فخر ہوتی ہے۔اس زیادتی کا ذکر دوسری حدیث میں ہے کہ جنتی لوگوں کی کل صفیں ایک سوبیس ہوں گی جن میں سے اسّی صفیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت باقی چالیس صفوں میں ساری امتیں۔خیال رہے کہ ایسے موقعہ پر **لعل** اور رجاء شک کے لیے نہیں بلکہ یقین کے لیے ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں بہت جگہ **لعل** فرمایا گیا ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا قیامت کے دن میری شفاعت فرما دیں ۱؎ فرمایا میں شفاعت کروں گا میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں حضور کو کہاں تلاش کروں ۲؎ فرمایا تم مجھے پہلے تو تلاش کرنا پل صراط پر میں نے عرض کیا اگر آپ کو پل صراط پر نہ پاؤں فرمایا پھر مجھے میزان کے پاس ڈھونڈھنا ۳؎ میں نے عرض کیا اگر میں حضور کو میزان کے پاس نہ پاؤں ۴؎ فرمایا پھر مجھے حوض کے پاس تلاش کرنا ۵؎ کیونکہ میں ان تین جگہوں سے علاوہ میں نہ ہوں گا ۶؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یہاں شفاعت سے مراد خاص شفاعت ہے جو خاص غلاموں کی ہوگی، شفاعت عامہ تو ہر مؤمن کی ہوگی۔ خیال رہے کہ حضرت انس نے ایک شفاعت مانگ کر ایمان، تقویٰ، حسن خاتمہ، قبر کے امتحان میں کامیابی سب کچھ مانگ لی کہ یہ چیزیں شفاعت خاصہ کی تمہیدیں ہیں۔ شعر

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خیر مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

اس ایک کلمہ میں بہت سے وعدے ہیں: تم ایمان پر جیو گے، تمہاری زندگی تقویٰ میں گزرے گی، تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوگا، تمہاری خطائیں قابل معافی ہوں گی، تمہاری شفاعت میرے ذمہ ہوگی کیونکہ کفر حقوق العباد کی شفاعت نہیں ہوگی۔ آج بھی مسلمان روضہ اطہر پر عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتے ہیں، یہ حدیث اس مانگنے کی اصل ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور سے بھیگ مانگنا جائز ہے کہ دنیا کی ہر چیز شفاعت سے نیچے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو محروم نہیں کرتے "وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد مانگو، دین و دنیا مانگو، دنیا کی ہر نعمت مانگو، جو مانگو گے پاؤ گے وہاں سے محروم کوئی نہیں پھرتا۔

۲؎ خیال رہے کہ قیامت میں ایک وقت تو وہ ہوگا جب سارا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈے گا پھر وقت وہ آوے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گنہگار کو ڈھونڈیں گے۔ شعر

عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے خدا گواہ یہ ہی حال آپ کا ہوگا

وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں غضب کی بھیڑ میں ان کی میں اس پہچان کے صدقے

حضرت انس کا سوال غالبًا پہلے وقت کے متعلق ہے کبھی ایسا بھی ہوگا کہ گنہگار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور غمخوار محبوب اپنے گنہگار کو تلاش کریں گے دو طرفہ تلاش ہوگی۔ حضور پلصراط کے کنارے پر کھڑے ہوں گے تاکہ گرتوں کو سہارا دیں۔ شعر

سیس پہ گٹھڑی ڈگر گھائل میرے پاؤں پیارے تمہیں سنبھالیو جب ڈگمگ میں ہوجاؤں

۳؎ حضور میزان پر اپنی امت کے عمل کا وزن اپنے اہتمام سے کرائیں گے کہ اگر کسی امتی کی نیکیاں ہلکی ہوں اور وہ دوزخ میں لے جایا جانے لگے تو اپنا کوئی عمل اپنا قدم رکھ کر شفاعت فرماکر اس کی نیکیاں وزنی کرادیں دوزخ سے بچالیں کیونکہ حضور کے اعمال کا وزن نہ ہوگا۔

۴؎ سبحان اللہ! کیا پیارا سوال ہے یعنی آپ کو اس دن ایک جگہ تو مستقل قرار ہوگا نہیں کبھی ان مجرموں کے پاس کبھی دوسرے کے پاس۔

کوئی صراط پہ ان کو پکارتا ہوگا　　کوئی قریب ترازو کوئی لب کوثر
نہیں تو دم میں غریبوں کا فیصلہ ہوگا　　کسی طرف سے صدا آئے گی حضور آؤ
تو کوئی تھام کے دامن مچل رہا ہوگا　　کوئی کہے گا دہائی یارسول اللہ

غرضکہ ایک جان اور فکر جہاں اللھم صلی علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم تو اگر آپ میزان پر نہ ملیں تو پھر کہاں تلاش کروں۔

۵؎ غالبًا یہاں حوض سے مراد حوض کوثر کی وہ نہر ہے جو میدان حشر میں ہوگی،اصل حوض کوثر تو جنت میں ہے،محشر میں پیاسے پانی پئیں گے،حضور اپنے اہتمام سے انہیں پلوائیں گے یہاں وہ ہی موجودگی مراد ہے۔

۶؎ اس حدیث کے متعلق چار باتیں خیال میں رکھو:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی شفاعت کے اوقات میں ان تین جگہ ہوں گے ورنہ عمومی شفاعت کی جگہ تو مقامِ محمود ہے،رب فرماتاہے:"عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"حاکم کا مقام مقدمات کے وقت کچہری ہوتا ہے،کھانے وغیرہ کے وقت گھر،نماز کے وقت مسجد لہٰذا یہ حدیث نہ تو قرآن مجید کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے۔دوسرے یہ کہ یہاں ان تین مقاموں کا ذکر وہاں کی ترتیب کے مطابق نہیں کیونکہ میزان پہلے ہے حوض کی نہر اس سے آگے،پلصراط اس کے آگے۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہمارے نیک اعمال ایسے بھاری ہوجائیں گے جیسے روٹی پانی میں بھیگ کر وزنی ہوجاتی ہے۔چوتھے یہ کہ یہ حدیث اس حدیث حضرت عائشہ کے خلاف نہیں کہ حضور نے فرمایا کہ ان تین مقام پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا،وہاں عام شوہروں کا ذکر ہے نہ کہ حضور انور کا صلی اللہ علیہ وسلم۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں حضور سے عرض کیا گیا کہ مقام محمود کیا چیز ہے فرمایا قیامت وہ دن ہے جس میں اللہ تعالٰی اپنی کرسی پر نزول فرمائے گا تو وہ ایسی چرائے گی جیسے نیا کجاوا چرچراتا ہے اپنی تنگی کی وجہ سے ۱؎ حالانکہ وہ آسمانوں و زمینوں کی فراخی کی طرح ہے ۲؎ اور تم کو ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ لایا جاوے گا ۳؎ تو جنہیں پہلے پہنایا جاوے گا وہ حضرت ابراہیم ہوں گے ۴؎ اللہ تعالٰی فرمائے گا میرے خلیل کو پہناؤ تو

	دو سفید حلے لائے جائیں گے پھر ان کے بعد مجھے پہنایا جاوے گا ۵؎ پھر میں اللہ تعالٰی کے داہنے طرف اس جگہ کھڑا ہوں گا کہ مجھ پر اگلے اور پچھلے رشک کریں گے ۶؎(دارمی)

۱؎ حق یہ ہے کہ یہ عبارت متشابہات میں سے ہے،کرسی پر اللہ تعالٰی کا نزول اس معنی سے ہے جو وہ ہی جانے۔بعض نے فرمایا کہ اس کے احکام وہاں نازل ہوں گے اور وہاں سے نافذ ہوں گے اور کرسی کا چرچرانا ذات الٰہی کے بوجھ سے نہیں بلکہ ہیبت سے ہوگا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہاں اللہ تعالٰی کے کرسی پر نازل ہونے سے مراد ہے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر قدم رنجہ ہونا جیسے اگر اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو افلاک اور املاک نہ ہوتے،یونہی اگر آخر حضور نہ ہوتے تو ہلاکت لوگوں میں واقع ہوجاتی لہٰذا حضور اول ہیں،حضور آخر ہیں،حضور باطن ہیں،حضور ظاہر مظہر کل ہیں جس سے ذات جامع صفات جسے اللہ کہتے ہیں وہ ظاہر ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی باوجودیکہ کرسیہ کی وسعت سارے آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے مگر اس دن رب کے عدل یا اس کی حکومت یا اس کے فرشتوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کی وجہ سے تنگ ہوجاوے گی۔دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر سارے آسمان اور زمین کرسی میں رکھے جاویں تو ایسے معلوم ہوں جیسے میدان میں سات چھلے ان دونوں احادیث میں تعارض نہیں کہ مقصود ہے کرسی کی وسعت دکھانا نہ کہ معین کرنا۔

۳؎ بکم فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ پا برہنہ بدن برہنہ یا بے ختنہ ہونا عوام کا حال ہوگا۔حضرات انبیاءکرام خصوصًا سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنٰی ہے۔

۴؎ حضرات انبیاءکرام پر ستر کا لباس تو پہلے ہی ہوگا زینت کا لباس اب ترتیب وار پہنایا جاوے گا اس لیے یہاں لباس کا حسن مذکور ہوا۔

۵؎ یعنی یہ لباس زینت لباس فاخرہ سب سے پہلے حضرت خلیل کو پھر مجھے پہنایا جاوے گا۔خیال رہے کہ یہ حضرت خلیل اللہ کی جزوی فضیلت ہے کلی فضیلت حضور ہی کو حاصل ہے،ہر جگہ اولیت کا سہرہ حضور کے سر ہے جیساکہ قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور حضرت خلیل کی یہ عظمت خصوصی بھی اس لیے ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہیں اور دین اسلام ان کی ملت کے مطابق ہے۔

۶؎ یعنی مقام محمود عرش اعظم کے داہنے طرف ہے وہ خاص ہمارا مقام ہے جس پر سارے انبیاء اولیاء رشک فرمائیں گے۔خیال رہے کہ دینی عظمت پر رشک کرنا اچھی چیز ہے حسد بری چیز۔خیال رہے کہ اس فرمان عالی میں جواب ہوگیا،سائل نے پوچھا تھا کہ مقام محمود کیا چیز ہے جواب عطا ہوا کہ مقام محمود عرش اعظم کے داہنے ہاتھ ایک خاص عظمت والی جگہ جہاں صرف ہم جلوہ گر ہوں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ بعد از خدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام ملائکہ، انسان وغیرہ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمنوں کی علامت ۱؎ قیامت کے دن صراط پر یہ ہوگی الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ ۲؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ مؤمنین سے مراد دوسری امتوں کے مؤمنین لوگ ہیں،اس دن سب کی زبان عربی ہوگی،حضرات انبیاء کرام بھی فرمائیں گے،سلم سلم یعنی مولیٰ ان گزرنے والوں کو سلامت رکھ،مؤمن بھی کہیں گے رب سلم اے اللہ ہم کو سلامت رکھ لہذا حضرات انبیاء کا یہ کلام شفاعت ہوگا ان کا یہ کلام اپنے لیے دعا۔کفار گھبرائے ہوئے گزریں گے اور پھسل کر گریں گے یہ عرض مؤمنوں کی علامت ہوگی۔

۲؎ خیال رہے کہ دوسری امتوں کے منہ میں رب سلم ہوگا حضور کی امت مؤمنین کی زبان پر لاالہ الاانت ہوگا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ مؤمنین لاالہ الاانت کہتے گزریں گے کیونکہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور یہاں دوسری امتیں۔(مرقات)ابن مردویہ میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ مؤمنین یہ کہتے ہوئے گزریں گے لاالہ الاانت وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون،امام شیرازی نے حضرت ام المؤمنین سے روایت کی کہ مؤمنین اس اندھیری میں کہیں گے لاالہ الاانت۔(مرقات)ہوسکتا ہے کہ مختلف طبقہ کے مؤمنین یہ مختلف دعائیں عرض کریں گے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لیے ہے۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ بروایت جابر)

۱؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بہت قسم کی ہے جن میں سے ایک شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لیے ہے یہاں وہ ہی شفاعت مراد ہے یعنی معافی گناہ کی شفاعت۔اس سے معلوم ہوا کہ جس کا خاتمہ بالخیر ہوگیا وہ شفاعت کا حقدار ہوگیا اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو۔جس حدیث میں ہے کہ ہم زکوۃ نہ دینے والوں کی شفاعت نہ کریں گے وہاں منکرین زکوۃ مراد ہیں جو کافر و مرتد ہیں کہ فرض کا انکار کفر ہے۔جب گناہ کبیرہ والوں کی شفاعت ہوگی تو زکوۃ نہ دینا گناہ صغیرہ ہے اس کی شفاعت کیوں نہ ہوگی۔خیال رہے کہ سواء چند گناہوں کے باقی گناہ صغیرہ ہیں۔دیکھو مرآت جلد اول باب الکبائر۔یہ حدیث بڑی ہمت افزا ہے،حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا کہ میں تم سے عذاب دفع نہیں کرسکتا وہاں یہ ہی مطلب ہے کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہوگی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ شفاعت عقلًا جائز ہے اور شرعًا واجب کہ اس پر بہت آیات واحادیث وارد ہیں۔ہم نے شفاعت کی مکمل بحث تفسیر نعیمی میں"مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ"میں کی ہیں وہاں ملاحظہ کرو۔

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس رب تعالٰی کے پاس سے آنے والا آیا تو مجھے اختیار دیا۱؎ اس کا کہ میری آدھی امت جنت میں داخل فرمائے اور درمیان شفاعت کے۲؎ تو میں نے شفاعت اختیار فرمائی یہ شفاعت اس شخص کے لیے ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎یعنی حضرت جبریل امین یا کوئی اور فرشتہ یہ حکم رب العالمین کا ہمارے پاس پیغام لایا جس میں مجھے اختیار دیا۔سبحان اللہ! اللہ تعالٰی ہمارے حضور کو ان سے پوچھ کر دیتا ہے،یہ ہے محبوبیت"وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"۔شعر

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　　خدا چاہتا ہے رضاء محمد

۲؎اس طرح کہ محبوب تم جتنوں کی شفاعت کرو اتنوں کو بخش دوں،پہلے صورت میں حد بندی ہے اس میں بے حد عطا کا وعدہ ہے اس لیے حضور انور نے اسی کو اختیار فرمایا کہ میرے مولٰی میں بخشواتا جاؤں تو بخشتا جا۔شعر

قدرت کی تحریریں جانے　　　امُی اور تقریریں جانے

بخشش کی تدبیریں جانےوہ ہے رحمت والا　　　جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہے اجیالا

۳؎یہاں شرک سے مراد کفر ہے،کسی یقینی عقیدہ اسلامیہ کا انکار کفر ہے۔خیال رہے کہ خوارج بعض معتزلہ اور اسمٰعیلی وہابی شفاعت کے انکاری ہیں وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں واقعی ان بدنصیبوں کی شفاعت نہ ہوگی خوارج اور معتزلہ کا انکارِ شفاعت تو مرقات میں اس جگہ ہے اور اسماعیلیہ کا انکار تقویۃ الایمان میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی الجدعاء سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میرے ایک امتی کی شفاعت سے ۲؎قبیلہ بنی تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے ۳؎(ترمذی،دارمی،ابن ماجہ)	

۱؎آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی کنانہ سے ہیں،آپ سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں ایک یہ،دوسری کنت نبیاو آدم فی الروح و الجسد۔(اشعہ و مرقات)

۲؎وہ صاحب حضرت عثمان غنی ہیں رضی اللہ عنہ۔بعض نے فرمایا حضرت اویس قرنی ہیں جو تابعی ہیں۔یا یہ مطلب ہے کہ میری امت کے ایک ایک بزرگ کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ بخشے جائیں گے۔پہلی دو باتیں مرقات نے فرمائیں،آخری بات اشعۃ اللمعات نے۔

۳؎خیال رہے کہ اس شفاعت سے مراد شفاعت صغرٰی ہے کیونکہ شفاعت کبرٰی صرف حضور ہی کریں گے۔بنی تمیم عرب کا بہت بڑا قبیلہ ہے،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ایسی شفاعت کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو عالم کے خیال سے وراء ہے،ان کی شفاعت سے تقدیریں بدل جاویں گی،سب کی مشکلیں حل ہوجاویں گی۔
شعر۔

ایسی بندھی نصیب کھلے مشکلیں کھلیں　　　دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے

روایت ہے حضرت ابی سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک جماعت کی شفاعت کریں گے،بعض وہ جو ایک خاندان کی شفاعت کریں گے،بعض وہ ہیں جو ایک کنبہ کی شفاعت کریں	

گے ۱؎ بعض وہ ہیں جو صرف ایک آدمی کی شفاعت کریں گے حتی کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ فئام جمع ہے اس کا واحد کوئی نہیں۔اس کے معنی ہیں جماعت،بعض نے فرمایا یہ جمع ہے فئة کی۔قبیلہ وہ جماعت جو ایک دادا کی اولاد ہو۔عصبة بھی جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں،یہ دس سے چالیس تک پر بولی جاتی ہے۔اس حدیث کی تفصیل دوسری احادیث میں وارد ہے کہ حافظ پانچ پشت کی،عالم چودہ پشت کی،شہید اتنی جماعت کی شفاعت کریں گے وغیرہ۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ قیامت میں اولًا عدل الٰہی کا ظہور ہوگا،اس وقت حضور کے سوا کوئی شفاعت نہ کرے گا،بعد میں فضل الٰہی کا ظہور ہوگا اس وقت اور حضرات بھی شفاعت کریں گے۔یہاں دوسرے وقت کا ذکر ہے اس وقت مؤمنین بھی شفاعت کریں گے۔من امتی فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاعتیں امت محمدیہ کے لیے ہیں کہ ان کے علماء صالحین شفاعت کریں دوسری امتوں کے علماء وصلحاء کو یہ درجے نہ ملیں گے۔واللہ اعلم و رسولہ اعلم!

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی ساری امت جنتی ہے کوئی پہلے ہی سے جنت میں پہنچ جاوے گا کوئی کچھ سزا بھگت کر،یہ ہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة" حتی شفاعت کی انتہا کے لیے ہے یعنی یہ شفاعت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ سارے مسلمان جنت میں پہنچ جاویں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے چار لاکھ کو بغیر حساب جنت میں داخل کرے گا ۱؎ تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو اور زیادہ دیجئے فرمایا اور اس طرح پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے ان کا لپ بھرا ۲؎ اور حضرت ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ ہمیں زیادہ دیجئے ۳؎ فرمایا اور ایسے تو حضرت عمر نے فرمایا اے ابوبکر ہمیں چھوڑو بھی ۴؎ تو ابوبکر نے فرمایا تمہارا کیا حرج ہے کہ ہم سب کو اللہ جنت میں داخل فرمائے ۵؎ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو ایک مٹھی میں ساری خلقت کو جنت میں داخل کردے وہ کرسکتا ہے ۶؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر نے سچ کہا ۷؎(شرح سنہ)	

۱؎ یہ تعداد حضور کی امت کی ہے جو احکام شرعیہ کے مکلّف تھے،حضرات انبیاءکرام مؤمنوں کے فوت شدہ ناسمجھ بچے دیوانے جو دیوانگی میں فوت ہوئے ان کا کچھ حساب نہیں۔حضرات انبیاء کرام کا بھی حساب نہیں اس کی تائید وہ آیت فرمارہی ہے "یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡهَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ"۔

۲؎ یعنی ان چار لاکھ کے علاوہ رب تعالٰی کے لپ (بک) بھر اور بھی بغیر حساب جنت میں جائیں گے کہ حق تعالٰی ان مؤمنوں کو اپنے دونوں دست قدرت میں لے کر وہاں پہنچادے گا۔خدا کرے ہم بھی اس میں آجاویں۔منہ چھوٹا ہے طلب بڑی ہے،وہ قدرتوں والا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ جمع فرماکر یہ بتایا کہ رب تعالٰی مٹھی بھر کر نہیں بلکہ دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر بخشے گا۔

۳؎ یعنی اور زیادہ بخشش کی خبر دیجئے یا اور زیادہ بخشش کرایئے کہ حضور دعا فرمائیں کہ رب اس سے بھی زیادہ کو بے حساب بے عذاب بخشے کیونکہ رب تعالٰی آپ کی بات ٹالتا نہیں جو تم کہتے ہو وہ ہی رب کرتا ہے"وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"۔

۴؎ یعنی اے ابوبکر یہ اجمال رہنے دو زیادہ کی تصریح نہ کراؤ تاکہ ہم خوف و امید پر رہیں اعمال کیے جاویں۔

۵؎ یعنی اے عمر ذرا خاموش تو رہو،میں حضور سے ساری امت رسول کے لیے بے حساب جنتی ہونے کا وعدہ لے لیتا ہوں اے عمر تمہارا اس میں کیا بگڑتا ہے کہ سارے امتی رسول اللہ بے حساب جنتی ہوجاویں۔خیال رہے کہ اللہ رسول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق سب سے بڑھ کر رحیم و کریم ہیں۔ان کا رحم و کرم تو مجھ سے پوچھو اللہ ان کی قبر نور سے بھردے،مجھ پر ان کا ان کی دختر جمیلہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ سورۂ نور والی نورانی کا بہت ہی احسان ہے۔

۶؎ یعنی اے ابوبکر تم جو کچھ چاہتے ہو وہ تو حاصل ہوگیا کہ صرف چار لاکھ کا حضور نے ذکر نہیں فرمایا ساتھ ہی رب کے لپ بھر کا بھی ذکر ہے یہ لپ بڑا ہی وسیع ہے۔

۷؎ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی عرض و معروض میں غلبہ امید کی جھلک ہے اور حضرت عمر فاروق کی عرض معروض میں رضا بالقضاء کا ظہور ہےاس لیے حضرت عمر کے قول کی تائید بارگاہِ نبوت سے ہوئی،نیز سب لوگ بغیر حساب بخش دیئے جائیں تو شفیعوں کی شفاعت،محبوبوں کی محبوبیت،گرتوں کے سہارے دینے والے،ڈوبتوں کے ترانے، بگڑتوں کو بنانے،گرتوں کے سنبھالنے کا ظہور کیسے ہو اس لیے حضرت عمر کے قول کو ترجیح دی گئی اور بھی بہت وجوہ ہوسکتی ہیں قیامت میں گنہگاروں کو بخشنا بھی مگر محبوبیت کی شان بندہ نوازی بھی تو دکھانی ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ دوزخی لوگ صف بستہ ہوں گے ۱؎ تو جنتیوں میں سے ایک شخص ان پر گزرے گا تو ان میں سے ایک دوزخی کہے گا اے فلاں کیا تو مجھے پہچانتا نہیں میں وہ ہی ہوں جس نے تجھے ایک گھونٹ پانی پلایا تھا اور بعض دوزخی کہے گا کہ میں وہ ہوں جس نے وضو کا پانی دیا تھا ۲؎ یہ جنتی ان کی شفاعت کرے گا پھر اسے جنت میں داخل کرے گا ۳؎(ابن ماجہ)

۱؎یعنی جنتیوں کے راستے میں گنہگار مؤمن دوزخ میں جانے کے لیے ایسے صف بستہ کھڑے ہوں گے جیسے امیر وغنی کے راہ میں بھکاری صفت بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔(مرقات)ان سے آس لگائے کہ کوئی ہمیں پہچان لے اور چھڑائے ادھر جنتی آگے پیچھے گزر رہے ہوں گے۔

۲؎یا میں نے تجھے فلاں وقت کھانا کھلایا،یا میں نے تجھے فلاں وقت سلام کیا تھا،یا فلاں وقت کپڑا دیا تھا،یا فلاں وقت تیرے پاس محبت سے کچھ معمولی ہدیہ پیش کیا تھا۔غرضکہ ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا لیتا ہے یہ بھی اسی طرح سہارا لے گا،یہ دو چیزیں بطور مثال ارشاد ہوئی ہیں۔(مرقات)

۳؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صالحین،علماء،شہداء کی شفاعت برحق ہے۔دوسرے یہ کہ شفاعت سے ہم جیسے گنہگاروں کی تقدیریں پلٹ جائیں گی،دیکھو یہ پکارنے والا دوزخیوں کی صف میں آگیا تھا شفاعت کی برکت سے وہاں سے نکل کر جنتی ہوگیا دنیا میں بھی یہ ہی حال ہے دعا سے قضا بدل جاتی ہے۔تیسرے یہ کہ ہم جیسے گنہگاروں کو چاہیے کہ صالحین مقبولین کی خدمت کیا کریں ان کی خدمت بڑی کام آوے گی،ان سے تعلق رکھیں ان سے تعلق بہت فائدہ دے گا،انہیں ہدیہ پیش کریں اگرچہ کھجور کی کھانپ یا اچھی بات ہی ہو،یہ تیسری بات مرقات اور اشعہ نے فرمائی۔چوتھے یہ کہ رب تعالٰی کی قدرت یہ ہے کہ ہر ایک کو براہ راست بغیر وسیلہ ہر چیز دے مگر قانون یہ ہے کہ گنہگاروں کو نیک کاروں کے وسیلے سے دے،دیکھو ان دوزخی صفوں والوں کو رب تعالٰی ہی بخشے گا مگر جنتی راہ گزروں کی شفاعت سے بلکہ ان لوگوں کو جنتیوں کے راستہ میں اسی لیے کھڑا کرے گا کہ انہیں ان کے ہاتھوں شفاعت کی بھیک ملے۔پانچویں یہ کہ دنیا میں اللہ والوں سے تعلق چاہیے،ان کا دیکھنا بھی کل قیامت میں کام آوے گا۔شعر

اُٹھ جاگ فریدا ستیا خلقت ویکھن جا   مت کوئی بخشیا مل پوے تے تو وی بخشیا جا

دیکھو قیامت میں یہ جان پہچان کام آوے گی۔یدخلہ الجنۃ فرماکر یہ بتایا کہ وہ جنتی اس دوزخی کو اپنے ساتھ جنت میں لے جاوے گا۔شعر

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو   کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

چھٹے یہ کہ قیامت میں لوگوں کو اپنے اچھے برے اعمال یاد ہوں گے،یہاں کی دوستیاں آپس کے سلوک یاد ہوں گے،ایک دوسرے کی پہچان ہوگی۔ساتویں یہ کہ وفات یافتہ بزرگوں کی فاتحہ ختم وغیرہ ان شاءاللہ قیامت میں کام آوے گی کہ اس میں بھی ان حضرات کی خدمت میں کھانے پانی وغیرہ کا ثواب ہدیہ کیا جاتا ہے۔ممکن ہے کہ انکے ذریعہ ہم کو ان کی شفاعت نصیب ہو جاوے سقیتك شربة یہ الفاظ یاد رکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دوزخ میں جاچکے ہوں گے ان میں سے دو کا شوروپکار بہت زیادہ ہوگا تو رب تعالٰی فرمائے گا کہ ان دونوں کو نکالو پھر ان سے فرمائے گا کہ کس مقصد کے لیے تمہارا شور زیادہ ہے ۱؎وہ عرض کریں گے کہ ہم نے یہ اس لیے کیا کہ تو ہم پر رحم کرے ۲؎فرمائے گا کہ تم پر میری

رحمت یہ ہی ہے کہ چلو اپنے کو وہاں ہی ڈال دو جہاں تم دونوں تھے۳؎ چنانچہ ان میں سے ایک تو اپنے کو ڈال دے گا تو اللہ اس پر آگ کو ٹھنڈی سلامتی والی کردے گا۴؎ اور دوسرا کھڑا رہے گا وہ اپنے کو نہ ڈالے گا اس سے رب فرمائے گا کہ تجھے اپنے کو گرانے سے کس چیز نے روکا جیساکہ تیرے ساتھی نے اپنے کو گرادیا ۵؎ وہ کہے گا الٰہی میں امید کرتا ہوں کہ تو مجھے وہاں سے نکالنے کے بعد نہ لوٹائے گا ۶؎ تو اس سے رب تعالٰی فرمائے گا کہ تیرے لیے تیری امید ہے پھر دونوں اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل کیے جاویں گے ۷؎ (ترمذی)	

۱؎ یہ دونوں شخص گنہگار مؤمن ہوں گے جو اپنی شامت نفس سے دوزخ میں گئے۔نکالنے کا حکم ان فرشتوں کو ہوگا جو دوزخ پر مقرر ہیں یہ دونوں شخص یا تو آہ وبکا کرتے ہوں گے یا ارحم الراحمین سے فریاد۔

۲؎ کیونکہ ہم نے سنا تھا کہ زاری پر رحمت باری ہوتی ہے دنیا میں ہم اس سے غافل رہے کہ آج کفارہ کررہے ہیں۔

۳؎ میرے اس حکم کی اطاعت کرو یہ اطاعت رحمت کا ذریعہ ہوگی لہذا اس فرمان پر یہ اعتراض نہیں کہ اپنے کو دوزخ میں ڈالنا رحمت کیسے ہوا۔

۴؎ جیسے دنیا میں نار نمرودی کو حضرت خلیل کے لیے معتدل ٹھنڈا کردیا تھا،سبحان اللہ اس کریم کے قہر میں بھی مہر ہے غضب میں بھی کرم ہے۔

۵؎ یعنی کیا تو نے آج بھی اطاعت سے سرتابی کی دنیا میں میرے فرمانے پر مسجد نہ گیا،آج میرے فرمانے پر دوزخ میں اپنے کو نہ گرایا۔

۶؎ سبحان اللہ!کیا پیاری عرض و معروض ہے یعنی الٰہی سرتابی کی میری مجال نہیں امید رحمت نے مجھے یہاں کھڑا رکھا رحم و کرم کا انتظار کررہا ہوں۔غرضکہ عمل اس کے پاس ہے اور امید میرے پاس،کرم فرما تو کریم ہے بخش دے۔

۷؎ یعنی ایک اطاعت کی وجہ سے دوسرا امید کی وجہ سے رب کی رحمت کے مستحق ہوجائیں گے مگر دونوں جنت میں جائیں گے اللہ کی رحمت سے "اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ"۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ آگ پر حاضر ہوں گے ۱؎ پھر وہاں سے گزریں گے اپنے اعمال کے مطابق ۲؎ تو ان میں سے اگلے لوگ بجلی کی کوند کی طرح،پھر ہوا کی طرح،پھر گھوڑے کی دوڑ طرح،پھر اس کی طرح جو اپنے کجاوے میں	

	سوار ہو،پھر مرد کی دوڑ کی طرح،پھر اس کے چلنے کی طرح۳؎(ترمذی،دارمی)

۱؎اس طرح کہ پلصراط سے گزریں گے جو جنت کے راستہ میں ہے اور دوزخ پر قائم ہے جیسے ہمارے لیے لاہور کے رستہ پنجاب یا راوی کا پل،چونکہ اس پل پر سے آگ اور وہاں کے تمام احوال نظر آئیں گے اس لیے اس گزرنے کو دوزخ پر وار ہونا فرمایا گیا۔اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے"وَاِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُھَا"عربی میں وارد کہتے ہیں پانی پر پہنچنے کو،چونکہ یہ گزرنا حوض کوثر پر پہنچنے کا ذریعہ ہےاس لیے اسے ورود فرمایا۔

۲؎ صدر کے لفظی معنی ہیں لوٹنا مگر یہاں مراد ہے آگے بڑھ جانا وہاں سے گزرجانا کیونکہ جنت وہاں سے آگے ہے پیچھے نہیں،وہاں انکی رفتار اپنے اعمال کے مطابق ہوگی،قربانی دینے والےلوگ اپنی قربانیوں پر سوار ہوں گے مگر ان جانوروں کی رفتار اخلاص کے مطابق ہوگی۔

۳؎غرضکہ بعض لوگ وہاں سے جلد گزر کر جلد جنت میں پہنچ جاویں گے،بعض لوگ دیر سے گزریں گے اور دیر سے جنت میں پہنچیں گے۔اللہ تعالٰی وہ سفر آسان فرمادےیعنی پل صراط سے آگے جنت کے قریب یاجنت میں حوض کوثر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے آگے میرا حوض ہےاس کے دو کناروں کے درمیان ایسا فاصلہ ہے جیسا جرباء اور اذرح کے درمیان ۱؎بعض روایوں نے کہا کہ یہ دو بستیاں ہیں شام میں جن کے درمیان تین رات کی مسافت ہےاور ایک روایت میں ہے کہ اس میں لوٹے آسمان کے تاروں کی برابر ہیں۲؎جو وہاں جائے گا اس سے پیئے گا تو اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوگا۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس فرمان عالی کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ جتنا فاصلہ مدینہ منورہ اور جرباء کے درمیان ہے یا مدینہ منورہ اور اذرح کے درمیان ہے اتنا فاصلہ حوض کوثر کے دو کناروں کے درمیان ہے،دوسرے یہ کہ جتنا فاصلہ خود ان دونوں شہروں جرباء اور اذرح کے درمیان ہے اتنا فاصلہ کوثر کے دو گوشوں کے درمیان ہے،دوسرے معنی کو ترجیح ہے۔(مرقات)بعض نے فرمایا کہ جرباء اوراذرح بالکل قریب قریب ہیں لہذا فاصلہ مدینہ منورہ سے وہاں تک مراد ہے۔

۲؎ صفائی چمک حسن اور تعداد میں وہاں کے لوٹے آسمانوں کے تاروں کی طرح ہیں۔(مرقات)

۳؎ خیال رہے کہ جنت میں جنتی دودھ شراب طہور وغیرہ پیا کریں گے مگر پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ لذت کے لیے پیا کریں گے۔(مرقات)پیاس تو ہمیشہ کے لیے حوض کوثر کا پانی پیتے ہی بجھ چکی ہوگی،اگر یہ حوض جنت کے اندر ہے تو اس کا پانی بھی پیا کریں گے مگر وہ بھی لذت کے لیے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ اور ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی لوگوں کو جمع کرے گا۱؎ تو مؤمن لوگ کھڑے ہوں گے ۲؎ حتی کہ جنت ان کے سامنے قریب کی جاوے گی۳؎ تو آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے عرض کریں گے اے والد صاحب ہمارے لیے جنت کھلوایئے۴؎ وہ فرمائیں گے کہ تم کو جنت سے نہیں نکالا مگر تمہارے والد کی خطا نے میں اس کام والا نہیں ہوں۵؎ تم میرے فرزند ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ ۶؎ فرمایا کہ حضرت ابراہیم فرمائیں گے کہ اس کام والا میں نہیں ہوں میں تو دور کا دوست ہوں ۷؎ ان موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے خوب ہی باتیں کیں ۸؎ تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے میں اس کام والا نہیں ہوں جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جو اللہ کا کلمۃ اللہ کی روح ہیں تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے میں اس کام کا نہیں ہوں تب سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے ۹؎ آپ اٹھیں گے تو آپ کو اجازت دی جاوے گی۱۰؎ اور امانت رحمت بھیجے جائیں گے وہ پلصراط کے دو طرفہ کھڑے ہوجائیں گے ۱۱؎ دائیں بائیں ان کی پہلی جماعت بجلی کی طرح گزرے گی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ فدا بجلی کے گزرنے کی طرح کون چیز ہے۱۲؎ فرمایا کیا تم بجلی کو نہیں دیکھتے کہ وہ پلک جھپکنے میں کیسے گزرتی اور جاتی ہے۱۳؎ پھر ہوا کی گزر کی طرح پھر پرندے کی طرح اور تیز مردوں کے دوڑ کی طرح ان کے اعمال انہیں لے جائیں گے۱۴؎ اور تمہارے نبی صراط پر کھڑے ہوئے فرماتے ہوں گے الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ ۱۵؎ حتی کہ بندوں کے اعمال عاجز رہ جائیں گے۱۶؎ یہاں تک کہ ایک شخص آئے گا

	جو چل نہ سکے گا سواء گھسیٹنے کے فرمایا کہ صراط سے دونوں کناروں پر کنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو تابع حکم جس کے پکڑنے کا حکم دیئے جائیں گے۱۷ اسے پکڑ لیں گے تو بعض زخمی ہوکر نجات پاجائیں گے اور بعض آگ میں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ۱۸ اس کی قسم جس کے قبضہ میں ابوہریرہ کی جان ہے کہ دوزخ کی گہرائی ستر سال کی ہے ۱۹ (مسلم)

۱؎ محشر میں ساری مخلوق جمع ہوگی،صرف انسانوں کا ذکر ان کی فضیلت کی بنا پر ہے،نیز آگے جنت کے داخلہ کا ذکر ہے جو صرف انسانوں کو میسر ہوگا۔

۲؎ میدانِ محشر سے نجات دلانے کی درخواست توسارے انسان کریں گے مؤمن ہوں یا کافر مگر جنت کے داخلہ کی شفاعت کی درخواست صرف مؤمن کریں گے کہ یہ نعمت صرف مؤمن انسانوں کو میسر ہوگی اس لیے یہاں مؤمنوں کا ذکر فرمایا۔

۳؎ جنت میدان محشر سے بہت ہی دور ہوگی مگر مسلمانوں کو وہاں سے نظر بھی آوے گی اور قریب بھی محسوس ہوگی جیسے دوربین کے ذریعہ دور کی چیز قریب نظر آتی ہے اس لیے **تزلف** فرمایا گیا لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ شفاعت کی درخواست محشر میں ہے جنت پلصراط سے وراء ہے،پلصراط کروڑوں میل لمبا پل ہے پھر جنت قریب کیسے ہوگی۔

۴؎ یعنی جنت کا بند دروازہ کھلوایئے۔معلوم ہوا کہ انہیں وہ دروازہ بھی نظر آوے گا،اس کا بند ہونا بھی محسوس ہوگا،نگاہ بہت تیز ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو جنت میں داخل کرایئے کہ ہم پر وہ دروازہ آپ کی شفاعت سے کھل جاوے۔

۵؎ یعنی تم لوگ میری پشت میں تھے اور میرے ذریعہ جنت میں تھے میں نے خطاءً گندم کھالیا باہر آیا تم بھی میری پشت میں باہر آگئے،میں تو تم کو وہاں سے لانے والا ہوں اب وہاں پہنچانے والا کوئی اور ہی ہے۔خیال رہے حضرت آدم صفی اللہ کا یہ فرمان تواضع و انکساری کی بنا پر ہوگا ورنہ واقعہ اصل یہ ہے کہ انہیں جنت سے باہر لانے والے مردود انسان ہیں کہ ان کی پشت میں کفار منافقین سب ہی تھے۔رب کی منشاء تھی کہ حضرت آدم جنت سے باہر جاویں ان مردودوں کو اپنی پشت سے نکال آویں پھر یہاں خالص ہوکر آویں رہیں بسیں،اگر آپ جنت میں رہ گئے تو یہ مردود بھی یہاں ہی پیدا ہوجائیں گے۔

۶؎ اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں اجمال ہے دوسری حدیث میں تفصیل ہے کہ آپ تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے وہ حضرات ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان دونوں میں تعارض نہیں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔

۷؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بات مؤمنین کی اس عرض کے جواب میں فرمائیں گے کہ آپ تو اللہ کے خلیل ہیں، فرمائیں گے کہ خلیل کہتے ہیں باہر کے دوست کو یہ شفاعت کبریٰ باہر کا دوست نہیں کرسکتا یہ تو اندرونی دوست جسے کہتے ہیں حبیب اللہ وہی کرسکتے ہیں۔شعر

تم مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست　　　　تم ہو درون سرا تم پہ کروڑوں درود

خیال رہے کہ ہم کو دوستوں سے بھی محبت ہوتی ہے،اپنے عزیز و قرابت داروں سے بھی،اپنے بچوں سے بھی،اپنی بیوی سے بھی،دوست یار بیٹھک میں ملتے ہیں یہ ہیں بیرونی دوست،عزیز و اقارب دار عام حالات میں گھر میں آکر ملتے ہیں یہ ہیں درون

خانہ کے دوست مگر گھر کے اندر رہنے سہنے والے اپنے بال بچے ہوتے ہیں یہ ہیں اندرونی دوست۔ خلوت صرف بیوی سے ہوتی ہے یہ ہے خاص الخاص محبوبہ راز دار دوست،سارے انبیاء کرام اللہ کے پیارے ہیں مگر حضور خلوت خاص کے راز دار محبوب ہیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے وادی سینا میں جو کلام کیا سب کچھ محبوب کو بتادیا"وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى "الخ مگر جو کلام معراج کے خلوت خانہ میں اپنے اندرونی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا وہ کسی کو نہ بتایا"فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى "وہاں اپنے بندہ کو جووحی کی وہ کی،یہ ہے اندرون خانہ کی محبت اللھم صلی علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وسلم۔

۸؎ لطف یہ ہے کہ جناب خلیل کو اس وقت یہ یاد نہ رہے گا کہ وہ اندرونی دوست حبیب اللہ ہے کون تاکہ لوگوں کو تلاش کرنے کا لطف تو آوے اور سب جان لیں کہ آج سواء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے اور کہیں بھیک نہیں مل سکتی یہ بھلانا ہزارہا حکمتوں سے ہوگا۔

۹؎ لوگوں کا حضور انور کی بارگاہ میں پہنچانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رہبری سے ہوگا۔حضور بشارت مسیح ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی،ہماری جانیں حضرت مسیح علیہ السلام پر فدا کہ وہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشیر خاص ہیں اور ہوں گے یہاں بھی فرمایا تھا"وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ"۔

۱۰؎ حضور کو کلام کرنے عرض و معروض پیش کرنے کی اجازت دی جاوے گی۔شفاعت کی اجازت تو ازل سے دی جاچکی یہ سہرا ان کے سر پر باندھا جاچکا،آپ کا لقب شفیع المذنبین ہوچکا ہے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا شعر

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا بندھا اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

۱۱؎ صلہ رحمی کرنے والوں امانت داری کرنے والوں کی شفاعت کے لیے اُن میں سے دوزخ گرتوں کو سنبھالنے کے لیے یہ دونوں وہاں کھڑے ہوں گے مگر شفاعت کبریٰ حضور ہی کریں گے دروازہ شفاعت کھل جانے کے بعد پھر دوسرے لوگ دوسری چیزیں شفاعت صغریٰ کریں گے۔

۱۲؎ یعنی یا حبیب اللہ حضور انور ان کی رفتار کو بجلی کی کوند سے تشبیہ کس چیز میں دے رہے ہیں،ان میں کون سی چیز بجلی کی طرح ہوگی،یہ پہلا طبقہ انبیاء کرام خاص اولیاء و علماء ہوں گے۔

۱۳؎ یعنی ہم تیز رفتاری میں بجلی سے تشبیہ دے رہے ہیں مگر سبحان اللہ! بجلی میں تیزی کے ساتھ ساتھ چمک دمک نورانیت بھی تو ہوتی ہے،ان حضرات کے چہرے چمکتے ہوں گے،سجدے کے داغ بیٹری کا کام دیں گے پلصراط ان کی وجہ سے منور ہوجائے گا۔

۱۴؎ یعنی ان کی رفتاروں میں یہ فرق ان کے نیک اعمال اور اخلاص کے فرق کی وجہ سے ہوگا جیسا عمل جیسا اخلاص ویسی وہاں کی رفتار،یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اعمال سبب رفتار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم اصلی وجہ رفتار کی ہے جتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب زیادہ اتنی رفتار تیز۔

۱۵؎ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پلصراط کے اس محشر والے کنارہ پر قیام فرما ہوں گے،اپنے گرتوں کو سنبھالتے ہوں گے،آپ آخر میں وہاں سے تشریف لائیں گے،مکہ معظّمہ سے پہلے مسلمانوں کو ہجرت کرادی آخر میں وہاں سے آپ روانہ ہوئے اس کا ظہور وہاں ہوگا۔

۱۶؎یعنی آخر میں وہ لوگ آئیں گے جن کو ان کے اعمال چلا نہ سکیں گے یا تو ان کے پاس اعمال نیک ہوں گے ہی نہیں یا ان میں اخلاص وغیرہ نہ ہوگا،عمل میں قوت پرواز اخلاص سے ہوتی ہے۔

۱۷؎اس طرح کہ جنہیں زخمی کردینے کا حکم ہے انہیں زخمی کرکے چھوڑ دیں گے اور جنہیں دوزخ میں گرانے کا حکم ہے انہیں چھید کر گرادیں گے۔خدا کی پناہ!

۱۸؎ **مکروس** اسم مفعول ہے،**کردسة** بمعنی ہاتھ باندھنا مکروس دست و پابستہ یعنی اس کنڈے سے ان کے ہاتھ پاؤں بندھ بھی جائیں گے اور دوزخ میں گر کر بھی جائیں گے۔

۱۹؎لہذا جو دوزخ میں گرایا جاوے گا وہ ستر سال میں اپنے ٹھکانے پر پہنچے گا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم شفاعت کے ذریعہ آگ سے ایسی نکالی جاوے گی جیسے کہ وہ ثعاریر ہوں ہم نے عرض کیا کہ ثعاریر کیا چیز ہے فرمایا وہ پتلی ککڑیا ں ہیں ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ **ضغابیس** جمع **ضغبوس** کی جس کا ترجمہ پنجابی زبان میں ہے گلے،اردو میں چھوٹی ککڑی جس پر رواں ہوں وہ بہت نرم اور نازک ہوتی ہے،چونکہ ککڑی بہت جلد بڑھتی ہے اس لیے انہیں اس سے تشبیہ دی گئی کہ وہ بہت جلد بڑھیں گے۔خیال رہے کہ ان کی جسم کی سفیدی بھی شفاعت سے ہوگی لہذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ وہ کوئلے ہوں گے یعنی کالے کیونکہ دوزخ سے نکلتے وقت تو وہ کالے ہوں گے مگر جنت میں پہنچتے پہنچتے سفید اور گورے ہوجائیں گے۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن تین جماعتیں شفاعت کریں گی انبیاء،پھر علماء،پھر شہید لوگ ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ اس ترتیب میں علماء کو شہداء پر مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ علماء کے دوات کی روشنائی جس سے وہ دینی تحریر و تصنیف کریں وہ شہیدوں کے خون سے افضل ہے جیسا شیرازی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن عبدالبر نے حضرت ابوالدرداء سے ابن جوزی نے حضرت نعمان ابن بشیر سے مرفوعًا روایت کی۔(مرقات)شہید اپنے ستر عزیزوں دوستوں کی شفاعت کرے گا۔خیال رہے کہ یہاں خاص شفاعت مراد ہے ورنہ ہر نیک مسلمان گنہگاروں کی شفاعت کرے گا۔(اشعۃ اللمعات)بلکہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے،کعبہ معظّمہ،قرآن،ماہ رمضان بھی شفاعت کریں گے۔

باب صفة الجنة و اهلها

جنت اور جنت والوں کی صفات کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جنت کے معنی ہیں گھنا باغ جس میں درختوں کی وجہ سے زمین چھپی ہو۔جیم نون ملیں تو اس میں پوشدگی کے معنی ہوتے ہیں،اسی سے ہے جن،جنون،جنتی،جنہ،چونکہ جنت میں گھنے درخت ہیں،نیز وہ دنیا میں نگاہوں سے چھپی ہے،عالم غیب میں سے ہےاس لیے اسے جنت کہتے ہیں۔(مرقات واشعہ)جنتی تین قسم ہیں:کسبی،وہبی،عطائی۔کسبی جنتی وہ ہیں جو اعمال سے جنت میں جاویں،وہبی وہ جو کسی جنتی کے طفیل جنت میں جاویں جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے،عطائی جنتی وہ مخلوق جو جنت کو پُر کرنے کے لیے پیدا کی جاویں گی مگر دوزخ صرف کسبی ہے،اپنی کرنی اپنی بھرنی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے۱؎ وہ نعمتیں تیار کی جو نہ آنکھ نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خطرہ گزرا۲؎ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ انکے لیے کیسی آنکھ کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ صالحین یا تو بنا ہے صلاح سے یا صلاحیت سے یعنی نیک اعمال والے بندوں کے لیے یا جنت کے قابل لوگوں کے لیے،پہلی صورت میں جنت کسبی مراد ہے،دوسری صورت میں عام جنت کسبی ہو یا وہبی یا عطائی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سواء نیک اعمال والوں کے لیے کوئی جنت میں نہ جاوے گاشفاعت وغیرہ کچھ نہیں۔

۲؎ یعنی وہاں کی نعمتیں نہ تو بیان میں آسکتی ہیں نہ گمان میں وہ تو دیکھ کر ہی معلوم ہوں گی،اللہ تعالٰی خیریت سے دکھائے اپنے فضل و کرم سے۔خیال رہے کہ یہاں آنکھ،کان،دل سے مراد عوام مسلمانوں کے آنکھ،کان،دل ہیں ورنہ حضرت آدم علیہ السلام تو وہاں رہ کر آئے،ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں وہاں کی سیر فرمائی،حضرت ادریس علیہ السلام تو وہاں موجود ہی ہیں،یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں وہ ان جیسی نعمتیں کسی آنکھ نے نہ دیکھیں نہ سنیں،واقعی دنیا میں نہ ایسی نعمتیں ہیں نہ کسی کے دیکھنے میں آئیں۔

۳؎ اس آیتِ کریمہ میں بھی نفس سے مراد عالم لوگ ہیں،آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد دل کی خوشی و سرور کے اسباب ہیں جن سے دل چین میں رہیں،آج بیٹے کو کہا جاتا ہے قرۃ العین۔اس آیت و حدیث سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جنت اور وہا ں کی

نعمتیں پیدا ہوچکی ہیں،کیوں نہ ہو کہ حضرتِ آدم و حوا وہاں رہ چکے ہیں اور ہمارے حضور دیکھ آئے ہیں،وہاں کی بہت سی نعمتیں اب دنیا میں بھی آرہی ہیں،نیل و فرات وہاں سے آرہی ہیں حجر اسود جنت سے ہی آیا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جنت میں ایک کوزے کی جگہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ کوزے کی جگہ سے مراد ہے وہاں کی تھوڑی سی جگہ واقعی جنت کی نعمتیں دائمی ہیں دنیا کی فانی،پھر دنیا کی نعمتیں تکالیف سے مخلوط وہاں کی نعمتیں خالص،پھر دنیا کی نعمتیں ادنی وہ اعلیٰ اس لیے دنیا کو وہاں کی ادنی جگہ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی راہ میں صبح یا شام چلنا۱؎ دنیا سے اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۲؎ اور اگر جنت والی عورتوں میں سے کوئی عورت۳؎ زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان کو چمکادے۴؎ اور ان کے درمیان کو خوشبو سے بھردے۵؎ اوراس کے سر کی مانگ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے ۶؎ (بخاری)

۱؎ یہاں لو شک کے لیے نہیں بلکہ بیان نوعیت کے لیے ہے۔اللہ کی راہ میں چلنے کی صدہا قسمیں ہیں:نماز کے لیے مسجد میں جانا،طلب علم دین کے لیے جانا،جہاد کے لیے نکلنا،حج و عمرہ کے لیے جانا،کسی زندہ یا وفات یافتہ کی زیارت کے لیے جانا،حلال روزی کی تلاش کے لیے جانا سنت سمجھ کر۔(شعہ)

۲؎ دنیا سے مراد ہے نفس کے لیے کاروبار و اشغال اگر خدا کرم کرے تو کھانا پینا سونا بھی دین بن جاوے اگر کرم نہ کرے تو نماز و حج جہاد بھی دنیا بن جاوے یا مراد ہے دنیا کے عیش و آرام۔

۳؎ یعنی حور جو آج موجود ہے یا جنت میں پہنچ چکنے کے بعد دنیا کی جنتی عورت بلکہ جنتی عورتوں کا حسن حوروں سے زیادہ ہوگا کہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہوگا۔

۴؎ یا تو مشرق و مغرب کے درمیان کو چمکا دے یا جنت اور زمین کے درمیان کے تمام علاقہ کو چمکادے،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ یہاں جنت اور زمین ہی کا ذکر ہورہا ہے۔(مرقات بلکہ اشعۃ اللمعات نے اس آخری معنی کو اختیار فرمایا۔جنتی عورتوں کا حسن دیکھنے کے لیے آنکھیں بھی دوسری ہی عطا ہوں گی جو اس تابش کو جھیل سکیں،ہم تو ان آنکھوں سے سورج کو نہیں دیکھ سکتے۔مخلوق تو ان آنکھوں سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل رنگ روپ نہیں دیکھ سکتے اس لیے معراج رات میں لوگوں سے چھپا کر کرائی گئی یعنی سارے معجزے دکھائے گئے مگر یہ بڑا معجزہ معراج دکھایا نہ گیا چھپالیا صرف سنا گیاکیونکہ اس دن حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصلی رنگ میں تھا۔

۵؎ یعنی جنت اور زمین کے درمیانی علاقہ کو مہکا دے وہ مہک بھی ایسی ہو جس کی دنیا والے تاب نہ لاسکیں،ہم خالص مشک سونگھیں تو ناک سے خون جاری ہوجاتا ہے وہ مہک تو اللہ اکبر!

۶؎ صیف سے مراد یا تو جنتی عورت کی مانگ ہے،مانگ میں موتیوں کی لڑی لگائی جاتی ہے،اس لڑی کے موتیوں کی قیمت دنیا کے سارے خزانوں سے زیادہ ہے یا سر پر باندھنے کا رومال جو امیر عورتیں دوپٹے کے نیچے رکھتی ہیں یا دوپٹہ، جو معنی بھی ہوں مطلب یہ ہی ہے،جنتی حوروں کی یہ چیزیں اتنی بیش قیمت ہیں کہ دنیا بھر کے سونے چاندی،ہیرے جواہرات،لعل گوہر اس ایک کی قیمت نہیں بن سکتے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس چلے گا۱؎ اور وہ طے نہ کرسکے گا اور تم میں سے ایک کے کمان کی جگہ جنت میں اس سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوگا۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ درخت شجرہ طوبیٰ ہے جس کے ہر پتہ پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔سایہ سے مراد اس کے نیچے کا ایریا وہاں کا علاقہ ہے،یا تجلی الٰہی اور وہاں کی نورانیت،اس کا سایہ ہوگا،یا خود اس درخت کا نور،ظل دھوپ اور روشنی کو بھی کہتے ہیں۔غرضکہ یہ سورج والا سایہ مراد نہیں کہ وہاں سورج نہیں ہوگا۔سو اس سے مراد اتنا عرصہ ہے کہ اگر وہاں دن رات مہینے و سال ہوتے تو سو سال لگتے۔

۲؎ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر چکی ہے۔قاب کے معنی ہیں برابر یا اندازہ،رب فرماتا ہے:"فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"کنارہ کمان کو بھی قاب کہتے ہیں۔(اشعہ)اس سے مراد ہے کم سے کم جگہ ورنہ وہاں کسی جنتی کو اتنی چھوٹی جگہ نہ ملے گی وہاں تو ادنی جنتی کا علاقہ دنیا بھر سے زیادہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن کا جنت میں ایک کھلی موتی کا خیمہ ہوگا جس کی چوڑائی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی لمبائی ساٹھ میل کی ہے۱؎ اس کے ہر گوشہ میں اس کے گھر والے ہوں گے کہ دوسروں کو نہ دیکھ سکیں گے۲؎ جن پر مؤمن گشت کرے گا۳؎ اور اس کے دو باغ ہوں گے جن کے برتن اور سامان چاندی کے ہوں گے۴؎ اور دو باغ ہوں گے جن کے برتن اور سامان سونے کے ہوں گے۵؎ وہاں کی ہر چیز اور قوم اور رب تعالٰی کو دیکھنے کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہوگی۶؎ رب کی ذات پر جنت عدن میں ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اندازہ لگاؤ کہ اگر وہ موتی دنیا میں آجاوے تو اس کی قیمت کیا ہو،یہاں تو آدھے ماشے کا ایک سچا موتی کئی ہزار روپیہ کا ہوتا ہے،وہاں تو ساٹھ میل چوڑا ساٹھ میل لمبا ایک موتی ہے پھر اس کی صفائی اس کی چمک دمک کیسی ہے وہ خیال میں بھی نہیں آسکتی ان شاءاللہ دیکھ کر ہی پتہ چلے گا اللہ نصیب کرے۔

۲؎ یعنی اس موتی کے مکان کے چاروں گوشوں میں اس کے مختلف گھر والے آباد ہوں گے کہیں اپنی دنیاوی بیوی بچے، کہیں وہ دنیاوی عورتیں جن کے خاوند کافر مرے اور انکے نکاح میں دی گئیں،کہیں وہ کنواری لڑکیاں جو دنیا میں بغیر شادی فوت ہوئیں،کہیں حوریں خدام ان کے علاوہ انہیں ایک دوسرے کو نہ دیکھنا فاصلہ کی وجہ سے نہ ہوگا کہ جنتی مؤمن کی نگاہ بہت دور سے دیکھے گی بلکہ ان جگہوں میں عمارتیں مختلف ہوں گی،کوٹھیاں بنگلے۔خیال رہے کہ جنت میں پردہ ہوگا،رب فرماتاہے:"حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ "اور فرماتاہے:"قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ"۔ پردہ اس لیے نہیں ہوگا کہ وہاں لوگ فاسق و فاجر ہوں گے بلکہ اس لیے کہ شرم و حیاء اچھی چیز ہے،بے پردگی میں بے شرمی ہے ہاں دوزخ میں پردہ نہیں ہوگا،وہاں ننگے مرد وعورت ایک ہی تنور میں جلیں گے۔

۳؎ کہ مؤمن کبھی اپنے اس گھر میں جاوے گا کبھی اس گھر میں اس جانے میں نہ اسے سواری کی ضرورت پڑی گی نہ دیر لگے گی،آن کی آن میں ہر جگہ پہنچ جاوے گا ہر گھر میں گشت لگائے گا۔

۴؎ خیال رہے کہ جنت پوری جنت کو بھی کہتے ہیں اور وہاں کے ہر باغ کو بھی دوسرے معنی سے یہ تثنیہ بھی ہوتی ہے جمع بھی مگر پہلے معنی سے ہمیشہ واحد ہی آتی ہے جیسے زمین پورے روئے زمین کو بھی کہتے ہیں اور زمین کے حصوں کو بھی یعنی جنتی کو چار باغ ملیں گے،دو باغ وہ جن کے درودیوار برتن سامان درخت وغیرہ سب چاندی کے ہوں گے اور دو وہ جن کی ہر چیز سونے کی ہوگی۔

۵؎ خیال رہے کہ جیسے دنیا کے پھلوں کو جنت کے پھلوں سے کوئی نسبت ہی نہیں صرف نام یکساں ہیں یوں ہی دنیا کے سونے چاندی کو وہاں کے سونے چاندی سے کوئی نسبت نہیں وہاں کا ایک ماشہ سونا دنیا کے منوں سونے سے زیادہ قیمتی ہوگا،یہ ہی حال وہاں کے موتیوں وغیرہ تمام چیزوں کا ہے۔چنانچہ وہاں کا سونا چاندی شیشے کی طرح شفاف ہوگا،یہاں یہ بات کہاں۔

۶؎ اس کی بحث ان شاءاللہ دیدار الٰہی کی تحقیق میں آوے گی۔یہاں اتنا سمجھ لو کہ کبریائی کی چادر دیدار کرانے کے لیے ہوگی نہ کہ آڑ کے لیے جیسے سورج پر بخارات کی چادر ہو تو بخوبی دیکھ لیا جاتا ہے اگر یہ چادر نہ ہو تو کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں جنت عدن لغوی معنی میں ہے یعنی پوری جنت کیونکہ ساری جنت دائمی قیام کی جگہ ہے یعنی دیدار الٰہی جنت ہی میں نصیب ہوگا،قیامت میں یہ دیدار نہ ہوگا وہاں دیدار کی دوسری نوعیت ہوگی۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں سو منزلیں ہیں ہر دو منزلوں کے درمیان فاصلہ ایسا ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان اور فردوس اعلی درجہ ہے جس سے جنت کی چاروں	

نہریں پھوٹتی ہیں۲؎ اور اس کے اوپر عرش ہوتا ہے۳؎ تو تم جب بھی اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو۴؎(ترمذی)اور یہ حدیث میں نے نہ مسلم،بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں۵؎	

۱؎ اب تک دنیا میں پچاس منزلہ عمارتیں بن سکتی ہیں یہ بھی سنا ہے رب جانے غلط ہے یا درست۔یہ منزلیں چھوٹی چھوٹی ہیں وہاں سو منزلہ عمارتیں ہر منزل کی چھت آسمان کی طرح اونچی،بعض روایات میں ہے کہ جنت کی منزلیں قرآن مجید کی آیات کی برابر ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ سو منزلیں ایک جنتی کی ملک ہوں۔(مرقات)یا یہ مطلب ہے کہ جنت کے اوپر تلے سو طبقات ہیں،ہر دو طبقات کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

۲؎ شارحین فرماتے ہیں کہ فردوس میں تمام وہ نعمتیں جمع ہیں جو دوسری جنتوں میں ہیں،ان سب کے علاوہ اور بہت نعمتیں ہیں۔اس طبقہ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے جنت کی چاروں نہریں پانی،دودھ،شہد اور شراب طہور کی نہریں جاری ہیں،سب نہروں کا سر چشمہ یہاں ہے۔خیال رہے کہ جنت میں جتنا درجہ اونچا اتنا وہاں آرام زیادہ اور دوزخ میں جتنا طبقہ نیچا اتنی تکلیف زیادہ۔

۳؎ معلوم ہوا کہ سب سے اونچا طبقہ یہ ہی فردوس ہے جس پر جنت ختم ہے اس لیے اسی کی طلب کا حکم دیا جارہا ہے یہ حکم سب کو ہے۔

۴؎ رب تعالٰی دے گا اپنی مرضی سے مگر ہم مانگنے میں کمی کیوں کریں،خوب بلند حوصلہ کرکے مانگیں کبھی کریم کی عطا مانگنے والے کے حوصلے کے مطابق ہوتی ہے۔

۵؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں وہ حدیث بیان کی جو ترمذی کی ہے نہ تو بخاری میں ہے نہ مسلم میں نہ ان دونوں کی جامع یعنی کتاب حمیدی میں ہے مگر یہ حدیث بخاری میں دو جگہ ہے **کتاب الجهاد** میں اور باب **کان عرشه علی الماء** میں اور مسلم میں **باب فضل الجهاد** میں،بخاری میں بروایت ابوہریرہ تھوڑے فرق سے ہے۔(مرقات و اشعہ)غالبًا صاحب مشکوۃ کو ملی نہیں اسی لیے کہا **لم اجد** مجھے نہ ملی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک بازار ہے جہاں جنتی ہر جمعہ کو آئیں گے۱؎ تو شمالی ہوا چلے گی ان کے چہروں ان کے کپڑوں میں بھرجاوے گی جس سے ان کا حسن و جمال اور بڑھ جاوے گا۲؎ پھر یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں گے جو حسن و جمال میں بڑھ چکے ہوں گے۳؎ ان سے ان کے گھر والے کہیں گے اللہ کی قسم تم تو ہمارے پیچھے حسن و جمال میں بہت بڑھ گئے تو یہ کہیں گے رب کی قسم تم لوگ بھی ہمارے پیچھے حسن و جمال میں بہت بڑھ گئے ۴؎(مسلم)	

۱؎وہاں یہ بازار کاروبار یا خریدوفروخت کا نہیں بلکہ آپس کی ملاقات کا ہے اور رب کے دیدار کا،وہاں سارے جنتی جمع ہوا کریں گے اور وہاں دیدار یار کے سودے ملیں گے،حضور کا دیدار،صحابہ کرام کی ملاقات بلکہ رب العالمین کا دیدار یہاں ہوا کرے گا۔جمعہ سے مراد پورا ہفتہ ہےاور اسی سے ہفتہ بھر کی مقدار مراد ہےکہ جنت میں نہ دن رات ہے نہ ہفتہ مہینہ وغیرہ۔ مرقات نے فرمایا کہ جنت کے بعض وقت دوسرے وقتوں سے افضل ہوں گے جسے علماء دین ہی پہچانیں گےاس افضل وقت کا نام جمعہ ہوگا۔جنتی لوگ علماء سے وہ وقت معلوم کرکے اس بازار میں جایا کریں گے وہاں ان سے رب تعالٰی فرمائے گا جو چاہو مانگو یہ لوگ علماء سے پوچھ کر مانگیں گے لہذا علماء کی ضرورت وہاں بھی ہوگی۔(مرقات)گویا جنت میں یہ جمعہ کا دن رب کی نعمتوں کی زیادتی کا دن ہوگاجیسے دنیا میں جمعہ زیادتی عطا کا دن ہے اس میں ایک نیکی کا ثواب ستر۷۰ گنا ہے۔

۲؎یعنی تم دنیا میں جس ہوا کو شمالی(اتّروالی)ہوا کہتے ہو جو بارش لاتی ہے،وہاں ایسی ہوا چلے گی جو خوشبو عطر وغیرہ ان کے جسموں سے بھردے گی۔خیال رہے کہ جب ہم مغرب کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوں تو داہنے ہاتھ کا رخ شمال ہے۔وہاں چونکہ مشرق و مغرب نہ ہوگالہذا شمال و جنوب بھی نہ ہوگا۔اہل عرب بلکہ تمام دنیا والے شمالی ہوا کو بہت مبارک سمجھتے ہیں اسے مون سون کہتے ہیں،یہ بارش لاتی ہےاس لیے اسے شمالی ہوا فرمایا۔(مرقات)

۳؎یعنی یہ جنتی جب اس بازار سے اپنے گھر واپس ہوں گے تو ان کا حسن و جمال انکی مہک خوشبو وغیرہ اور بھی زیادہ ہوچکی ہوگی جس پر ان کے گھر والے یہ کہیں گے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بازار میں صرف مرد جایا کریں گے،عورتیں اپنے گھروں میں رہا کریں گی تاکہ عورتوں مردوں کا خلط نہ ہو۔پردہ وہاں بھی ہوگا مگر عورتوں کو یہاں ہی وہ سب کچھ دے دیا جایا کرے گاجو مردوں کو بازار میں بلا کر دیا جائے گا جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎یعنی اے بیویو ہم تو اس بازار میں جاکر یہ حسن وجمال،خوشبو،مہک،بھڑک لائے تم کو یہاں گھر بیٹھے ہی یہ سب کچھ مل گیا۔یا تو وہ ہوا ان بیویوں کو یہاں ہی پہنچ جایا کرے گی،یا ان مردوں کے قرب سے انہیں سے بھی وہ حسن و مہک ملے گا یا مردوں کو اپنا حسن اپنے گھر والوں میں نظر آوے گا،اپنی خوشبو ان سے بھی محسوس ہوگی۔(مرقات)جس کا ہاتھ عطر سے مہک رہا ہو وہ جس سے مصافحہ کرے اسے بھی مہکا دیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلا گروہ جو جنت میں جاوے گا۱؎وہ چودھویں رات کے چاند کی شکل پر ہوگا۲؎پھر جو ان سے متصل ہوں گے آسمان کے تیز چمک دار تارے کی روشنی میں ہوں گے۳؎ان سب کے دل ایک آدمی کے دل کے موافق ہوں گے کہ نہ ان میں مخالفت نہ بغض۴؎ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے۵؎جن کی پنڈلیوں کی مینگ حسن کی وجہ سے ہڈی و گوشت کے اوپر سے دیکھی جاوے گی ۶؎صبح شام اللہ کی تسبیح پڑھیں گے۷؎نہ کبھی بیمار ہوں گے نہ پیشاب پاخانہ کریں گے

اور نہ تھوکیں گے نہ ناک صاف کریں گے ۸؎ ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن لوبان اور ان کا پسینہ مشک ہوگا ۹؎ ایک آدمی کے عادت پر ۱۰؎ اپنے باپ حضرت آدم کے شکل پر ساٹھ گز بلند ۱۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ پہلے گروہ سے مراد یا حضرات انبیاء کرام ہیں یا انبیاء کرام اور خاص اولیاءاللہ۔(مرقات)ظاہر یہ ہے کہ صرف انبیاء کرام مراد ہیں کہ جنت میں پہلے وہ ہی تشریف لے جائیں گے۔

۲؎ جنت میں سارے نبی چاند کی طرح حسین ہوں گے ہمارے حضور سورج کی طرح حسین ہوں گے۔(مرقات) کیوں نہ ہوں کہ حضور نبوت کے آسمان کے سورج،رب فرماتاہے:"وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا"۔

۳؎ یعنی حضرات انبیاءکرام کے بعد والے حضرات اولیاء،علماء،شہداء،صالحین چمک دار تاروں کی شکل میں ہوں گے خصوصًا صحابہ کرام کہ وہ تو دنیا میں بھی آسمان ہدایت کے تارے ہیں اصحابی کالنجوم۔

۴؎ یعنی جیسے اگر گھر میں اکیلا ایک آدمی ہو تو وہاں لڑائی جھگڑا ناممکن ہے ایسے ہی جنت میں بے شمار مخلوق ہوگی مگر لڑائی جھگڑا ناممکن ہوگا۔

۵؎ حور جمع ہے حورا کی بمعنی صاف و سفید،عین جمع ہے عیناء کی بمعنی بڑی آنکھ والی یعنی خاص حسن کی بیویاں جنس حور سے صرف دو ہوں گی اس کے علاوہ اور بہت سی ہوں گی لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ان جنتیوں کی بیویاں ستر سے زیادہ ہوں گی کہ وہاں دوسرے درجے کی بیویاں مراد ہیں۔(اشعہ)

۶؎ یعنی ان کا گوشت پوست ہڈیاں سب نورانی اور شفاف ہوں گی کہ ان میں کوئی چیز کسی کے لیے حجاب نہ ہوگی یہ نورانیت اور شفافی ان کے حسن کا باعث ہوگی۔دنیا میں اگر گوشت پھٹ جاوے اور مینگ نظر آجاوے تو برا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ چیز نفرت انگیز ہے۔

۷؎ یعنی ہر وقت بلکہ ہر سانس میں رب کی حمد اور قدوسی ہوگی،صبح شام سے مراد ہے ہمیشگی۔

۸؎ یعنی یہ فضلات جنت میں نہ ہوں گے کہ یہ چیزیں گھن اور نفرت کا باعث ہیں،وہاں نفرت کہاں۔تفل تھوک کو کہتے ہیں اور مخاط رینٹ کو۔

۹؎ خیال رہے کہ جنت میں کنگھی ہوگی جو بالوں میں کی جاوے گی مگر میل دور کرنے کے لیے نہیں کہ وہاں میل جوں،کھٹمل نہیں بلکہ بال نکھارنے حسن بڑھانے کے لیے،یوں ہی وہاں انگیٹھی بھی ہوگی اس میں لوبان بھی سلگے گا مگر آگ کے بغیر کہ جنت میں آگ نہیں جیسے وہاں پرندوں کا بھنا ہوا گوشت ملے گا مگر یہ گوشت آگ پر نہ پکے گا،رب فرماتاہے:"وَ لَحْمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشْتَہُوۡنَ"۔نیز جنتیوں کو پسینہ آوے گا مگر گرمی سے نہیں کہ جنت میں نہ سورج کی گرمی نہ آگ کی تپش،یہ پسینہ بہت ہی آرام دہ ہوگا ان الفاظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

۱۰؎ اگر خلق خ کے پیش سے ہے تو اس کی شرح ابھی ہوچکی کہ وہاں لڑائی جھگڑا بغض و حسد نہ ہوگااور اگر خ کے فتحہ سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ سب جنتی ایک ہی قد کے ہوں گے ہم عمر ہوں گے،تیس یا تینتیس سالہ جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جیساکہ معلوم ہوگا۔

۱۱؎ یعنی سارے جنتی ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے،شرعی گز ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہےوہ ہی یہاں مراد ہے آدم علیہ السلام کا قد اتنا ہی تھا۔فِی السماء فرماکر بتایا گیا کہ اس سے لمبائی مراد ہے نہ کہ چوڑائی۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ سارے نبی نہایت حسین اور بہت ہی خوش آواز ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں کھائیں گے پئیں گے ۱؎ اور نہ تو تھوکیں گے نہ پیشاب پاخانہ کریں گے اور نہ ناک جھاڑیں گے ۲؎ صحابہ نے عرض کیا تو ان کے کھانے کا کیا حال ہوگا ۳؎ فرمایا ڈکار اور مشک کی طرح پسینہ ۴؎ تسبیح و حمد الٰہی ان کے دل میں ڈالی جاوے گی جیسے تم سانس لیے جاتے ہو ۵؎ (مسلم)

۱؎ جنتی جنت میں پرندوں کے گوشت اور اعلی درجہ کے بے شمار پھل کھائیں گےاور دودھ شہد،پانی شراب طہور پئیں گے یہ کھانا پینا بھوک سے نہ ہوگاصرف لذت کے لیے ہوگا کہ وہاں نہ بھوک ہوگی نہ پیاس۔

۲؎ یعنی جنتیوں کے کھانے پینے کے لیےبہت نعمتیں ہوں گی مگر بدن سے اس کے خارج کرنے کے لیے وہ ذریعہ نہ ہوں گے جو دنیا میں ہوتے ہیںپیشاب پاخانہ،تھوک،رینٹ وغیرہ۔

۳؎ یعنی یارسول اللہ پھر کھانے کا فضلہ بدن سے کیسے خارج ہوگا،اگر خارج نہ ہوگا تو وہاں تندرستی کیسے قائم رہے گی،نہایت نفیس سوال ہے۔

۴؎ یعنی کھانا تو ڈکار سے ہضم ہوگا اور پانی وغیرہ پسینہ کے ذریعہ خارج ہوگا۔خیال رہے کہ جنت میں دنیا کی سی ڈکار نہ ہوگی جس کی حدیث شریف میں برائی آئی ہےاقسر ناحشاءك مگر وہ آواز کسی قدر اس میں بدبو بلکہ وہ ڈکار ہی اور قسم کی ہوگی،نیز وہاں پسینہ دنیا کا سانہ ہوگا جو گرمی کی وجہ سے بدبودار تکلیف دہ ہوتا ہے وہ پسینہ اور ہی طرح کا ہوگا نہایت خوشبودار آرام دہ۔

۵؎ سبحان اللہ!کس نفیس طریقہ سے سمجھایا ہے کہ جیسے دنیا میں تم سانس لیتے تھکتے نہیںایسے ہی وہاں تسبیح و تہلیل کرتے تھکوگے نہیںوجیسے کہ یہاں سانس ہر وقت ہر حال میں جاری رہتی ہے ایسے ہی وہاں جنت میں تسبیح و تہلیل ہر حال ہر وقت میں جاری ہوگی،جیسے یہاں سانس کسی کام سے روکتی نہیںایسے ہی وہاں ذکر اللہ کسی کام سے روکے گا نہیں۔بعض عارفین پاس انفاس کرتے ہیںیعنی ذکر اللہ ان کی سانس میں جاری ہوجاتا ہےجو سوتے جاگتے کھاتے پیتے جاری رہتا ہےوہ لوگ ایک اعتبار سے دنیا میں ہی جنت میں ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ "وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ"دو جنتوں سے مراد ایک

دنیاوی جنت ہے دوسری اخروی جنت،دنیاوی جنت ذکر الٰہی ہے اخروی جنت اس کا نتیجہ ہے،ارشاد باری ہے"اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ"نیک لوگ دنیا میں ہی جنت میں ہیں یعنی ذکر اللہ کی جنت میں"وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ"کفار دنیا میں ہی دوزخ میں ہیں یعنی غفلت کی دوزخ میں جس کا نتیجہ آخرت کی دوزخ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنت میں جائے گا خوش رہے گا کبھی غمگیں نہ ہوگا۱ نہ اس کے کپڑے گلیں نہ اس کی جوانی ختم ہو۲(مسلم)	

۱کسی قسم کا غم جنتی کو نہ ہوگا اور ہر طرح کی خوشی اسے میسر ہوگی حتی کہ اپنی کافر اولاد کے دوزخ میں جانے کا بھی غم نہ ہوگا،اس سے قطعًا محبت نہ رہے گی،کوئی اپنے کو دوسرے سے ہلکا نہ سمجھے گا۔

۲غرضکہ جنت میں ہر چیز کو قرار ہے تبدیلی کسی چیز میں نہیں،فنا کسی کو نہیں،جوانی،لباس،خوشی عیش ہر چیز ہمیشہ کی ہے کوئی فنا نہ ہوگا حتی کہ وہاں کے پھل کھالینے کے بعد بھی فنا نہیں وہ ہی پھل جو کھایا ویسا ہی باقی"اُکُلُهَا دَآئِمٌ"جیسے ہوا دھوپ استعمال کرنے کے بعد بھی ویسے ہی باقی رہتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید و ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پکارنے والا پکارے گا۱ کہ تمہارے لیے یہ ہے کہ تندرست رہوگے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تمہارے لیے یہ ہے کہ زندہ رہوگے کبھی نہ مروگے اور تمہارے لیے یہ ہے کہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہوؤگے اور تمہارے لیے یہ کہ خوش رہوگے کبھی غمگیں نہ ہوؤگے۲(مسلم)	

۱یا تو خود رب تعالٰی پکار کر فرمائے گا یا اس کی طرف سے کوئی فرشتہ پکارے گا ایک دفعہ یا بار بار۔

۲ان بشارتوں سے جنتیوں کی خوشی میں اور بھی اضافہ ہوتا رہے گا،خوشی کا لطف ہے اور خوشی کی بشارت کا لطف کچھ اور ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی لوگ اپنے اوپر بالاخانہ والوں کو اس طرح ایک دوسرے کو دکھائیں گے جیسے تم چمکدار تارے کو جو شرقی غربی کنارے میں ہو ایک دوسرے کو دکھاتے ہو۱ ان کے درمیان فضیلت کی وجہ سے۲ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو انبیاء کرام کی منزلیں	

ہوں گی جن تک ان کے سواء کوئی نہ پہنچ سکے گا۳ فرمایا ہاں کیوں نہیں اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ لوگ وہاں پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کی تصدیق کی۴ (مسلم،بخاری)	

۱یعنی جنت کے نیچے درجے والے جنتی اعلیٰ جنتیوں کو اس طرح ایک دوسرے کو دکھائیں گے جیسے دنیا میں مشرق سے نکلتے چاند تاروں کو ڈوبتے ہوئے دکھاتے ہیں کہ وہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق وہ ہیں حضرت بلال دیکھو وہ رہے حضرت حسین رضی اللہ عنہم،یا یہاں کی عورتیں ایک دوسرے سے کہیں گی دیکھو وہ ہیں خاتون جنت فاطمہ زہرا ہیں،جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھن ان حضرات کا دیدار بھی بڑی نعمت ہوگی،آج مدینہ کی گلیوں کو ہم ترستے ہیں،مدینہ دیکھ کر سب رنج و غم بھول جاتے ہیں،جب مدینہ والے محبوب اور ان کے خدام کو دیکھیں گے تو خوشی کا کیا حال ہوگا۔شعر

میرا دل زار مدینہ میں ہے　　　میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے
خلد کا بازار مدینہ میں ہے　　　احمد مختار مدینہ میں ہے

۲یعنی سب جنتی ایک درجے کے نہ ہوں گے ان کے درجے مختلف ہوں گے۔اعلی درجہ کے جنتی اوپر کے طبقوں میں مگر نیچے والوں کو اپنے ادنی ہونے کا خیال بھی نہ آوے گا بلکہ اوپر والوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی ایسی خوشی بیان نہیں ہوسکتی۔

۳سائل کا مقصد یہ ہے کہ ایسے بلند درجات والے جو آسمانی تاروں کی طرح نظر آویں وہ حضرات انبیاء کرام ہی ہوسکتے ہیں،ہم امتیوں میں سے تو کوئی ہوگا نہیں۔

۴یہاں ایمان باللہ سے مراد عیانی ایمان ہے اور تصدیق رسل سے مراد فنا والی تصدیق ہے یعنی ایمان و تصدیق کا اعلی درجہ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سارے ہی جنتی مؤمن ہوں گے وہاں کافر تو کوئی جائے گا نہیں تو پھر نیچے درجوں میں کون رہے گا،عیانی ایمان کی دلیل وہ آیت ہے"قَالَ بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ"سن کر تصدیق،دیکھ کر تصدیق،داخل ہوکر تصدیق،فنا ہوکر تصدیق ان سب میں بڑا فرق ہے،یہاں یہ آخری درجہ والی تصدیق مراد ہے۔ہم نے عرض کیا شعر

اس طرح سما مجھ میں ہوجاؤں میں گم تجھ میں　　　پھر بھی تو ہی تماشا ہو اور تو ہی تماشائی

مرسلین جمع فرماکر اشارۃً فرمایا کہ یہ فرق مراتب صرف امت محمدیہ میں ہی نہ ہوگا،بلکہ ساری امتوں میں ہوگا کہ ان کے جنتی بعض اوپر ہوں گے بعض نیچے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایسی قومیں جائیں گی جن کے دل چڑیوں کے دل کی طرح ہیں۱ (مسلم)	

۱چڑیوں کے دل میں اللہ پر توکل اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔شعر

رزق نہ رکھن ساتھ میں پنچھی اور درویش　　　جن کا رب پر آسرا ان کو رزق ہمیش

مالک سے مانوس ہوتے ہیں،اغنیاء سے متنفر کہ غیر کو دیکھا اور بھاگے،دلوں میں ڈر بہت زیادہ کینہ بغض ان کے پاس نہیں،جس انسان میں یہ صفات پیدا ہوجاویں وہ تو فرشتہ بن جاوے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی جنت والوں سے فرمائے گا اے جنتیو! وہ عرض کریں گے ہم حاضر ہیں اے ہمارے رب بندے ہیں تیرے اور ساری خیر تیرے ہاتھ ہے۱؎ وہ فرمائے گا کیا تم خوش ہوگئے۲؎ عرض کریں گے ہم کیوں خوش نہ ہوں یا رب تو نے ہم کو وہ دیا جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دیا۳؎ تو فرمائے گا کیا میں تم کو اس سے بھی اعلیٰ افضل نعمت نہ دوں وہ عرض کریں گے یارب اس سے افضل کوئی چیز ہے۴؎ تو فرمائے گا تم پر اپنی رضا نازل کروں گا تو اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہ ہوں ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ عربی میں جب آقا و مولٰی کی پکار کا جواب دیتے ہیں تو ایسے الفاظ بولتے ہیں حضور حاضر ہوں،خدمت گار ہوں،ہر چیز آپ کے ہاتھ میں ہے۔چونکہ جنت میں ہر کلام عربی زبان میں ہوگا آپس میں بھی اور رب تعالٰی سے بھی اس لیے عربی کے محاورہ وہاں استعمال ہوں گے،بعض روایات میں ہے کہ اہل جنت کی عربی زبان ہے اور دوزخیوں کی زبان فارسی ہوگی کہ یہ رب تعالٰی کے قہر کے اظہار کی زبان ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسا دل نواز سوال ہے۔دوستو یہاں ہم رب کو راضی کرلیں وہاں ہم کو رب خوش کرے گا،یہ چند روزہ زندگی اس کی رضا میں گزاریں اللہ توفیق دے۔

۳؎ یعنی مولٰی تو نے ہم کو یہاں وہ نعمتیں بخشیں جو فرشتوں جنات وغیرہ کسی مخلوق کو نہ بخشیں۔خیال رہے کہ جنات تو جنت میں جائیں گے ہی نہیں فرشتے اگرچہ وہاں ہوں گے مگر اہل جنت کی خدمت کے لیے نہ کہ وہاں کی نعمتیں استعمال کرنے کے لیے،وہ کھانے پینے شہوت سے پاک ہیں لہذا یہ عرض بالکل درست ہے۔

۴؎ یعنی ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ ان نعمتوں سے بہتر اور کون سی نعمت ہوسکتی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں تو تو نے ہم کو عطا فرمادی ہیں۔

۵؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ تعالٰی کی رضا تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے کہ یہ رضا ہی بقاء کا دیدار کا ذریعہ ہے،جس سے مالک خوش ہوگیا تو ہر چیز اس کی ہوگئی۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی کے راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس سے راضی ہوجاتا ہے،بندہ کے راضی ہوجانے کی علامت یہ ہے کہ وہ رب کے احکام اس کی بھیجی ہوئی تکالیف سے راضی رہتا ہے کبھی اس کی شکایت نہیں کرتا دیکھو یہاں رب تعالٰی نے پہلے بندوں سے ان کی رضا پوچھی پھر اپنی رضا کی خبر دی۔اس حدیث کی تائید وہ آیات کرتی ہیں"وَرِضْوٰنٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ"اور"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ"۔صوفیاء

فرماتے ہیں کہ اگر بندہ یہ جاننا چاہے کہ رب مجھ سے راضی ہے یا نہیں تو وہ غور کرے کہ وہ رب سے راضی ہے یا نہیں،راضی ہوجاؤ راضی کرلو،اس کا ذکر کرو اپنا ذکر کراؤ۔مولانا فرماتے ہیں شعر

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست | ایں گداز و سوز و دراز بیک ماست

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ادنی ٹھکانے والے جنتی سے رب فرمائے گاآرزو کر وہ آرزو کرے گا اور آرزو کرے گاتو اس سے فرمائے گا کیا تو نے آرزو کرلی وہ کہے گا ہاں تو اس سے فرمائے گا کہ جو تو نے آرزوئیں کیں وہ اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور تیرے لیے ۲؎(مسلم)	

۱؎ تمنی دوبار فرمانا زیادتی بیان کرنے کے لیے ہے یعنی بندہ آرزو کرے گا اور خوب ہی کرے گا،بار بار کرے گا،جہاں تک اس کا خیال پہنچے وہاں تک کی تمنائیں کرلے گا۔خیال رہے کہ تمنا اور امید میں بڑا فرق ہےامید تو صرف ہوسکنے والی بات کی ہوتی ہےمگر تمنا ان ہونے والی بات کی بھی ہوسکتی ہے۔ایک بڈھا تمنا کرسکتا ہے کہ کاش میری جوانی لوٹ آتی،نہ معلوم بندہ تمنا کیا کیا کرے گا مجھ گنہگار کی تمنا تو یہ ہے اور ہوگی۔شعر

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی | جو آنکھیں دی ہیں دکھلادے مجھے صورت محمد کی

۲؎ یعنی وہ تمنائیں پوری ہوئیں تیری مانگ سے اور اتنا ہی اور دیا اپنے رحم خسروانہ کرم شاہانہ سے،پہلے ایک گنا ساتھ ہی دے گا آخر میں دس گنا لہذا یہ حدیث دس گنا والی حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سیحان و جیحان ۱؎ فرات و نیل یہ سب جنت کی نہروں میں سے ہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎ خیال رہے کہ سیحون اور جیحون ملک ارمن میں دو نہریں ہیں یعنی ترکستان اور خراسان میں اور فرات و نیل ملک شام کی دو نہریں ہیں۔(اشعہ)

۲؎ فرات کوفہ میں ہے نیل مصر میں،ان چاروں نہروں کا جنت سے ہونا۔اس کی بہت توجیہیں کی گئیں ہیں مگر قوی یہ ہے کہ کوئی تاویل نہ کی جاوے اسے اپنے ظاہر پر رکھا جاوے کہ جنت سے ان کا پانی پہاڑوں میں بھیجا گیااور پہاڑوں سے ان میدانوں میں جاری کیا گیا۔چنانچہ یہ پانی بہت شیریں ہیں ہاضم ہیں،ان نہروں پر حضرات انبیاء کرام بزرگانِ دین بہت ہی کثرت سے تشریف فرمائے ہوئے ہیں،قریب قیامت جب قوم یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگاتو قرآن مجید،علم دین،حجر اسود،مقام ابراہیم اور یہ چاروں نہریں دنیا سے غائب کردی جائیں گی،رب فرماتاہے:"وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ"۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عتبہ ابن غزوان سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ۲؎ کہ دوزخ کے کنارے سے پتھر ڈالا جاوے گا	

تو اس میں ستر سال گرے گا اس کی تہہ نہ پائے گا۳؎ رب کی قسم وہ بھری جاوے گی اور ہم سے ذکر کیا گیا کہ جنت کی چوکھٹوں میں سے دو چوکھٹوں کے درمیان چالیس سالوں کا فاصلہ ہے اور اس پر ایک ایسا دن آوے گا جب وہ بھیڑ کی وجہ سے ٹھسا ہوگا۴؎ (مسلم)	

۱؎ عتبہ ابن غزوان صحابی ہیں،بدری ہیں،ساتویں مسلمان ہیں کہ ان سے پہلے صرف چھ حضرات ایمان لائے تھے،بڑے تیر انداز تھے۔

۲؎ یا تو حضور انور نے فرمایا یا کسی صحابی نے۔خیال رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق قبول ہے،بعد والوں کے مرسلات میں اختلاف ہے۔(مرقات)

۳؎ اللہ اکبر! یہ ہے دوزخ کی گہرائی،پتھر اگر آسمان سے پھینکا جاوے تو صبح سے چلا ہوا شام تک زمین پر پہنچ جاوے مگر دوزخ کے کنارے سے چلا ہوا ستر سال میں اس کی تہہ تک نہ پہنچے،سوچ لو گہرائی کتنی ہے اتنی گہرائی دوزخ کو کفار انسانوں سے بھرنا ہے۔

۴؎ یعنی جنت کے ہر درازہ کی چوڑائی چالیس سال کی راہ ہے اس قدر وسعت کے بعد جب جنتی اس میں داخل ہوں گے تو ان کے کھوئے سے چھلتے ہوں گے اژدھام اور بھیڑ کا یہ حال ہوگا۔خیال رہے کہ یہ ٹھسنا جب ہوگا جب کہ عام جنتی داخل ہوں گے۔سب سے پہلے ہمارے حضور داخل ہوں گے دروازہ کھلے گا انہیں کے لیے،پھر دوسرے انبیاءکرام،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ترتیب وار پھر دوسری امتیں،جس جماعت کے داخلہ کی باری آوے گی دروازہ ٹھس جاوے گا،اللہ ہم کو بھی نصیب کرے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی فرمایا پانی سے ۱؎ ہم نے عرض کیا جنت کا میٹریل کیا ہے۲؎ فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک اینٹ چاندی کی اور اس کا گارا خالص مشک کا ہے اور اس کی بجری موتی اور یاقوت ہے اس کی مٹی زعفران ہے۳؎ جو وہاں داخل ہوگا خوش رہے گا غمگین نہ ہوگا ہمیشہ رہے گا کبھی نہ مرے گا،ان کے کپڑے گلیں گے نہیں اس کی جوانی فنا نہ ہوگی ۴؎ (احمد،ترمذی،دارمی)	

۱؎ اگر خلق سے مراد جاندار مخلوق ہے،انسان و جانور وغیرہ تو پانی سے مراد نطفہ ہے،اس صورت میں حضرت آدم،حوا،عیسیٰ علیہ السلام اور وہ کیڑے مکوڑے اس حکم سے علیحدہ ہیں جو اوگا سریا چار پائی یا برسات کے موسم میں پیدا ہوتے ہیں کہ ان کی پیدائش نطفہ سے نہیں۔اس معنی کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ "ہم نے ہر جاندار چیز کو نطفہ سے پیدا فرمایا۔اور اگر خلق سے مراد عالم اجسام ہے تو ماء سے مراد یہ ہی پانی ہے۔اللہ تعالٰی نے پہلے ایک جوہر پیدا فرمایا اس پر نظر ڈالی تو ہیبت سے وہ جوہر پگھل گیا پانی بن گیا،اس پانی میں قدرتی گرمی پیدا کی گئی اس سے ہوا بنی کہ پانی گرمی پاکر ہوا بن جاتا ہے،ہوا نے پانی کو حرکت دی اس سے جھاگ پیدا ہوئے وہ جمادیئے گئے تو زمین بنی گویا زمین پانی کا جما ہوا جھاگ ہے،یہ پانی اور زیادہ گرم کیا گیا تو اس سے آگ بنی آگ سے دھواں پیدا ہوا وہ جم کر آسمان بنے،توریت شریف کے پہلے دفتر میں پیدائش کی یہ ہی ترتیب فرمائی گئی ہے،زمین پانی پر ٹھہر نہ سکی ہلتی تھی تو اس پر پہاڑ کے لنگر ڈالے گئے جس سے اسے قرار ہوا۔(اشعۃ اللمعات و لمعات)

۲؎ جس سامان سے مکان بناتے ہیں اسے انگریزی اردو میں میٹریل کہتے ہیں جیسے اینٹ گارا چونا،لوہا سیمنٹ وغیرہ یعنی یا رسول اللہ جنت کی تعمیر کس سامان سے ہوئی۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کا ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے باریک سوال کرتے ہیں اور سرکار یہ نہیں فرماتے کہ اچھا جبرئیل امین آئیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے یہ باتیں تو حضرت جبرئیل کو بھی معلوم نہ تھیں جو حضور بیان فرمارہے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر   بحر حق سوئے غریباں یک نظر

۳؎ دیکھو یہ ہے اس غیب داں صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کہ جنت کی ساری حقیقت بیان فرمادی جس کی نگاہ سے جنت کی حقیقت نہیں چھپی انہیں سب کی حقیقت بھی معلوم ہے۔خیال رہے سونا پیلا ہوتا ہے چاندی سفید،جو دیوار ان اینٹوں سے بنے وہ کیسی خوشنما ہوگی،پھر زعفران پیلا ہوتا ہے مشک سیاہ،جو مٹی اس سے مخلوط ہو وہ کیسی حسین اور کیسی خوشبودار ہوگی پھر موتی سفید چمکیلے ہوتے ہیں یاقوت رنگ برنگے جو بجری ان سے مخلوط ہو وہ کیسی خوبصورت اور قیمتی ہوگی،پھر وہاں کے درخت گہرے رنگ کے سبز،ان رنگتوں کے ملنے سے جو حسن پیدا ہوا ہے وہ بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتا ان شاءاللہ دیکھ کر ہی سمجھیں گے اور سمجھائیں گے،خدا تعالٰی اس قال کو حال کردے۔

۴؎ یعنی جنت میں رنج غم،تکلیف،بیماریاں موت،بڑھاپا،کپڑے میلے ہونا وغیرہ کوئی چیز نہ ہوگی۔مرقات نے فرمایا کہ کپڑے فرماکر سارا سامان مراد لیا گیا ہے کہ وہاں نہ کپڑے میلے ہوں نہ پھٹیں نہ کوئی سامان ٹوٹے پھوٹے نہ مرمت کرایا جاوے،دیکھ لو چاند سورج کی مرمت کون کرتا ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جنت میں کوئی درخت نہیں مگر اس کا تنا سونے کا ہے۱؎ (ترمذی)	

۱؎ جنت کے درختوں کا تنا سونے کا اس کی شاخیں چاندی کی سونے کی یاقوت و زمرد سے جڑی ہوئی ہر طرح کی کلیوں پھولوں سے بھری ہوئی،میووں پھلوں سے لدی ہوئی نیچے نہریں جاری۔سمجھو ہر طرح بہارہی بہار ہے۔شعر

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا ہم مجرم کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

اچھا اللہ تعالٰی کسی کے طفیل ہم کو بھی بخش دے۔شعر

شنیدم کہ در روز امید و بیم بدان رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے[۱] (ترمذی)اور فرمایا یہ حسن غریب ہے۔	

[۱] اگر درجہ سے مراد زینہ سیڑھی کے درجے ہیں تب تو مطلب یہ ہے کہ جنت کی ایک منزل سے دوسری منزل کا فاصلہ اتنا ہے کہ وہاں سو درجوں والا زینہ ہو جس کے ہر دو درجوں کے درمیان سو برس کے فاصلہ کی مسافت ہو اور اگر ان درجوں سے مراد جنت کی منزلیں ہیں تو مطلب ظاہر ہے،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں،دیکھو مرقات یہ مقام۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں سو درجے ہیں اگر تمام جہانوں کے لوگ ان میں سے ایک درجے میں جمع ہوں تو وہ ان سب کو کافی ہو[۱] (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک جنتی کو بہت بڑا علاقہ دیا جاوے گا کہ اتنی جنت صرف انسانوں کے لیے اور انسانوں میں بھی صرف مؤمنو ں کے لیے خاص کردی گئی ہے،اگر ہر ایک کا علاقہ بہت وسیع نہ ہو تو پوری امتوں کی کھپت کیسے ہو۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اللہ تعالٰی کے فرمان کے بارے میں **وفرش مرفوعة** فرمایا ان بستروں کی بلندی ایسی ہے جیسے آسمان و زمین کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت[۱] (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

[۱] اس **فرش** کی بہت تفسیریں کی گئیں ہیں: (۱)جنت کے ایک درجے کا فرش زمین دوسرے درجے کے فرش زمین سے اتنا اونچا ہے جتنا آسمان زمین سے اونچا(۲) جنتی لوگوں کے گھروں میں جو چارپائیاں ہوں گی جن پر ان کے بستر ہوں گے ان کے پائے اتنے اتنے اونچے (۳)فرش سے مراد وہاں کی حوریں اور دوسرے بیویاں ہیں۔بلندی سے مراد درجے کی بلندی ہے یعنی دنیا کی عورتوں کو ان عورتوں سے کچھ نسبت ہی نہیں جیسے زمین و آسمان میں فرق ہے ویسے ہی انکے درجوں میں فرق ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ پہلا گروہ جو قیامت کے دن جنت میں جائے گا ان کے چہروں کی چمک چودھویں رات کے چاند کی چمک کی	

	طرح ہوگی اور دوسرا گروہ آسمان میں بہترین چمک دار تارے کی طرح۱؎ ان میں ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے،ان کی پنڈلی کی مینگ ان سب کے اوپر سے دیکھی جاوے گی۲؎(ترمذی)

۱؎ پہلا گروہ حضرات انبیاءکرام ہیں دوسرا گروہ حضرات اولیاء اللہ شہداء صالحین کا ہے قلب کی حالت ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔

۲؎ یعنی اس کی بیویاں تو بہت ہوں گی مگر ان میں سے دو بیویاں اسی لطافت والی ہوں گی کہ ستر جوڑے پہنیں گی،پھر بھی ان کی پنڈلی کی ہڈی کی مینگ اوپر سے نظر آوے گی،مگر خیال رہے کہ وہ بیویاں صرف اپنے خاوندوں کے سامنے ہی آویں گی کوئی اور نہیں نہ دیکھ سکے گا،رب فرماتاہے:"قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ"لہذا اس پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ پھر ان کے سارے پوشیدہ اعضاء سب کو نظر آئیں گے لباس ستر کا فائدہ نہ دے گا اس لیے کہ وہاں کل بیویوں کا ذکر ہے اور یہاں ایسی لطافت والی بیویوں کا،کل بیویاں بہتر ہیں جن میں سے دو ایسی لطیف اور انہیں سوا ان کے خاوندوں کے کوئی نہ دیکھے گا۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جنت میں مؤمن کو جماع کی اتنی اتنی طاقت دی جاوے گی۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا۲؎ فرمایا سو آدمیوں کی طاقت دی جاوے گی۳؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جنتی مرد کو اپنی بیویوں سے صحبت کرنے کی بہت ہی طاقت دی جاوے گی،اس کو صحبت سے کوئی کمزوری نہ ہوگی۔خیال رہے کہ وہاں صحبت میں منی خارج نہیں ہوگی کہ یہ گندگی ہے جیسے وہاں پیشاب پاخانہ نہیں ایسے ہی وہاں منی نہیں صرف ہوا خارج ہوگی مگر اس ہوا میں لذت منی سے زیادہ ہوگی **ھکذا قال بعض مشائخنا**۔

۲؎ یعنی اتنی قوت مردمی کو ایک مرد کیسے سنبھالے گا،دنیا میں بعض لوگوں میں یہ طاقت اتنی ہوتی ہے کہ وہ ایک بیوی پر صبر نہیں کرسکتے اور عورت کی پلیدی کا زمانہ بمشکل گزار سکتے ہیں پھر وہاں ضبط کیسے ہوگا۔

۳؎ یعنی اللہ تعالٰی ایک جنتی کو دنیا کے سو مردوں کی برابر قوت شہوانی عطا فرمائے گا ساتھ ہی اس کو تحمل کی طاقت بھی دے گا اور مصرف بھی عطا فرمائے گا۔خیال رہے کہ ازروئے علم طب اعلٰی درجے کے جوان میں چوبیس گھنٹے میں پانچ بار صحبت کی طاقت ہوتی ہے،درمیانے درجہ والے میں تین بار کی مگر وہ اسے نبھا نہیں سکتا اور وہاں طاقت ہے سو مردوں کی تو گویا اس میں چوبیس گھنٹے کی پانچ سو بار صحبت کی طاقت ہوگی۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے سو جنتیوں کی طاقت دی تھی یعنی چار ہزار دنیاوی مردوں کی نو بیویوں پر حضور کا قناعت فرمانا انتہائی صبر تھا،حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں،حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں،یہاں مرقات نے فرمایا کہ دوسری طاقتوں کا بھی یہی حال ہوگا بہرحال ہر طرح اللہ تعالٰی کا فضل ہوگا۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے وہ نبی صلی اللہ

	علیہ وسلم سے راوی فرمایا جنت کی وہ نعمتیں جو جنتی کا ناخن اٹھائے گا۱؎ظاہر ہوجاوے تو اس سے آسمانوں اور زمین کناروں کے درمیان کی جڑیں سج جاویں گی۲؎اور اگر کوئی جنتی آدمی جھانک لے تو اس کے کنگن ظاہر ہوجاویں تو ان کی روشنی سورج کی روشنی کو مٹا دے۳؎جیسے سورج تاروں کی روشنی کو مٹا دیتا ہے۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎دنیا میں انسانوں کے ناخن میں میل بھرا ہوتا ہے جو گندا ہوتا ہے وہاں جنتیوں کے ناخنوں میں جو چیز ہوگی اس کا یہ حال ہوگا۔خیال رہے کہ یہ فرمان عالی سمجھانے کے لیے ہے یعنی وہاں کی معمولی چیز کا یہ حال ہوگا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنتیوں کے ناخنوں بڑے بڑے ہوں گے اس میں کچھ بھرا ہوا ہوگا۔

۲؎ **خوافق** بنا ہے **خفق** سے بمعنی حرکت کرنا بے قرار ہونا،اسی سے ہے خفقان دل،مشرق و مغرب کو خوافق اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں سے ہی دن و رات طلوع و غروب ہوتے ہیں،چاند تارے سورج حرکت کرتے ہوئے نکلتے ڈوبتے ہیں۔

۳؎ **اساور** جمع ہے **اسورہ** کی اور **اسورہ** جمع ہے **سوار** کی،سوار کنگن کو کہتے ہیں،دنیا میں مردوں کو زیور پہننا حرام ہے کہ یہاں جہاد وغیرہ کرتے ہیں وہاں مباح ہوگا،ہر جنتی زیوروں سے لدا پھدا ہوگا،پھر زیور کی قیمت کا یہ حال ہوگا۔

۴؎اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزرگئی۔جنتیوں کے چہرے دنیا کے سورج سے کہیں روشن ہوں گے،ان کے مقابل سورج تارا ہے ان کے چہروں کو دیکھنے کے لیے آنکھ بھی اور ہی قسم کی عطا ہوگی جو ان کی جھلک برداشت کرسکے۔

	روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی لوگ بغیر بال والے صاف بدن ۱؎بے داڑھی والے،سرمہ کی آنکھ والے ہوں گے۲؎نہ ان کی جوانی ختم ہو،نہ ان کے کپڑے گلیں۳؎ (ترمذی،دارمی)

۱؎جنتیوں کا جسم بغیر رونگٹے والا ہوگا مگر سر بغیر بال والا نہ ہوگا کہ بغیر رونگٹے جسم حسین معلوم ہوتا ہے مگر بغیر بال کے سر گنجا برا معلوم ہوتا ہے۔**جرد** جمع ہے **اجرد** کی۔

۲؎سواء ابراہیم علیہ السلام کے جنت میں کسی کے منہ پر داڑھی نہ ہوگی۔خیال رہے کہ بے داڑھی ہونا اور چیز ہے اور داڑھی منڈانا کچھ اور ہے،جنتی لوگ قدرتی طور پر بے داڑھی ہوں گے،قدرتی طور پر ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی یہ سرمہ کبھی ان آنکھوں سے زائل نہ ہوگا۔

۳؎لہذا وہ ہمیشہ تیس سالہ رہیں گے،چونکہ جنت میں سورج نہیں،دن رات نہیں،مہینے سال نہیں اس لیے ان کی عمروں میں اضافہ بھی نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی جنت میں جائیں گے بغیر رونگٹے والے صاف بدن بے داڑھی سرمہ گیں آنکھ،تیس سالہ یا تینتیس

سالہ ۱؎(ترمذی)	

۱؎یہ شک راوی کو ہے کہ حضور انور نے تیس سالہ فرمایا یا تینتیس سالہ اور ہوسکتا ہے کہ جنتی مرد تینتیس سالہ ہوں اور جنتی عورتیں تیس سالہ یہ عمر اعلیٰ درجہ کے جوان کی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا حضور کی خدمت میں سدرۃ المنتہی کا ذکر ہوا۱؎فرمایا کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں سوار سو برس چلے گا یا اس کے سایہ میں سو سوار سایہ لیں گے،راوی کو شک ہے۲؎اس میں سونے کے پتنگے ہیں اس کے پھل گویا مٹکے ہیں۳؎ (چاٹیاں)ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎یہ بیری کا درخت ہے ساتویں آسمانوں کے اوپر یہاں فرشتوں کی انتہا ہے کہ کوئی فرشتہ جو زمین پر آتا ہے،اس سے آگے نہیں بڑھتا اور عرشی فرشتے اس سے نیچے نہیں آتے حتی کہ لوگوں کے اعمال فرشی فرشتے یہاں تک پہنچاتے ہیں پھر وہاں اوپر والے فرشتے لے لیتے ہیں اور اوپر پہنچاتے ہیں اس لیے اسے منتہیٰ کہا جاتا ہے،اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے یا اس کی انتہا جنت میں ہے یا اس کے آگے کسی کا علم نہیں بڑھتا کہ اوپر کیا ہے ان وجوہ سے اسے منتہیٰ کہا جاتا ہے۔(از مرقات)

۲؎یعنی بی بی اسماء کو شک ہے کہ حضور انور نے ان دو باتوں میں سے کیا بات فرمائی پہلی بات زیادہ ظاہر ہے یا یہ کہ بعض لوگوں کو وہ سایہ اسقدر محسوس ہوگا بعض کو اس قدر۔(از مرقات)

۳؎یہ پتنگے وہاں پر مقرر شدہ فرشتے ہیں جن کے پر چمکیلے ہیں۔(اشعہ)اس بیری کے پھل بڑے مٹکوں کے برابر ہیں جو ٹھنڈے میٹھے مکھن جیسے گودے سے بھرے ہوئے ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے فرمایا یہ ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے یعنی جنت میں دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھی،اس میں پرندے جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں۲؎عمران بولے یہ تو خوب ہی ہے۳؎رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں کے کھانے ان سے بھی زیادہ خوب ہیں۴؎(ترمذی)	

۱؎اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر جنت کے اندر ہے وہاں کی شاخیں جنت کے باہر بلکہ میدان محشر میں پہنچی ہوں گی جیساکہ پچھلی احادیث میں گزرا۔

۲؎گویا وہ وہاں کے شتر مرغ ہیں مگر ان کا حسن و جمال رب ذوالجلال ہی جانتا ہے۔

۳؎یعنی یہ نعمتیں بہت اچھی ہیں یا وہ شتر مرغ بہت عمدہ موٹے خوشنما ہوں گے۔

۴؎یعنی یہ پرندے تو فقط دیکھنے کی نعمت ہے جو بڑی بھلی معلوم ہوگی اگر وہاں کے کھانے دیکھو تو وہ ان سے کہیں زیادہ اچھے ہیں۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کہ جنت میں گھوڑے ہوں گے۱؎فرمایا کہ اگر تجھے اللہ جنت میں داخل فرمادے تو تو وہاں نہ چاہے گا کہ سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار کیا جاوے جو تجھے جنت میں وہاں اڑا کر پہنچادے جہاں تو چاہے مگر ایسا کیا جاوے گا۲؎اور حضور سے ایک شخص نے پوچھا عرض کیا یارسول اللہ کیا جنت میں اونٹ ہوں گے،راوی کہتے ہیں کہ اس سے وہ نہ فرمایا جو اس کے ساتھی سے فرمایا تھا۳؎بلکہ فرمایا اللہ اگر تجھے جنت میں داخل فرمادے تووہاں تیرے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو تیرا دل چاہے اور تیری آنکھیں پسند کریں۴؎(ترمذی)	

۱؎شاید ان سائل صاحب کو گھوڑے پسند ہوں گے اس لیے وہ یہ سوال فرمارہے ہیں کہ میری مرغوب چیز بھی وہاں ہو گی یا نہیں۔خیال رہے کہ جنت میں جو چاہو گے وہ ملے گا جو چیز وہاں کے لائق نہ ہو اسکی خواہش دل میں پیدا ہی نہ ہوگی کوئی وہاں حقہ،چائے پان وغیرہ کی خواہش ہی نہ کرے گا۔

۲؎یعنی اگر تم وہاں گھوڑے کی خواہش کرو گے تو تم کو یہ لید پیشاب کرنے والا اور زمین پر دوڑنے والا گھوڑا نہیں بلکہ یاقوتی گھوڑا دوڑانے والا عطا ہوگا۔خیال رہے کہ وہاں جنتی کی اپنی اپنی رفتار بہت تیز ہوگی کہ اس کا گھر صد ہا میل کے علاقہ میں ہوگا اور اس کا اپنا مملوکہ رقبہ تو دنیا بھر سے زیادہ ہوگا مگروہ آن کی آن میں جہاں چاہے گا پہنچے گا،یہ گھوڑے وغیرہ کی عطا اظہار عزت اور زینت کے لیے ہوگی۔حضور معراج میں براق پر گئے مگر اس دن حضور کی خود اپنی رفتار براق سے کہیں تیز تھی اس لیے اس رات حضرات انبیاء براق کے پہنچنے سے پہلے آسمانوں میں اپنے مقامات پر پہنچ چکے تھے حالانکہ ان سب نے نماز بیت المقدس میں حضور کے پیچھے پڑھی تھی اور حضور کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔

۳؎بلکہ اسے ایک جامع جواب عطا فرمایا جس سے اس کے تمام سوالات حل ہوگئے ورنہ اور لوگ بھیڑ بکریوں وغیرہ کے متعلق سوال کرتے۔

۴؎اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے "وَ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ"۔ان فرمانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں منہ سے مانگنے کی بھی ضرورت نہ پڑے گی بلکہ دل میں خیال آوے گا کہ چیز سامنے ہوگی حتی کہ وہاں سے پھل توڑنے کے لیے درختوں پر چڑھنا یا بانس سے ہلانا نہ پڑے گابلکہ شاخیں خود جھک کر پھل اس کے منہ سے لگادیں گی۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوا عرض کیا	

یارسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گھوڑے پسند کرتا ہوں تو کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو جنت میں داخل کیا گیا تو تیرے پاس ایک یاقوت کا گھوڑا لایا جاوے گا جس کے دو پر ہوں گے۲؎ تو اس پر سوار کیا جاوے گا پھر وہ تجھے وہاں اڑا کر لے جاوے گا جہاں تو چاہے۳؎ (ترمذی)اور فرمایا اس حدیث کی سند قوی نہیں اور ابو سورہ راوی حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے،میں نے محمد بن اسماعیل کو فرماتے سنا کہ یہ ابو سورہ منکر الحدیث ہے منکر احادیث روایت کرتا ہے۴؎	

۱؎ اس کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ جنت میں گھوڑے کا وجود عبث ہے،مجھے دنیا میں گھوڑے کا شوق ہے اگر وہاں گھوڑا نہ ہوا تو میرا یہ شوق کیسے پورا ہوگا اور اگر میرا یہ شوق پورا ہوا تو ایک عبث بلکہ جنت کے شان کے خلاف چیز موجود ہوگی پھر وہاں وہ گندگی کرے گا،گھاس دانہ چاہے گا،یہ چیزیں وہاں کہاں حضور انور نے جواب ایسا شاندار دیا کہ سبحان اللہ!

۲؎ یعنی تو جنتی گھوڑے کی فکر نہ کر بلکہ اپنے جنتی ہونے کی فکر کر اگر تو اللہ کے فضل سے جنتی ہوگیا تو جو تو چاہے گا تجھے ملے گا مگر وہاں کی شان کے لائق،وہاں کا گھوڑا یاقوت کا ہوگا۔

۳؎ یعنی وہ گھوڑا نہ تو مستی کرے گا نہ اڑیل ہوگا نہ اسے لگام وغیرہ کی ضرورت ہوگی،تیرا چاہنا اور اس کا اڑنا اور پل بھر میں مقصود منزل پر پہنچ جانا ہوگا۔

۴؎ طبرانی نے بروایت حضرت ابو ایوب انصاری مرفوعًا نقل فرمایا کہ جنتی لوگ اعلیٰ درجہ کے یاقوتی اونٹوں پر سوار ہوکر اپنے دوست و احباب سے ملنے جایا کریں گے،جنت میں صرف اونٹ اور پرندے ہوں گے۔(مرقات)خیال رہے کہ وہاں یہ دنیا کے اونٹ یا پرندے نہ ہوں گے بلکہ خود جنت کی مخلوق ہوں گے جیسے حوروغلمان کہ جنت تو صرف انسانوں کے لیے ہے ہاں چند جانور وہاں جائیں گے،حضور کی اونٹنی قصوا،اصحاب کہف کا کتا،صالح علیہ السلام کی اونٹنی،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دراز گوش جیساکہ بعض روایات میں ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔شعر

سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت والے ایک سو بیس صفیں ہیں۱؎ جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہیں اور چالیس صفیں باقی ساری امتوں کی ۲؎(ترمذی،دارمی،بیہقی کتاب البعث والنشور)	

۱؎ صفیں کتنی بڑی ہیں یہ ہمارے خیال و وہم سے وراء ہے ان ایک سوبیس صفوں میں از آدم تا روز قیامت سارے مؤمن آجائیں گے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ کل جنتیوں میں دو تہائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی اور ایک تہائی میں ساری پچھلی امتیں، نوع میں وہ لوگ زیادہ کہ وہ ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے نبیوں کی امتیں ہوں گی مگر تعداد اشخاص میں یہ امت زیادہ۔خیال رہے کہ اولًا یہ امت تمام جنتیوں کی نصف ہوگی پھر بعد میں اور زیادہ ہو کر دو تہائی ہوجاوے گی لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں اس امت کو تمام جنتیوں کا آدھا فرمایا گیا،اس کے اور بھی بہت جواب دیئے گئے ہیں،یہ جواب قوی ہے۔واللہ اعلم! دیکھو قرآن مجید میں بدری فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بھی فرمائی گئی،تین ہزار بھی،پانچ ہزار بھی کہ وہاں اولًا ایک ہزار آئے،پھر دو ہزار اور آئے جس سے تین ہزار ہوگئے پھر دو ہزار اور آئے جس سے پانچ ہزار ہوگئےایسے ہی یہاں ہے۔

روایت ہے حضرت سالم سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کا وہ دروازہ جس سے وہ جنت میں داخل ہوں گے اس کی چوڑائی تیز سوار کی رفتار سے تین سال کا ہے ۲؎ پھر وہ اس پر تنگ ہوں گے حتی کہ قریب ہوگا کہ ان کے کندھے مل جاویں ۳؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے ۴؎ اور میں نے محمد ابن اسمٰعیل سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اسے نہ پہچانا،فرمایا یخلد ابن ابی بکر منکر حدیثیں روایت کرتا ہے ۵؎	

۱؎ حضرت سالم جلیل القدر تابعی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن عمر کے فرزند ہیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ سالم کے زمانہ میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا نہایت حق گو،بے خوف،بڑے عالم عابد،زاہد،حجاج ابن یوسف علیہ السلام جیسے ظالم حاکم سے بہت سختی سے بات کرتے تھے، ۱۰۶ھ ایک سو چھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔(اشعہ و اکمال و مرقات وغیرہ)آپ کی اکثر روایات اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر سے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں تین سے مراد تین سال ہیں نہ کہ تین دن حضور کی امت کے داخلہ کے بہت دروازے ہیں جن کی فراخی مختلف ہے،یہاں ایک دروازے کی فراخی کا ذکر ہے اور چالیس سال والی روایت میں دوسرے دروازے کا تذکرہ ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳؎ یعنی وہ دروازہ اس قدر وسعت کے باوجود ان جنتیوں پر تنگ ہوگا کہ ان کے کندھے گویا مل جاویں۔

۴؎ کیونکہ اس حدیث کے الفاظ دوسری صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔

۵؎ یہاں صاحب مشکوۃ سے خطا ہوئی،ان کا نام خالد ابن ابی بکر ہے نہ کہ یخلد،ترمذی اور اسماءالرجال کی کتابوں میں ان کا نام خالد ہی ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک بازار ہےجس میں خرید و	

	فروخت نہیں ہیں مگر یہ مردوں عورتوں کی صورتیں ہیں تو جب کوئی شخص کوئی صورت پسند کرے گا تو اس میں داخل ہوجاوے گا ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ ظاہر یہ ہی ہے کہ یہاں صورت سے مراد مردانی و زنانی صورتیں ہیں جو نہایت حسین و جمیل و آراستہ ہوں گی۔جو جنتی مرد اور جنتی عورت جس صورت کو پسند کرے گا خود اس کی اپنی شکل و صورت ایسی ہوجائے گی مگر یہ تبدیلی ذات نہ ہوگی بلکہ تبدیلی صفت ہوگی جو دنیا میں بھی ہوتی رہتی ہے گورے کالے ہوجاتے ہیں،کالے گورے بچہ کی صورت اور ہوتی ہے جوانی کی صورت اور بڑھاپے کی کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ سے ہے تو جناب ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے تمہیں جنت کے بازار میں ملائے ۱؎ تو جناب سعید نے کہا کہ اس میں بازار ہے ۲؎ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جنت والے جب جنت میں داخل ہوں گے ۳؎ تو وہاں اپنے اعمال کے مطابق داخل ہوں گے ۴؎ پھر انہیں دنیا میں کے دنوں کے حساب سے ایک ہفتہ میں اجازت دے دی جاوے گی تو اپنی رب سے ملاقات کریں گے ۵؎ اور عرش الٰہی ان پر ہوگا ۶؎ اور رب ان پر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تجلی فرمائے گا ۷؎ تو ان کے لیے نور کے منبر موتیوں کے منبر یاقوت کے اور زبرجد کے منبر سونے کے منبر چاندی کے منبر رکھے جائیں گے ۸؎ ان میں سے ادنی(حالانکہ ان میں ادنی کوئی نہیں)مشک و کافور کے ٹیلہ پر ہوں گے ۹؎ وہ یہ تصور نہ کریں گے کہ کرسیوں والے ان سے اعلٰی جگہ میں ہیں ۱۰؎ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے فرمایا ہاں کیا تم سورج کے اور چودھویں شب میں چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو ہم نے کہا نہیں فرمایا ایسے تم اپنے رب کے دیکھنے میں شک نہ کرو گے ۱۱؎ اس مجلس میں کوئی باقی نہ رہے گا مگر اللہ تعالٰی اس کے سامنے بے حجاب موجود ہوگا ۱۲؎ حتی کہ ان میں سے ایک شخص سے کہے اے فلاں کے بیٹے فلاں کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے ایسا

	ایسا کہا تھا اسے اس کی بعض دنیاوی بدعہدیاں یاد دلائے گا۱۳؎ بندہ عرض کرے گا الٰہی کیا تو مجھے بخش نہ دے گا۱۴؎فرمائے گا ہاں تو میری وسعت رحمت کی وجہ سے اپنے اس درجہ میں پہنچا تو جب کہ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان کے اوپر بادل چھا جائے گا۱۵؎تو ان پر ایسی خوشبو برسائے گا کہ اس جیسی خوشبو کبھی کسی چیز میں نہ پائی ہوگی۱۶؎اور ہمارا رب فرمائے گا کہ اس اعزاز کی طرف جاؤ جو میں نے تمہارے لیے تیار کیا ہوا ہے جو چاہو لو۱۷؎تب ہم اس بازار میں پہنچیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوگا اس میں وہ چیزیں ہوں گی کہ ان کی مثل آنکھوں نے نہ دیکھی نہ کانوں نے سنی اور نہ دلوں پر انکا خطرہ گزرا ۱۸؎تب ہم جو چاہیں گے ہم کو پہنچادیا جاوے گا۱۹؎وہاں نہ تو خرید ہوگی نہ فروخت اور اس بازار میں بعض جنتی بعض سے ملیں گے ۲۰؎فرمایا کہ ایک اونچے درجے والا آوے گا وہ اپنے سے نیچے درجے والے سے ملے گا حالانکہ ان میں نیچا کوئی نہیں تو اس پر جو لباس یہ دیکھے گا وہ اسے پسند آوے گا ابھی اس کی آخری بات ختم نہ ہوگی کہ اسے اپنے پر اس سے اچھا محسوس ہوگا ۲۱؎یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کا غمگیں ہونا ممکن نہیں پھر ہم اپنے گھروں کی طرف لوٹیں گے تو ہم سے ہماری بیویاں ملیں گی کہیں گی۲۲؎خوب آئے اپنے گھر میں پہنچے تو تم اس حالت میں آئے ہو کہ تمہارا حسن و جمال اس سے اچھا ہے جس پر تم ہم سے جدا ہوئے تھے۲۳؎تب ہم کہیں گے کہ آج ہم نے اپنے رب جبار کے پاس ہم نشینی کی ہے ہمارا حق یہ ہی تھا کہ اس طرح لوٹیں مؤمنین جیسے لوٹے۲۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎یعنی جیسے آج ہم تم بازار مدینہ میں ملے ہیں ایسے ہی بازار جنت میں ملیں۔مدینہ منورہ اس دنیا کی جنت اور خلد اس دنیا کی بلکہ آج زمین مدینہ جنت سے افضل ہے کہ یہاں محبوب آرام فرما ہیں،اب حضور جنت میں تشریف لے جائیں گے تو وہ جگہ افضل ہوجائے گی جیسے ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ مدینہ منورہ سے افضل تھا اور ہجرت کے بعد امام مالک کے ہاں مدینہ منورہ

مکہ معظّمہ سے افضل ہوگیااور قبر انور تو بالاتفاق سارے جہاں عرش و فرش سے افضل ہے افضیلت ان کے قدم سے وابستہ ہے۔شعر

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است　　　　اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

۲؎حضرت سعید کو تو تعجب اس پر ہوا کہ جنتیوں کی ساری ضروریات تو ان کے گھروں میں ہی موجود ہوں گی پھر بازار سے کیا خریدیں گے وہ یہ نہ سمجھے کہ وہاں بازار دیدار کا ہے نہ کہ کاروبار کا وہاں جنتی ایک دوسرے کا اور رب کا دیدار کریں گے۔

۳؎اس طرح کہ اعلیٰ اعمال والے اونچے درجے میں ہوں گے اور معمولی اعمال والے نیچے درجہ میں۔غرضکہ جنت میں تفریق و تقسیم ہوگی اجتماع نہ ہوگا جیسے دنیا میں امیر لوگ کوٹھیوں میں رہتے ہیں فقیر جھونپڑیوں میں اگرچہ وہاں جھونپڑیاں کوئی نہیں بہرحال ایک جگہ اجتماع نہ ہوگا۔

۴؎یعنی جیسے دنیا میں جمعہ کے دن سارے محلے بلکہ ساری بستی کے امیر و غریب شاہ و گدا مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں،رب کا ذکر کرتے ہیں،نماز جمعہ پڑھتے ہیں ایسے ہی جنت میں تمام ادنی و اعلیٰ جنتی اس بازار میں ہفتہ میں ایک بار جمع ہو کر رب کا دیدار کیا کریں گے،دنیا میں جامع مسجد جامع المتفرقین ہوتی ہے ایسے ہی جنت یہ بازار جامع المتفرقین ہوگا،اسی بازار میں ہم جیسے گنہگار ان شاءاللہ شفیع روز شمار کی زیارت سے مشرف ہوا کریں گے،رب کا دیدار گھروں میں خلوت میں ہوا کرے گا یہاں جلوت میں ہوگا۔

۵؎یہ ظہور خصوصی ہوا کرے گا ورنہ عرش الٰہی تو جنت کی چھت ہے ہر وقت نظر آیا کرے گا مگر اس بازار میں بہت قریب سے نظر آوے گا،اس کے اور معنی بھی کیے گئے ہیں۔

۶؎یعنی اس بازار میں ایک خصوصی باغ ہوگا جس میں رب کا دیدار ہوگا،یوں سمجھو کہ بازار میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوا کرے گی اور اس باغ میں رب تعالیٰ سے۔

۷؎ منبر سے مراد کرسیاں ہیں جن پر جنتی بیٹھیں گے،چونکہ جنتی لوگ مختلف درجے والے ہوں گے اس لیے یہ کرسیاں بھی مختلف ہوں گی۔کتنی کرسیاں ہوں گی اتنی جتنی گنتی میں نہ آسکیں وہاں عدد کام نہیں کرتا۔

۸؎ان ٹیلوں کا حسن ان کی ساخت،ان کی خوشبو انکی عظمت بیان نہیں ہوسکتی،ان شاءاللہ دیکھ کر ہی بتائیں گے کہ دیکھو وہ ٹیلے یہ ہیں۔

۹؎یعنی یہ ٹیلے والے یہ تو محسوس کریں گے کہ کرسیوں والے ہم سے اعلیٰ ہیں مگر یہ احساس نہ کریں گے کہ ہم ان سے گھٹیا ہیں،ان سے اعلیٰ ہونے پر انہیں خوشی ہوگی،جیسے آج حضور انور کی شان دیکھ کر ہم کو خوشی ہوتی ہے ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

۱۰؎حضرت ابوہریرہ کو تعجب یہ ہوا کہ یہ آنکھیں رب کو کیسے دیکھ سکیں گی یہاں تو ہم سورج میں نظر نہیں جماسکتے۔جواب میں حضور انور نے فرمایا کہ تم دیدار الٰہی بغیر کیف کیا کرو گے اور خوب اچھی طرح کہ شک و شبہ نہ رہے جیسے دوپہری میں سورج اور چودھویں شب میں چاند میں شک نہیں ہوتاایسے ہی وہاں دیدار میں شک نہ ہوا کرے گا۔خیال رہے کہ دنیا میں سورج بذریعہ دھوپ نظر آتا ہے اور چاند بغیر کسی ذریعہ کے مگر ہوتاہے دونوں پر یقین دونوں کا مشاہدہ۔

۱۱؎ محاضرۃ کے معنی ہیں منہ در منہ بغیر واسطہ کلام کرنا،رب تعالٰی جنتیوں سے کلام بھی کرے گا تو بالمشافہ بغیر واسطہ دیدار گفتار سب ایک ساتھ نصیب ہوا کرے گی۔

۱۲؎ کہ تو نے فلاں فلاں وقت فلاں فلاں گناہ کیے تھے،تجھے یاد ہیں یہ ذکر بطور تذکرہ ہوگا سرزنش یا ناراضی کے طریقہ پر نہیں۔اس ذکر سے بندہ کو مطلقًا رنج نہ ہوگا کہ جنت رنج کی جگہ نہیں۔

۱۳؎ سبحان اللہ! یہ بخشش ہی یاد دلائی تھی جس سے بندہ کی خوشی اور دوبالا ہوجاوے گی حضور کی شفاعت رب تعالٰی کی بخشش کی یاد دنیا میں بھی دل کا چین ہے وہاں بھی دل کا چین ہوگی،اعلٰی حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔شعر

اے کہ نامت راحت جاں ودلم　　　　اے کہ فضل تو کفیل مشکلم

۱۴؎ یعنی تو اپنے اعمال سے یہاں نہیں پہنچا بلکہ میرے رحم و کرم سے یہاں پہنچا،کوئی شخص بغیر فضل رب العالمین کے جنت میں نہیں پہنچ سکتا۔

۱۵؎ یہ بادل رحمت خاص اللہ تعالٰی کی ہوگی جو بادل کی شکل میں نمودار ہوگی جیسے دنیا میں بادل چھا جائیں تو عجیب سماں بندھ جاتا ہے،موسم بدل جاتا ہے ایسے ہی وہاں اس بادل کے آتے ہی مجلس کی حالت بدل جاوے گی اور وہ سماں بندھے گا جو بیان نہیں ہو سکتا،اللہ تعالٰی دیکھنا نصیب فرمائے۔

۱۶؎ یعنی اس بادل سے پانی نہیں برسے گا عطر اور خوشبو برسے گی وہ بھی ایسی بے مثال کہ دنیا میں تو کیا اسے پہلے جنت میں بھی کبھی ان لوگوں نے نہیں دیکھی تھی۔

۱۷؎ یہ بازار یا تو وہ ہی ہوگا جس سے گزر کر ابھی یہ لوگ اس جہان میں پہنچے تھے یا دوسرا اور کوئی بازار۔یہاں نعمتوں کے ڈھیر ہوں گے جو انہیں بغیر قیمت عطا ہوں گے۔غرضکہ یہ فروخت کا نہیں بلکہ تقسیم اور عطاء کا بازار ہوگا کچھ نعمتیں گھروں میں ملیں گی خاص نعمتیں یہاں،تاکہ یہ لوگ خالی ہاتھ اپنے گھر نہ جائیں بھرے پھرے جائیں گے۔

۱۸؎ جن فرشتوں نے اس بازار کو گھیرا ہوگا وہ وہاں کے منتظم اور جنتیوں کی خدمت کرنے والے فرشتے ہوں گے۔جو شخص جس نعمت کی رغبت کرے گا وہ اسے اٹھاکر دیں گے بلکہ گھر تک پہنچائیں گے،ان نعمتوں کے نام ان کی خوبی بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں بنے ہمارے الفاظ تو آگرہ کا تاج محل دہلی کا لال قلعہ بیان نہیں کرسکتے تو ان نعمتوں کو بیان کیسے کرسکتے ہیں وہ دیکھ کر ہی معلوم ہوسکیں گی۔

۱۹؎ یہ حمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بازار کی یہ نعمتیں ہم کو یہاں ہی نہیں دی جائیں گی بلکہ یہ فرشتے جو اس بازار کو گھیرے ہوئے تھے وہ یہ سامان اٹھاکر ان کے گھر پہنچائیں گے۔

۲۰؎ یعنی الفاظ بازار سے یہ نہ سمجھنا کہ وہاں قیمتًا چیزیں ملیں گی،بازار کا وہ مطلب ہے جو حضور انور نے خود ارشاد فرمایا یہ چیزیں حضور ہی بیان کرسکتے ہیں دوسروں کو تو بیان کرنا بھی نہیں آتیں۔

۲۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں ہر امید صرف دل میں خیال آتے ہی پوری ہوجاوے گی،منہ سے بولنے کی بھی ضرورت نہ ہوا کرے گی،یہاں جو اللہ رسول چاہیں وہ ہم کریں،ان شاءاللہ عزوجل وہاں جو ہم چاہیں گے وہ رب کرے گا اللہ تعالٰی توفیق دے۔خیال رہے کہ لفظ روع کبھی گھبرانے کے معنی میں آتا ہے،کبھی خوش ہونا خوش کرنا،پسند آنے پسند کرنے کے

معنی میں آتا ہے،یہاں بمعنی پسند آنا ہے۔(اشعۃ اللمعات)حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اپنے زفاف کے متعلق فرماتی ہیں فلم یرعنی الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بھی روع کے معنی خوش کرنا ہیں۔

۲۲؎اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ نے سارے صیغے جمع متکلم کے ارشاد فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے اور سعید ابن مسیب کے بلکہ سارے صحابہ کے جنتی ہونے کا یقین ہے کیوں نہ ہو رب تعالٰی نے ان سے وعدہ فرمالیا ہے"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارات دیں پھر شبہ یا دغدغہ کیسے ہو۔ مشکوک معاملہ تو ہمارا ہے اللہ تعالٰی ان حضرات صحابہ کے دامن سے ہم کو وابستہ کرکے یہ نعمتیں بخشے۔

۲۳؎ یعنی جب ہم اپنے گھروں کو واپس ہوں گے تو ہماری دنیا کی بیویاں اور حوریں دروازے پر ہمار استقبال کریں گی اور ہم سے یہ کہیں گی۔

۲۴؎یعنی ہمارا یہ حسن و جمال اور اس کی زیادتی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس قرب الٰہی کا نتیجہ ہے جو ہم کو خصوصی طور پر میسر ہوا یہ غازیہ اس قرب سے نصیب ہوا ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ادنی جنتی وہ ہوگا ۱؎جس کے اسّی ہزار خادم ہوں اور بہتر بیویاں ۲؎اور اس کے لیے موتیوں زبرجد اور یاقوت کا خیمہ لگایا جاوے گا ۳؎جیساکہ جابیہ اور صنعاء کے درمیان کا فاصلہ ہے ۴؎اور اسی اسناد سے ہے فرمایا جو جنتی چھوٹا یا بوڑھا مرجاوے گا وہ جنت میں تیس سال کا بنادیا جاوے گا،یہ لوگ اس عمر سے کبھی نہ زیادہ ہوں گے ۵؎ اسی طرح آگ والے لوگ ۶؎اور اسی اسناد سے ہے کہ فرمایا ان پر تاج ہوں گے جنکا ادنی موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا ۷؎ اور اسی اسناد سے ہے فرمایا مؤمن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل اس کا جننا اس کا عمر رسیدہ ہونا پل بھر میں ہوجاوے گا جیسا وہ چاہے ۸؎اور کہا اسحاق ابن ابراہیم نے اس حدیث کے متعلق کہ جب مؤمن جنت میں اولاد چاہے گا تو ایک پل میں ہوجاوے گی مگر وہ چاہے گا نہیں ۹؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابن ماجہ نے چوتھی حدیث اور دارمی نے آخری حدیث نقل فرمائی۔	

۱؎ یہاں ادنٰی سے مراد کم بیویوں والا کم خدام والا جنتی ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔وہاں ادنی کوئی نہیں سب اعلیٰ ہیں،ہاں بعض بہت ہی اعلی ہیں،دیکھو نبی سب اعلی ہیں مگر بعض بہت اعلیٰ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"اور فرمایا "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ"۔

۲؎ جن میں سے دو تو حورعین ہیں،باقی دنیا کی وہ بیوی جو اس جنتی کے نکاح میں یا حق نکاح میں فوت ہوئی اور وہ عورت جو کنواری مری یا جس کا خاوند کافر مرا یہ مؤمنہ مری لہٰذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ ایک جنتی کو دو حور عین عطا ہوں گی مگر یہاں مرقات نے کہا کہ دو بیویاں دنیا کی عورتیں اور ستر بیویاں حور۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان ستر حوروں میں دو حورعین باقی اڑسٹھ دوسری حوریں۔

۳؎ یعنی اس خیمہ کی ساخت تو زبرجد لکڑی کی ہوگی مگر اس میں موتی و یاقوت جڑے ہوں گے۔(مرقات)لہٰذا یہ حدیث غریب ہے۔

۴؎ یعنی اس خیمہ کی لمبائی چوڑائی ایسی ہوگی کہ اس کے دو کناروں میں فاصلہ وہ ہوگا جو جابیہ اور صنعاء شہروں میں ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جابیہ شام کا ایک شہر ہے اور صنعاء یمن کی مشہور بستی ہے ان میں فاصلہ بہت ہی دراز ہے۔

۵؎ یعنی دنیا میں مؤمن کسی عمر میں فوت ہو بچہ یا بوڑھا جنت میں تیس سالہ جوان ہوگا اور اسی عمر پر ہمیشہ رہے گا کیونکہ وہاں دن رات مہینے سال نہیں جس سے عمر بڑھے۔خیال رہے کہ یہاں **یردون** کے معنی ہیں ہوجائیں گے،یہ معنی نہیں کہ لوٹائے جائیں گے ورنہ بچے کے لیے کلمہ درست کیسے ہو۔(مرقات)

۶؎ یعنی دوزخی بھی ہمیشہ تیس سالہ رہیں گے اگرچہ ان کے قد بہت بڑے ہوں گے۔یہ عمر اس لیے تجویز کی گئی تاکہ عیش و تکلیف پوری پوری ہوں۔خیال رہے کہ یہاں چھوٹے دوزخیوں سے مراد کفار کے بچے نہیں بلکہ کم عمر بالغ کافر مراد ہیں،ان کے بچوں کے متعلق دوسری حدیث میں ہے **ھم عصافیر الجنة** وہ جنت کی چڑیاں ہوں گے،اللہ تعالٰی کفار کے بے سمجھ بچوں کو دوزخ نہ دے گا۔(مرقات)کیونکہ دوزخیوں سے کہا "وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"تم کو اپنے اعمال ہی کی سزا دی جاوے گی،چھوٹے بچے کے پاس بدعقیدگی بدعملی ہے ہی نہیں۔

۷؎ یعنی اگر وہ موتی دنیا میں آجاوے تو پورب پچھم کو روشن کردے،آفتاب کی روشنی پر اس کی روشنی غالب آجاوے۔

۸؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جنتی اولاد چاہیں گے اور ان کے اولاد ہوگی مگر اولاد کی پیدائش اس کی پرورش اس کا تیس سالہ جوان ہوجانا ایک ہی گھڑی میں ہوگا،وہ بچے یا تو دنیاوی عورتوں سے ہوں گے یا حور کے شکم سے۔معلوم ہوا کہ حور سے اولاد ہوسکتی ہے کہ جنتی نورانی ہیں اور حوریں نور مگر اولاد کی خواہش پر انہیں اولاد ملے گی اسی نوری مخلوق سے۔

۹؎ یہ فرمان اسحٰق ابن ابراہیم کا اپنی رائے سے ہے کہ مؤمن وہاں چاہے گا نہیں۔حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ چاہے گا اور اس کے اولاد ہوگی بہرحال امکان یا وقوع بتارہا ہے کہ جنتی لوگوں کے حوروں سے اولاد ہوگی یا ہوسکے گی۔جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں تو آپ کے اولاد کیسے ہوئی نور کے اولاد نہیں ہوتی،وہ اس حدیث پر غور کریں کہ جنتی لوگ اور حوریں نورانی مخلوق ہیں مگر ان کے اولاد ہوگی،حوریں تو اولاد آدم بھی نہیں ہیں مگر اولاد ہوگی۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ جنت میں آنکھ والی حوروں کا مجمع ہوتا ہے۱؎ جو اپنی آوازیں بلند کرتی ہیں ایسی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ۲؎ کہتی ہیں کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں،کبھی نہ فنا ہوں گے اور ہم خوش رہنے والیاں ہیں کبھی غمگیں نہ ہوں گے،ہم راضی رہنے والیاں کبھی ناراض نہ ہوں گی۳؎ اسے خوشخبری ہو جو ہمارا ہو اور ہم اس کے ہوں۴؎ (ترمذی)	

۱؎ یہاں مرقات میں ہے کہ حوروں کی پیدائش جنتی زعفران اور فرشتوں کی تسبیح سے ہے۔یہ پیدائش ہوچکی ہیں ان کے مجمعے وقتًا فوقتًا ہوتے ہیں،ان مجمعوں میں وہ یہ کہتی ہیں جو یہاں مذکورہ ہے۔(مرقات)

۲؎ یعنی ایسی خوش آوازی سے وہ یہ کہتی ہیں کہ مخلوق نے کبھی ایسی دلکش و پیاری آواز کبھی نہ سنی۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آواز سنی ہے۔

۳؎ یعنی ہم میں تین صفات ہیں:ہمیشہ کی زندگی،ہمیشہ کا چین،ہمیشہ اپنے خاوند سے خوش رہنااور ہم تین عیبوں سے پاک ہیں۔فنا یعنی موت،محتاجی اور دوسری تکالیف بیماری وغیرہ ناراضی،خاوند سے لڑائی جھگڑاہم کو جان پہچان لو۔

۴؎ خیال رہے کہ ہر حور کو خبر ہے کہ میں کسی مسلمان کی بیوی ہوں یا جیساکہ **کتاب النکاح باب معاشرۃ النکاح** میں گزرا کہ جب کسی مؤمن سے اس کی بیوی لڑتی جھگڑتی ہے تو اس کی بیوی یعنی جنتی حور پکارتی ہے کہ اس سے مت لڑ یہ تیرے پاس مہمان ہے،میرے پاس آنے والا ہے۔لہذا یہاں **من کان لنا** کہنا ایک قاعدہ بیان کرنے کے لیے ہے نہ کہ حور کی بے علمی کی بناء پر۔یہ بھی خیال رہے کہ حوروں کا یہ کلام انسانوں کو سنانے کے لیے ہے اور واقعی وہ کلام ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معرفت سن لیاجیسے فرشتوں اور رب تعالٰی کے فرمان ہم کو سنانے کے لیے ہیں اور واقعی ہم نے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سن لیئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برزخ کبری ہے،اس عالم اجسام اور عالم انوار وغیرہ کے درمیان حوروں کو اپنے خاوندوں کی خبر ہے مگر خاوندوں کو ان کی خبر نہیں کہ کونسی حور میرے نکاح میں ہوگی،ہم کو تو ابھی اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں،حوریں قیامت کے بعد عطا ہوں گی۔حضرت آدم علیہ السلام کچھ عرصہ جنت میں رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں جنت میں تشریف لے گئے،حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں رہتے ہیں مگر یہ کوئی حضرات حوروں سے تعلق نہیں رکھتے بعد قیامت ان سے تعلق ہوگا،یہ حضرات اور شہداء جنت کے پھل فروٹ وغیرہ کھاتے رہے اور کھارہے ہیں۔

روایت ہے حضرت حکیم ابن معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے پھر اس سے آگے نہریں نکلتی ہیں۱؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی جیسے دنیا میں بحر سے نہریں نکلتی ہیں ایسے ہی وہاں جنت میں پانی،دودھ،شراب طہور اور شہد کے الگ الگ دریا ہیں جو ان چیزوں کا مرکز یا خزانہ ہیں۔وہاں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں جو ہر جنتی کے گھروں میں پہنچتی ہیں جیسے دہلی کے لال

قلعہ میں جمناتک نہریں لائی گئی ہیں،جو وہاں کے کمروں میں پہنچتی ہیں،جن کا فرش اور دیواریں سنگ مرمر کی ہیں،بحر اور نہر میں بہت فرق ہیں جو ہم نے اپنی تفسیر میں عرض کیے ہیں"**تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ** "کے ماتحت۔خیال رہے کہ اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے"**فِیۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَیۡرِ اٰسِنٍ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ یَتَغَیَّرۡ طَعۡمُهٗ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ عَسَلٍ مُّصَفًّی**"وہ آیت اسی کی تائید ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جنت کا ایک شخص جنت میں ستر مسندوں پر تکیہ لگائے ہوگا۱؎ اس کے کروٹ لینے سے پہلے ۲؎ پھر اس کے پاس ایک عورت آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے گی ۳؎ یہ شخص اس کے رخسار میں اپنا منہ دیکھے گا آئینہ سے زیادہ صاف ہوگا ۴؎ اس پر ادنی موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکادے گا وہ اسے سلام کرے گی یہ اس کا جواب دے گا اور اس سے پوچھے گا تو کون ہے وہ کہے گی میں زائد نعمتوں سے ہوں ۵؎ اس پر ستر جوڑے ہوں گے جنہیں اس کی نظر آر پار کرجاوے گی حتی کہ اس کی پنڈلی کی مینگ ان کے اوپر سے دیکھے گا ۶؎ اس عورت پر ایسے تاج ہوں گے کہ ان کا ادنی موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا ۷؎(احمد)	

۱؎ یہ حدیث ترمذی نے حکیم ابن معاویہ سے روایت کی اور راوی نے معاویہ ابن ابوسفیان سے احمد نے معاویہ ابن عبدہ سے۔(مرقات)

۲؎ یعنی جنت میں نیند نہیں بیٹھنا،لیٹنا چلنا،پھرنا آرام کرنا سب کچھ ہوگا۔مطلب یہ ہے کہ مؤمن اپنے پلنگ پر جب بیٹھے گا تو اس کے نیچے اوپر تلے ستر۷۰ مسندیں تکیوں کی طرح ہوں گی،یہ حالت تو لیٹنے اور کروٹ لینے سے پہلے ہوگی پھر اس کا لیٹنا کروٹ لینا کیسے بستروں پر ہوگا وہ تو رب ہی جانتا ہے،اشعہ اور لمعات میں اس کا یہی مطلب بیان کیا۔مرقات نے فرمایا کہ یہ ستر۷۰ مسندیں آگے پیچھے بچھائی جائیں گی رنگ برنگی کبھی کیسی کبھی کیسی۔

۳؎ یہ عورت اس کی بیوی ہوگی اور ہاتھ رکھنا اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہوگا،یہ مار پیٹ لڑائی جھگڑے کی ضرب نہ ہوگی۔

۴؎ یعنی جیسے تم دنیا میں آئینہ میں اپنا چہرہ صاف دیکھتے ہو ایسے ہی وہاں اس بیوی کے چہرہ میں اپنا چہرہ بلکہ ہر چیز صاف صاف دیکھوگے کہ اسکا چہرہ دنیاوی آئینہ سے زیادہ شفاف ہوگا۔

۵؎ یعنی تجھ کو دوسری نعمتیں اور دوسری بیویاں تیرے اعمال کے عوض دی گئی ہیں اور میں تیری وہ خصوصی بیوی ہوں جو محض رب ذوالجلال کے فضل سے زائد دی گئی ہوں،رب فرماتاہے:"لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ"اور فرماتاہے:"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ"حسنی تو جنت ہے اور وہاں کی نعمتیں زیادتی اللہ کا دیدار ہے اور یہ خاص بیوی جو عطیہ خاص ہے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ یہ بیوی دوسری بیویوں سے زیادہ حسین اور شفاف و پاکیزہ ہوگی کیوں نہ ہو کہ وہ تو رب کا خاص عطیہ ہے۔

۷؎ یہ مختلف تاج وہ بیوی بہ یک وقت نہ پہنے گی بلکہ آگے پیچھے کبھی وہ تاج کبھی دوسرا تاج اور ہر تاج دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کررہے تھے اور آپ کے پاس دیہات والوں میں سے ایک شخص تھا کہ جنتیوں میں سے ایک آدمی اپنے رب سے کھیتی باڑی کی اجازت مانگے گا ۱؎ رب اس سے فرمائے گا کہ کیا تو اپنی چاہی نعمتوں میں نہیں ہے ۲؎ عرض کرے گا ہاں لیکن میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں چنانچہ وہ بیج بوئے گا ۳؎ تو پلک جھپکنے سے پہلے اس کا اُگنا پورا ہوگا کٹ جانا ہوجاوے گا اور پہاڑوں کی طرح ہوجاوے گا ۴؎ تب اللہ تعالٰی فرمائے گا اے ابن آدم کوئی چیز تیرا پیٹ نہیں بھرتی ۵؎ تو وہ بدوی بولا رب کی قسم ایسا آدمی آپ قریشی یا انصاری ہی کو پائیں گے کہ وہ لوگ کھیتی باڑی والے ہیں ۶؎ رہے ہم،ہم تو کھیتی والے ہیں ہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے ۷؎ (بخاری)

۱؎ یہ شخص دنیا میں کھیتی باڑی کرتا تھا،اسے اس کا شوق وہ اپنا شوق پورا کرنے کو یہ عرض کرے گا کسی کمی کی وجہ سے نہیں۔

۲؎ یعنی باغات تو لذت کے لیے ہوتے ہیں وہ جنت میں موجود ہیں جن کے پھل کھارہا ہے،سیر کررہا ہے،آرام کی زندگی گزار رہا ہے،کھیت ضرورت کے لیے دنیا میں ہوتے ہیں،یہاں ساری ضرورتیں پوری ہیں کھیت کی ضرورت نہیں پھر تو یہ مصیبت کیوں مانگتا ہے۔

۳؎ اس کی خواہش پر اسے بیج دیئے جائیں گے وہ اسی طرح زمین جنت میں یہ بیج پھینک دے گا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہل بیل سے زمین نرم کرے گا وہاں بیل اور ہل نہ ہوں گے دنیا میں بعض پہاڑی علاقوں میں یوں ہی بیج پھینک دینے سے جم جاتے ہیں وہ زمین جنت میں ہے۔

۴؎ یعنی ان تمام کاموں میں نہ وقت لگے گا نہ اسے محنت کرنا پڑے گی،بیج ڈالے گااور سامنے کھیتی کٹی ہوئی نہیں بلکہ دانہ صاف کیے ہوئے کے پہاڑ کے پہاڑ سامنے ہوں گے۔

۵؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ جس حال میں جئیں گے اس حال میں مریں گے اور جس حال میں مریں گے اسی حال میں قیامت میں اٹھیں گے،یہ شخص زندگی میں کھیتی کرتا تھا،کرتا مرا تھاوہاں بھی یہ شوق و خیال رہا۔(مرقات)سنا ہے کہ حضرت بلال اذان کہتے ہوئے اٹھیں گے،عشاق رسول عشق میں سرشار جھومتے ہوئے اٹھیں گے۔شعر

نہ ہم جنت میں جائیں گےنہ ہم دوزخ میں جائیں گے کھڑے دیکھا کریں گے حشر میں صورت محمد کی

ایسے لوگوں کی حرص جنت میں بھی نہ جائے گی۔(اشعہ)

۶؎ یعنی مکہ والے کچھ لوگ اور مدینہ والے عام لوگ ہی کھیتی باڑی کرتے ہیں انہیں کو یہ شوق وہاں بھی ہوگا،ہم لوگ بدوی نہ کھیتی کریں نہ ہم کو یہ شوق ہو۔خیال رہے کہ بدوی لوگ عمومًا جانور پالتے تھے۔

۷؎ آپ کی یہ ہنسی اس بدوی کی حاضر جوابی اور عقلمندی کی وجہ سے تھی۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا ہنسانا بھی عبادت ہے،ایک لونڈی نے حضور انور کے سامنے دف بجانے کی منت مانی تھی جیساکہ ان شاءاللہ مناقب حضرت عمر کے باب میں اس کا ذکر آوے گا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا جنتی سویا کریں گے فرمایا نیند موت کی جنس ہے اور جنتی مریں گے نہیں ۱؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یہ جواب عالی مع دلیل کے ہے۔حضور انور نے لا نہیں فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی تاکہ اس کی سمجھ میں آجاوے وہاں موت،اونگھ،غشی بے ہوشی،نشہ غرضکہ غفلت پیدا کرنے والی عقل خراب کرنے والی کوئی چیز نہ ہوگی،سرور و خوشی ہوگی مگر سرور کی مستی نہ ہوگی ورنہ عشاق وہاں رب کو دیکھ کر حضور سے ملاقات کرکے جان دے دیتے۔

باب رؤیۃ اللہ تعالٰی

اللہ تعالٰی کے دیدار کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ دیدار الٰہی کے متعلق چند مسائل اعتقادیہ یاد رکھو: (۱)دنیا میں بندے اللہ تعالٰی کو بصیرت یعنی نور قلبی سے دیکھتے ہیں اسے جانتے پہچانتے ہیں،آخرت میں اسے بصارت یعنی نور نگاہ سے دیکھیں گے کہ وہاں بصارت میں بصیرت ہوگی(۲)دنیا میں آنکھوں سے خدا تعالٰی کا دیدار ممکن ہے مگر واقع نہیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی دعا کی،ناممکن کی دعا ناجائز ہے نبی ناجائز کام نہیں کرتے(۳)حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اللہ تعالٰی کا دیدار انہیں آنکھوں سے کیا اور خوب اچھی طرح کیا،اس مسئلہ میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہی ہے(۴)جو شخص دعویٰ ولایت کرتے ہوئے کہے کہ میں نے خدا تعالٰی کو آنکھوں سے دیکھا ہے یا دیکھتا ہوں وہ کافر ہے کہ اپنے کو وہ نبیوں سے افضل کہتا ہے(۵)قیامت میں ہر مؤمن و کافر کو رب کا دیدار ہوگا مؤمن کو رحمت کی شان میں اور کافر کو غضب و قہر کی شان میں(۶)قیامت کے بعد صرف مؤمنوں کو جنت میں دیدار الٰہی ہوا کرے گا کفار کو دوزخ میں نہ ہوگا"کَلَّاۤ اِنَّہُمۡ عَنۡ رَّبِّہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ"(۷)حق یہ ہے کہ جنت میں ہر مؤمن کو دیدار الٰہی ہوا کرے گا مرد ہوں یا جنتی عورتیں۔عورتوں کے متعلق اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ انہیں بھی دیدار ہوگا(۸)دنیا میں خواب میں دیدار الٰہی ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا ہے،ہمارے امام اعظم نے ایک سو بار رب کو خواب میں دیکھا،امام احمد ابن حنبل نے خواب میں دیکھا پوچھا الٰہی کون سی عبادت افضل ہے ؟فرمایا تلاوت قرآن،دوسری بار پھر دیکھا پوچھا الٰہی معنی سمجھ کر تلاوت افضل ہے یا بغیر سمجھے بھی،فرمایا ہر طرح افضل ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے رب کو ظاہر ظہور دیکھو گے ۱؎اور ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ حضور انور نے چودھویں شب میں چاند کو دیکھا ۲؎پھر فرمایا کہ تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھ رہے ہو تم اس کے دیکھنے میں شک نہیں کرتے ۳؎تو اگر تم یہ کر سکو کہ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلی والی نماز پر	

	مغلوب نہ ہو تو کرو۴ پھر حضور نے یہ قراءت کی سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ ۵ (مسلم،بخاری)

۱یہ حدیث عامۃ المسلمین کی دلیل ہے کہ مؤمن رب تعالٰی کو محشر میں بھی آنکھوں سے دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیکھا کریں گے،خوارج اور معتزلہ اس کے منکر ہیں،یہ حدیث ان کی سخت تردید کررہی ہے اس پر سوالات وجوابات علم کلام کی کتب میں تفصیل وار مذکور ہیں۔خیال رہے کہ یہ دیدار بغیر کسی جہت و سمت کے ہوگا کیونکہ اللہ تعالٰی جہت و سمت سے پاک ہے۔

۲یعنی رحمان کے چاند نے آسمان کے چاند کو دیکھا ڈوبنے والے گہنے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو نہ غروب ہو نہ گہنے،ظاہر کے چمکانے والے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو دل و جان روح و ایمان کو چمکاتا ہے،رات میں چمکنے والے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو ابدالآباد تک ہر وقت دن رات چمکتا ہے اور چمکے گا میں کیا کہوں مجھے الفاظ بھی نہیں ملتے اللهم صل وسلم وبارك علی بدر النبوة وشمس الرسالة صلی اللہ علیہ وسلم۔یوں کہہ لو کہ اس چاند کو جو سورج سے چمکتا ہے اس چاند نے دیکھا جو سورج کو چمکاتا ہے جو دلوں پر دن نکال دیتا ہے۔شعر

یاشمس نظرت الی لیلٰی چوبہ طیبہ رسی عرضے بکنی

توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی موری شب نے نہ دن ہونا جانا

چاند بھی خوش نصیب ہے جسے محبوب نے دیکھا یہ چاند وہ ہی ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں پڑی ہیں۔

۳لاتضامون یا تو بنا ہے ضیم سے بمعنی ظلم و نقصان تو میم پر پیش ہے شد نہیں یا بنا ہے ضم سے بمعنی ملنا بھیڑکرنا تب میم پر شد اور پیش ہے یعنی تم دیدارِ الٰہی میں نقصان میں نہ رہو گے کہ کسی کو دیدار ہو کسی کو نہ ہو،کسی کو یقین سے ہو کسی کو مشکوک طریقہ سے یا تم رب تعالٰی کو بھیڑ کرکے دشواری سے نہ دیکھو گے بلکہ آرام سے دیکھو گے اطمینان کے ساتھ۔(اشعہ،مرقات)یہ دیدار قیامت میں تو ہوگا ہی جنت میں ہمیشہ ہوا کرے گا کسی کو جلد جلد کسی کو دیر سے۔

۴خیال رہے کہ جنت کی ساری نعمتیں نیک اعمال کا عوض ہوں گی خواہ اپنے اعمال کا خواہ اس کے اعمال کا جس کی طفیل جنت میں گیا مگر دیدار الٰہی کسی عمل کا عوض نہ ہوگا خالص عطاء ذوالجلال ہوگی،ان دو نمازوں پر پابندی اس دیدار کی لیاقت و قابلیت پیدا کرے گی یعنی فجروعصر کی پابندی دنیا میں نماز ایسے پڑھو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ یہاں حجاب ہے وہاں حجاب اٹھ جائے گا گویا ختم ہوجائے گا اسے دیکھ کر اس سے کلام کرو۔(اشعہ)

۵ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں تسبیح و تحمید سے مراد نماز ہے،چونکہ فجروعصر کی نماز میں رات و دن کے محافظ فرشتے جمع ہوجاتے ہیں،نیز فجر کی نماز سونے کی غفلت کا وقت ہے اور نماز عصر کاروبار سیر و تفریح کی غفلت کا وقت،ان وجوہ سے ان نمازوں کی تاکید زیادہ کی ہے،رب فرماتاہے:"اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا"،نماز عصر کے متعلق فرماتاہے: "حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى"۔

	روایت ہے حضرت صہیب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کیا تم وہ چیز چاہتے ہو جو میں تم کو زائد دوں۱؎ وہ عرض کریں گے کیا تو نے ہمارے منہ اوجیالے نہ کردیئے کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کردیا اور ہم کو آگ سے نجات نہ دے دی۲؎ فرمایا کہ رب حجاب اٹھا دے گا۳؎ یہ رب کی ذات کا نظارہ کریں گے تو انہیں کوئی چیز رب کے دیدار سے زیادہ پیاری نہ دی گئی۴؎ پھر حضور نے یہ تلاوت کی،نیک کاروں کے لیے اچھی چیز ہے اور زیادتی ہے۵؎(مسلم)

۱؎ یعنی ان نعمتوں کے علاوہ اور نعمت دوں یا تمہارے اعمال کی جزا سے زیادہ عطا کروں جو تمہارے کسی عمل کا بدلہ نہ ہو خاص میری عطا ہو یا تم کو وہ نعمت دوں جو ان سب سے زیادہ ہو سب سے افضل و اعلٰی ہو۔ازید کی تین شرحیں ہیں۔

۲؎ یعنی اے مولٰی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان نعمتوں سے زیادہ ان سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی تو نے ہمارا منہ اجیالا کیا،تو نے ہم کو نعمتوں کے مرکز جنت میں داخل جہاں ہر قسم کی راحتیں ہیں،تو نے ہمیں دوزخ سے بچایا،تیرے نام پر ہماری جانیں فدا،اعلٰی حضرت نے فرمایا۔شعر

جملہ عالم بندۂ اکرام تو　　　　صد چو جان من فدائے نام تو

۳؎ وہ حجاب اٹھاوے گا جو طالب و مطلوب کے درمیان آڑ تھا اور وہ حجاب باقی رکھا جاوے گا جو دیدار کا ذریعہ ہے جسے رداء کبریائی کہتے ہیں جیسے سورج پر ہلکے پتلے بادل کا حجاب جو سورج کو دکھا دیتا ہے اگر یہ حجاب نہ ہو تو سورج پر نظر نہیں ٹھہرتی۔

۴؎ دیداریار کی بہار یا تو مصری عورتوں سے پوچھو جنہوں نے جمال یوسفی کی ایک جھلک سے مست ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے یا جناب ابوبکر صدیق سے پوچھو جو جمال محمدی سے مست ہو کر اپنا سب کچھ فدا کر بیٹھے،آج مخلوق کے حسن پر گردنیں کٹ جاتی ہیں تو خالق کا حسن کیسا ہوگا۔

۵؎ معلوم ہوا کہ زیادہ سے مراد دیدار الٰہی ہے،زیادہ کی تین شرحیں ابھی پچھلی حدیث میں عرض کی گئیں۔یہ نعمت سب سے زیادہ ہے بقیہ نعمتوں میں عدل کا ظہور ہے،اس میں فضل کی جلوہ گری۔اس پوری حدیث کی شرح میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ صفات ذات کا پردہ بھی ہیں اور ذات کو دکھانے والی بھی یہاں جسم کو رنگت کے پردہ میں دیکھا جاتا ہے،اگر رنگ نہ ہو تو جسم نظر نہ آئے،اللہ تعالٰی ذات کا حجاب تو اٹھاوے گا مگر صفات کی چلمن میں ذات کا دیدار کرائے گا۔(اشعہ)دنیا میں رب نے ہم کو اپنا دیدار کرایا مگر رخسار یار میں یعنی جمال محمدی میں وہ بے صورت اسی صورت میں نظر آتا ہے،حضرت اعلٰی فاضل گولڑوی نے فرمایا۔شعر

ایہہ صورت ہے بے صورت دی بے صورت ظاہر صورت تھیں
پر کام نہیں بے سوجھت دا کوئی ورلیاں موتی لے تریں

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتیوں میں ادنی درجے والا وہ ہوگا جو اپنے باغات اپنی بیویوں اپنی نعمتیں اپنے خدام کو اور اپنے تختوں کو ایک ہزار سال کے پھیلاوے میں دیکھے گا۱ اور اللہ کے نزدیک بڑی عزت والا ہوگا وہ جو صبح شام اس کی ذات کے نظارے کرے۲ پھر تلاوت فرمائی بعض چہرے اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھنے والے۳(احمد،ترمذی)	

۱یعنی ادنی جنتی کا اپنا رقبہ اور اس رقبہ میں اپنا سامان پھیلا ہوا اتنا وسیع ہوگا کہ اس کنارے سے اس کنارہ تک انسان ایک ہزار سال میں پہنچے۔یہ تو ادنی درجے کے جنتی کا رقبہ ہے تو سوچو کہ اعلیٰ درجے کا جنتی کا رقبہ کتنا ہوگا،پھر غور کرو کہ جنت کیسی وسیع ہے۔

۲جنتیوں کو رب کا دیدار حسب مراتب ہوگا کسی کو ہفتہ میں ایک بار،کسی کو روزانہ دوبار،کسی کو ہر وقت جیسے دنیا میں بعض لوگ ہر وقت عشقِ الٰہی میں محو رہتے ہیں بعض کبھی کبھی۔

۳یہاں وجوہ سے مراد ذات ہیں اور ناظرہ سے مراد وہ تروتازگی ہے جو مؤمنوں پر نمودار ہوگی جب تک مؤمن رب کو دیکھیں گے کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گے۔

روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا قیامت کے دن سب اپنے رب کو خلوت میں دیکھیں گے۱ فرمایا ہاں میں نے عرض کیا اللہ کی مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہے فرمایا اے ابو رزین کیا تم سب چودھویں شب میں چاند کو خلوت میں نہیں دیکھتے،عرض کیا ہاں۲ فرمایا یہ تو اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے،اللہ تو بہت جلالت و عظمت والا ہے۳(ابوداؤد)	

۱ ظاہر یہ ہے کہ قیامت کے دن سے مراد وہ ہی فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن مسلمان رب تعالیٰ کو بیک وقت دیکھیں گے مگر ہر ایک کو رب سے خلوت بھی ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ یوم قیامت سے مراد جنت ہو جس کا فیصلہ قیامت میں

ہوگا۔سوال کا مقصد یہ ہے کہ خلوت اور جلوت دو ضدیں ہیں بیک وقت دونوں جمع کیسے ہوں گی۔سبحان اللہ! نہایت ہی قوی سوال ہے جس میں منطق کی جان موجود ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! ایک مثال میں مسئلہ حل کردیا کہ بدر کو تمام دنیا اپنے اپنے گھر میں اکیلے بیٹھ کر دیکھے تو وہاں بندے کی خلوت ہے اور چاند کی طرف سے جلوت۔خلوت جمع ہیں مگر دوطرف سے،بندے کی طرف سے خلوت ہوگی،رب کی طرف سے جلوت۔شعر

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوے اور فلسفیوں سے کھل نہ سکے
وہ بھید اک کملی والے نے سمجھا دیئے چند اشاروں میں

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ خالق کی صفات کو مخلوق کے ذریعے سمجھانا جائز ہے محض تمثیل ہے تشبیہ نہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ"وہاں تشبیہ کی نفی ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنے رب کو دیکھا فرمایا میں نے اسے دیکھا ہے نور والا ہے۱؎(مسلم)	

۱؎اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں: ایک تو نورٌ ر کی تنوین سے اور اَنّٰی حرف استفہام بمعنی کیف اور معنی یہ ہیں کہ رب تعالٰی عظیم الشان نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں،اس نور سے نگاہ خیرہ ہوجاتی ہے۔اس صورت میں یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو دیدار کے منکر ہیں اور دوسری قرأت ہے نورانی جیسے ربانی اور اراہ بمعنی ماضی ہے یعنی میں نے اسے دیکھا ہے،ایسا دیکھا ہے گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں وہ نورانی ہے۔ فقیر کے نزدیک پہلی قرأت بھی دیدار الٰہی کی نفی نہیں کرتی۔وہ صاحب سوال کررہے تھے دنیا میں یعنی اس زمین پر رہتے ہوئے رب کے دیدار کے متعلق یارسول اللہ کیا آپ نے مدینہ میں رہتے ہوئے کبھی ان آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے،فرمایا وہ نور عظیم ہے میں ان آنکھوں سے اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں،یہ آنکھیں اس نور کی تاب نہیں لاتیں،حضور نے رب کا دیدار کیا ہے معراج کی رات،اس وقت آنکھ ہی دوسری تھی عالم ہی دوسرا تھا،معراج کی رات کا دیدار تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے جیساکہ آگے بیان ہوگا۔ان شاء اللہ!

روایت ہے حضرت ابن عباس سے دل نے وہ نہیں جھٹلایا جو دیکھا ۱؎اور بے شک اس کو دوسری بار دیکھا،فرمایا حضور نے رب کو اپنے دل سے دوبار دیکھا ۲؎ (مسلم)اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا حضور محمد نے اپنے رب کو دیکھا۳؎عکرمہ فرماتے ہیں میں نے کہا کیا اللہ تعالٰی یہ نہیں کہتا	

	کہ اسے آنکھیں نہیں پاسکتی اور وہ آنکھوں کو پاتا ہے۴؎ فرمایا تم پر افسوس ہے یہ جب ہے جب رب اپنے خاص نور سے تجلی فرمائے جو اس کا ذاتی نور ہے۵؎اور حضور نے یقینًا اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

۱؎یہ سورۂ نجم شریف کی آیت ہے جس میں معراج میں دیدار الٰہی کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے،جس میں فرمایا گیا ہے کہ حضور نے رب کو آنکھوں سے دیکھا اور دل نے اس دیکھنے کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس کی تصدیق کی،دیکھا آنکھ نے تصدیق کی دل نے، دل کی مدد سے آنکھ نے دیکھا،اگر دل آنکھ کو جھٹلادے تو دل سچا ہوتا ہے آنکھ جھوٹی۔چلتی ریل میں آنکھ دیکھتی ہے کہ سامنے کے درخت بھاگ رہے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ریل بھاگ رہی ہے، آنکھ جھوٹی ہوتی ہے دل سچا۔آیت میں فرمایا گیا کہ آنکھ نے رب کو دیکھا دل نے آنکھ کی تصدیق کی،تصدیق کرنے والا دیکھنے والے کا غیر ہوتا ہے۔

۲؎اس فرمان میں ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب رب کو آنکھ سے دیکھا مگر دل کی مدد سے دیکھا،اس طرح کہ دیدار کے وقت دل ہوش میں رہا آنکھ کی تائید کرتا رہا جناب کلیم اللہ کی طرح دل پر غشی طاری نہ ہوگئی۔**مرتین** کے معنی ہیں بار بار جیسے رب فرماتاہے:"**ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ**" یعنی حضور رب کی بارگاہ میں معراج کی رات بار بار حاضر ہوتے رہے اسے دیکھتے رہے،ایک بار تو ملاقات اول کے وقت اور نو بار نمازیں کم کرانے کے لیے۔حضرت ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ حضور انور نے رب کو آنکھوں دیکھا معراج میں، شیخ نے مدارج میں فرمایا کہ اس رات یا تو آنکھ دل میں تھی یا دل آنکھ میں لہذا چاہے یوں کہو کہ آنکھ سے دیکھا یایوں کہو کہ دل سے دیکھا مطلب ایک ہی ہے۔(اشعہ)قریبًا سارے صحابہ کا یہ ہی قول ہے کہ حضور انور نے اللہ تعالٰی کو دیکھا سواء حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت انس کے وہ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔

۳؎یعنی ترمذی کی روایت میں **بفوادہ** نہیں کہ دل سے دیکھا بلکہ یہ ہے کہ اپنے رب کو دیکھا یعنی آنکھ سے دیکھا اسی لیے حضرت عکرمہ نے وہ سوال کیا جو آگے آرہا ہے۔

۴؎یعنی اے صحابی رسول اور اہل بیت نبی آپ تو کہتے ہیں کہ حضور انور نے رب تعالٰی کوآنکھوں سے دیکھا مگر قرآن کریم یہ فرماتا ہے، آپ کا کلام قرآن مجید کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حضرت عکرمہ نے رؤیت بصر اور ادراک بصر میں فرق نہیں کیا آنکھ کا دیکھنا اور ہے آنکھ کا پانا یعنی اسے احاطہ کرنا گھیرنا کچھ اور۔ہم سمندر زمین،آسمان کو دیکھتے تو ہیں مگر ان کا احاطہ نہیں کرسکتے کہ یہ چیزیں کلی اتنی لمبی چوڑی ہیں،حضور کی آنکھوں نے رب تعالٰی کا دیدار کیا اس کا احاطہ نہیں کیا۔جنتی مؤمن رب کا دیدارکریں گے اس کا احاطہ نہیں کریں گے۔یا **الابصار** سے مراد دنیا کی آنکھ ہے یا اس سے مراد کفار کی آنکھیں ہیں غرضکہ اس آیت کے بہت معنی کیے گئے ہیں۔

۵؎یعنی لوگ خدا تعالٰی کو جب دیکھ سکتے ہیں جب وہ اپنی تجلی ان کی برداشت کے قابل فرمادے،اگر اپنی ذاتی تجلی فرمادے جیسا وہ ہے ویسا ظاہر ہو تو لوگ کیا اور چیزیں بھی فنا ہوجائیں۔خیال رہے کہ یہ گفتگو مؤمنین کے دیدار کے متعلق

ہے،حضور انور نے تو عین ذات دیکھی جیسا رب ہے ویسا دیکھا،اگر وہ تجلی خدا ہے تو یہ دیدۂ مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم وہ سب کچھ جھیل سکتی ہے۔

روایت ہے حضرت شعبی سے فرماتے ہیں حضرت ابن عباس کعب سے عرفہ میں ملے تو ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تکبیر کہی جس سے پہاڑ گونج گئے۱ تب حضرت ابن عباس نے فرمایا ہم بنی ہاشم ہیں۲ تب حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنا دیدار اور اپنا کلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم فرمادیا تو موسیٰ علیہ السلام سے دوبار کلام کیا۳ اور محمد مصطفیٰ نے رب کو دوبار دیکھا۴ مسروق کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عائشہ کے پاس گیا میں نے عرض کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا۵ آپ بولیں تم نے ایسے بات کہی جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۶ میں نے عرض کیا پھر میں نے یہ آیت پڑھی کہ حضور نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۷ آپ بولیں خیالات تمہیں کہاں لیے پھرتے ہیں وہ تو حضرت جبریل ہیں۸ جو تمہیں خبر دے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا یا جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اس میں سے کچھ چھپایا ۹ یا حضور ان پانچ باتوں کو جانتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے بارش تو اس نے بڑا بہتان باندھا۱۰ لیکن آپ نے حضرت جبریل کو دیکھا ان کی اصلی صورت کبھی نہ دیکھی سواء دوبار کے ایک بار سدرۃ المنتہی کے پاس اور دوسری بار محلّہ اجیاد میں ان کے چھ سو پر تھے جنہوں کے کنارہ نے آسمان بند کردیئے تھے۱۱ (ترمذی) اور مسلم،بخاری نے کچھ زیادتی اور کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی ان دونوں کی روایت میں ہے فرمایا میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا تو رب کا یہ قول کہاں پھر قریب ہوا پھر تو دو کمانوں کی بلکہ اس سے بھی قریب تر،آپ بولیں یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو حضور

	کے پاس مرد کی صورت میں آئے تھے۱۲اور اس دفعہ آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئے جو ان کی اپنی صورت ہے تو کنارہ آسمان بھر دیئے۱۳۔

۱؎ یعنی نویں ذی الحجہ حج کے دن حضرت عبداللہ ابن عباس کی ملاقات جناب کعب احبار سے ہوئی،حضرت ابن عباس نے کعب سے رب تعالٰی کے دیدار کے متعلق پوچھا تو حضرت کعب نے اس سوال پر اتنی بلند آواز سے اللہ اکبر کہا کہ پہاڑ گونج گئے،کعب نے یہ سوال بڑا ہی اہم سمجھا۔

۲؎ یعنی ہم اہل بیت نبوت ہیں ہم کوئی غلط یا ناممکن بات نہیں پوچھتے،نیز امت پر ہمارا احترام ضروری ہے اے کعب تم صرف تکبیر پر نہ ٹالو بلکہ جواب دو یا یہ کہ تم ہم سے جو چاہو پوچھو ان شاءاللہ ہم جواب دیں گے۔خیال رہے کہ حضرت کعب احبار تابعی ہیں،پہلے یہود کے بڑے عالم تھے،توریت شریف کے ماہر ہیں،حضرت ابن عباس نے یہ سوال ان سے اس لیے کیا تاکہ بذریعہ توریت ان سے تائید کرائیں۔

۳؎ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار وادئ ایمن میں رب سے کلام کیا عطاء نبوت کے وقت اور دوسری بار کوہ طور پر،حضرت احبار نے یہ توریت شریف سے نقل کرکے بتایا۔(اشعہ)معلوم ہوا کہ حضور کے دیدار الٰہی کا ذکر توریت شریف میں بھی تھا۔خیال رہے کہ مرتین سے شخصی بار مراد نہیں بلکہ نوعی بار مراد ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر رب سے بارہا کلام کیا مگر یہ کلام تھا ایک ہی نوعیت کا اور وادئ ایمن میں عطاء نبوت کے وقت کلام کیا وہ دوسری نوعیت کا تھا۔

۴؎ یعنی دنیا میں رب سے بلاواسطہ کلام کرنا موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے اور معراج میں اللہ تعالٰی کو آنکھوں سے دیکھنا حضور کی خصوصی صفت ہے ورنہ حضور نے معراج میں رب تعالٰی کا دیدار بھی بار بار کیا اس سے کلام بھی بار بار کیا"فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی"۔

۵؎ غالبًا حضرت مسروق وہاں موجود تھے جہاں حضرت ابن عباس اور کعب احبار کی مذکورہ گفتگو ہوئی جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ حضور نے رب کو دیکھا آپ نے اس کی تصدیق حضرت عائشہ صدیقہ سے کرانی چاہی اس لیے یہ سوال کیا،مسروق تابعی ہیں امام شعبی کے استاذ۔

۶؎ یعنی تمہارے اس سوال سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے بھلا حضور رب تعالٰی کو کیسے دیکھ سکتے ہیں۔خیال رہے کہ جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ جسمانی معراج کا انکار فرماتی ہیں پھر وہ دیدار الٰہی حضور کے لیے کیسے مان سکتی ہیں،یہ دیدار تو معراج کا ایک حصہ ہے یہ دونوں انکار ان کے اجتہاد سے ہیں انہیں دیدار اور معراج کی روایات نہیں پہنچیں۔یہ واقعات تو آپ کے حضور کی زوجیت میں آنے سے پہلے کے ہیں اس لیے آپ نے کوئی حدیث اس پر پیش نہیں کی صرف اپنا اجتہاد بیان فرمایا۔

۷؎ یعنی میں نے سورۂ والنجم کی وہ آیات پیش کیں جن میں یہ ہے"وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی"صرف یہ آیت پیش نہ فرمائی صرف اس آیت سے ان کا منشا پورا نہ ہوتا کہ یہاں آیاتِ رب دیکھنے کا ذکر ہے نہ کہ رب کو دیکھنے کا۔(مرقات)

۸؎ سورۂ والنجم کی یہ آیات ہی بتارہی ہیں کہ یہاں حضرت جبریل مراد نہیں رب تعالٰی کا دیدار ہی مراد ہوسکتا ہے کہ آیتِ اولٰی یہ ہے "عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی" اس شدید القوی سے مراد اللہ تعالٰی ہے کہ اس نے حضور کو قرآن سکھایا نہ کہ جبریل علیہ السلام نے "اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ" آگے ہے "فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے بندے ہیں نہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے،جب کہ عبدہ کی ضمیر رب کی طرف ہے تو ساری ضمیریں اس کی طرف ہیں "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی" سے لے کر "وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی" تک کی ساری ضمیریں شدید القوی کی طرف ہیں یعنی رب کی طرف اس آیت سے جسمانی معراج اور رب کا دیدار دونوں ہی ثابت ہیں۔ام المؤمنین نے ادھر توجہ نہ فرمائی اس لیے صحابہ نے آپ کی یہ تفسیر قبول نہ کی۔

۹؎ یعنی حضور انور نے تبلیغی شرعی احکام میں سے کوئی حکم کسی سے نہ چھپایا سب پہنچادیئے اسی لیے مما امربہ فرماتی ہیں،رہے رموزو اسرار وہ اغیار سے ضرور چھپائے،متشابہات کی تفسیر نہ بتائی۔حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور انور سے ایک برتن علم کا وہ ملا ہے کہ اگر میں ظاہر کروں تو میری گردن ماری جائے۔

۱۰؎ یعنی حضور انور یہ پانچ چیزیں بغیر تعلیم الٰہی نہیں جانتے ہاں اللہ تعالٰی کی تعلیم سے جانتے ہیں۔چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور سے پوچھا کہ ہم ازواج میں سے پہلے حضور سے کون ملے گا،کس کی وفات پہلے ہوگی،فرمایا لمبے ہاتھ والی یعنی حضرت زینب،انہیں ام المؤمنین نے پوچھا یارسول اللہ کس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں فرمایا عمر فاروق کی،حضور نے جنگ بدر سے پہلے خطوط کھینچ کر بتادیا کہ کل فلاں کافر یہاں مارا جائے گا فلاں کافر یہاں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں،اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

۱۱؎ اجیاد مکہ مکرمہ کا مشہور محلّہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی جبریل امین کو دوبار ان کی اصل شکل میں دیکھا اس پر تمام امت کا اتفاق ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ سورۂ والنجم میں یہ ہی دیدار جبریل مراد ہے یا دیدار الٰہی،جمہور صحابہ اور عام مسلمانوں کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں دیدار الٰہی مراد ہے نہ کہ دیدار جبریل علیہ السلام۔

۱۲؎ حضرت جبریل حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے،حضرت دحیہ کلبی بڑے ہی خوبصورت تھے جناب جبریل انہیں کی شکل اختیار کرتے تھے۔

۱۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین حضور کے دیدار الٰہی کا انکار فرماتی ہیں کیونکہ آپ جسمانی معراج کی قائل نہیں،بعض صحابہ نے دل سے دیدار مانا ہے مگر عام صحابہ اور سارے بعد کے مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور انور نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اسی طرح کہ دل ہوش میں رہا اور ایسا ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کہ پلک بھی نہ مارا "مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی"۔الحمدللہ! فقیر بینوا بندہ گنہگار احمدیار نے دیدار کا مضمون آخر ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ میں لکھا،اللہ تعالٰی اسے قبول فرمائے اور اس گنہگار کو اپنے اور اپنے محبوب کے دیدار سے سرشار فرمادے کہ ہم فقیروں کی یہ معراج ہے۔شعر

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا　　　میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے رب کے اس فرمان کے بارے میں تو ہوا دو کمانوں کے فاصلہ یا اور زیادہ قریب ۱؎ اور رب کے اس فرمان کے بارے میں کہ نہیں جھٹلایا دل نے جو دیکھا اور رب کے اس قول کے بارے میں کہ بے شک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں فرمایا ان سب میں حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا دل نے نہ جھٹلایا جو دیکھا

فرمایا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو باریک ریشم کے جوڑے میں دیکھا کہ انہوں نے آسمان و زمین کو بھر دیا تھا ۳؎ ترمذی و بخاری کی روایت میں ہے رب کے اس فرمان کے متعلق بے شک ریشمی جوڑے میں دیکھا کہ انہوں نے آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا اور بخاری کی روایت میں اس آیت کے متعلق ہے کہ بے شک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں،فرمایا آپ نے باریک سبز ریشم دیکھا جس نے آسمان کا کنارہ بھر دیا تھا ۴؎ اور

حضرت مالک ابن انس سے باری تعالیٰ کے قول"اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ"کے متعلق پوچھا گیا کہا گیا کہ ایک قوم کہتی ہے کہ لوگ رب کے ثواب کو دیکھیں گے ۵؎ امام مالک نے فرمایا جھوٹ کہا وہ اس فرمان باری سے جارہے ہیں کہ خبردار وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے،امام مالک نے فرمایا ۶؎ کہ قیامت کے دن لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے فرمایا اگر قیامت کے دن مؤمن اپنے رب کو نہ دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو حجاب سے عار نہ دلاتا ۷؎ اس نے فرمایا کہ وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے ۸؎ (شرح سنہ)

۱؎ قاب قوسین کے متعلق صوفیاءکرام فرماتے ہیں کہ دو کمانیں مل کر دائرہ بن جاتا ہے جس کے بیچ میں مرکز ہوتا ہے۔جب کسی سے معانقہ کیا جائے گلے لگایا جائے تو دونوں ہاتھوں کا دائرہ اس کی پیٹھ پر بناتے ہیں اور اسے گلے لگاتے ہیں،مصافحہ میں قدرے دور کی ملاقات ہوتی ہے مگر معانقہ میں اتصال کی ملاقات۔نور الٰہی رحمت الٰہی نے اس رات اپنے محبوب کو اپنی آغوش میں اس طرح لیا کہ رحمتِ خداوندی دائرہ تھی اور محبوب اس کا مرکز کہ ہر طرف رب کی رحمت،اس کا نور بیچ میں حضور مصطفیٰ کا ظہور صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یعنی ان آیات میں ساری ضمیریں حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف ہیں،وہ حضور سے قریب ہوئے انہیں حضور نے دیکھا وہ ہی دو کمانوں کے برابر ہوئے لیکن اس تفسیر میں مشکل یہ ہوگی کہ ان آیات میں ایک آیت ہے"فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی"عبدہ کی ضمیر حضور کی طرف نہیں لوٹ سکتی کیونکہ حضور انور اللہ کے بندے ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام کے،وہ آیت بتارہی ہے کہ ساری ضمیریں اللہ تعالٰی کی طرف ہیں جیسے"عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی"میں بیان فرمایا ہم ابھی کچھ پہلے اس کی تحقیق کر چکے ہیں،نیز اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں مطالعہ فرماؤ۔

۳؎ تحقیق یہ ہے کہ رفرف جمع ہے،اس کا واحد ہے رفرفۃ،دوسری جمع رفارف ہے۔اس کے لفظی معنی ہیں بستر،رب فرماتاہے:"مُتَّکِئِیۡنَ عَلٰی رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ"۔حضرت جبریل کے پر پھیلانے پر وسیع بستر محسوس ہوئے تھے،اس سے رفرف کا لفظ فرمایا،اب پرندے کے پر کو کہتے ہیں لباس کے جوڑے نرم کپڑے وغیرہ کو بھی رفرف کہتے ہیں،یہاں رفرف بمعنی سبز ہے کیونکہ ساتھ ہی حلہ فرمایا گیا ہے۔

۴؎ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیدار الٰہی کے متعلق صحابہ کرام کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ معراج میں یا کبھی اور دیدار مطلقًا نہ ہوا یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ کا ہے۔دوسرا یہ کہ دل سے رب کو دیکھا نہ کہ آنکھوں سے یعنی بصیرت سے دیکھا بصارت سے نہیں،یہ قول حضرت ابن مسعود کی طرف منسوب ہے۔تیسرا یہ کہ حضور انور نے اپنی آنکھوں سے رب کا دیدار کیا،یہ آخری قول جمہور صحابہ کا ہے،حضرت ابن عباس سے یہ ہی مروی ہے وہ سورۂ والنجم کی آیات کی تفسیر میں یہ ہی فرماتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عمر پہلے اس دیدار کے منکر تھے بعد میں حضرت ابن عباس کے قول کی طرف رجوع فرمایا،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے اس انکار کی کوئی دلیل نہیں دی صرف اپنے اجتہاد سے انکار فرمایا،حضرت ابن عباس یہ فرمان صرف اجتہاد سے نہیں فرماسکتے بلکہ کسی روایت کی بناء پر ہی کہہ سکتے ہیں۔(اشعہ)

۵؎ معتزلہ،خوارج دیدار الٰہی کے انکاری ہیں کہ جنت میں کسی کو رب کا دیدار نہیں ہوگا،ان کا ہی یہ قول ہے وہ ہی حضرت امام مالک کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ اس آیت کے یہ ہی معنی کرتے ہیں،یہ تاویل نہیں تحریف ہے۔

۶؎ یعنی اگر اس آیت میں دیدار الٰہی سے مراد اللہ کا ثواب دیکھنا ہے تو اس آیت کے کیا معنی کریں گے کہ کفار رب سے حجاب میں ہوں گے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ مؤمنین حجاب میں نہ ہوں گے اس کا دیدار کریں گے۔سبحان اللہ! کیسا پیارا جواب ہے۔

۷؎ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے جنتیوں کے لیے دیدار الٰہی ساری نعمتوں سے افضل و اعلیٰ نعمت ہے ایسے ہی دوزخیوں کے لیے دیدار سے محرومی سارے عذابوں سے بدتر عذاب ہوگا کہ محبوب کا فراق بھی بڑا عذاب ہے۔

۸؎ یہاں اس دن سے مراد یا دوزخ میں کفار کے داخلہ کے بعد کا دن ہے اس دن کی انتہاء کبھی نہیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے اور اگر قیامت کا دن مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ رب کی نظر کرم سے حجاب میں ہوں گے ورنہ قہر کا دیدار تو قیامت کے دن کفار کو بھی ہوگا جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ جب کہ جنتی لوگ اپنی نعمتوں میں ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک نور چمکے گا۱؎ یہ اپنے سر اٹھائیں گے تو اچانک اللہ تعالیٰ ان پر ان کے اوپر سے متوجہ ہوگا۲؎ فرمائے گا تم پر سلامتی ہو اے جنت والو۳؎ فرمایا یہ ہی وہ رب کا فرمان ہے، سلام کا کلام ہوگا مہربان رب کی طرف سے فرمایا پھر ان کی طرف نظر فرمائے گا وہ رب کو دیکھیں گے تو جب تک رب کو دیکھتے رہیں گے کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گے۴؎ یہاں تک کہ ان سے حجاب فرمائے گا اور اس کا نور باقی رہے گا۵؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جنتی لوگ پھل فروٹ کھانے اپنے بچوں میں شغل خدام سے خدمت لینے اور دیگر نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ ایک نئے قسم کا نور اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

۲؎ یہ نور اس کی تجلی کی جھلک ہوگی۔خیال رہے کہ اللہ سمت سے یعنی اوپر نیچے ہونے سے پاک ہے اس کا اوپر تجلی فرمانا ایسا ہوگا جیسے موسیٰ علیہ السلام پر طور سے تجلی فرمانا یا وادیٔ سینا میں درخت پر سے کلام فرمانا کہ طور اور درخت تجلی گاہ الٰہی تھے نہ کہ اس کا مکان۔

۳؎ یہ کلام یا تو رب تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے کہ تم ہمیشہ ہر آفت سے سلامت ہو یا اظہار کرم ہے۔غرضکہ دعا نہیں کہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے سے پاک ہے،اس کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہے یا تم پر سلامتی ہو،عرب میں یہ دعائیہ کلمہ اظہار محبت کے لیے ہوتا ہے۔

۴؎ مرقات نے فرمایا کہ یہ وہ معمولی درجے کے جنتی ہوں گے جو نعمتوں میں مشغول ہوکر اس طرف سے غافل ہوگئے تھے،مست الست والے ہر وقت ادھر ہی متوجہ رہیں گے۔

۵؎ جیسے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد اس کا نور بہت دیر تک رہتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے جسم اور روح و دل پر اس نور کی تجلی رہے گی۔

باب صفة النار و اهلها

آگ اور آگ والوں کا بیان ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱نار اور نور دونوں کا مادہ ایک ہے،نار کی جمع نیران ہے اور نور کی جمع نیار یا اینار ہے۔نار کے معنی ہیں آگ،نور کے معنی ہیں روشنی۔شریعت میں جہاں نار آتا ہے اس سے مراد دوزخ کی آگ ہوتی ہے،اہلِ نار سے مراد کفار ہوتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔گنہگار مسلمان اگرچہ کچھ دن دوزخ میں رہیں گے مگر وہ اہلِ نار نہیں کہے جاتے۔اہلِ خانہ وہ ہوتے ہیں جو گھر میں ہمیشہ رہیں چند روزہ مہمان اہل خانہ نہیں ہوتا ایسے ہی اہلِ نار وہ ہی ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری آگ دوزخ کی آگ کا سترواں جزو ہے ۱عرض کیا گیا یارسول اللہ یہ ہی آگ کافی تھی ۲ فرمایا وہ آگ ان آگوں سے انہتر درجہ زیادہ تیز رکھی گئی ہے ہر درجہ اس آگ کی مثل ہے ۳(مسلم،بخاری)اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے تمہاری وہ آگ ہے جو انسان جلاتا ہے اور اس روایت میں علیھنّ اور کلھنّ کی عوض علیھا اور کلھا ہے ۴

۱ یعنی دوزخ کی آگ کی تیزی دنیا کی آگ سے ستر گنا ہے جیسے دنیا کی آگیں مختلف قسم کی گرم ہوتی ہیں گھاس پھوس کی آگ ہلکی ہوتی ہے،کیکر وغیرہ کی لکڑی کی آگ تیز ہوتی ہے،ویلڈنگ کی آگ بہت ہی سخت تیز ہوتی ہے جو لوہے تانبہ کو بھی گلادیتی ہے یوں ہی وہ آگ یہاں کی اعلیٰ سے اعلیٰ آگ سے ستر گنا زیادہ ہوگی۔

۲ یعنی یہ ہی دنیا کی آگ لوگوں کو جلا دینے کے لیے کافی تھی یہ ہی آگ جلا کر راکھ کرڈالتی ہے۔

۳جواب کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی آگ ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے مگر وہ آگ سزا دینے کے لیے اس لیے اتنی سخت تیز رکھی گئی۔

۴ ان دونوں روایتوں میں فرق صرف ضمیروں کا ہے کہ اس روایت میں تمام ضمیریں واحد مؤنث کی ہیں اور اس روایت میں جمع مؤنث کی باقی مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ دوزخ کی آگ سے کوئی نسبت نہیں حضور انور کا یہ فرمان عالی سمجھانے کے لیے ہے کہ دنیا میں سخت تر چیز آگ ہی ہے۔

	روایت ہے ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دن دوزخ لائی جائے گی جس کی ۱ ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچیں گے

	۲؎(مسلم)

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ پیدا ہو چکی ہے، نیز وہ اس وقت اس جگہ نہیں جہاں قیامت کے بعد ہو گی یعنی محشر اور جنت کے درمیان راستہ میں، ابھی یہ کسی اور جگہ ہے اس دن ملائکہ اسے کھینچ کر وہاں پہنچائیں گے جہاں اس نے رہنا ہے، اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے "وَجِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ کی سیر فرمائی اس جگہ جہاں وہ تھی۔آج اتنا سورج کس قدر تیزی سے حرکت کررہا ہے یوں ہی دوزخ اپنی جگہ سے ہٹا کر لائی جائے گی۔

۲؎ یہ فرمان عالی بالکل ظاہر پر ہے کسی طرح کی تاویل کی ضرورت نہیں وہ لگامیں کتنی بڑی ہوں گی کتنی مضبوط ہوں گی یہ رب تعالٰی ہی جانتا ہے اور ہر لگام پر کتنے کتنے فرشتے مقرر ہوں گے یہ بھی اللہ رسول ہی جانتے ہیں جنت اسی جگہ رہے گی جہاں پہلے سے تھی۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہو گا جس کے لیے آگ کا جوتا اور دو تسمے ہوں گے جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے جیسے ہانڈی کھولتی ہے ۱؎وہ نہ سمجھے گا کہ کوئی بھی اس سے سخت تر عذاب والا ہے حالانکہ وہ ان سب میں ہلکے عذاب والا ہو گا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی دوزخ کے مختلف طبقے ہیں ہر طبقہ کا عذاب مختلف ہے،اونچے طبقہ کا عذاب نیچے سے ہلکا ہو گا اونچے طبقے کے دوزخیوں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کا ذکر یہاں ہے۔خیال رہے کہ اگر کالا دانہ پاؤں کی انگلی میں نکل آوے تو اس سے سر چکراتا ہے مریض کہتا ہے میری کھوپڑی پھٹی جارہی ہے اس کا نمونہ دنیا میں ہی قائم ہے لہذا اس حدیث پر اعتراض نہ کرو کہ سر کا پاؤں سے کیا تعلق ہے آگ کی جوتی یا تو انگاروں سے بنی ہوئی جوتی ہو گی یا آگ سے تپائی ہوئی جوتی پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی اس کے صرف پاؤں میں آگ ہو گی باقی جسم میں نہیں۔

۲؎ یعنی یہ دوزخی سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب مجھ پر ہی ہے مگر واقعہ یہ ہو گا کہ سب سے ہلکا عذاب اسے ہو گا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے ابو طالب ہوں گے وہ دو جوتے پہنے ہوں گے جن سے انکا دماغ کھولتا ہو گا ۱؎ (بخاری)

۱؎ کیونکہ ابو طالب اگرچہ شرعًا مسلمان نہ بنے مگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی خدمت کی حتی کہ حضور انور نے اپنی یتیمی کا زمانہ عبدالمطلب کے بعد انہیں کے پاس گزارا،رب نے فرمایا:"اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" کے نتیجہ میں ان کا عذاب ہلکا ہو گا۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وہ عمل ہے جو کافروں کے بھی کام آجاتا ہے مگر بغیر شرعی ایمان لائے جنت کا داخلہ میسر نہ ہو گا لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا"ہم نے کفار کے نیک اعمال کو بکھرے ہوئے ریزوں کی طرح برباد کردیا،کہ وہاں بخشش کی نفی ہے اور یہاں عذاب ہلکا ہونے کا ذکر ہے۔ابو لہب کو دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا کردیا جاتا ہے اور اسے کلمہ کی انگلی چوسنے پر پانی ملتا ہے،دیکھو بخاری شریف کیونکہ اس نے حضور کی ولادت شریفہ کی خوشی منائی تھی،جب خدمت گار اور خوشی منانے والے کفار پر یہ کرم ہے تو جو مسلمان آج حضور کے دین کی خدمت کریں ان پر کرم کیوں نہ ہو گا۔شعر

دوستاں راکجا کنی محروم توکہ با دشمناں نظر داری

یہ حدیث احمد نے بھی روایت کی۔(مرقات)خیال رہے کہ ابوطالب کے ایمان کے متعلق علماء اہلِ سنت میں اختلاف ہے۔علامہ احمد دحلان رحمۃاللّٰہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب وہاں ان کا ایمان ثابت فرمایا ہے۔صاحب تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ وہ شرعًا مؤمن نہ تھے کہ انہوں نے صراحۃً کلمہ نہ پڑھا مگر عنداللّٰہ مؤمن تھے،ان بزرگوں کے نزدیک ابوطالب کو یہ عذاب عارضی ہوگا جیسے بعض گنہگار مسلمانوں کو اور وہ اللّٰہ تعالٰی کے اس لپ کے ذریعہ دوزخ سے نکالے جائیں گے جو شفاعتیں ختم ہوجانے پر رب تعالٰی دوزخیوں سے بھرا ہوا اپنا ایک لپ جنت میں ڈالے گا۔عام علماء فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان ثابت نہیں۔خیال رہے کہ کوئی شخص ان پر زبان طعن دراز نہ کرے،وہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بڑے ہی خدمت گزار ہیں،حضور کو اپنے ساتھ لے کر سونے والے،حضور کی خاطر کفار مکہ کے ہاتھوں بہت ہی دکھ درد سہنے والے،ممکن ہے کہ ان پر طعن کرنے سے حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو دکھ ہو ہم اپنی فکر کریں کہ ہمارا انجام کیا ہوگا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن عیش والے دنیادار دوزخی کو لایا جاوے گا اسے آگ میں ایک بار غوطہ دیا جاوے گا ا پھر کہا جاوے گا اے انسان تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی تھی کیا تجھ پر کبھی کوئی نعمت آئی تھی وہ کہے گا یارب واللّٰہ کبھی نہیں ۲ اور دنیا میں سخت مصیبت زدہ جنتی کو لایا جاوے گا اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جاوے گا ۳ پھر اس سے کہا جاوے گا اے انسان تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی تھی تجھ پر کبھی کوئی سختی آئی تھی وہ کہے گا یارب واللّٰہ کبھی نہیں ۴ نہ مجھ پر کبھی تکلیف آئی نہ میں نے کبھی کوئی سختی دیکھی ۵(مسلم)	

ا یہ واقعہ بعد قیامت ہوگا نہ کہ قبر میں کیونکہ دوزخ میں داخلہ اس وقت ہے قبر میں تو صرف دوزخ یا جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔

۲ پتہ لگا کہ دنیا کے عمر بھر کے عیش و آرام وہاں کے منٹ بھر کے ایک غوطہ پر بھول جائیں گے وہ تو بڑی سخت جگہ ہے دنیا میں کوئی خاص مصیبت پڑے تو سارے عیش فراموش ہوجاتے ہیں۔

۳ یا تو حوض کوثر میں یا وہاں کی ہوا اور دوسری نعمتوں میں۔غوطہ دیئے جانے سے مراد ہے وہاں کی ہوا کا جھونکا دینا وہاں داخل فرماکر اس کی تجلی دکھانا۔

۴ معلوم ہوا کہ وہاں کے عیش کی ایک جھلک وہاں کی ہوا کا ایک جھونکا عمر بھر کے دنیاوی غموں تکلیفوں کو بھلا دے گا،انسان کو چاہیے کہ اس طرف دل لگائے۔خیال رہے کہ یہ عرض معروض جھوٹ نہ ہوگی بلکہ واقعی وہ شخص ان مصیبتوں کو بھول ہی جاوے گا اس بنا پر یہ کہے گا۔

۵ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے دنیا میں جو مصیبتیں دیکھیں وہ درحقیقت مصیبتیں ہی نہ تھیں کیونکہ ان کا انجام یہ نعمتیں تھیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ ان مصیبتوں کو بھول ہی گیا ان نعمتوں کی خوشی میں۔

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللّٰہ تعالٰی قیامت کے دن ہلکے عذاب والے دوزخی سے کہے گا ا اگر تیرے پاس ساری زمین کی چیزیں ہوتیں تو تو اس آگ سے بچنے کے لیے دے	

دیتا تو بندہ کہے گا ہاں پھر اللہ تعالٰی فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز طلب کی تھی جب کہ تو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں تھا۲ کہ تو کسی چیز کو میرا شریک نہ مان تو میرا شریک ٹھہرانے کے سوا سے انکاری ہوگیا ۳(مسلم،بخاری)	

۱؎ دنیا میں انسان بیماریوں مصیبتوں کو پیسہ کے ذریعہ دفع کرتا تھا،جان پر مال قربان کرتا تھا کہ گرفتاری کو مالداری کے ذریعہ مال دے کر دفع کرتا تھا اسی قاعدے سے رب تعالٰی پوچھے گا کہ اگر تیرے پاس روئے زمین کی دولت ہوتی اور تو وہ سب کچھ دے کر اس سے بچ سکتا تو کیا تو دے دیتا،وہ بندہ فورًا کہے گا یارب میں ایسا ضرور کرتا یہ تو بہت سستا سودا تھا کہ وہ مال دے کر میں اپنی جان عذاب سے بچالیتا۔

حکایت: ہارون رشید بادشاہ نے پینے کے لیے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا،ایک عالم صاحب نے پوچھا اے سلطان اگر تو جنگل میں پیاس سے مررہا ہو پانی موجود نہ ہو تو یہ پیالہ پانی کتنی قیمت سے خرید سکتا ہے جان بچانے کے لیے،جواب دیا کہ آدھی سلطنت سے،اس نے پوچھا اگر تو یہ پانی خرید کر پی لے تیرے پیٹ میں پہنچ کر یہ پانی رک جائے پیشاب نہ آئے تکلیف سے تیری جان نکلتی ہو تو تو ڈاکٹر کو کتنی فیس دے کر پیشاب نکلوا سکتا ہے،سلطان نے کہا بقیہ آدھی سلطنت،عالم صاحب نے کہا کہ غور کرلے تیری ساری بادشاہت ایک پیالہ پانی پیٹ میں جانے وہاں سے نکلنے پر قربان ہے اب تو جتنا چاہے اس سلطنت پر ناز کر۔

۲؎ یعنی میثاق کے دن ہم نے تجھ سے اپنی وحدانیت کا اقرار کرایا"اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ"پھر دنیا میں تجھے یہ میثاق یاد دلانے اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے تیرے پاس اپنے نبی بھیجے،تجھے کفر وگناہ سے بچنے کا حکم دیا۔یہاں ارادے سے مراد حکم اور مطالبہ ہے نہ کہ ارادۂ الٰہیہ کیونکہ اللہ کے ارادہ کے خلاف ہوجانا بالکل ناممکن ہے،فرماتا ہے:"لَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیۡعًا"اور فرماتا ہے:"وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوۡا"اور فرماتا ہے:"لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی"ہاں امر الٰہی کے خلاف لوگ دن رات حرکتیں کررہے ہیں،ارادہ اور امر الٰہی میں بڑا فرق ہے لہذا حدیث واضح ہے ارادہ بمعنی امر ہے۔

۳؎ ان جیسی احادیث اور آیات میں شرک سے مراد کفر ہوتا ہے کہ کفر ہی دائمی دوزخی ہونے کا ذریعہ ہے۔شرک کفر کی ایک قسم ہے کسی کو اللہ تعالٰی کے برابر جاننا یا اللہ تعالٰی کو کسی کے برابر ماننا شرک ہے"اِذْ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الْعٰلَمِیۡنَ"اور فرماتا ہے:"ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوۡنَ"۔کفر کے معنی ہیں اسلام کے قطعی عقیدے کا انکار۔ہر کفر دوزخ میں ہمیشگی کا سبب ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی تو نے دنیا میں کفر ہی کیا۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض دوزخی وہ ہوں گے جنہیں ٹخنوں تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں ان کے گھٹنوں تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں ان کی کمر تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں آگ ان کے گلے تک پکڑے ہوگی ۱(مسلم)	

۱؎ یعنی دوزخی لوگوں کو عذاب تو پورے جسم کو ہوگا مگر مختلف طریقوں کا ہوگا جیسا کافر ویسا اس کا عذاب۔دوزخ کی آگ کا تو ایک انگارا ہی سزا کے لیے کافی ہے جس کے گلے تک آگ ہو غور کرلو اس کا حال کیا ہوگا اللہ تعالٰی اس آگ سے بچائے،یہ آگ کفار کو بھی پہنچے گی اور بعض گنہگار مؤمنوں کو بھی مگر مؤمنوں کو کچھ دن کے لیے کافروں کو ہمیشہ کے لیے اور بھی کئی طرح فرق ہوگا۔**ترقوت** وہ ہڈی ہے جو گلے اور گردن کے درمیان ہے جسے ہندی میں ٹیٹوا کہتے ہیں،فارسی میں چنبر۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخ میں کافر کے دو کندھوں کے درمیان فاصلہ تیز سوار کی تین دن کی راہ کا ہوگا ۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ کافر کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی ۲؎ اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی راہ ۳؎ اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث کہ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی،تعجیل نماز کے بیان میں ذکر کردی گئی ۴؎	

۱؎ یعنی دوزخ میں پہنچ کر کافر کا جسم بہت ہی بڑا ہو جائے گا،بڑے جسم کو آگ بھی زیادہ گھیرے گی تکلیف بھی زیادہ دے گی۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح ہوں گے وہاں محشر کے میدان کا ذکر ہے کہ وہ محشر میں چھوٹے ذلیل بے مقدار ہوں گے دوزخ میں پہنچ کر بڑے موٹے ہو جائیں گے لہذا احادیث میں تعارض نہیں،نیز یہ جسم کی موٹائی کفار کے لیے ہوگی گنہگار مؤمنوں کے لیے نہیں۔(مرقات)

۲؎ احد مدینہ منورہ کے مشہور پہاڑ کا نام ہے،چونکہ وہ کسی پہاڑ سے ملا ہوا نہیں اس لیے احد کہلاتا ہے احد کے معنی ہیں اکیلا۔جب کافر کے منہ کی ایک داڑھ احد پہاڑ جیسی تو سوچ لو کہ اس کا منہ کیسا ہوگا،پھر جسم کتنا بڑا ہوگا،اس کی شکل بھی انسانوں کی سی نہ ہوگی کتوں،گدھوں،سؤروں کی شکل میں ہوں گے۔

۳؎ حدیث کے بالکل ظاہری معنی پر ہی ایمان لانا چاہیے بلاوجہ کسی قسم کی تاویل اینچ پینچ ہیر پھیر نہیں کرنا چاہیے۔اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے،میں نے مچھلی کا ایک کانٹا موٹے شہتیر کی برابر دیکھا۔

۴؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی میں نے اس جگہ بیان کردی یہاں سے ہٹاکر کیونکہ اس باب سے زیادہ مناسب تھی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دوزخ کی آگ پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا حتی کہ سرخ ہوگئی پھر اس پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا حتی کہ سفید ہوگئی ۱؎ پھر اس پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا حتی کہ سیاہ ہوگئی چنانچہ وہ سیاہ تاریک ہے ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ دھونکنے والے فرشتے تھے ان کی دھونکنیاں جن سے دھونکا رب جانتا ہے کتنی بڑی اور کس چیز کی تھیں۔آگ میں سرخی دھوئیں کی ملاوٹ سے ہوتی ہے دھوئیں سے خالص آگ سفید ہوتی ہے ویلڈنگ کی آگ کا رنگ دوسری آگوں سے مختلف ہوتا ہے۔

۲؎ دنیا کی آگ میں گرمی بھی ہے روشنی بھی مگر دوزخ کی آگ میں گرمی تو غضب کی ہے روشنی کوئی نہیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اور اس کی آگ پیدا ہو چکی ہے،رب فرماتا ہے: "اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ" اہلسنت کا یہی مذہب ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن ۱؎ کافر کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی اور اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ۲؎ اور اس کی آگ کی نشست گاہ ربذہ کی طرح تین دن کی راہ ہوگی ۳؎(ترمذی)

۱؎ قیامت کے دن سے اس طرح کا آخری حصہ مراد ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ قیامت کے دن متکبرین چیونٹیوں کی طرح ہوں گے اور ہوسکتا ہے کہ متکبر غرور والے کافر چھوٹے ہوں دوسرے کافر بڑے جسم والے ہوں بہر حال دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

۲؎ بیضا اس پہاڑ کا نام ہے جو مکہ معظّمہ کے پاس مقام تنعیم میں ہے جس کے دامن میں مسجد حضرت عائشہ واقع ہے جہاں سے عمرہ کرنے والے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں یعنی دوزخی کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح لمبی چوڑی ہوگی یہ فرمان عالی بالکل حق ہے واقعی ایسا ہی ہوگا۔

۳؎ ربذہ وہ ہی جگہ ہے جہاں حضرت ابوذر غفاری کا مزار مبارک ہے،یہ جگہ مکہ معظّمہ سے قریب ہے مگر مدینہ منورہ سے دور ہے تین دن کی راہ پر ہے یعنی کافر اتنے بیچ میں بیٹھے گا اس کے چوتڑ اتنے بیچ میں سمائیں گے جیسے مدینہ منورہ سے مقام ربذہ ہے تین دن کی مسافت۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر کی کھال کی موٹائی بیالیس گز ہوگی ۱؎ اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح اور اس کی دوزخ کی بیٹھک ایسی ہوگی جیسی مکہ اور مدینہ کے قریب کی مسافت ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی کافر دوزخی کی کھال اولًا بیالیس گز موٹی ہوگی پھر اس میں اضافہ ہوتا رہے گا حتی کہ تین دن کی راہ کی مسافت برابر موٹی ہوجائے گی یا بعض دوزخیوں کی کھال بیالیس گز موٹی اور بعض کی کھال اتنی موٹی لہذا یہ حدیث ابھی گزری ہوئی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت ہوگی۔

۲؎ یہ بیان تقریبی ہے لہذا ربذہ والی حدیث کے خلاف نہیں یا کہا جاوے کہ بعض کفار کی نشست گاہ اتنی ہوگی جو وہاں مذکور ہوئی۔مدینہ منورہ سے ربذہ تک کی زمین برابر اور بعض کی اتنی جو یہاں مذکور ہے بہر حال حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر اپنی زبان کوس دو کوس تک نکالے گا جسے لوگ روندیں گے ۱؎ (احمد،ترمذی)فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یعنی جب دوزخی ہانپے گا اور ہانپتے ہی زبان نکالے گا کتے کی طرح تو دو تین میل باہر لٹک جائے گی اور لوگ اس پر چلے پھریں گے۔خدا کی پناہ! ناس سے مراد دوزخی لوگ ہیں جو وہاں دوڑیں گے بھاگیں گے اس دوڑ بھاگ میں اس کی زبان کو روندیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا صعود آگ کا پہاڑ ہے جس میں دوزخی ستر سال چڑھے گا اور

	وہاں سے گرے گا ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی قرآن مجید میں جو "سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا" ہے وہاں جو صعود ہے وہ اس پہاڑ کا نام ہے جو دوزخ میں ہوگا اور دوزخی اس پر چڑھتے گرتے رہیں گے اس کی بلندی خدا کی پناہ! اتنے اونچے سے گرانا سخت عذاب ہوگا۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا رب کے قول کالمھل کے متعلق ۱؎ یعنی تیل کے تلچھٹ کی طرح تو جب اس کے چہرے کے قریب کیا جاوے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر جاوے گی ۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی قرآن مجید میں جو ہے "اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ كَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ" تھوہر کا درخت ان مجرموں کی غذا ہے مھل کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا، حضور انور نے مھل کی تفسیر فرمائی۔

۲؎ یعنی اس غذا کی رنگت ایسی ہوگی جیسے تیل کی تلچھٹ یعنی گاؤ گرم اس قدر جو یہاں مذکور ہے کہ منہ یا پیٹ میں پہنچنے کے بعد کیا بنے گا پینے سے پہلے منہ کے قریب پہنچنے پر ہی چہرہ بھون ڈالے گا، غور کرو کہ پیٹ میں پہنچ کر کیسی آفت ڈھائے گا ان سب تکالیف کے باوجود جان نہ نکلے گی کہ وہاں موت نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ گرم پانی دوزخیوں کے سر پر ڈالا جائے گا تو یہ گرم پانی اس میں سرایت کر جاوے گا حتی کہ اس کے پیٹ تک پہنچ جاوے گا ۱؎ تو اس کے پیٹ کی چیزوں کو کاٹ ڈالے گا حتی کہ اس کے قدموں سے نکل جاوے گا ۲؎ صھر یہ ہی ہے ۳؎ پھر جیسا تھا ویسا ہی لوٹا دیا جاوے گا ۴؎ (ترمذی)

۱؎ماء حار کہتے ہیں گرم پانی کو اور حمیم کہتے ہیں کھولتے ہوئے پانی کو جو دیگچی میں ابلتا ہو یہ ہی پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا اور اسی پانی سے انہیں غسل دیا جایا کرے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں جوف سے مراد ہے سر کا اندرونی حصہ مگر قوی یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں پیٹ اور ہوسکتا ہے کہ سر پر پانی پڑے پیٹ تک اس کا اثر پہنچے، دیکھا جاتا ہے کہ تلوؤں میں ٹھنڈی چیز ملو تو آنکھوں میں اثر پہنچتا ہے۔

۲؎ یعنی پیٹ کی آنتیں، پھیپھڑا، دل جگر وغیرہ سب کچھ کاٹ ڈالے گا اور ان سب کے ٹکڑے پاخانہ کی راہ سے نکل جاویں گے مگر موت نہ آئے گی بلکہ ان سب کے نکلتے ہی دوبارہ پیٹ میں سب کچھ بن جاوے گا دوبارہ کاٹنے کے لیے سب ٹھیک کر دیا جاوے گا جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

۳؎ یعنی قرآن مجید میں جو ارشاد ہے "یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ" اس آیت میں جو یصھر ارشاد ہے اس سے یہ کٹ کر سب کچھ نکل جانا مراد ہے۔

۴؎ خود یہ نکلی ہوئی آنتیں وغیرہ واپس نہیں کی جاویں گی بلکہ پیٹ میں دوبارہ یہ سب چیزیں نئی بنادی جاویں گی، رب فرماتا ہے: "بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا" دنیا میں جلی ہوئی کھال دوبارہ بن جاتی ہے بلکہ اب تو ڈاکٹر مریض کا دل نکال کر دوسرا دل ڈال دیتے ہیں اور آدمی زندہ رہتا ہے جیسا کہ ریڈیو اور اخباروں میں آرہا ہے لہذا ان باتوں کو بغیر چون وچرا مان لینا چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی رب کے اس قول کے متعلق کہ پلایا جاوے گا پیپ کے پانی سے جسے بمشکل نگلے گا ۱؎ فرمایا یہ اس کے منہ کے قریب کیا جاوے گا وہ اسے ناپسند کرے گا ۲؎ جب اس سے قریب کیا جاوے گا تو اس کا چہرہ بھون دے گا اور اس کے چہرے کی کھال گر جاوے گی پھر جب اسے پئے گا تو اس کی آنتیں کاٹ دے گا ۳؎ حتی کہ اس کی دبر سے نکل جاوے گا رب تعالٰی فرماتا ہے وہ گرم پانی مانگے گا تو تلچھٹ جیسا پانی دیئے جائیں گے جو چہرہ بھون دے گا یہ برا پانی ہے ۴؎ (ترمذی)	

۱؎ عربی میں صدید کہتے ہیں کچے لہو کو یعنی پتلی پیپ جس میں خون کی سرخی نمودار ہو یہ دوزخیوں کے پینے کا پانی ہوگا۔خیال رہے کہ ان کو کبھی یہ کچے لہو پلایا جائے گا کبھی کھولتا پانی لہٰذا حمیم والی آیت بھی درست ہے اور صدید والی آیت بھی صحیح ہے ان میں تعارض نہیں۔

۲؎ کیونکہ اسمیں بدبو سخت ہوگی شکل نہایت مکروہ مزہ نعوذباللہ دیکھ کر سن کر ہی دل گھبرائے گا مگر پینا پڑے گا سخت پیاس کی وجہ سے

۳؎ یعنی اس بدبو بدمزہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخت گرم بھی ہوگا جس کی گرمی کا یہ حال ہوگا کہ منہ کے قریب ہوتے ہی چہرہ کی کھال جلا کر گرادے گا۔

۴؎ وہ آیت پڑھو حدیث بغور دیکھو یہ اس آیت کی تفسیر اور تفصیل ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ دوزخ کی دیواریں چار ہیں ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی راہ ہے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ سرادق سین کے فتحہ سے ہے پردہ کی دیوار،اس کی جمع ہے سرادقات جیسے فارسی میں کہتے ہیں سرا پردہ۔جدار جمع ہے جدار کی بمعنی دیوار، قرآن کریم فرماتا ہے: "اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا"۔مرقات نے فرمایا کہ سرادق اس دیوار کو کہتے ہیں جو اکیلی سارے گھر کو گھیرے ہو۔دوزخ کی یہ چار دیواریں آگے پیچھے ہیں ہر دیوار پورے دوزخ کو گھیرے ہوئے ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر غساق ۱؎ کا ایک ڈول دنیا میں گرادیا جائے تو دنیا والے سخت بدبو میں مبتلا ہوجاویں ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ غساق بھی دوزخیوں کو پلایا جانے والا پانی ہے یہ تمام دوزخیوں کی قے،خون پیپ اور کچے لہو کا مجموعہ ہے جو نالیوں کے ذریعہ نیچے گرتا ہوگا اسے نیچے کے طبقے والے دوزخی پئیں گے،وہاں نیچے طبقے والے دوزخیوں کا عذاب بہت سخت ہوگا۔خیال رہے کہ غساق وغیرہ صرف کافر دوزخیوں کو پلایا جائے گا اللہ تعالٰی مسلمان گنہگاروں کو جو کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں رکھے جائیں گے ان پانیوں سے محفوظ رکھے گا کیونکہ مسلمان کے منہ میں اللہ رسول کا نام حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے۔رب نے انسانیت کا اتنا احترام فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی غذا حیض کا خون ہوتا ہے مگر وہ منہ کی راہ پیٹ میں نہیں جاتا ہے بلکہ بچہ کے ناف میں سوراخ دار ناڑو ہوتا ہے اسی ذریعہ پہنچتا ہے کیونکہ منہ اللہ رسول کے نام کی جگہ ہے مگر جب کفار نے خود ہی اپنی

انسانیت کھودی توانہیں یہ سزادی گئی،رب فرماتاہے:"اِلَّا حَمِیۡمًا وَّ غَسَّاقًا جَزَآءً وِّفَاقًا"۔ہم کو چاہیے کہ اپنامنہ جھوٹ غیبت وغیرہ سے محفوظ رکھیں کہ یہ منہ یار کے نام کی جگہ ہے۔گندے گھر میں سلطان کو نہیں بٹھایا جاتا،رب تعالٰی ہمارے منہ دل و دماغ کو گناہوں سے بچائے۔
۲؎ یہاں ڈول سے مراد تھوڑاسا غساق ہے، سمجھانے کے لیے ڈول ارشاد فرمایا ہے۔دنیا سے مراد زمین ہے یعنی غساق کی بدبو کا یہ حال ہے کہ اس کا ایک ڈول ساری روئے زمین کو بدبو سے سڑادے،اس کی بدمزگی اس کی شکل کا کیا پوچھنا اس کا ایک قطرہ روئے زمین کی چیزیں کڑوی کردے۔نتن مقابل ہے نوح کا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی کہ اللہ سے ڈرو اس کے ڈرنے جیسا حق ۱؎ اور نہ مرو مگر اسی حالت میں کہ تم مسلمان ہو۲؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین میں ٹپکادیا جاوے تو دنیاوالوں پر ان کی روزیاں خراب کردے ۳؎ تو اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی زقوم ہو ۴؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی۔

۱؎ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے،نافرمانی سے بچاجائے،شکر کیا جائے ناشکری سے دور رہا جائے،اسے یاد کیا جائے بھولا نہ جائے۔(حاکم،مرقات)اللہ اس قال کو حال بنادے۔
۲؎ اس طرح کہ اسلام وایمان پر مرتے دم تک قائم رہو مسلم جیو مؤمن مرو۔شعر

پانی بھریں پنھاریاں رنگ برنگ گھڑے بھریا اس کا جانئے جس کا توڑ چڑھے

۳؎ زقوم تھوڑ کو کہتے ہیں وہاں دوزخیوں کی یہ غذا ہوگی۔مطلب یہ ہے کہ اگر زقوم(ناگ پھنی)نچوڑی جائے اس کی ایک بوند زمین پر ٹپکادی جائے۔لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ زقوم کسی پانی کا نام نہیں پھر اس کا قطرہ کیسا اور ٹپکانا کیا۔سیب پھل ہے مگر اس میں عرق تو ہے جو نچوڑنے سے ٹپکتا ہے۔
۴؎ یعنی اس ایک قطرے کی کڑواہٹ بدبو گرمی کی وجہ سے روئے زمین کے سارے دانے پھل کردے،بدبودار گرم ہوجائیں زقوم بھی کفار ہی کو کھلایا جائے گا،رب فرماتاہے:"اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ"۔خیال رہے کہ زقوم بنا ہے زقم سے بمعنی سخت بدمزگی۔(مرقات) یہ غذا بھی ان پر سخت عذاب ہوگی مگر کھائیں گے کہ بھوک ان پر مسلط کردی جائے گی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ دوزخی دوزخ میں منہ سکوڑے ہوں گے ۱؎ فرمایا اسے آگ بھون دے گی تو اس کا اوپری ہونٹ سکڑ جاوے گا حتی کہ اس کے سر تک پہنچ جاوے گا اور اس کا نیچا ہونٹ لٹک جاوے گا حتی کہ اس کی ناف پر پڑے گا ۲؎ (ترمذی)

۱؎ دوزخیوں کے منہ آگ میں جھلس کر سکڑ جائیں گے جس سے ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی کہ انہیں دیکھ کر ڈر لگے گا بھوت بنے ہوں گے۔

۲؎ غور کرو کہ اگراوپر کا ہونٹ سر سے لگ جاوے نیچے کا ہونٹ لٹک جائے جس سے سارے دانت کھل جائیں تو شکل کیسی ڈراؤنی ہو گی، ہونٹ تو منہ کی زینت ہیں جن سے منہ حسین معلوم ہوتا ہے جب یہ ہی بگاڑ دیئے گئے تو آدمی بھوت چڑیل سے بدتر معلوم ہو گا۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اے لوگو روؤ اگر رو نہ سکو تو بہ تکلف روؤ۱؎ کیونکہ دوزخی لوگ روئیں گے حتی کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر ایسے بہیں گے گویا وہ نالیاں ہیں ۲؎ کہ آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں کو زخمی کردیں گے ۳؎ اگر کشتیاں اس میں بہائی جاویں تو بہہ جاویں ۴؎(شرح سنہ)	

۱؎ یعنی جیتے جی اپنے گناہوں کے ڈر،رب کے خوف،اس کی رحمت کے شوق،اس کے حبیب کے عشق میں جتنا ہوسکے رولو ایسے رونے کا انجام ان شاءاللہ خوشی وشادمانی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

خوف، شوق، ذوق کا رونا بڑا ہی لذیذ ہے انہیں آنسوؤں سے چمن ایمان کی آبیاری ہوتی ہے۔ شعر

باش چوں دولاب دائم چشم تر　　　　تادرون صحن تو روید خضر

۲؎ کفار دنیا میں بے غم تھے وہاں غمگیں ہوں گے، یہاں خوش تھے وہاں مغموم رہیں گے، یہاں ہنستے بہت تھے وہاں روئیں گے جس سے ان کے خساروں پر نالیاں بن جائیں گی۔

۳؎ پھر ان کی آنکھوں سے دو قسم کے خون جاری ہوں گے آنسو کی جگہ اور زخم چشم سے پھر اس رونے سے جو تکلیف ہو گی وہ بیان سے باہر ہے۔

۴؎ ازجیت بنا ہے ازجاء سے بمعنی چھوڑنا بہانا۔(مرقات،اشعہ)ازجیت یعنی دوزخیوں کی آنکھوں سے اتنا خون بہے گا کہ اس کے تالاب دریا بن جائیں گے کہ ان میں کشتیاں جاری ہو جاویں۔

روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں پر بھوک مسلط کی جاوے تو یہ بھوک سارے عذابوں کے برابر ہو جاوے گی ۱؎ جن میں وہ مبتلا ہیں وہ فریاد کریں گے تو وہ ضریع میں سے دیئے جائیں گے جو نہ موٹا کرے نہ بھوک سے نجات دے ۲؎ پھر وہ کھانا مانگیں گے تو انہیں گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جاوے گا ۳؎ تو انہیں یاد آوے گا کہ وہ دنیا میں کاہے پانی سے اتارتے تھے (نگلتے تھے) ۴؎ چنانچہ وہ پانی مانگیں گے تو ان کی طرف کھولتا پانی پیش کیا جاوے گا لوہے کی سنڈاسیوں سے ۵؎ جب وہ ان کے منہ کے قریب ہو گا تو ان کے منہ بھون دے گا ۶؎ پھر جب انکے پیٹ میں داخل ہو گا تو ان کے پیٹوں کی ہر چیز کاٹ ڈالے گا تو کہیں گے کہ دوزخ کے منتظمین کو پکارو ۷؎ مگر منتظمین کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلیلیں نہیں لائے عرض کریں گے ہاں کہیں گے تو پکارے جاؤ کافروں کی پکاریں ہیں ہی برباد ۸؎	

پھر کہیں گے مالک کو پکارو کہیں گے اے مالک اب تو تمہارا رب ہمارا فیصلہ ہی کردے ۹ فرمایا وہ انہیں جواب دے گا تم یہاں ہی رہو گے،اعمش فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ دوزخیوں کی پکار اور مالک کے ان کو جواب دینے میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہوگا ۱۰ پھر کہیں گے اپنے رب کو پکارو کہ تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں ۱۱ تو کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدنصیبی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم تھے ۱۲ اے ہمارے رب ہم کو اس سے نکال اگر اب ہم کفر کی طرف لوٹ آئیں تو ہم ظالم ہیں ۱۳ فرمایا کہ انہیں جواب دے گا پڑے رہو اس میں مجھ سے بات نہ کرو ۱۴ فرمایا کہ اس وقت ہر بھلائی سے ناامید ہوجائیں گے ۱۵ اور اس وقت ندامت اور خرابی کی پکار میں مشغول ہوں گے ۱۶ عبداللہ ابن عبدالرحمان نے فرمایا کہ لوگ اس حدیث کو مرفوع نہیں کرتے ۱۷ (ترمذی)	

۱؎ یعنی دوزخیوں پر اس شدت کی بھوک مسلط کی جاوے گی کہ اس کی تکلیف دوزخ کی باقی تکلیف کے برابر ہوجاوے گی،اس سے یہ لوگ غذا کے لیے بے تاب ہوجاویں گے۔بھوک وہ چیز ہے کہ دنیا میں بعض دفعہ بھوکی عورتوں نے اپنے بچے ذبح کرکے کھالیے ہیں۔رب پناہ دے! اس بھوک کی وجہ سے انہیں جو بھی کھانے کے لیے دیا جائے گا بے تامل اسے دوڑ کر لیں اور کھائیں گے کہ کسی طرح پیٹ بھرے۔

۲؎ ضریع عرب شریف میں ایک خار دار گھاس ہے جس کے کانٹے بھی خطرناک ہوتے ہیں اور وہ زہریلی بھی ہوتی ہے اسے جانور منہ نہیں لگاتے بلکہ جس زمین میں وہ ہو جانور ڈر کے مارے چرتے بھی نہیں وہاں ٹھہرتے بھی نہیں دوزخی پیٹ بھرنے کے لیے وہی کھائیں گے اور سخت تکلیف اٹھائیں گے مگر پیٹ اس سے بھی نہ بھرے گا۔

۳؎ اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے "اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ" یعنی کانٹوں والا کھانا یہ ہی ہے جو انہیں ضریع کے بعد دیا جاوے گا۔

۴؎ یعنی یہ کھانا جب نگلیں گے تو وہ ان کے حلق سے نہ اترے گا،پھنس جائے گا نہ اگل سکیں گے نہ نگل سکیں گے تب انہیں دنیا کا حال یاد آئے گا کہ ہم گلے میں اٹکا ہوا لقمہ پانی سے نگلتے تھے۔

۵؎ یہ بالٹیاں اور سنڈاسیاں قدرتی ہوں گی جس میں کھولتا پانی بھرا ہوگا،فرشتے ان بالٹیوں کو اٹھائے ہوں گے اس کا ذکر یہاں ہے۔اس پانی کی گرمی اس حد تک ہوگی کہ کوئی شخص نہ اس بالٹی کے قریب جاسکے گا نہ ہاتھ لگاسکے اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۶؎ جس پانی کی گرمی کا یہ حال ہو وہ جب منہ میں یا پیٹ میں پہنچے گا تو کیا حال ہوگا اس بلا سے رب تعالٰی بچائے۔

۷؎ یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دوزخ کے داروغہ مالک سے اور دیگر متعلقہ فرشتوں سے عرض کرو کہ ہم کو اس عذاب سے نجات ملے یا موت دے دی جائے۔خیال رہے کہ دوزخی کبھی تو فرشتوں کو پکاریں گے،کبھی رب تعالٰی کو پکاریں گے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "ادۡعُوۡا رَبَّکُمۡ یُخَفِّفۡ عَنَّا یَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ" وہاں دوسری پکار کا ذکر ہے۔

۸؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے کہ دوزخ میں کفار کی دعا پکار بے کار ہوگی کچھ نہ سنی جائے گی، دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں، شیطان نے درازیٔ عمر کی دعا کی جو قبول ہوئی "اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ"۔(مرقات)اس آیت کے معنی ایک یہ بھی کئے گئے ہیں کہ کافروں کے لیے ان کی نجات کے لیے کسی کی دعا قبول نہیں ایسی دعائیں برباد ہیں۔(مرقات)

۹؎ یہاں فیصلہ سے مراد موت کا فیصلہ ہے یعنی ہم کو موت دے دے حکمی فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ میں رہیں۔

۱۰؎ اس ایک ہزار سال میں برابر چیختے چلاتے ہی رہیں گے جواب کا انتظار بھی کریں گے اور چیختے چلاتے بھی رہیں گے۔

۱۱؎ یعنی وہ ارحم الراحمین ہے۔کاش دنیا میں وہ لوگ یہ مانتے اطاعت کر لیتے تو یہ دن کیوں دیکھتے۔

۱۲؎ اگر یہ بات دنیا میں وہ لوگ مان لیتے اور ایمان قبول کر لیتے تو یہ نوبت نہ آتی ہر کام وقت پر ہی درست ہوتا ہے توبہ اور ایمان کا وقت یہ زندگی ہے موت کی سکرات کے وقت کا ایمان بھی قبول نہیں چہ جائیکہ اس وقت کا ایمان۔

۱۳؎ یعنی ابھی ہم ظالم نہیں بلکہ دھوکا کھانے والوں میں ہیں ہم دنیا میں دھوکا کھا گئے کہ یہ جگہ ہم نے دیکھی نہ تھی نبیوں کا ہم نے اعتبار نہ کیا اب ہم یہ عذاب اپنی آنکھوں دیکھ چکے،اگر دوبارہ دنیا میں جاکر تیری نافرمانی کریں تو واقعی ہم بڑے مجرم ہوں گے ایک بار ہم کو دنیا میں اور بھیج دے ہمیں موقعہ اور عطا فرما۔

۱۴؎ یعنی تمہاری درخواست نامنظور رہے۔اس ایمان واعمال کا اعتبار ہے جو نبی کی زبان پر اعتماد کر کے بے دیکھے اختیار کیا جائے اب تم نے یہ عذاب اپنی آنکھوں دیکھ لیا اگر تم دنیا میں جاکر ایمان لاؤ بھی تو بھی ایمان بالغیب تم کو میسر نہ ہوگا ایمان بالشہادۃ ہوگا جو مردود ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم دوبارہ دنیا میں گئے تو بھی کفر و شرک و بدکاری ہی کرو گے عادی مجرم جب چھوٹتا ہے لوٹتا ہے لہذا ہم سے اس بارے میں کلام ہی نہ کرو ایسی درخواست پیش نہ کرو تمہاری اپیل خارج۔

۱۵؎ کیونکہ اپیل کی آخری عدالت یہ ہی تھی جب یہاں سے ہی اپیل خارج ہوگئی تو اب کہاں جاکر فریاد کریں۔

۱۶؎ اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ شور مچاتے رہے تھے مگر وہ شوروغل تکلیف کا تھا یہ شوروغل مایوسی اور حسرت افسوس کا ہوگا اور کیسا ہوگا وہ رب تعالٰی ہی جانے اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔

۱۷؎ یعنی اس روایت میں یہ حدیث مرفوع ہے مگر محدثین عمومًا اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت ابوالدرداء پر موقوف کرتے ہیں۔لیکن خیال رہے کہ ایسی موقوف حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں کہ ان میں قیاس کو دخل نہیں، صحابی ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہہ سکتے ہیں۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نے تم کو آگ سے ڈرایا میں نے تم کو آگ سے ڈرایا ۱؎ آپ یہ فرماتے رہے حتی کہ اگر حضور میری اس جگہ ہوتے تو بازار والے سن لیتے ۲؎ اور حتی کہ جو چادر آپ پر تھی وہ آپ کے پاس قدموں پر گر گئی ۳؎(دارمی)	

۱؎ یعنی میں نے تم کو بارہا دوزخ سے مختلف طریقوں سے ڈرایا کیونکہ میں اللہ تعالٰی کی طرف سے نذیر بھی تو ہوں میں نے اپنا یہ فرض ادا کر دیا تم لوگ گواہ رہو۔

۲؎ یعنی حضور انور نے جوش میں اس قدر بلند آواز سے یہ کلمات فرمائے کہ اگر حضور انور آج یہاں قیام فرما کر وہ فرماتے تو بازار تک آپ کی آواز پہنچ جاتی۔

۳؎ یعنی جوش کے ساتھ آپ پر وجدانی حالت بھی طاری تھی اور آپ جنبش میں تھے جس کے اثر سے چادر مبارک کندھے شریف سے گر کر قدم مبارک پر آگئی۔ یہ حدیث صوفیاء کرام کے وجد کی دلیل ہے وجدان شوق اور ذوق خوف ہر چیز سے آسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اس جیسی رانگ کھوپڑی کی طرف اشارہ فرمایا ۲؎ آسمان سے زمین کی طرف گرائی جاوے حالانکہ یہ فاصلہ پانچ سو سال کا ہے تو رات سے پہلے زمین پر پہنچ جاوے اور اگر وہ ہی رانگا زنجیر کے سرے سے ۳؎ گرایا جاوے تو چالیس دن رات چلے اس کی جڑ یا اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے ۴؎ (ترمذی)	

۱؎ عبداللہ بھی صحابی ہیں اور آپ کے والد عمرو بھی صحابی مگر دادا عاص ابن وائل کافر حضور انور کا سخت دشمن تھا، اس کا نام عاصی تھا عاص کے ساتھ مشہور ہوگیا۔ عاص ی کو گرا کر بہت دفعہ آخری ی دور کردی جاتی ہے جیسے **باقٍ** سے **باقی**، **متعالٍ، متعالی، مھتدی** سے **مھتدٍ**۔ (مرقات) بعض محدثین نے فرمایا کہ عاص اجوف واوی یا اجوف یائی ہے اس کی جمع اعیاص ہے، قاموس نے کہا الاعیاص میں قریش اولاد امیہ ابن عبدالشمس اس صورت میں اس کے آخر میں ی ہو ہی نہیں سکتی۔ (مرقات)

۲؎ رصاص ر کے فتحہ سے بمعنی رانگ یا سیسہ، بعض لوگوں نے رضاض ض سے پڑھا بمعنی کنکریٹ مگر یہ غلط ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسانی کھوپڑی کی برابر رانگا یا سیسہ آسمان سے پھینکو تو وہ رات کا چلا صبح سے پہلے زمین پر پہنچ جائے گا۔ چڑھنے کی رفتار بہت سست ہوتی ہے گرنے کی رفتار بہت ہی تیز جیسا کہ مشاہدہ ہے، آسمان پر چڑھنے کی مدت پانچ سو سال ہے گرنے کی مدت دس گھنٹے یا اس سے بھی کم، سادہ اشارہ میں مسئلہ سمجھا دیا گیا ہے۔

۳؎ یہاں سلسلہ سے مراد زنجیر ہے جس میں کفار باندھے جائیں گے جس کی لمبائی دست قدرت کے لحاظ سے ستر ہاتھ ہے یعنی ہمارے ہاں نہیں، رب فرماتا ہے "**ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَۃٍ ذَرۡعُہَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡہُ**" اس زنجیر کی لمبائی کا یہ حال ہے۔

۴؎ یہاں **قعر** سے مراد زنجیر کا دوسرا کنارہ ہے نہ کہ گہرائی کیونکہ زنجیر میں گہرائی کہاں یعنی اگر وہ زنجیر دوزخ کے کنارہ سے اس کی تہہ تک لٹکائی جائے تو اس کی درازی کا یہ حال ہوگا کہ یہ سیسہ اس کنارہ سے پھینکا ہوا دوسرے کنارہ تک چالیس سال میں نہ پہنچ سکے اس زنجیر سے کفار کو جکڑا جائے گا اندازہ لگالو کہ وہ جکڑ اور پکڑ کیسی ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابوبردہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک جنگل ہے جسے ہبہب کہا جاتا ہے اس میں ہر ظالم سرکش رہے گا ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام حارث ہے، کنیت ابوبردہ، آپ کے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری مشہور صحابی ہیں، آپ تابعی ہیں، ابوموسیٰ اشعری علی مرتضی وغیرہم صحابہ سے روایت کرتے ہیں، کوفہ کے قاضی تھے، ۱۰۴ھ ایک سو چار ہجری میں وفات پائی۔ (اشعہ)

۲؎ ہبہب بروزن جعفر بمعنی تیزی، جلدی، چمک۔چونکہ وہاں کی آگ بہت تیز ہے اور اپنے مجرموں کو یہ جگہ بہت جلد پکڑے گی اس لیے اسے ہبہب کہا جاتا ہے۔وہاں نہایت ذلت وخواری سے مجرموں کو رکھا جائے گا اسی لیے وہ جگہ متکبر کفار کی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دوزخی دوزخ میں بڑے ہوجائیں گے حتی کہ ان میں سے ہر ایک کی گدیا سے لے کر اس کے کندھے تک سات سو سال کا فاصلہ ہوجاوے گا ۱؎ اور اس کی کھال کی موٹائی ستر گز ہوگی اور اس کی ڈاڑھ احد پہاڑ کی طرح۲؎	

۱؎ جب کان کی لو اور کندھے کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے تو باقی جسم کتنا ہوگا اندازہ لگالو۔خیال رہے کہ اس قد کے متعلق روایات مختلف ہیں جن میں مختلف قد بیان فرمائے گئے ہیں یا تو یہ سب اندازاً ہے سمجھانے کے لیے یا بعض کفار کے قد کتنے بعض کے کتنے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔
۲؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔واقعی ان کی کھال ڈاڑھ اتنی ہی موٹی اور بڑی ہوگی۔رسول اللہ سچے ہیں ان کی زبان پر غلط بات آسکتی ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جز سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ میں تو سانپ ہیں اونٹنی کی طرح ۲؎ ان میں سے ایک ڈسے گا ایک بار ڈسنا کہ وہ دوزخی اس کا زہر چالیس سال تک پائے گا۳؎ اور آگ میں بچھو ہیں پالان والے خچروں کی طرح ان میں سے ایک ڈنگ مارے گا ایک ڈنگ تو وہ اس کا زہر چالیس سال تک پائے گا۴؎(یہ دونوں حدیثیں احمد نے روایت فرمائیں)	

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ہے،کنیت ابوالحارث ہے، سہمی ہیں،بدر میں شریک ہوئے،بعد میں مصر میں رہے،وہاں ہی وفات پائی ۸۵ھ میں فات ہوئی۔
۲؎ وہ سانپ جسامت میں تو اونٹ کی طرح بڑے اور موٹے مگر زہر میں رفتار میں پتلے سانپ کی طرح ہوں گے۔دنیا میں موٹا سانپ یعنی اژدھا زہریلا نہیں ہوتا پتلا بہت زہریلا اور تیز رفتار ہوتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کا عصا "ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ" یعنی اژدھا ہوجاتا ہے جسامت میں اور حرکت کرتا تھا پتلے سانپ کی طرح "کَاَنَّہَا جَآنٌّ"۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دوزخ کے موٹے سانپوں میں زہر نہ ہوگا پھر ان سے کیا فائدہ بلکہ وہاں زیادہ بڑا سانپ زیادہ زہریلا ہوگا۔
۳؎ سانپ کے زہر سے جو جانکنی ہوتی ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتی ہے خدا کی پناہ یہ جانکنی کی تکلیف اسے چالیس سال تک محسوس ہوگی مگر جان نکلے گی نہیں اور موت آوے گی نہیں لیکن جانکنی کی شدت محسوس ہوتی رہے گی۔

۴؎ بچھو کے ڈنگ کی تکلیف اس کو معلوم ہے جسے کبھی بچھو نے کاٹا ہو،اس کا زہر سارے جسم کو پریشان کر دیتا ہے خصوصًا کالا بچھو جو سانپ کو ڈنگ مارے تو وہ بھی مر جاوے۔بعض بچھو دنیا میں ایسے ہیں کہ تانبہ پر ڈنگ مار دیں تو وہ راکھ بن جاوے،پھر دوزخ کے بچھو رب جانے کیسے زہریلے ہوں گے پھر یہ زہر انہیں تکلیف تو دے گا مگر اس سے انکی جان نہیں نکلے گی۔

روایت ہے حضرت حسن سے فرماتے ہیں ہم کو حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنائی فرمایا سورج اور چاند قیامت کے دن گہنے ہوئے دو پنیر کے ٹکڑے ہوں گے ۱؎ خواجہ حسن نے کہا کہ ان دونوں کا گناہ کیا ہے،ابوہریرہ نے فرمایا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنا رہا ہوں تو خواجہ حسن خاموش ہو گئے ۲؎(بیہقی بعث ونشور کا بیان)	

۱؎ ثور کہتے ہیں پنیر کے ٹکڑے کو،پنیر جما ہوا دودھ جو عرب میں ہوتا ہے ہمارے ہاں نہیں ہوتا وہ قدرے سخت ہوتا ہے ہم نے وہاں بہت کھایا ہے۔یعنی چاند سورج دوزخ میں نہایت صاف چکنے ہوں گے مگر بے نور ہوں گے اس لیے مکوران فرمایا۔

۲؎ یہ ہے کمال ایمان کہ حضور انور کا نام سن کر عقلی سوال کوئی نہ فرمایا،اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں چاند سورج عذاب پانے کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ اپنے پجاریوں کو عذاب دینے جائیں گے،ان کی گرمی آگ کی گرمی سے مل کر عذاب کو دوبالا کر دے گی،دیکھو دوزخ میں عذاب دینے کے لیے فرشتے بھی تو ہوں گے مگر وہ عذاب پانے کے لیے وہاں نہیں گئے بلکہ عذاب دینے کے لیے ہوں گے،نیز یہ دونوں نور ہیں اور نور کو نار تکلیف نہیں دیتی،دیکھو مؤمنین وہاں سے گنہگاروں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں جائیں گے مگر بالکل تکلیف نہ پائیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ میں نہ جاوے گا مگر بدنصیب ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ بدنصیب کون ہے؟ فرمایا جو اللہ کی فرمانبرداری کا کام نہ کرے اور اس کی نافرمانی نہ چھوڑے ۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی دوزخ میں سزا پانے کے لیے صرف بدبخت جن وانس ہی ہوں گے،اگر دائمی داخلہ مراد ہے تو شقی سے مراد پورا بدبخت یعنی کافر ہے اور اگر مطلقًا داخلہ مراد ہے دائمی ہو یا عارضی تو شقی سے مراد مطلقًا بدکار ہے خواہ کافر ہو یا فاسق مسلمان۔

۲؎ یہاں بھی وہ ہی دو احتمال ہیں:اگر کافر مراد ہے تو اس معصیت میں بدعقیدگی بھی داخل ہے اور طاعت میں اچھے عقیدے شامل یعنی وہ کافر دوزخ میں ہمیشہ کے لیے جاوے گا جس نے اچھے عقیدے اچھے اعمال اختیار نہ کیے۔برے عقیدے اور برے اعمال پر رہا،رب فرماتا ہے:"لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى"۔اور اگر گنہگار مؤمن بھی اس میں داخل ہیں تو معصیت واطاعت سے مراد عمل واطاعت ہے۔خیال رہے کہ دنیا میں خوش نصیبی بدنصیبی مال سے سمجھی جاتی ہے مگر آخرت میں اعمال سے وہاں کی دولت اعمال ہے۔

باب خلق الجنۃ و النار

جنت اور دوزخ کی پیدائش ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎اس باب میں بیان ہوگا کہ جنت دوزخ پیدا ہوچکی ہیں۔یہ ہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے،بعض نومولود بے دین کہتے ہیں کہ ابھی پیدا نہیں ہوئیں بعد قیامت پیدا ہوں گی۔اس کی تحقیق ہم اپنی تفسیر نعیمی پارہ اول میں"اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ"کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت اور دوزخ نے مناظرہ کیا ۱؎ تو دوزخ بولی کہ میں غرور والوں جابروں سے خاص کی گئی ہوں ۲؎ جنت بولی کہ پھر میرا کیا حال ہے کہ مجھ میں صرف کمزور لوگ ان میں سے گرے پڑے سیدھے سادھے ہی داخل ہوں گے ۳؎ اللہ تعالٰی نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے جس بندے پر چاہوں گا رحم کروں گا ۴؎ اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ جس بندے پر چاہوں گا عذاب کروں گا ۵؎ تم میں سے ہر ایک کا بھرنا طے شدہ ہے ۶؎ لیکن آگ تو وہ نہ بھرے گا حتی کہ اللہ تعالٰی اپنا قدم رکھے گا ۷؎ تو کہے گی بس بس اس وقت بھرجاوے گی اور بعض بعض کی طرف سمٹ جاوے گی ۸؎ اللہ تعالٰی اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہ کرے گا ۹؎ رہی جنت تو اللہ تعالٰی اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا ۱۰؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یہاں قولی زبانی مناظرہ مراد ہے نہ کہ صرف حال کا اللہ نے ہر چیز میں حواس و شعور کلام پیدا فرمایا ہے"وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"سب چیزیں نماز تسبیح ذکر کرتی ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است

۲؎ یعنی اے جنت میں تجھ سے اعلیٰ ہوں کہ مجھ میں اعلیٰ شاندار لوگ آکر رہیں گے بادشاہ،وزراء،متکبرین مالدار کفار اور تو مجھ سے کمتر ہے کہ کمترین لوگ ضعفاء تجھ میں رہیں گے۔
۳؎ دوزخ کے کہنے پر جنت نے بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کیا کہ مجھے کمزوروں کی جگہ کیوں بنایا گیا میں نے کیا قصور کیا تھا۔خیال رہے کہ **ضعفاء** سے مراد بدن اور مال کے لحاظ سے کمزور لوگ ہیں۔**سقط** اور **غرۃ** سے مراد ہے احوال و صفات کے لحاظ سے کمزور۔**سقط** وہ جنہیں لوگ معتبر نہ سمجھیں ان کی طرف التفات نہ کریں۔**غرہ** وہ جودین میں مشغلہ رکھنے والے لوگ جنہیں دنیا کا تجربہ کم ہو کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں بلکہ چالاک انہیں دھوکہ دے دیں،حدیث شریف میں ہے **المؤمن غر کریم الکافر خب لئیم**۔
۴؎ چونکہ جنت اللہ تعالٰی کی رحمت کا مظہر ہےاور اللہ تعالٰی کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لیے پہلے اس سے خطاب فرمایا گیا یعنی جنہیں توضعیف سمجھتی ہے وہ در حقیقت کمزورنہیں وہ تو میرے رحم و کرم کا مرکز ہیں بڑے درجے والے ہیں۔
۵؎ یعنی اے دوزخ تو میرا غضب وقہر کا مظہر ہے تجھ میں وہ لوگ رکھے جائیں گے جو اپنے شامت اعمال کی وجہ سے میرے غضب و قہر کے مستحق ہوگئے،تم دونوں ہی اچھی ہو کہ میرے صفات کا مظہر ہو۔**عذابی** سے مراد ہے عذاب کی جگہ محل عذاب،عدل بھی میری صفت ہے فضل بھی۔
۶؎ یعنی تم دونوں کا کمال اسی میں ہے کہ تم دونوں ہی بھردی جاؤ،چنانچہ ہم تم میں سے کسی میں جگہ خالی نہیں چھوڑیں گے دونوں کو بھر دیں گے۔
۷؎ شارحین نے رجل یعنی قدم کے بہت معنی کیے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ پاؤں بمعنی قدم ہی ہو اور اللہ کے قدم سے مراد وہ ہو جو وہ ہی جانے یہ فرمان عالی متشابہات سے ہے ورنہ اس گوشت و پوست کے ہاتھ پاؤں سے رب تعالٰی پاک اور منزہ ہے۔
۸؎ یعنی جب اللہ تعالٰی آگ میں اپنا قدم قدرت رکھ دے گا تو آگ کا جوش ختم ہوجاوے گا اور زیادتی کا مطالبہ "**هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ**" بندہوجاوے گا یہ قدم وہاں رہے گا نہیں بالکل نکال لیا جاوے گا۔
۹؎ یعنی دوزخ بھرنے عذاب دینے کے لیے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جاوے گی کیونکہ یہ ظلم ہے رب تعالٰی ظلم سے پاک ہے۔خیال رہے کہ ظلم سے دو معنی ہیں کسی کی چیز اس کی بغیر اجازت استعمال کرنا،دوسرے کسی کو بغیر قصور سزا دینا یہ کہہ کہ "**مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**" پہلے معنی تو رب تعالٰی کے لیے منصور نہیں کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی مخلوق و مملوک ہے دوسرے معنی ظلم سے رب تعالٰی پاک ہے"**اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ**"لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ اگر اللہ تعالٰی تمام لوگوں کو دوزخ میں بھیج دے تو وہ ظالم نہیں،یہاں ظلم سے پہلے معنی مراد ہیں۔
۱۰؎ خیال رہے کہ دوزخ صرف بدعقیدگی اور بدعملی سے ملے گی مگر جنت کسبی،وہبی،عطائی تین طرح ملے گی۔اپنی نیکیوں سے جنت ملنا کسبی ہے،کسی نیک کے طفیل ملنا وہبی ہے جیسے مسلمان ماں باپ کے چھوٹے بچے مرے ہوئے یا دیوانہ مسلمان یا ہم

جیسے گنہگار حضور کے طفیل،یہ قوم جو جنت بھرنے کے لیے پیدا کی گئی انہیں جنت عطائی ملے گی محض فضل الٰہی سے یہ مسئلہ یہاں سے حاصل ہوا۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی ہیں فرمایا دوزخ میں ڈالا جاتا رہے گا ۱؎ اور وہ کہتی رہے گی کیا اور زیادتی بھی ہے ۲؎ حتی کہ اللہ تعالٰی اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تب بعض بعض کی طرف سمٹ جاوے گا کہے گی تیری عزت و کرم کی قسم بس بس ۳؎ اور جنت میں بچی ہوئی جگہ رہے گی حتی کہ اللہ اس کے لیے ایک مخلوق پیدا فرمائے گا جنہیں جنت کے بچے ہوئے حصے میں رکھے گا ۴؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ جنت مشقتوں سے گھیر دی گئی،کتاب الرقاق میں بیان کردی گئی۔	

۱؎ اس میں جنات،انسان،چاند،سورج،اینٹ پتھر وغیرہ ڈالے جاتے رہیں گے مگر وہ بھرے گی نہیں۔

۲؎ یہ زبان قال کہتی رہے گی نہ کہ بہ زبان حال،ہر چیز میں زبان فہم وغیرہ سب کچھ ہے۔

۳؎ یعنی اب میں بالکل بھر گئی مجھ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگی اب تجھ سے زیادتی کا مطالبہ نہیں کروں گی۔

۴؎ ابھی عرض کیا گیا کہ جنت بھرنے کے لیے ایک مخلوق پیدا کی جاوے گی مگر دوزخ بھرنے کے لیے کوئی مخلوق پیدا نہ کی جاوے گی کیونکہ بغیر عمل جنت مل سکتی ہے بغیر گناہ دوزخ میں نہیں ڈالا جاسکتا،یہ مخلوق انسان ہی ہوگی مگر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے نہ ہوگی اور اس مخلوق کو جنت جزا یا ثواب کے لیے نہ ملے گی محض رب تعالٰی کے فضل سے عطا ہوگی۔اس مخلوق کو حوریں عطا نہ ہوں گی پھل فروٹ اور دوسری نعمتیں دی جاویں گی۔

شرعی معمہ: وہ کون سے انسان ہیں جو آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں؟

جواب: وہ یہ ہی مخلوق ہے جو جنت پر کرنے کے لیے پیدا کی جاوے گی کہ یہ انسان تو ہوگی مگر اولاد آدم علیہ السلام نہیں جیسے،حضرت حواء انسان ہے مگر حضرت آدم کی اولاد نہیں،نیز خود آدم علیہ السلام انسان ہیں مگر اولاد آدم نہیں،مرقات نے فرمایا کہ جنت عمل پر موقوف نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا جب اللہ تعالٰی نے جنت پیدا کی تو حضرت	

جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ اسے دیکھو وہ گئے اسے اور جو نعمتیں اس میں جنتیوں کے لیے اللہ نے تیار کی ہیں انہیں دیکھا پھر آئے ا؎ عرض کیا یا رب تیری عزت کی قسم نہ سنے گا اسے کوئی مگر اس میں داخل ہوگا۲؎ پھر رب نے اسے مشقتوں سے گھیر دیا۳؎ پھر فرمایا اے جبریل جاؤ اسے دیکھ کر آؤ،فرمایا تو وہ گئے اسے دیکھا۴؎ پھر آئے عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ جنت میں کوئی داخل نہ ہوسکے گا ۵؎ فرمایا پھر جب اللہ نے آگ پیدا کی تو فرمایا اے جبرئیل جاؤ اسے دیکھو،فرمایا وہ گئے اسے دیکھا پھر آئے ٦؎ عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم اسے کوئی نہ سنے گا کہ پھر اس میں داخل بھی ہوے،رب نے اسے لذتوں سے گھیر دیا ۸؎ پھر فرمایا اے جبریل اسے دیکھو فرمایا وہ گئے اسے دیکھا عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ اس میں کوئی داخل ہوئے بغیر نہ بچے گا ۹؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)	

ا؎ یہاں آنے جانے سے مراد اپنے جائے رہائش سے جانا آنا یعنی سدرۃ المنتہٰی سے جنت میں گئے پھر وہاں ہی لوٹ کر آئے۔حضرت جبرئیل کا جنت میں جانا ثواب کے لیے نہ تھا نہ وہ وہاں پھل وغیرہ کھا سکے کہ وہاں کی نعمتیں انسانوں کے لیے ہیں اس لیے لاھلھا ارشاد ہوا،فرشتے کھانے پینے سے محفوظ ہیں۔

۲؎ یعنی دوزخ میں کوئی نہ جائے گا ساری مخلوق جنت میں داخل ہوجاوے گی کیونکہ یہاں کی نعمتیں راحتیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کو سن کر ان سے صبر نہیں کرسکتا۔

۳؎ یعنی جنت میں بہت اعلیٰ گلشن ہے جگہ بہارا ہے مگر اس کا راستہ خاردار ہے۔حج،روزے،جہاد،زکوۃ،رات کو جاگنا،تہجد پڑھنا یہ اس کے راستے ہیں۔

۴؎ اس دنیا کے عرض یہاں کے اعمال و صفات وہاں اس عالم میں شکل و صورت رکھتے ہیں،حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ تمام چیزیں مشکلتوں کانٹوں کی شکل میں دیکھیں لہذا حدیث واضح ہے۔

۵؎ یعنی کوئی شخص اپنی طاقت سے جنت میں نہ جاسکے گا جس پر تو فضل و کرم فرمائے اور اسے ان مشقتوں کی برداشت کی توفیق دے وہ ہی انہیں برداشت کرکے جنت میں پہنچ سکے گا،حضرت جبرئیل کی عرض بالکل درست ہے جو آنکھوں سے دیکھے جارہے ہیں۔

٦؎ دوزخ میں جانے آنے کے وہ ہی معنی جو ابھی عرض کیے گئے کہ اپنی جگہ سدرۃ المنتہٰی سے گئے وہاں ہی آئے اور وہاں جانا تکلیف کے لیے نہیں سیر کے لیے ہے جیسے کوئی جیل خانہ کی سیر کرنے وہاں جائے تو وہ محض سیر کے لیے گیا ہے وہاں اسے تکلیف نہیں ہوتی۔

۷؎ یعنی مولیٰ یہ جگہ ہمیشہ خالی رہے گی اس میں کوئی نہ آئے گا،ایسی مصیبت کی جگہ کون آئے گا۔
۸؎ گانے،ناچنے،کھیل تماشے،زنا،چوری وغیرہ نفس امارہ کو مرغوب ہیں یہ ہی دوزخ کے راستے ہیں جو نفس کو بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔
۹؎ اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ مولیٰ جسے تو ہی توفیق دے وہ اس راستہ سے بچ سکے گا،اپنی طاقت سے کوئی یہاں سے نہیں بچ سکتا ایک شاعر کہتا ہے۔

لولا اعشقه ساؤا الناس کلهم　　　الجوب یفقه والاقدام قتاَل　　　(مرقات)

اگر مشقت نہ ہوتی تو سب ہی سردار بن جاتے عظمت بہت مشقت سے ملتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے ۱؎ تو اپنے ہاتھ سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا،فرمایا ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھائی تو جنت و دوزخ اس دیوار کی جانب میں اپنی شکل میں دکھائی گئیں ۲؎ میں نے آج کے دن کی طرح خیروشر کا جامع نہیں دیکھا ۳؎(بخاری)

۱؎ نماز سے مراد فرض نماز ہے یعنی پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی اس کے بعد وعظ کے لیے منبر شریف پر تشریف لائے۔
۲؎ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دیوار میں اتنی وسیع جنت و دوزخ سما گئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس دیوار کی طرف ہم نے جنت بھی دیکھی اور دوزخ بھی،جنت دوزخ اپنے مقام پر تھیں،حضور انور کی نگاہ نے دور کی جنت و دوزخ ملاحظہ فرمائیں حالانکہ وہ عالم دوسرا ہے نہ یہ مطلب ہے کہ جنت و دوزخ کے فوٹو دکھائے گئے۔
۳؎ یعنی جنت سراسر خیر ہے اور دوزخ سراسر شر،میں نے ان دونوں کو اسی وقت اور اس کی جگہ جمع دیکھا۔جو نگاہ مدینہ منورہ میں کھڑے کھڑے جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرماسکتی ہیں اس نگاہ سے زمین کا کوئی چپہ کیسے مخفی رہ سکتا ہے،یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت نظر کی دلیل ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت دوزخ پیدا ہوچکی ہیں،حضور انور نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اس لیے یہ حدیث صاحب مشکوۃ اس باب میں لائے۔وہ واقعہ دوسرا ہے جب حضور انور نے نماز کسوف میں جنت دوزخ ملاحظہ فرمائیں اور جنت کا خوشہ توڑنے کے لیے ہاتھ مبارک اٹھایا بعد میں فرمایا کہ اگر یہ ہم چاہتے تو وہاں کا خوشہ توڑ لیتے۔

باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیهم الصلوة و السلام

پیدائش کی ابتداء، حضرات انبیاء کرام کا ذکر ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں دو چیزیں بیان ہوں گی: ایک یہ کہ مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کیسے ہوئی،دوسرے یہ کہ دین و ملت کی ابتداءکس طرح ہوئی۔آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے عالم اجسام کی اصل پانی سے ہے کہ پانی ہی وہ چیز ہے جو ہر شکل اختیار کرلیتا ہے۔چنانچہ پانی لطیف ہوکر ہوا بنا،پھر ہوا گرم ہوکر آگ بنی،آگ کا دھواں جم کر آسمان بنا،قرآن مجید میں آسمان کو دھواں فرمایا گیا ہے،اس پانی کے جھاگ جم کر زمین بنے،اس زمین کا کچھ حصہ سخت کرکے پہاڑ بنادیئے گئے،پھر پہاڑ زمین پر لنگر کی طرح قائم کردیئے گئے تاکہ زمین جنبش نہ کرےلہذا عالم اجسام کی اصل پانی ہے،رب فرماتاہے:"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ"۔دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تھا اس کے ساتھ کچھ نہ تھا،سب سے پہلے لوح و قلم پیدا فرمائے،پھر عرش و کرسی،پھر آسمان و زمین جن و انس وغیرہ۔دوسری حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے نور محمدی بنایا،پھر اس نور سے سارا عالم بنا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں

تو اصل وجود آمدی از نخست ‌ ‌ ‌ ‌ دگرہرچہ موجود شد فرع تست

روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے۱؎فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ناگاہ بنی تمیم کی ایک قوم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی حضور نے فرمایا بشارت قبول کرواے بنی تمیم۲؎وہ بولے آپ نے ہمیں بشارتیں تو دے دیں ہم کو تو کچھ دیجئے۳؎پھر یمن کے کچھ لوگ آئے حضور نے فرمایا جب بنو تمیم بشارت قبول نہیں کرتے تو تم بشارت قبول کرو۴؎وہ بولے ہم قبول کرتے ہیں ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ دینی علم سیکھیں اور آپ سے اس چیز کی ابتداء پوچھیں کہ کیا چیز تھی۵؎فرمایا اللہ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا اس کا عرش پانی پر تھا۶؎پھر اس نے آسمان و زمین پیدا کیے اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی۷؎ پھر میرے پاس ایک شخص آیا بولا اے عمران اپنی اونٹنی پکڑو	

	وہ بھاگ گئی۸ تو میں اسے ڈھونڈنے چلا گیا اور اللہ کی قسم میری تمنا ہے کہ وہ چلی گئی ہوتی اور میں وہاں سے نہ اٹھتا ۹ (بخاری)

۱؎ یہ وہ صحابی ہیں جو تیس سال بیماری سے بستر پر رہے،فرشتوں سے ملاقات کرتے تھے فرشتے انہیں سلام کرتے تھے،آپ کے بقیہ حالات بارہا بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎ یعنی اے بنی تمیم تم مجھ سے عقائد و اعمال سیکھو اور اس پر آئندہ جزاء خیر کی بشارت لو لہذا حدیث واضح ہے۔

۳؎ یعنی عقائد و اعمال کی تعلیم اور اس پر بشارتیں تو آپ سناتے بتاتے ہی رہتے ہیں ہم کو تو مال دیجئے۔افسوس کہ ان لوگوں کو اللہ نے مانگ لینے کا وقت دیا مگر انہوں نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا،نصیب اپنا اپنا تقدیر اپنی اپنی اس وقت دریائے رحمت جوش میں تھا۔

۴؎ یعنی اس وقت سے تم فائدہ اٹھالو ہم سے کچھ حاصل کرلو،اچھے حال کا اچھا مآل(انجام)ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی اللہ تعالٰی نے جب اپنی مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پہلے کیا چیز پیدا فرمائی پھر ترتیب خلق کیا رہی۔سبحان اللہ!کیسا پاکیزہ اور محققانہ سوال ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور اول آخر سب کچھ جانتے ہیں سب کچھ آپ کی نظر میں ہے۔

۶؎ اس پانی سے مراد یہ سمندر کا پانی نہیں بلکہ عرش اعظم کے نیچے قدرتی پانی ہے جو ہوا پر ہے اور ہوا اللہ تعالٰی کی قدرت پر۔اس فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ عرش پانی پر رکھا ہوا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پانی اور عرش کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی جیسے ہم کہیں کہ آسمان زمین پر ہے یعنی زمین کے اوپر ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ عرش اور پانی سب سے پہلے پیدا ہوئے،دریا کے پانی میں جنبش پیدا ہوئی جس سے جھاگ پیدا ہوئے وہ جھاگ عرصہ تک وہاں محفوظ رہے جہاں خانہ کعبہ ہے،اسی جھاگ کو پھیلادیا گیا وہ زمین ہے،سب سے پہلا پہاڑ بوقبیس ہے جو پیدا کیا گیا۔(مرقات و اشعہ)پانی کے بخار سے آسمان بنا۔

۷؎ ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے غالب یہ ہے کہ لوح و قلم اور یہ تحریر عرش سے پہلے ہوئے۔(اشعہ)

۸؎ یعنی سلسلہ کلام جاری تھا کہ مجھ سے کسی نے یہ کہا میں بقیہ کلام سن نہ سکا۔

۹؎ یعنی یہ مضمون ایسا پیارا تھا کہ مجھے اس کے پورا نہ سننے پر افسوس ہے،اونٹنی بھاگ جاتی مجھے نہ ملتی مگر میں پورا فرمان عالی سن لیتا۔

	روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہوئے تو ہم کو ابتداء خلق کے متعلق خبر دی حتی کہ جنتی جنت میں اپنے گھروں میں داخل ہوگئے اور دوزخی اپنے گھروں میں۱ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۲ (بخاری)

۱؎ حضور انور کا یہ وعظ فجر کی نماز سے مغرب کی نماز تک تھا،درمیان میں سواء ظہر کی و عصر کی نماز کے اور کسی کام کے لیے وعظ شریف بند نہ فرمایا اور دن بھر میں ابتداء سے انتہا تک بیان فرمادینا بھی حضور انور کا معجزہ ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام گھوڑے پر زین کستے کستے پوری زبور شریف پڑھ لیتے تھے،بعض روایات میں ہے کہ اس وعظ شریف میں پرندہ کا پر مارنا،قطرہ کا حرکت کرنا،ذرہ کا جنبش فرمانا تک بیان فرمادیا،گزشتہ ماضی کے سارے حالات اور آئندہ مستقبل کا ایک ایک حال بیان کردیا۔یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کلی کی بڑی قوی دلیل اور یہ حدیث ان آیات کی تفسیر ہے"وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ"یارب کا فرمان:"وَیُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ"۔شعر

خدا مطلع ساخت ہر جملہ غیب   علی کل شئی خبر آمدی

۲؎ اللہ تعالٰی نے سارے غیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے حضور کو یاد بھی رہے،فرماتے ہیں **وتجلی لی کل شئی وعرفت** پھر حضور انور نے یہ سب کچھ صحابہ کو بتایا مگر ان میں سے کسی کو سارا یاد نہ رہا۔یہ فرق ہے اس تعلیم میں اور اس تعلیم میں بعض کو زیادہ یاد رہا،بعض کو کم،بعض کو کچھ یاد نہ رہا۔غرضکہ رب نے اپنے محبوب کو سب کچھ سکھایا،حضور نے صحابہ کو سب کچھ وعظ میں بتایا جیسے حضرت آدم کو رب نے سارے نام سکھائے"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا"اور حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو وہ سب نام سکھائے نہیں بلکہ بتائے"فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ"یہ فرق خیال میں رہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے ایک تحریر لکھی ۱؎ کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے ۲؎ تو وہ اس کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی ہے ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ تحریر یا تو لوح محفوظ میں ہے دوسری تحریروں کے ساتھ یا تحریر علیحدہ ہےجورب تعالٰی کے پاس محفوظ ہے،ہر وقت رب کی نظر میں ہے۔خیال رہے کہ اس قسم کی تحریریں تاکید اور اہمیت ظاہر فرمانے اور اپنے خاص بندوں کو دکھانے کے لیے ہوتی ہیں،اس لیے نہیں کہ رب تعالٰی کو اپنے بھول جانے کا خطرہ تھا لہذا لکھ لیا **نعوذ باللہ**۔معلوم ہوا ہے کہ وہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی ہے،دیکھ کر پڑھ کر ہم کو سنارہے ہیں۔شعر

قدرت کی تحریریں جانے امی اور تقدیریں جانے   بخشش کی تدبیریں جانے وہ ہے رحمت والا

جن کا نام ہے محمد دو جگ ہے ان سے اجیالا

۲؎ اس فرمان عالی کے چند معنی ہیں:ایک یہ کہ میری رحمت زیادہ ہے میرا عذاب و غضب کم کہ رحمت ہمیشہ رہتی ہے غضب کبھی کبھی۔دوسرے یہ کہ میری رحمت عام ہےجس سے ہر کافر و مؤمن و جن و انس حصہ لے رہا ہے،میرا غضب خاص کافر انسانوں اور جنات پر۔تیسرے یہ کہ رحمت ملنے کے اسباب بہت ہی ہیں ایمان لانا،توبہ کرنا،عبادت کرنا،رونا،ڈرنا،امید رکھنا،بندوں پر رحم کرنامگر غضب کا سبب صرف ایک ہےیعنی نافرمانی کرنا اگرچہ نافرمانی کی نوعیتیں بہت ہیں۔چوتھے یہ کہ رحمت پہلے ہے غضب اس کے بعد ہے،مخلوق کو پیدا فرمانا،انہیں پالنا،روزی دینا رحمت یہ پہلے ہے،ان کی

نافرمانی پر پکڑنا یہ غضب ہے جو ان رحمتوں کے بعد ہے۔دنیا میں بھی اس کی رحمت زیادہ ہے آخرت میں بھی زیادہ ہوگی۔پانچویں یہ کہ اللہ کی رحمت تو بغیر سبب بھی مل جاتی ہے مگر اس کا غضب کسی سبب سے ہی ہوتا ہے۔ہم پر اس نے عالم ارواح اور ماں کے پیٹ میں رحمتیں کیں،اس وقت ہم کون سے اعمال کررہے تھے۔شعر

درعدم کے بود مارا خود طلب بے طلب کردی عطا ہائے عجب

چھٹے یہ کہ رحمت تو ہمارے بغیر استحقاق کے بھی مل جاتی ہے مگر غضب ہمارے استحقاق سے ہی ہوتا ہے،اب پڑھو یہ آیت کریمہ "عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ"۔ اس کا اثر یہ ہے کہ آپ دائمی رحمت ہیں تو آپ کی نبوت عالمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ساتویں یہ کہ رحمت کی بہت قسمیں ہیں:رحمت ایجاد،رحمت امداد،رحمت توفیق اعمال،رحمت قبول،رحمت جزاء عمل وغیرہ مگر غضب کے اقسام بہت تھوڑے ہیں۔آٹھویں یہ کہ خلف وعید جائز بلکہ واقع ہے مگر خلف وعد ناممکن ہے،اس کی اور دو وجوہ بھی ہوسکتی ہیں۔

۳؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر لوح محفوظ میں نہیں ہے بلکہ خاص تختی پر ہے لوح محفوظ پر فرشتوں،نبیوں،ولیوں کی نظر ہے مگر اس تحریر پر سوا ہمارے حضور کے کسی کی نظر نہیں،یہ تو حضور کا کرم ہے کہ وہ خاص تحریر ہم کو بتادی سنادی،حضور رب کی طرف سے مختار ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا فرشتے نور سے پیدا کیے گئے۱؎ اور جنات خالص آگ سے پیدا کیے گئے۲؎ اور آدم اس سے پیدا کیے گئے جو تم سے بیان کیا گیا۳؎(مسلم)

۱؎ نور کے معنی ہیں روشنی یعنی بذات خود ظاہر دوسروں کا مظہر،یہاں چمک دار جوہر مراد ہے جس میں کثافت بالکل نہ ہو۔(اشعۃ اللمعات) یعنی فرشتے کی پیدائش ایسے جوہر سے ہے جو چمکدار ہے اس میں کثافت بالکل نہیں،ہمارے جسموں کی پیدائش خاک سے ہے جو کثیف ہے اگرچہ اس میں آگ و پانی کی ملاوٹ بھی ہے۔

۲؎ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے "الْجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ" اگرچہ آگ بھی لطیف ہے کثیف نہیں مگر اس میں گرمی بھی ہے،نور میں گرمی نہیں صرف لطافت ہے،نیز آگ نور اور کثافت کے درمیان ہے خالص ہو تو محض چمک ہے،مکدر ہو تو محض دھواں،یہ ہی فرق ہے فرشتے اور جن کے درمیان۔(اشعہ)

۳؎ اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے "مِنۡ صَلۡصٰلٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ" یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو گلی اور سوکھی کھنکھاتی مٹی سے پیدا فرمایا۔جسم انسانی کی پیدائش مٹی سے ہے،روح انسانی کی پیدائش امر ربی سے "قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف خاکی نورانی ہے،رب فرماتا ہے:"سِرَاجًا مُّنِیۡرًا" آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے کھجور،انار اور انگور پیدا کیے گئے جنت کی حوریں زعفران سے پیدا کی گئیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت آدم کی جنت میں صورت بنائی۱؎ تو جب تک چھوڑے رکھنا چاہا انہیں چھوڑے رکھا،ابلیس ان کے آس پاس گردش کرنے لگا دیکھتا تھا کہ یہ کیا چیز ہے تو جب انہیں خالی پیٹ دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ ایسی خلقت سے پیدا کیے گئے جو اپنے قابو میں نہ ہوں گے۲؎ (مسلم)	

۱؎ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے چند درجے ہیں: اولًا ان کا پتلا زمین پر یعنی مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نعمان میں بنایا اور سکھایا گیا پھر وہ سوکھا ہوا پتلا جنت میں رکھا گیا وہاں ہی روح پھونکی گئی وہاں ہی فرشتوں سے سجدہ کرایا گیاوہاں ہی حوا پیدا ہوئیں،پھر وہاں سے زمین پر بھیجا گیا یہاں اس دوسرے ٹھکانہ کا بیان ہےلہذا یہ حدیث ان روایات کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضرت آدم کا پتلا نعمان مقام میں بنایا گیا،بعض نے کہا کہ فی الجنة راوی کی غلطی ہے۔

۲؎ یعنی یہ اپنے پر قابو نہ رکھیں گے خوشی و رنج عیش تکلیف کو برداشت نہ کرسکیں گے شہوت و غصہ میں بے قابو ہوجائیں گے لہذا میں ان کی اولاد کو بہ آسانی بہکا سکوں گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نبی حضرت ابراہیم نے اسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا۱؎ تیشہ سے۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ جب حضرت ابراہیم اسی ۸۰ سال کے ہوئے تب حکم الٰہی پہنچا کہ اے ابراہیم ختنہ کرو،آپ نے اپنا ختنہ خود کرلیا اور ہوا غلط طریقہ سے تو آپ سخت زخمی ہوگئے،اس کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ"۔خیال رہے کہ چند نبی ختنہ شدہ پیدا ہوئے جن میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں،آج جوجوان یا بوڑھا مسلمان ہو وہ یا تو اپنا ختنہ خود کرے یا کسی ختنہ جاننے والی عورت سے نکاح کرے جو اس کی بیوی بننے کے بعد اس کا ختنہ کرے،نائی سے ختنہ نہیں کراسکتاکیونکہ بالغ مرد کا ستر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرانا سنت ابراہیمی ہے آپ ہی سے یہ رسم جاری ہوئی۔

۲؎ **قدوم** ق کے فتحہ دال کے پیش سے،شام میں ایک بستی ہےاور قدوم دال کے شد سے تیشہ(بسولہ)بڑھئیوں کا مشہور ہتھیار ہے۔آپ نے مقام قدوم میں اسی اوزار سے اپنا ختنہ خود کرلیا،رب تعالٰی کے حکم پر فورًا عمل کیا یہ ہے اطاعت حکم۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ کہا سواء تین جھوٹ کے۱؎ان میں سے دو اللہ کی ذات میں تھے کہ میں بیمار ہوں۲؎اور آپ کا فرمان کہ بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا۳؎فرمایا کہ ایک دن آپ اور جناب سارہ ہجرت میں تھے کہ	

آپ ظالمین میں سے ایک ظالم پر گزرے۴ اسے خبر دی گئی کہ یہاں ایک شخص ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے لوگوں میں سے حسین ترین اس نے آپ کو بلوایا اور سارہ کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں آپ نے فرمایا میری بہن ہیں۵ پھر آپ سارہ کے پاس آئے ان سے فرمایا کہ یہ ظالم اگر جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو تو یہ تمہارے متعلق مجھ پر غلبہ کرلے گا۶ اگر وہ تم سے پوچھے تو اسے بتانا کہ تم میری بہن ہو کیونکہ تم میری اسلامی بہن ہو،روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے۷ پھر اس نے سارہ کو بلوایا آپ کو وہاں پہنچایا گیا جناب ابراہیم کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگےجب آپ اس کے پاس گئیں وہ اپنے ہاتھ سے آپ کو پکڑنے لگا۸ وہ خود پکڑا گیا،روایت میں ہے کہ وہ خراٹے لینے لگا حتی کہ اس کے پاؤں رگڑگئے،بولا اللہ سے دعا کردیں تم کو نقصان نہ دوں گا،سارہ نے اللہ سے دعا کی وہ چھوڑ دیا گیا،پھر دوبارہ پکڑنا چاہا اسی طرح پکڑاگیااورزیادہ سخت ۹ بولا میرے لیےاللہ سے دعا کریں تم کو تکلیف نہ دوں گا۱۰ تواللہ سے دعا کی وہ کھول دیا گیا۱۱ پھر اس نے جناب سارہ کودوبارہ پکڑناچاہاتواس طرح اور بہت سخت پکڑا گیا بولا اللہ سے میرے لیے دعا کردیں تم کو تکلیف نہ دوں گا سارہ نے اللہ سے دعا کی وہ کھول دیا گیا۱۲ پھراس نے اپنے بعض دیوڑھی باتوں کو بلایا تم میرے پاس انسان نہیں لائے جناتی لائے ہو۱۳ چنانچہ انہیں بی بی ہاجرہ خادمہ دیں۱۴ آپ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا گزری،بولیں اللہ نے کافر کا مکر اس کے گلے میں لوٹا دیا اور ہاجرہ خادمہ عطا فرمائی۱۵ ابوہریرہ نے فرمایا کہ آسمان کے پانی کے بچو یہ تمہاری ماں ہیں۱۶ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں جھوٹ سے مراد توریہ ہے یعنی ذو معنی والا لفظ بول کر بعید معنی مراد لینا ہے،ضرورت کے وقت توریہ بالکل جائز ہے۔خیال رہے کہ آپ کا چوتھا قول ھذاربی بچپن شریف کا تھا،یہ تین توریہ نبوت کی عطا کے بعد ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۲؎ اس فرمان عالی کی تفسیر حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو،یہاں اتنا سمجھ لو کہ آپ کی قوم نے آپ کو اپنے میلے میں چلنے کے لیے کہا تو آپ نے کہا میں بیمار ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاسکتا ہوں،مطلب یہ تھا کہ میرا دل بیمار ہے،اسے تمہاری طرف سے رنج و غصہ ہے مگر چونکہ آپ کا جسم شریف بظاہر بیمار نہ تھا اور **سقیم** کے ظاہری معنی ہیں جسمانی بیماری اس لیے اسے کذب یعنی توریہ فرمایا گیا آپ تو **صدیقًا نبیًا** ہیں،اس فرمان عالی کے اور بہت مطلب ہوسکتے ہیں یہ قوی ہے۔شعر

اگر ترابہ تماشا وعید خود طلبند — خلیل در جوابے بگو کہ بیمارم

۳؎ اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ کفار تو اپنے میلے میں گئے آپ نے بتخانہ میں تشریف لے جاکر سارے بت توڑ دیئے،ان میں ایک بت بڑا تھا باقی چھوٹے تھے،کفار نے واپس آکر اپنے بتوں کی یہ حالت دیکھ کر آپ سے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا،آپ نے فرمایا ان سب سے بڑے نے کیا۔یہ کلام شریف ظاہر کے خلاف ہے کہ بتوں کو توڑا آپ نے اس توڑنے کو نسبت کردیا بڑے بت کی طرف اس لیے اسے کذب یعنی توریہ فرمایا۔اس فرمان عالی کے بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں،قوی ترین دو مطلب ہیں:ایک یہ کہ کفار ان بتوں کو اپنا چھوٹا خدا کہتے تھے اللہ تعالٰی کو بڑا خدا،آپ نے فرمایا کہ یہ کام اللہ تعالٰی نے کیا ہے کیونکہ محبوب خلیل کا کام رب کا کام ہے"**وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى**"وہ سمجھے کہ بڑے سے مراد یہ بڑا بت ہے۔دوسرے یہ کہ یہ جملہ خبر نہیں بلکہ انشاء ہے یعنی اس بڑے نے کیا ہوگا ان چھوٹوں سے پوچھ لو،یہ ہوا استہزاء اور استہزاء خبر نہیں پھر جھوٹ کیسا،رب جہنمی کافر سے فرمائے گا"**ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ**"حالانکہ کافر نہ کریم ہے نہ عزیز،چونکہ ان دونوں کلاموں کا تعلق خاص رب تعالٰی سے ہے جس میں آپ کا اپنا نفع کوئی نہیں اس لیے فرمایا کہ یہ دونوں کلام اللہ تعالٰی کے متعلق تھے۔

۴؎ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت خلیل اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ عراق سے شام کی طرف براستہ مصر ہجرت کرکے جارہے تھے کہ مصر سے گزرے،وہاں کا قبطی بادشاہ صادق ابن صادون بڑا ظالم تھا،جس مسافر کی بیوی خوبصورت دیکھتا اسے طلاق دلوا کر خود قبضہ کرلیتا تھا وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔

۵؎ اس ظالم نے پہلے تو آپ کو بلایا تاکہ آپ سے طلاق حاصل کرکے حضرت سارہ پر قبضہ کرے،آپ نے فرمایا کہ یہ بی بی صاحبہ میری بہن ہیں،وہ بے دین بھائی سے بہن کو نہیں چھینتا تھا بلکہ خاوند سے بیوی کو طلاق دلواتا تھا اگر طلاق نہ دیتا تو اسے قتل کردیتا تھا،آپ بہ تعلیم الٰہی اس کا یہ اصول جانتے تھے۔

۶؎ اس طرح کہ مجھ سے تمہیں بذریعہ طلاق لے لے گا یا مجھے قتل کرا دے گا۔مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام بڑے حسین تھے اور عورتوں میں حضرت سارہ بڑی حسینہ تھیں بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت سارہ کی میراث تھا۔حضرت سارہ ہاران کی بیٹی تھیں،ہاران اور آذر دونوں آپ کے چچا تھے،والد تارخ تھے جو مؤمن تھے۔

۷؎ یعنی اس زمین مصر میں میرے تمہارے سواء کوئی مؤمن نہیں اس وقت حضرت لوط آپ کے ساتھ نہ تھے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔(اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ ضرورۃً اپنی بیوی کو بہن کہنا جائز ہے اس سے ظہار نہیں ہوجاتا جیسے حضرت ابوبکر صدیق نے حضور انور سے عرض کیا تھا کہ حضور میں تو حضور کا بھائی ہوں کیا میری بیٹی عائشہ سے آپ کا نکاح درست

ہوگا،ویسے کوئی اپنے کو حضور کا بھائی نہیں کہہ سکتا"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ"یہ بھی کہنا مسئلہ پوچھنے کی ضرورت سے تھا بلاضرورت زوجین ایک دوسرے کو بھائی بہن ہرگز نہ کہیں۔

۸؎آج اس مردود نے اپنے اصول و قواعد کے بھی خلاف کیا کہ باوجودیکہ آپ نے انہیں اپنی بہن کہااس نے پھر بھی پکڑوا کر بلالیا اور آپ کی طرف دست درازی کرنے لگا۔

۹؎اس کی یہ پکڑ اور چھوٹ حضرت سارہ کی کرامت بھی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ بھی۔وہ اپنی حرکت پر پکڑا جاتا تھا جناب سارہ کی دعا پر چھوٹ جاتا تھا،آپ چھوٹنے کی دعا اس لیے کردیتی تھیں کہ اگر وہ مرگیا یا ایسا ہی رہا تو اس کی قوم مجھے تکلیف دے گی۔

۱۰؎اس کی اس بات سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کافر تھا مگر وہابی نہ تھا وسیلہ اولیاء کا قائل تھا،اس نے خود رب سے دعا نہ کی بلکہ حضرت سارہ سے دعائیں کراتا رہا،وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالٰی ان کی سنے گا میری نہ سنے گا ہر وقت اس کا ہاتھ سوکھ جاتا تھا اور اسے مرگی کا سا مرض لاحق ہوجاتا تھا جس سے وہ زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑنے لگتا تھا۔

۱۱؎ اللہ تعالٰی نے اس ظالم کو پکڑا تو اس کے جرم سے مگر چھوڑا حضرت سارہ کی دعا سے جس سے پتہ لگا کہ مجرم اکثر پکڑے جاتے ہیں اپنی حرکتوں سے مگر خلاصی پاتے ہیں بزرگوں کے فیض سے۔آپ کی یہ دعا فورًا ہی قبول ہوئی کہ دعا کی اوروہ چھوڑا گیا۔

۱۲؎مردود بڑا ڈھیٹ تھا کہ بار بار پکڑا جاتا تھامگرجب چھوٹتا تھابراارادہ کرتا تھاکیونکہ وہ عادی مجرم تھا۔

۱۳؎وہ لوگ جنات سے بہت ہی ڈرتے تھے،ہر خطرناک انسان کو جن کہہ دیتے تھےاسی وجہ سے اس نے آپ کو جن کہا یعنی خطرناک انسان جس پر میں قابو نہ پاسکا جیسے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہہ کر آپ سے دعا کراتا تھا"یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ"ساحر بمعنی بڑے کرشمے والا انسان۔شیطان سے مراد طاقتور جن ہے نہ کہ ابلیس کہ وہ ابلیس سے خبردار تھا ہی نہیں۔

۱۴؎ اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت ہاجرہ کے ساتھ بھی یہ ہی واقعہ اس کا ہوچکا تھا کہ آپ کو ظلمًا پکڑلیاتھا مگر آپ پر قابو نہ پاسکا مگر انہیں اپنے گھر میں رکھا آپ اس کے ہاں مظلومہ قیدی تھیں وہ بولا کہ چونکہ سارہ بھی اس طرح کی ہیں لہذا ہاجرہ سارہ کو دیدوانہیں بھی میرے گھر سے نکالو آپ لونڈی نہ تھیں کیونکہ لونڈی غلام وہ ہوتا ہے جو کفرو اسلام کی جنگ میں کافر مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور مسلمان اسے غلام بنالیں۔اس زمانہ میں نہ کفرو اسلام کی جنگ ہوئی تھی نہ آپ کسی مسلمان کے ہاں گرفتار ہو کر لونڈی بنائی گئی تھیں،آپ شہزادی تھیں اس کے ہاں مظلومہ قیدی تھیں،آپ کی عصمت اللہ تعالٰی نے محفوظ رکھی تھی سارہ کی طرح کیونکہ سارہ حضرت اسحاق کی ماں بننے والی تھیں اور ہاجرہ حضرت اسمٰعیل کی والدہ حضور محمد رسول اللہ کی دادی بننے والی تھیں،اللہ ان کی عصمت کا والی تھا،جب نبی کی بیوی بننے والی عورت کو خواب میں احتلام نہیں ہوسکتا تو نبی کی ماں بننے والی بی بی پر کون قابو پاسکتا ہے۔

۱۵؎ اخدم کے معنی ہیں خادمہ بناکردیا نہ کہ لونڈی بنا کرکیونکہ آپ مؤمنہ آزاد تھیں آزاد مؤمن کو کوئی بھی غلام نہیں بنا سکتا،اگر کافر قید کرکے غلام بنا بھی لے تو وہ چھوٹتے ہی آزاد ہوگا۔مرقات نے فرمایا کہ آپ کا نام ہاجرہ اس لیے ہوا کہ آپ

بھی شام سے ہجرت کرکے آئی تھیں۔ہاجرہ بمعنی مہاجرہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو سال کی تھی،آپ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے،انہیں سے عرب آباد ہوئے،انہیں کی اولاد سے آفتاب ہاشمی حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم چمکے سورج والے آسمان پر کوئی تارہ نہیں،حضرت اسماعیل کی نسل میں سواء حضور کے کوئی نبی نہیں،سارے تارے حضرت سارہ کی اولاد میں چمکے کیسی مبارک نسل ہے۔

۶؎ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یا تو مکہ والوں کو یا اولاد اسماعیل علیہ السلام کو یا سارے عرب کو بنی ماء السماء فرمایا کہ اس لیے کہ یہ لوگ بارش کے پانی کی طرح طیب و طاہر تھے کہ حضور کے ہم وطن تھے یا اس لیے کہ ان کا گزارہ زمزم پانی پر تھا زمزم آسمان سے ہی آیا یا اس لیے کہ انصار عامر ابن حارثہ ازدی کی اولاد سے تھے اور عامر کو لوگ ماء السماء کہتے تھے یعنی اسماعیلیو یا اے اہل عرب تمہاری دادی صاحبہ جناب ہاجرہ ہیں رضی اللہ عنہا۔(اشعہ مرقات،لمعات)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ ہم حضرت ابراہیم سے زیادہ حق دار ہیں شک کرنے کے جب کہ انہوں نے عرض کیا یارب مجھے دکھادے کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا ۱؎ اور اللہ لوط پر رحم کرے وہ تو بڑے مضبوط پائے کی طرف پناہ لیے ہوئے ۲؎ اور اگر میں اتنی دراز مدت ٹھہرتا جتنا یوسف علیہ السلام ٹھہرے تو بلانے والے کی بات قبول کر لیتا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے جو عرض کیا تھا"اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی"یہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کرنے کے لیے تھا نہ اس لیے کہ آپ کو قیامت میں مردے زندہ کرنے میں شک تھا اگر انہیں شک ہوتا تو ہم کو ضرور شک ہوتا کہ ہم ان کی اولاد میں ہیں الولد سر لابیہ۔ہم کو تو شک ہے ہی نہیں تو انہیں شک کیسے ہوسکتا ہے میری امت معصوم نہیں اور حضرت ابراہیم معصوم ہیں۔

۲؎ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی غیبت یا ان پر طعن نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہیں نبی اور انہوں نے اپنی پشت پناہ قوی ہونے کی آرزو کی تو معلوم ہوا کہ یہ عمل اور یہ آرزو کرنا جائز ہے کہ انسان مصیبت کے موقعہ پر اپنے عزیزوں قرابت داروں کی پناہ لے۔(مرقات)اگرچہ مضبوط پشت پناہ سب کا رب تعالٰی ہے نبی کا عمل جواز کی دلیل ہے،جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آپ کے ہاں مہمان ہوئے اور بدکار قوم نے آپ کا گھر گھیر لیا تو آپ نے فرمایا"لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ"کاش کہ مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط طاقتور میرا پشت پناہ ہوتا تو میں تمہارا مقابلہ کرتا یا کرواتا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان کی پناہ رب تھا پھر بھی آپ نے یہ فرمایا۔معلوم ہوا کہ مخلوق کا سہارا لینا جائز ہے سنت نبی ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے کہا تھا"اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ"اپنے بادشاہ سے میری مظلومیت کی داستان کہہ دینا۔معلوم ہوا کہ کافر حاکم سے داد خواہی جائز

ہے سنت یوسف علیہ السلام ہے اگرچہ اللہ کے فضل سے آپ اس کافر بادشاہ کے احسان مند ہو کر جیل سے نہ نکلے بلکہ اس پر احسان کرکے نکلے رب نے آپ کی شان بالا رکھی۔بعض شارحین نے رکن شدید سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہی لی ہے یعنی ان کی قوم طاقتور تھی اور آپ کو ان کی حمایت حاصل تھی،دیکھو شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم سے قوت دی کہ کفار نے کہا"لَوۡ لَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ"حضور کو جناب ابو طالب سے قوت دی کہ فرمایا:" اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى"۔(مرقات)

۳؎ یعنی یوسف علیہ السلام نو سال یا بارہ سال جیل میں رہے مگر شاہ مصر کا قاصد آپ کو بادشاہ کی طرف سے بلانے آیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میری پاکدامنی کی تحقیق کرلو پھر میں جیل سے باہر نکلوں گا،یہ آپ کا انتہائی صبر ہے،اگر ان کی جگہ جیل میں ہم اتنا رہتے تو ضرور پہلی ہی دعوت پر ہم جیل سے باہر آتے یہ حضور انور کی انتہائی تواضع ہے ورنہ حضور انور کا صبر یوسف علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ آپ کو پہلی دعوت پر ہی جیل سے باہر نکل آنا چاہیے تھا تاکہ تبلیغ نبوت جلد شروع ہوجاتی اگر ہم وہاں ہوتے تو پہلی دعوت پر باہر آکر تبلیغ شروع فرمادیتے۔(مرقات)مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ موسیٰ علیہ السلام بہت شرمیلے پردہ دار تھے ۱؎ ان کی ظاہری کھال کا کوئی حصہ دیکھا نہ جاتا تھا شرم کی وجہ سے تو انہیں بنی اسرائیل میں سے جس نے ایذاء پہنچائی اس نے پہنچائی بولے اس قدر پردہ کسی کھال کے عیب کی وجہ سے ہی ہے یا برص ہے یا خصیوں کا ورم ۲؎ اللہ نے چاہا کہ ان کو بری کرے ۳؎ تو ایک دن وہ اکیلے تنہائی میں گئے تاکہ غسل کریں اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیئے پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ اٹھا ۴؎ موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے دوڑے اے پتھر میرے کپڑے،اے پتھر میرے کپڑے ۵؎ حتی کہ اسرائیلیوں کی ایک جماعت تک پہنچ گئے انہوں نے آپ کو برہنہ دیکھا ۶؎ کہ آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں،وہ بولے اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام میں کوئی خرابی نہیں ۷؎ اپنے کپڑے لیے اور پتھر کو مارنے لگے،رب کی قسم آپ کے مارنے سے پتھر میں تین چار یا پانچ نشانات ہیں ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ بنی اسرائیل سب کے سامنے ننگے نہایا کرتے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام غسل خانہ میں پردہ سے نہاتے تھے،اس حیاء پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو خفیہ بیماری کی تہمت لگادی۔معلوم ہوا کہ پردہ اور شرم سنت انبیاء ہے بے شرمی بے حیائی طریقہ کفار ہے،اس سے موجودہ فیشن پرست سبق لیں۔

۲؎ یعنی آپ اپنے اس عیب کو چھپانے کے لیے چھپ کر نہاتے ہیں اگر بے عیب ہیں تو ہماری طرح سب کے سامنے ننگے کیوں نہیں نہاتے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اس قسم کی بیماریوں اور نفرت آور مرضوں سے محفوظ رہتے ہیں اور اللہ تعالٰی ان کی عزت کا محافظ ہوتا ہے۔

۴؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔آج لوہے سلور کے انجن مشین کی وجہ سے دوڑتے ہیں بلکہ پوری ریل کو دوڑاتے ہیں اگر بہ حکم الٰہی پتھر میں حرکت پیدا ہوجائے تو کیا بعید ہے،جب بھاپ لوہے کو دوڑا سکتی ہے تو حکم الٰہی بھی پتھر کو دوڑا سکتا ہے،آپ کی لاٹھی سانپ بن کر دوڑتی کھاتی پیتی تھی۔خیال رہے کہ ضرورۃً غسل خانہ میں ننگے ہوکر نہانا جائز ہے آپ کے پاس اس وقت کوئی تہبند وغیرہ ہوگا نہیں آپ کے اس عمل شریف میں رب تعالٰی کی وہ حکمت تھی جس کا ذکر آگے آرہا ہے،پیغمبر کا ہر فعل رب کی طرف سے ہوتا ہے۔

۵؎ درخت پتھر وغیرہ لوگوں کی خصوصًا انبیاء کرام کی باتیں سنتے سمجھتے ہیں لہذا آپ کا اسے پکارنا بالکل درست تھا،رب تعالٰی آسمان و زمین کو بالکل پہاڑوں کو پکارتا ہے"یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ"حضرت خلیل نے ذبح شدہ جانوروں کو پکارا لہذا اس پکار پر کوئی اعتراض نہیں۔

۶؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی اپنے نبی پیغمبر سے لوگوں کے طعن دفع فرماتا ہے،حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن سے داغ غلامی دفع کرنے کے لیے سات سال کی قحط سالی بھیجی،تمام قحط زدہ لوگ اپنا سب کچھ آپ کے ہاتھ فروخت کرکے خود آپ کے ہاتھ فروخت ہوگئے غلہ کی عوض اور آپ کے غلام بن گئے اسی طرح رب نے اپنے کلیم کے دامن سےلوگوں کے اس الزام کا دھبہ دھویا،اس وقت ننگا سامنے آنا عرف میں کوئی عیب نہ تھا دینی ضرورت کی وجہ سے شرعًا بھی ممنوع نہ رہا۔آج ضرورۃً ڈاکٹر حکیم کے سامنے ننگے ہونا پڑتا ہے،بعض دفعہ ننگا کرکے تلاشی لی جاتی ہے،جب حفاظت جان کے لیے ننگا ہونا جائز ہے تو وہاں لوگوں کی حفاظت ایمان کے لیے آپ کو ننگا دکھادینا بھی جائز تھالہذا حدیث شریف پر کوئی اعتراض نہیں کہ رب نے نبی کو برہنہ کیوں دکھایا۔

۷؎ معلوم ہوا کہ نبی ایسی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں،اسی طرح گھنونی گندی بیماریاں انہیں نہیں ہوتیں،نامردی گونگا بہرا پن برص جذام نبی کو نہیں ہوسکتے۔

۸؎ آپ کا پتھر کو مارنا جوش میں واقع ہوا جیسے آپ نے اپنی قوم کی بچھڑا پرستی دیکھ کر توریت کی تختیاں گرادیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پتھر کو مارنا عقلمند آدمی کا کام نہیں،عقل اور جوش اور محبت میں بڑا فرق ہے۔

لوگ عشق کے جوش میں محبوب کا لباس چومتے ہیں۔اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پتھر حضور انور کے زمانہ میں موجود تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تھا۔ندب کے معنی ہیں زخم کا اثر،یہاں مراد ہے پتھر میں گڑھے جولاٹھی سے پڑے پھر اسی پتھر سے مقام تیہ میں پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے جسے بنی اسرائیل تیس چالیس سال پیتے رہے۔خیال رہے کہ پتھر کا بھاگنا اور آپ کی مار سے اس میں اثر ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جب کہ ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کررہے تھے

	۱؎ کہ آپ پر سونے کی ٹڈیاں گریں۲؎ آپ اپنے کپڑے میں انہیں سمیٹنے لگے۳؎ انہیں ان کے رب نے ندا فرمائی کہ اے ایوب کیا میں نے تم کو تمہیں اس دیکھی چیز سے بے نیاز نہیں کردیا ہے۴؎ عرض کیا ہاں تیری عزت کی قسم لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں۵؎ (بخاری)

۱؎ یہ واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض سے شفا پاجانے کے بعد کا ہے،غسل خانہ میں تنہائی کی حالت میں ننگا نہانا جائز ہے اگر وہاں بھی تہبند سے نہایا جائے افضل ہے۔

۲؎ جراد اسم جنس ہے مراد بہت ٹڈیاں ہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے۔یہ بارش قدرتی تھی رب تعالٰی کے فضل و کرم سے آج بعض دفعہ بارش کے ساتھ بیر بہوٹی برستی ہے لہذا جانوروں کا برسنا ناممکن نہیں۔

۳؎ یعنی آپ اسی طرح برہنہ بدن غسل خانہ سے نکل کر اپنے تہبند شریف میں یہ ٹڈیاں جمع فرمانے لگے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ آسمان سے برسی ہوئی چیز جنگل کی خود رو جڑی بوٹیاں وہاں کے شکار کے جانور کسی کی ملکیت نہیں جس کا جی چاہے لے لے حتی کہ اگر قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہ چیز ہم کو دی گئی ہے اسے بھی لے لینا جائز ہے جیسے برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے سامان میں واپس کی ہوئی رقم دیکھ کر بولے"هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا"۔دوسرے یہ کہ جائز مال کی حرص بری نہیں بلکہ اچھی ہے جب کہ حلال ذریعہ سے حاصل ہواور غفلت پیدا نہ کرے،دیکھو مرقات یہ ہی مقام۔

۴؎ آپ کی بیماری کے بعد رب تعالٰی نے آپ کی بیوی صاحبہ رحمت کو جوانی،صحت بخشی،اولاد بہت عطا کی مال اندازے سے بھی زیادہ عطا فرمایا اس فرمان عالی میں اس طرف اشارہ ہے۔

۵؎ سبحان اللہ!کیسا پیارا جواب ہے یعنی میں بہت مالدار ہوکر بھی تیری عطا سے بے نیاز نہیں،تیری عطا بھاگ کر دوڑ کر قبول کروں گا،اس میں رب کی نعمت کی قدر دانی اور اس کا شکریہ ہے۔غرضکہ حرص نفسانی اور چیز ہے یہ حرص کچھ اور چیز ہے،یہ حرص نفسانی نہ تھی،ہمیشہ اپنے کو رب کا محتاج جانو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی آپس میں جھگڑ پڑے مسلمان بولا اس کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان پر چن لیاتو یہودی بولا اس کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر چن لیا۱؎ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دیا یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا اور مسلمان کا جو واقعہ ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو بلایا اور اس

کے متعلق اس سے پوچھا اور اس نے حضور کو یہ خبر دی۳؎ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۴؎ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا۵؎ تو سب سے پہلے ہوش میں آنے والا میں ہوں گا،اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے۶؎ میں نہیں جانتا کہ کیا وہ بے ہوش ہونے والوں میں تھے مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان میں سے ہیں جنہیں اللہ نے مستثنیٰ فرمایا۷؎ اور ایک روایت میں ہے میں نہیں جانتا کہ کیا طور کی بے ہوشی حساب میں لگائی گئی۸؎ یا وہ مجھ سے پہلے اٹھائے گئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس ابن متی علیہ السلام سے افضل ہے۹؎ اور حضرت ابوسعید کی روایت میں فرمایا انبیاءکرام میں بزرگی نہ دو(مسلم،بخاری)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی کے نبیوں میں بزرگی نہ دو۱۰؎	

۱؎ موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے مگر چونکہ یہودی نے یہ قید نہ لگائی بلکہ مطلقًا عالمین کہا اس لیے مسلمان نے اسے مارا۔

۲؎ اس نے کہا مجھ پر فلاں مسلمان نے ظلم کیا کہ بلاقصور مارا غالبًا قصاص مانگتا ہوگا حالانکہ قصور یہودی کا تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی اس لیے حضور انور نے اس کا قصاص نہ دلوایا یہ ضرور خیال رہے۔آج بعض مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ ہندوؤں کو قتل کر ڈالتے ہیں،مسلمان اپنے محبوب کی بے ادبی برداشت نہیں کرتا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ مدعیٰ علیہ کا بیان لے کر فیصلہ کیا جاوے مگر یہ حکم عام فیصلوں کے لیے ہے فتویٰ صرف بیان پر ہوتا ہے،بعض صورتوں میں یہ فیصلہ یک طرفہ بیان پر دیا جاتا ہے جیسے قضا علی الغائب حضور انور نے صرف بی بی ہندہ کا بیان سن کر ابوسفیان کے متعلق فتویٰ دے دیا کہ بقدر ضرورت ان کا مال ان سے بغیر پوچھے خرچ کرلیا کرو،حضرت داؤد علیہ السلام نے دو حاضرین میں سے ایک کا بیان لے کر فرمایا کہ ننانوے دنبیوں والا تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری ایک ایک دنبی بھی لینا چاہتا ہے۔خیال رہے کہ حضور انور نے مسلمان سے اس یہود کو نہ قصاص دلوایا نہ معافی مانگوائی کیونکہ قصور یہودی کا تھا کہ اس نے حضور انور کی توہین کی وہ بھی مسلمان کے سامنے یہ بات خیال رہے۔

۴؎ یعنی مجھے دوسرے نبیوں پر ایسی بزرگی نہ دو جس سے دوسرے نبی کی توہین ہوجاوے یا جس سے لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے یا نفس نبوت میں ترجیح نہ دو کہ کسی کو اصلی نبی مانو کسی کو ظلی،بروزی عارضی نبی لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے کہ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"اور نہ اس حدیث کے خلاف کہ انا سید ولد آدم۔اپنی

طرف سے گھڑ کر مسائل بیان نہ کرو،جو افضیلت قرآن یا حدیث سے ثابت ہو وہ بیان کرولہٰذا حدیث واضح ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الاولین والا آخرین ہیں۔

۵؎ قوی تر یہ ہے کہ یہ نفخ صور وہ نہیں ہے جس سے لوگ زندہ کیے جائیں گے اس وقت تو سب سے پہلے حضور انور ہی زندہ ہوں گے،فرماتے ہیں انا اول من تنشق عنه الارض بلکہ یہ صور کا پہلا نفخہ ہے جس سے زندہ لوگ مرجائیں گے اور وفات یافتہ لوگ بے ہوش ہوجائیں گے بعد میں ہوش میں آئیں گے،یا سب کے زندہ ہوچکنے کے بعد صور تیسری بار پھونکا جاوے گاجس سے سب لوگ بے ہوش ہوجائیں گے یہاں وہ واقعہ بیان ہورہا ہے۔(اشعۃ اللمعات)رب فرماتا ہے:"وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ"۔

۶؎ یعنی موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے کھڑے ہوئے عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے۔خیال رہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم پر جزوی فضیلت ہے جو کلی فضیلت کے خلاف نہیں جیسے حضرت آدم کا مسجود ملائکہ اور ابوالبشر ہونا یا عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر والد پیدا ہونا کلیۃً حضور انور ہی تمام انبیاء علیہم السلام افضل ہیں۔

۷؎ یعنی اس نفخہ میں سب لوگ بے ہوش نہ ہوں گے بعض مستثنیٰ بھی رہیں گے،جسے رب نے فرمایا" اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ"واللہ اعلم! وہ ان مستثنیٰ لوگوں میں سے ہیں یا مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے۔

۸؎ یعنی موسیٰ علیہ السلام طور پر تجلی الٰہی دیکھ کر بے ہوش ہوچکے ہیں"فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا"۔غالبًا وہ بے ہوشی حساب میں لگائی گئی،آج بے ہوشی سے محفوظ رہے۔خیال رہے کہ لاادری میں علم عطا الٰہی کی نفی نہیں بلکہ علم بالدلائل کی نفی ہے۔درایت عقلی علم کو کہتے ہیں،اور یہاں اس کا مقصد ہے،عدم اعلام(نہ بتانا)جیسے"مَاۤ اَدْرِیۡ مَا یُفْعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمْ"میں نہیں جانتا کہ قیامت میں تمہارے ساتھ کیا ہوگا اور میرے ساتھ کیا ہوگا وہاں بھی درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں۔

۹؎ متی یونس علیہ السلام کی والدہ کا نام شریف ہے،بعض نے فرمایا کہ آپ کے والد کا نام ہے۔حضرت یونس علیہ السلام نبی ہیں مگر اولو العزم نبی،رب فرماتاہے:"وَ لَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ"اس لیے خصوصیت سے حضور انور نے ان کا نام شریف لیا۔یہاں بزرگی نہ دینے کے وہ ہی معانی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے یعنی اصلی نبوت میں فضیلت دینا کہ یہ کفر ہے"لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ"یا اپنی طرف سے گھڑ کر فضیلت دینا کہ یہ حرام ہے یا اس طرح فضیلت دینا کہ دوسرے نبی کی توہین ہوجاوے۔کسی شخص نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سامنے یہ شعر پڑھا۔ع

شان یوسف جو دبی وہ بھی یہاں آکے دبی

آپ نے فرمایا یہ کفر ہے اس طرح کہو شان یوسف جو بڑھی وہ بھی اس در سے بڑھی۔سبحان اللہ! کیسی پیاری اصلاح ہے۔

۱۰؎اس کے مطلب بھی وہ ہی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے کہ کسی نبی کی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے نبی کی توہین ہو یہ سخت جرم ہے جس کی مثال اس شعر میں ہے۔

چہارم چرخ ہی پر رہ گئی بس حضرت عیسیٰ مگر عرش بریں پر جا کے محبوب خدا ٹھہرے

یہ حرام ہے کہ بس رہ گئے کہنا نبی کی توہین ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بندے کو لائق نہیں کہ کہے کہ میں یونس ابن متی سے افضل ہوں۱؎(مسلم،بخاری)اور بخاری کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے افضل ہوں وہ جھوٹ بولا۲؎

۱؎ یعنی کوئی اپنے کو حضرت یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہے کیونکہ کوئی ولی خواہ کسی درجے کا ہو نبی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا،نبی کی شان تو بڑی ہے۔تمام جہان کے اولیاء مل کر صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچتے اور اگر "میں" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس کے مطلب وہ ہی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے۔

۲؎کیونکہ یونس علیہ السلام نبی ہیں اور تو نبی نہیں پھر اپنے کو ان سے افضل کیسے کہتا ہے،اس سے وہابی عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ کبھی امتی بظاہر نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا۱؎وہ کافر پیدا ہوا تھا اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر سے سرکش کردیتا۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ خضرخ کے فتحہ ض کے کسرہ سے بمعنی ہرے بھرے،آپ کا نام عباس یا بلیا ابن ملکان ہے،آپ نوح علیہ السلام کے ساتویں پشت میں ہیں،ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے،آپ کا مقام سمندر ہے،الیاس علیہ السلام کا مقام خشکی قیامت تک زندہ رہیں گے،بزرگوں سے ملاقات کرتے ہیں،حضور غوث پاک نے آپ سے فرمایا تھا کہ اے اسرائیلی ولی محمد ولی کی بات سنتے جایئے،آپ نبی ہیں ہر سال حج کے موقعہ پر آپ اور الیاس علیہ السلام جمع ہوتے ہیں،ایک دوسرے کی حجامت کرتے ہیں اور یہ کلام کرتے ہیں **بسم اللہ ماشاء اللہ لایسوق الخیر الا اللہ ،بسم اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ،بسم اللہ ماشاء اللہ ما من نعمۃ فمن اللہ،بسم اللہ ماشاء اللہ لاحول و لاقوۃ الا باللہ**۔جو کوئی رات کو سوتے وقت وضو کرکے داہنی کروٹ پر لیٹے اور یہ کلمات پڑھ کر سوئے ان شاءاللہ ولی ہوجائے۔(اشعہ و مرقات)

۲؎یعنی اس بچہ کی فطرت یہ تھی کہ یہ کفر اختیار کرتا اور کافر گر بنتا لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،اس کی ماں باپ مؤمن تھے وہ اس کی محبت میں خود بھی کافر بن جاتے اس لیے خضر علیہ السلام نے اسے قتل کردیا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں کیونکہ ولی اپنے الہام سے بے گناہ بچے کو

قتل نہیں کر سکتا نبی کر سکتا ہے۔دوسرے یہ کہ نبی بہ اعلام الٰہی لوگوں کی سعادت شقاوت کفر و ایمان سے خبردار ہوتے ہیں،یہ علوم خمسہ سے ہے۔خیال رہے کہ ولی اپنے الہام کی بنا پر کسی کی مدد کرسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی فرمایا خضر اس لیے نام رکھا گیا کہ آپ سفیدہ زمین پر بیٹھے ۱؎ تو اچانک وہ آپ کے پیچھے سے سبزہ سے حرکت کررہی ہے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ فروہ سفیدہ خشک زمین کو بھی کہتے ہیں اور خشک گھاس کے گٹھے کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں بلکہ خشک چمڑہ کو بھی فروہ کہا جاتا ہے۔یعنی آپ کا نام شریف خضر نہیں،نام پاک تو بلیا یا عباس ہے،لقب خضر ہے بمعنی سبزہ بخش یا زندگی بخشنے والے،خضر صفت مشبہ ہے خضرۃ سے بمعنی سبزی۔

۲؎ یعنی وہ زمین یا خشک گھاس صرف آپ کے نیچے ہی سے سبز نہ ہوئی بلکہ پیچھے سے بھی سبز ہوگئی،پیچھے سے مراد اردگرد چوطرفہ ہے یعنی آپ کا معجزہ یہ ہوا کہ آپ کی برکت جہاں آپ بیٹھے وہ میدان سرسبز ہوگیا یا کھاری زمین سبزہ سے بھر گئی۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کا فیض صرف انسانوں کو ہی نہیں پہنچتا بلکہ زمین کو پہنچ جاتا ہے کہ زمین سرسبز اور تبرک بن جاتی ہے،دیکھو حضرت مریم علیہا السلام کے ہاتھ شریف لگنے سے کھجور کا خشک ڈنڈ سرسبز ہو کر پھلوں سے لد گیا اور فورًا پھل پختہ بھی ہوگئے،رب فرماتا ہے:"وَ هُزِّیۡۤ اِلَیۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَیۡكِ رُطَبًا جَنِیًّا"جب بزرگوں کے ہاتھ کی برکت سے خشک زمین سبز اور خشک درخت پھل دار ہوسکتے ہیں تو ان کی نگاہ کی برکت سے ہمارے خشک و غافل دل بھی ہرے بھرے اور زندہ ہوسکتے ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ حضرت ملک الموت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کے پاس آئے ان سے کہا کہ اپنے رب کا بلاوا قبول کیجئے ۱؎ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ مار دیا ۲؎ اسے نابینا کردیا ۳؎ فرماتے ہیں کہ پھر وہ فرشتہ رب تعالٰی کی طرف واپس ہوا ۴؎ عرض کیا کہ تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا ۵؎ اور اس نے میری آنکھ بے کار کردی،فرماتے ہیں اللہ نے ان کی آنکھ انہیں لوٹا دی اور فرمایا میرے بندے کی طرف لوٹو ۶؎ ان سے کہو کہ آپ زندگی چاہتے ہیں؟ اگر زندگی چاہتے ہوں تو اپنا ہاتھ بیل کی کھال پر رکھیئے آپ کا ہاتھ جتنے بالوں کو ڈھکے گا آپ ہر بال کے عوض ایک سال جئیں گے ۷؎ عرض کیا پھر کیا فرمایا پھر آپ وفات پائیں گے ۸؎ عرض کیا تو ابھی قریب ہی	

	ہیں۹ اے میرے رب مجھے مقدس زمین سے ایک پتھر کی پھینک کے قریب گرادیجئے۱۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اگر میں اس کے پاس ہوتا تو تم کو ان کی قبر شریف راستہ کے کنارہ سرخ ٹیلہ کے پاس دکھاتا۱۱ (مسلم،بخاری)

۱ یعنی اللہ کا حکم جو آپ کی موت کے متعلق ہے اسے قبول کیجئے اور اپنے کو موت کے لیے پیش کیجئے۔یہ نبی کی ہی شان ہے ورنہ ملک الموت تو بادشاہوں سے بھی یہ نہیں کہتے،آتے ہیں اور جان نکال کر لے جاتے ہیں۔

۲ آپ نے ملک الموت کو طمانچہ مارا ان کو نبی کا ادب سکھانے کے لیے کوئی شخص نبی سے یہ نہ کہے کہ نماز پڑھ لیجئے،مسجد میں آیئے تو اس میں ایک طرح کا حکم ہے،حضرات انبیاءکرام حاکم ہوتے ہیں کسی بندے کے مامور یا محکوم نہیں ہوتے،نیز نبی تو ہر وقت ہی رب کے مطیع ہوتے ہیں،ان سے کہنا کہ آپ رب کی اطاعت کریں اس کا شائبہ ہے کہ انہیں غیر مطیع مانا۔(مرقات)نبی کا ادب یہ تھاکہ ملک الموت عرض کرتے کہ آپ کو یہاں رہنے اورچلنے کا اختیار ہے اگر اجازت ہو تو میں تعمیل ارشاد کروں،وہ تو اللہ تعالٰی کی طرف سے موت و حیات کے مختار ہوتے ہیں۔(مرقات)اس طمانچہ کی اور بہت وجہیں بیان کی گئیں ہیں۔

۳ جب فرشتہ شکل انسانی میں آئے تو اس کو انسانی اعضاء دیئے جاتے ہیں،ان کے لیے مختلف شکلیں ایسی ہیں جیسے ہمارے لیے مختلف لباس،حضرت ملک الموت کی یہ ہی بشری آنکھ موسیٰ علیہ السلام کے طمانچہ سے بے کار ہوئی ورنہ ملکی آنکھ کسی طمانچہ وغیرہ سے بے کارنہیں ہوسکتی۔اس سے معلوم ہوا نبی کی طاقت فرشتے کی طاقت سے زیادہ ہوتی ہے۔اس کی تحقیق مرقات میں اسی جگہ ملاحظہ کرو حضرت عزرائیل کو اس آنکھ نکلنے کا درد نہ ہوا جیسے ہمارے لباس پھٹنے سے درد نہیں ہوتا۔

۴ اس کی واپسی بغیر روح موسوی قبض کیے ہوئے ہوئی۔معلوم ہوا کہ ملائکہ حضرات انبیاء کے تابع فرمان ہوتے ہیں مرضی نہ پائی خالی واپس آگئے۔

۵ حضرت ملک الموت طمانچہ مارنے کی وجہ سے یہ ہی سمجھے کہ جناب کلیم اللہ کو ابھی دنیا میں قیام پسند ہے اپنے خیال سے یہ عرض کیا۔

۶ رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے قصاص نہیں دلوایا کہ استاد سے شاگرد کا،والد سے بیٹے کا،نبی سے امتی کا قصاص نہیں لیا جاتابلکہ وہاں تو چھوٹا معافی مانگتا ہے۔

۷ یعنی اے ملک الموت تم ان سے اس طرح عرض کرو انہیں اختیار دو آنے کے لیے صیغہ امر عرض نہ کرو،اگر وہ بہت دراز مدت بھی دنیا میں رہنا چاہیں تو منظور ہے۔یہ ہی وجہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے طمانچہ مارا کہ وہ حضرات رب کی طرف سے مختار ہوتے ہیں زندگی و موت ان کی اختیاری ہوتی ہے،رب تعالٰی کے اس فرمان میں حضرت ملک الموت کا جواب ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام مرنا نہیں چاہتے،اے ملک الموت جا کر دیکھ لو کہ تم کو حضرت موسیٰ نے موت سے بچنے کے لیے مارا ہے یا کسی اور وجہ سے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقبولوں کی دعا بلکہ انکی خواہش سے عمریں بڑھ جاتی ہیں آئی قضا ٹل جاتی ہے،آفتیں دور ہوجاتی ہیں،دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف پوری ہوچکی لیکن اگر

آپ زندگی چاہتے تو ہزار سال عطا ہوجاتی بلکہ ملک الموت کے اس آنے جانے عرض معروض کرنے کی بقدر قضا ٹلی رہی۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ"کہ آیت میں اس کی نفی ہے کہ کوئی بغیر مرضی رب محض اپنی مرضی سے موت آگے پیچھے کردے اور یہاں کا ذکر ہے کہ مقبولوں کی مرضی پر رب تعالٰی موت آگے پیچھے کردیتا ہےاس لیے آیۃ کریمہ میں يَسۡتَقۡدِمُوۡنَاور يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ جمع مذکر ارشاد ہوا۔

۸؎ مگر وہ وفات بھی ہوگی آپ اختیار سے ہیں۔خیال رہے کہ انبیاء کے لیے بھی موت ضرور ہی آتی ہے مگر وقت موت میں انہیں اختیار ہوتا ہے اور یہ اختیار بھی ہمیشہ کہ جب بھی موت آئے ان کی مرضی سے آئے۔

۹؎ یعنی مجھے اس گھڑی موت منظور ہے تم کو اس وقت مارنا موت کے خوف سے نہ تھا بلکہ وہ کہلوانے کے لیے تھاجو تم نے اب کہا۔خلاصہ یہ ہے کہ بلاوے تین طرح کے ہوتے ہیں:دعوت خوشی کے لیے بلاوا جسے کہتے ہیں نوید مسرت،دوسرے سمن عدالت میں حاضری کا بلاوا،تیسرے وارنٹ گرفتاری۔کافر کی موت وارنٹ ہے،عام مؤمنوں کی موت سمن ہے،حضرات انبیاء کی موت دعوت خوشی یعنی نوید مسرت ہے،ملک الموت نے نوید مسرت کو سمن کے طور سے پیش کیا یعنی نوید مسرت کو سمن بنادیا کہ کہا اجب ربك حاضر بارگاہ ہو اس لیے مارا تھا۔حضرت ملک الموت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جان شریف قبض کرنے کی اجازت چاہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے مشورہ کیا،غرضکہ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ رب تعالٰی آپ کا مشتاق ہے،چلیے تب اجازت دی تو انہوں نے قبض روح کیا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سکھادیا تھا۔اشعۃ اللمعات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں جب آپ کو غصہ آتا تو سر پر اوڑھی ہوئی ٹوپی جل جاتی تھی۔(اشعہ و مرقات)وہ غضب کی آگ جلائی دکھائی نہیں جاسکتی تھی نور نار سے نہیں جلتا۔

۱۰؎ نبی جہاں وفات پاتے ہیں وہاں ہی دفن ہوتے ہیں اس لیے آپ نے فرمایا کہ مجھے میری زندگی شریف میں وہاں پہنچادے جو بیت المقدس سے اتنی دور ہو کہ اگر اس شہر کے کنارہ پر کھڑے ہوکر کوئی کنکر پھینکے تو وہاں پہنچ جاوے چنانچہ آپ کو وہاں ہی پہنچادیا گیا وہاں ہی وفات اور دفن واقع ہوئے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جیسے وقت موت میں نبی کو اختیار دیا جاتا ہے ایسے ہی موت کی جگہ میں انہیں اختیار ملتا ہے جہاں چاہیں وفات پائیں۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کے مزارات کے پاس دفن ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے بیت المقدس میں ستر ہزار انبیاء کے مزارات ہیں فقیر نے زیارت کی ہے۔

۱۱؎ اب اس جگہ کا نام موسی کلیم اللہ ہے،عمان سے بیت المقدس جاتے ہوئے بیت المقدس سے قریب یہ جگہ ہے چھوٹی سی مسجد ہے جس کے داہنے ہاتھ حجرہ میں مزار شریف ہے،فقیر نے اس قبر انور اور اس بستی کی زیارت کی ہے،وہاں نماز پڑھی ہے دیکھو ہمارا سفر نامہ قبلتین۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاءکرام پیش کیے گئے۱؎ تو موسیٰ علیہ السلام مردوں میں درمیانہ قد ہیں گویا کہ وہ شنوءہ کے مردوں میں سے ہیں۲؎ اور میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو دیکھا تو جن کو ہم نے دیکھا ہے ان میں قریب ترین مشابہت والے عروہ	

	ابن مسعود ہیں۳؎ اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو جنہیں میں نے دیکھا ہے ان میں قریب ترین مشابہت والے تمہارے یہ صاحب ہیں یعنی حضور کی ذات شریف۴؎ اور میں نے جبرئیل کو دیکھا تو جسے میں نے دیکھا ان میں قریب ترین مشابہت والا دحیہ ابن خلیفہ ہیں۵؎ (مسلم)

۱؎ یہ واقعہ شبِ معراج کا ہے کہ بیت المقدس میں بھی اور آسمان پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے نبیوں سے ملاقات کی،رب فرماتاہے:" فَلَا تَكُنۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآٮِٕهٖ"۔

۲؎ شنوءہ یمن میں ایک مشہور قبیلہ ہے جس کے لوگ بہت خوبصورت اور خوش اخلاق ہوتے ہیں،موسیٰ علیہ السلام کا حسن صورۃً بتانے کے لیے حضور نے ان کا ذکر فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی کے مقام ان کی قبور سے بھی خبردار ہیں اور تمام نبیوں سے ملاقات کی ہے انہیں جانتے پہچانتے ہیں۔

۳؎ بعض شارحین نے سمجھا کہ یہ عروہ بھائی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے یہ غلط ہے،یہ مسعود دوسرے ہیں جن کے بیٹے عروہ ہیں،آپ صحابی ثقفی ہیں،جب حضور انور طائف کی فتح سے مدینہ منورہ واپس ہوئے تو آپ مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوئے پھر اپنی کافر قوم کو اسلام کی دعوت دی،آپ نے اپنی گھر کی چھت پر کھڑے ہوکر بہ آواز بلند اذان دینے لگے کسی نے اسی حالت میں آپ کو تیر مارا جس سے آپ اذان دیتے ہوئے شہید ہوئے،حضور انور نے فرمایا کہ یہ اس اسرائیلی مؤمن کی طرح ہیں جو گزشتہ زمانہ میں اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے شہید کیا گیا تھا۔(اشعہ)یہ بہت حسین تھے۔

۴؎ یعنی میں بالکل حضرت ابراہیم کی ہم شکل ہوں جو انہیں دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے،حضور سیرت طیبہ طاہرہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے جلتے تھے۔

۵؎ دحیہ ابن خلیفہ کلبی بڑے مشہور صحابی ہیں،بہت ہی حسین و جمیل تھے،اکثر جبریل امین آپ کی شکل میں حاضر ہوتے تھے،حضرات صحابہ سمجھتے تھے کہ دحیہ کلبی آئے جبریل جب شکل انسانی میں آتے تو اس شکل میں آتے تھے،ان کی اپنی شکل و صورت تو ایسی ہے کہ کسی میں انکے دیکھنے کی تاب نہیں حضور انور نے صرف دوبار آپ کو اصلی شکل میں دیکھا جیساکہ روایات میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں میں نے اس رات جس میں مجھے سیر کرائی گئی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا گندمی رنگ والے دراز قد گھونگر والے بال گویا وہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہیں۱؎ اور میں نے حضرت عیسیٰ کو دیکھا درمیانہ قد سرخی سفیدی کی طرف مائل سیدھے بال والے۲؎ میں نے آگ کے خزانچی مالک کو دیکھا اور دجال کو دیکھا۳؎ ان نشانیوں میں جو اللہ نے حضور کو دکھائیں۴؎ تو آپ کو ان کی ملاقات میں شک

میں نہ ہو۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ طوالا حرف ط کے پیش سے طویل کا مبالغہ ہے جیسے عجاب عجیب کا مبالغہ اور طوالا حرف ط کے کسرہ سے طویل کی جمع ہے،جیسے کریم کی جمع کرام آپ دراز قد چھریرے بدن گھونگریالے والے بال ہیں۔(مرقات)بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں جعد سے گھونگر والے بال مراد نہیں کیونکہ دوسرے روایت میں سبط الشعر یعنی سیدھے بال والے بھی آیا ہے بلکہ جعد بمعنی پہلوان بھرے جسم والا مراد ہے،جعد بال کی صفت بھی آتی ہے اور جسم کی صفت بھی۔(اشعہ)

۲؎ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج میں حضور انور نے سارے نبیوں کو اجمالًا نہیں دیکھا جیسے واعظ حاضرین جلسہ پر طائرانہ نظر سے اجمالًا دیکھ لیتا ہے بلکہ تفصیل وار دیکھا ہر ایک کو پہچان لیا،ان کی شکل و شبہات حضور انور کو یاد رہی اس لیے تو ان کی شکلیں بتارہے ہیں،ہم میلاد شریف میں حضور کا حلیہ شریف بیان کرتے اور سنتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات گزشتہ انبیاء کرام بھی دکھائے ان سے ملاقات کلام سلام بھی کرائے اور موجودہ فرشتے مالک دوزخ وغیرہم بھی دکھائے ان سے کلام کرائے اور آئندہ پیدا ہونے والے لوگ دجال وغیرہ دکھائے،حضور کا علم بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ماضی،حال،مستقبل سب کو ملاحظہ فرماچکی ہے۔

۴؎ غالبًا یہ قول فی آیات الخ حضرت ابن عباس کا ہے،یعنی قرآن کریم میں جو ہے"**لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰی**"اسی آیات سے مراد یہ ہی نشان قدرت ہیں،اگلوں پچھلوں سے ملاقات۔بعض شارحین نے فرمایا کہ فی آیات کا تعلق دجال سے ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو مع اس کے ان شعبدوں کے ملاحظہ فرمایا جو وہ قریب قیامت ظاہر ہوکر لوگو کو دکھائے گا،بارش برسانا،مردے جلانا وغیرہ اس کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔

۵؎ فی لقائه میں ہ کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں،آیت کریمہ یہ ہے"**وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡكِتٰبَ فَلَا تَكُنۡ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡ لِّقَآئِهٖ**"یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں کچھ تردد نہ کریں وہ خواب و خیال نہ تھا بلکہ واقعی حقیقی چیز تھی،یا اے قرآن خوان مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی اس میں تو کچھ شک نہ کروہ بالکل صحیح یقینی چیز ہے۔معلوم ہوا مقبولان بارگاہِ بعد وفات زندہ ہوتے ایک دوسرے زندوں مردوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں،سوال جواب کرتے ہیں،فرماتاہے:"**وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـهَةً یُّعۡبَدُوۡنَ**"یہ آیات حفظ کرلینی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ملا میں معراج کی رات حضرت موسیٰ سے۱؎ حضور نے ان کا حلیہ بیان کیا کہ وہ درمیانہ قد آدمی ہیں سیدھے بال والے ۲؎ گویا کہ وہ شنوء ہ	

کے آدمیوں میں سے ہیں اور میں حضرت عیسی علیہ السلام سے ملا درمیانہ قد سرخ رنگ گویا حمام سے نکلے ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا ان کی اولاد میں اس سے زیادہ مشابہ میں ہوں،فرماتے ہیں میرے پاس دو برتن لائے گئے جن میں سے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب تھی۳؎ مجھ سے کہا گیا ان میں سے جو آپ چاہیں لیں۴؎ تو میں نے دودھ اختیار کیا اسے پی لیا تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ کو فطرت کی ہدایت دی گئی۵؎ اگر شراب اختیار کرتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہوجاتی۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام سے تین بار ملاقات کی انہیں قبر میں نماز پڑھتے دیکھا،پھر بیت المقدس میں انہیں نماز پڑھائی،پھر عرش پر جاتے ہوئے چھٹے آسمان پر پھر عرش سے واپسی میں نمازیں کم کرانے کے لیے آٹھ بار اس لیے خصوصیت سے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر اہتمام سے کیا گیا ورنہ سارے نبیوں سے اس شب ملاقات ہوئی ہے،یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔

۲؎ ابھی گزشتہ حدیث میں **جعد** آیا تھا وہاں **جعد** کے معنی ہیں پہلوانوں کا سا بھرا ہوا جسم لہذا یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں اور اگر وہاں **جعد** کے معنی ہوں گھونگر والے بال تو اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہوگا کہ سارے بال سیدھے کناروں پر قدرے خم دار جسے کہتے ہیں چھلے والے بال لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ **فیه خمر** فرماکر بتایا گیا کہ شراب اس برتن میں تھوڑی سی تھی اور **احدهما لبن** فرماکر بتایا کہ دودھ برتن میں بہت زیادہ تھا گویا خود برتن دودھ بن گیا تھا،دنیا کی ہدایت اور ایمان و اعمال دودھ کی شکل میں پیش ہوئے اور یہاں کی بدعقیدگی بدعملیاں شراب کی صورت میں دکھائی گئیں،یہاں کے اعمال وہاں اجسام ہیں۔

۴؎ یہ اختیار دینا فرشتوں کو دکھانے کے لیے تھا کہ اللہ تعالٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حضور کی برکت سے محفوظ رکھے گا۔ (ازمرقات)

۵؎ چونکہ بچہ پیدا ہوکر پہلی غذا دودھ حاصل کرتا ہے اس لیے فطرت دودھ کی شکل میں دکھائی گئی اور شراب انسان کی شکل بگاڑ کر صدہا بدعملیاں بدعقیدگیاں اس سے کرادیتی ہے اس لیے گمراہی سرکشی شراب کی شکل میں دکھائی گئی جیسے خواب میں ہم رحمتوں اور آفتوں کو مختلف شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔شاہ مصر نے قحط سالیوں کو خشک بالیوں دبلی گایوں کی شکل میں دیکھا اسی طرح حضرات انبیاءکرام آئندہ واقعات کو مختلف شکلوں میں ملاحظہ کرتے ہیں۔

۶؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نبی کے عمل کا امت پر اثر پڑتا ہے کہ شراب آپ اختیار فرماتے اور گمراہ ہوتی امت۔دوسرے یہ کہ تاقیامت ان شاءاللہ سارے مسلمان کبھی گمراہ نہ ہوں گے،ان میں ایک جماعت ضرور حق پر رہے گی اور وہ ہی جماعت سب پر غالب رہے گی تعداد اس کی زیادہ ہوگی،حضور فرماتے ہیں **اتبعوا السواد الاعظم** بڑے گروہ ہی کی

پیروی کرو۔الحمدللہ اہلِ سنت والجماعت اب ہمیشہ سب پر غالب ہیں اور اسی۸۰ بلکہ نوے۹۰ فیصد یہ ہی ہیں۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کیطرف سے مؤید ہیں کوئی کام غلط آپ تک پہنچتا ہی نہیں،دیکھو حضور انور نے اللہ کی توفیق سے دودھ ہی اختیار کیا،جو کوئی خواب میں دودھ پئے ان شاءاللہ وہ ہدایت پر رہے گا اور اسے خیر کی توفیق ملے گی اس تعبیر کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان چلے تو ایک جنگل پر گزرے تو آپ نے فرمایا یہ کون جنگل ہے لوگوں نے کہا ارزق جنگل۱ فرمایا گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے ان کا رنگ ان کے بال کا کچھ ذکر فرمایا۲ آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دیئے ہوئے بھی آپ کو اللہ سے قرب ہے۳ تلبیہ میں مشغول ہیں اس جنگل میں گزررہے ہیں۴ فرماتے ہیں کہ پھر ہم کچھ اور چلے حتی کہ ہم ایک گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا یہ کوئی گھاٹی ہے لوگوں نے کہا ہرشی ہے یا کفت۵ تو فرمایا گویا میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۶ جو سرخ اونٹنی پر ہیں آپ پر اونی جبہ ہے آپ کے ناقہ کی مہار کھجور کی کھال کی ہے اسی جنگل میں تلبیہ کہتے گزر رہے ہیں۷ (مسلم)

۱ وادی ارزق حرمین شریفین کے درمیان ایک جنگل ہے،ارزق کے معنی ہیں نیل گوں یا تو وہاں کی زمین نیل گوں ہے یا کسی ایسے آدمی کی طرف منسوب ہے جس کا نام ارزق تھا یا اس کی آنکھیں نیل گوں تھیں یہ گزریا تو حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا تھا یا عمرہ قضاکے وقت۔(مرقات،و اشعہ)

۲ کہ آپ گندمی رنگ ہیں خمدار بال شریف جیساکہ پہلے گزر چکا۔

۳ جوار اور خوار دونوں کے معنی ہیں بچھڑے کی آواز پھر مطلقًا آواز کو کہنے لگے۔اب محاورہ میں دعا عجزوانکسار کی آواز کو جوار کہتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی آپ مؤذن کی طرح دونوں انگلیاں کانوں میں ڈالے بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔خیال رہے کہ یہاں کانی زائدہ ہے جیسے لا اقسم میں لا زائدہ ہوتا ہے،حضور انور اپنی آنکھوں سے ان حضرات کو ملاحظہ فرمارہے تھے اور ان کا تلبیہ سن رہے تھے۔

۴ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے بعد وفات دنیا میں گشت کرتے ہیں اچھے مجمعوں میں جاتے ہیں،ذاکرین کے ساتھ شرکت کرتے ہیں،بزرگوں میں میلاد شریف،ختم رمضان شریف میں وفات یافتہ بزرگوں کو دیکھا ہے،شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے ختم رمضان پر لوگوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیداری میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل فرمایا تھا کہ ہم عبدالعزیز کے ختم قرآن میں شرکت کرنے دہلی جائیں گے،دیکھو فتاویٰ عزیزیہ کا مقدمہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں

لوگوں نے بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کو لاہور اور سیالکوٹ کے بارڈر پر مسلمانوں کی مدد فرماتے ہوئے دیکھا۔

۵ہرشی منزل جحفہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے اسے کفت بھی کہتے تھے،راوی کو شک ہے کہ صحابہ کرام نے ان کا نام ہرشی لیا یا کفت اور ہوسکتا ہے کہ ان حضرات نے یہ ہی عرض کیا ہو یعنی اس پہاڑ کے دو نام ہیں ہرشی اور کفت جو چاہیں ہم کہہ لیں ہرشی یا کفت۔

۶اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہاں کانی فرمانا یقین کے اظہار کے لیے ہے یعنی میں انہیں اس طرح یقینی طور پر دیکھ رہا ہوں گویا انہیں ان کی زندگی شریف میں ہی دیکھ رہاہوں۔

۷چونکہ یہ حج حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا اس لیے آسمانوں اور زمین سے حضرات انبیاءکرام برکت حاصل کرنے کے لیے شریک ہوئے،حضور انور نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضرات انبیاءکرام بہ حیات کامل زندہ ہیں،ان کی موت ان کی زندگی کو فنا نہیں کرتی،جیسے شہداء کا قتل ان کی زندگی فنا نہیں کرتا۔دوسرے یہ کہ وہ حضرات جہاں چاہیں جاتے آتے ہیں۔تیسرے یہ کہ ان کی صرف روح نہیں جاتی بلکہ جسم شریف بھی سیر کرتا ہے۔چوتھے یہ کہ انہیں اس دنیا کی خبر رہتی ہے کہ آج کہاں کیا ہورہا ہے،دیکھو حضور انور کا حج اس دنیا میں ہوا اور ان حضرات کو اس جہاں میں خبر ہوئی۔پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض حضور کے غلام ان بزرگوں کو دیکھتے ان کی آواز سنتے ہیں،ان سے ملاقاتیں کرتے ہیں۔خیال رہے کہ اونٹنی پر سوار ہونا کانوں میں انگلیاں دینا تلبیہ کہنا جسم کا کام ہے صرف روح کا نہیں اور یہ اونٹنی قدرتی تھی جیسے جبریل امین گھوڑے پر سوار نمودار ہوتے تھے وہ گھوڑا قدرتی ہوتا تھا نہ کہ یہ دنیاوی گھوڑا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام پر قرآن آسان کیا گیا۱تو آپ اپنے گھوڑے کا حکم دیتے تھے اس کی زین لگائی جاتی تھی تو آپ گھوڑے کے زین لگائے جانے سے پہلے قرآن پڑھ لیتے تھے۲اور نہ کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کے کام سے۳(بخاری)

۱یہاں قرآن لغوی معنی میں ہے بمعنی پڑھی ہوئی کتاب اور اس سے مراد زبور شریف ہے،رب فرماتا ہے:"وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا"۔

۲جیسے طی الارض کرامت یا معجزہ ہے ویسے ہی طی الوقت بھی معجزہ و کرامت ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہوجاوے یہ عقل سے وراء چیز ہے۔معراج میں حضور کے لیے وقت اور جگہ دونوں چیزیں سمیٹ دی گئیں،حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے کی رکاب میں ایک پاؤں رکھتے وقت قرآن مجید شروع کرتے تھے اور دوسرے قدم رکھتے وقت تک پورا قرآن ختم کرلیتے تھے ایک ایک لفظ صاف صاف سمجھا جاسکتا تھا۔(مرقات و اشعۃ اللمعات)

۳؎حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کا کام کرتے تھے،لوہا ان کے لیے نرم کردیا گیا تھاجس طرح چاہتے اسے موڑ لیتے تھے اس کی اجرت پر گزارہ فرماتے تھے حالانکہ آپ بادشاہ تھے علیہ الصلوۃ والسلام۔

روایت ہے انہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کے بچے تھے بھیڑیا آیاایک کا بچہ لے گیا۱؎اس کی ساتھن بولی کہ بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے اور دوسری نے کہا کہ تیرا بچہ لے گیا ہے۲؎ چنانچہ وہ دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے گئیں آپ نے بڑی کے حق اس کا فیصلہ کردیا۳؎وہ دونوں حضرت سلیمان ابن داؤد کے پاس گئیں انہیں یہ خبر دی۴؎آپ نے فرمایا چھری لاؤمیں تم دونوں کے درمیان بچے کے دو ٹکڑے تقسیم کردوں۵؎تو چھوٹی بولی اللہ آپ پر رحمت کرے یہ نہ کریں یہ اس بڑی کا بچہ ہے۶؎تب آپ نے چھوٹی کے حق میں اس کا فیصلہ کردیا۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ دونوں عورتیں اپنے اپنے لڑکے جنگل میں بٹھال کر کسی کام میں مشغول ہوگئیں کہ یہ حادثہ پیش آگیااور باقی ماندہ بچہ میں جھگڑا پڑگیا۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں عورتوں میں سے ہر ایک چاہتی تھی کہ یہ بچہ مجھے ملے ایک تو واقعی ماں تھی دوسری ماں بنی جا رہی تھی۔

۳؎بڑی کے حق میں یہ فیصلہ فرمانا اس لیے تھا کہ وہ اس بچہ پر قابض تھی یا اس لیے کہ بچہ اس کی ہم شکل تھا۔بہرحال یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اجتہاد سے تھا،وحی الٰہی سے نہ تھا ورنہ اس کی اپیل نہ ہوتی اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے خلاف فیصلہ فرماتے۔معلوم ہوا کہ مجتہد کا اجتہاد برحق ہے اور نبی بھی اجتہاد فرماسکتے ہیں۔

۴؎اس سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کی اپیل ہوسکتی ہے اور اپیل والا حاکم پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے بشرطیکہ پہلا فیصلہ اجتہاد سے ہوا ہو وحی سے نہ ہو وحی کی اپیل ناممکن ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ"۔

۵؎یعنی اس بچہ کی دو کھانپ کرکے تم دونوں کو ایک ایک دیدوں۔خیال رہے کہ آپ نے اس بے گناہ بچے کے قتل کا ارادہ نہ فرمایا بلکہ اس کلام سے ان عورتوں کی شفقت و محبت کی آزمائش فرمائی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بے قصور کے قتل کا ارادہ کرنا گناہ ہے اور نبی گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

۶؎اس وقت بڑی عورت یا تو خاموش رہی یا کچھ ہلکی تڑپی دکھلاوے کے لیے،حقیقی تڑپ اور بناوٹی تڑپ میں فرق ہوتا ہے۔خیال رہے کہ یہ کلام اقرار کے لیے نہیں بلکہ بے قراری میں تڑپ کے طور پر ہے یعنی آپ اسے قتل نہ کریں اسی کو

دے دیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ چھوٹی نے بڑی کے لیے اقرار کر لیا پھر آپ نے بڑی کو یہ بچہ نہ دیا،اس علامت سے آپ نے پہچان لیا کہ ماں یہ ہی ہے بچہ کی جان بچانے کے لیے کہہ رہی ہے۔

ے اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اجتہاد جائز ہے۔دوسرے یہ کہ کبھی اجتہاد میں غلطی بھی ہوجاتی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے اجتہاد میں خطا ہوئی۔تیسرے یہ کہ خطا اجتہادی پر پکڑ اور مواخذہ نہیں ہوتا،دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ٹوٹ تو گیا مگر ان سے رب نے پوچھ گچھ نہ کی۔چوتھے یہ کہ کبھی افضل کے مقابلے میں مفضول کا فیصلہ قوی اور قابل عمل ہوتا ہے،دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام صاحب کتاب صاحب شریعت نبی ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد ہیں،ان تمام باتوں کے باوجود عملی فیصلہ سلیمان علیہ السلام پر کیا گیا لہذا امام اعظم کے فرمان کے ہوتے ہوئے قول صاحبین پر فتویٰ دینا عمل کرنا درست ہے،یہ حدیث اس کا ماخذ ہے ایک مقدمہ کا ذکر تو قرآن مجید میں فرمایا ہے "فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ"۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج رات نوے بیویوں پر چکر لگاؤں گا،ایک روایت میں ہے کہ سو بیویوں پر ۱ وہ تمام ایک سوار جنیں گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا ۲ ان سے فرشتے نے کہا ان شاءاللہ کہہ لیجئے مگر وہ نہ کہہ سکے بھول گئے ۳ چنانچہ آپ نے ان سب پر چکر لگایا ۴ تو ان میں سے کوئی حاملہ نہ ہوئی سواء ایک عورت کے جو آدمی کی ایک کروٹ لائی اس کی قسم جس کے قبضہ میں حضور محمد کی جان ہے اگر وہ ان شاءاللہ کہہ لیتے تو وہ سب اللہ کی راہ میں سوار ہوکر جہاد کرتے ۵ (مسلم،بخاری)	

۱ اس وقت آپ کی بیویاں ننانوے تھیں لہذا یہاں سو سے مراد قریبًا سو ہیں،بعض روایات میں ساٹھ اور ستر بھی ہے کیونکہ بیویاں ساٹھ یا ستر تھیں باقی لونڈیاں تھیں،آپ کی کل بیویاں لونڈیاں ایک ہزار تھیں۔

۲ معلوم ہوا کہ دین کی خدمت کے لیے اولاد چاہنا اختیار کرنا سنت انبیاء ہے محض گھر کی رونق اور اپنی خدمت کی نیت نہ کرے۔

۳ آپ کی یہ بھول بھی رب تعالیٰ کی طرف سے تھی تاکہ دنیا کے لیے مثال قائم ہوجاوے کہ ان شاءاللہ نہ کہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے،ان حضرات کی بھول میں رب کی حکمتیں ہوتی ہیں۔فرشتے سے مراد الہام والا فرشتہ ہے یا آپ کے ساتھ رہنے والا فرشتہ۔

۴ یعنی ایک شب میں ان سب سے صحبت کی اس میں آپ کے دو معجزے ہیں:ایک تو جماع کی اتنی طاقت کہ قریبًا سو بیویوں سے صحبت کی۔دوسرے ایک رات میں اتنی صحبتیں ہوجانا تھوڑے وقت میں زیادہ کام۔

۵؎ یعنی وہ سب بیویاں حاملہ ہوتیں جو حاملہ ہوتی سب کے لڑکے پیدا ہوتے زندہ رہتے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام میں اپنے پر بھروسہ نہ کرے رب تعالٰی پر توکل کرے تو ان شاءاللہ کامیابی ہوتی ہے،آئندہ کام پر ان شاءاللہ ضرور کہے اور گزشتہ کام پر ان شاءاللہ کہنا برکت کے لیے درست ہے جیسے ان شاءاللہ میں مسلمان ہوں یعنی اللہ کے فضل سے میں مؤمن ہوچکا ہوں۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی زکریا علیہ السلام لکڑی سازی کا کام کرتے تھے اس کی آمدنی سے اپنا گزارہ کرتے تھے،کسی نبی نے نبوت کو ذریعہ معاش نہ بنایا۔مرزا قادیانی پہلے ایک نہایت غریب آدمی تھا،جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچا کر نواب بن گیا،شاہانہ زندگی گزار گیا سارے سچے نبیوں نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زندگی گزاری۔کس نبی نے کیا پیشہ اختیار کیا یہ ہماری تفسیر نعیمی پارہ اول میں ملاحظہ کرو۔خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام نے اگرچہ لکڑی لوہے زنبیل سازی وغیرہ اختیار فرمائی مگر انہیں بڑھئی یا لوہار وغیرہ کہنا حرام ہے کہ یہ الفاظ توہین آمیز ہیں۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ میں عیسیٰ ابن مریم سے دنیا و آخرت میں قریب تر ہوں۱؎ حضرات انبیاء علاتی بھائی ہیں جن کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۲؎ ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں قرب سے مراد زمانہ کا قرب ہے،حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح قریب ہیں کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں۔حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام ہی قریب قیامت اسلام کی خدمت کریں گے،آپ ہی حضور انور کے روضہ اقدس میں دفن ہوں گے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک ۵۷۰ء پانچ سوستر عیسوی میں ہے،آخرت میں اس کے قریب ہوں گے کہ تمام عالم کو جو تلاش شفیع میں سرگرداں ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی حضور انور کا پتہ دیں گے کہ آج تمہاری دستگیری کرنے والا سواء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں،حضرت روح اللہ پر ہماری جانیں فدا جو دنیا و آخرت میں حضور انور کے مبشر ہیں جیسے صبح کا ستارہ جو سورج نکلنے کی بشارت دے کر لوگوں کو جگاتا ہے۔

۲؎ اصول اور قواعد کو دین کہتے ہیں،فروعی مسائل کو مذہب۔ہم اور شوافع مذہبًا قدرے مختلف ہیں مگر تمام آئمہ کا دین اسلام ہے،اسی طرح توحید و رسالت میں تمام انبیاء کرام مشترک تھے مگر فروعی مسائل میں ان میں اختلاف تھا جیسے علاتی بھائی بہن کہ مائیں ان کی مختلف ہوتی ہیں باپ ایک ہی یہی حال حضرات صوفیاء کرام کے اختلاف کا ہے قادری،چشتی،نقشبندی،سہروردی وہ حضرات خود کہتے ہیں انباء السبیل احیان لیس بینهم خلاف۔(مرقات)

۳؎ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہ حضور کے زمانہ میں اس دوران میں کوئی نبی روئے زمین پر تشریف نہ لائے نہ صاحب شریعت نبی نہ غیر صاحب شریعت اس لیے حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام نے اعلان فرمایا تھا "وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" لہذا جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو نبی مانے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور کسی کو کسی طبقہ کا نبی مانے وہ کافر ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ" کیونکر وہاں اقتداء میں قرب مراد ہے اور یہاں زمانہ میں قرب۔خیال رہے کہ اقتداء سے مراد موافقت ہے حضور انور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں کہ آپ کے دین میں ملتِ ابراہیمی پوری مکمل موجود ہے کچھ معہ زوائد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے مقتدی نہیں سب کے مقتداء ہیں بہرحال آیت و حدیث دونوں اپنے مقام پر حق ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر انسان کی کروٹوں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے ۱؎ سواء عیسیٰ ابن مریم کے ۲؎ کہ وہ انگلی مارنے لگا تو اس کی انگلی پردہ میں لگی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں بنی آدم سے مراد اولاد آدم ہیں لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔شیطان کو انسان سے دلی عداوت ہے وہ بچہ کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کے پیچھے پڑتا ہے،اسی مار کے اثر سے بچہ پیدائش کے وقت روتا ہے،بچپن میں بہت سی بیماریاں شیطان کے اثر سے ہوتی ہیں جیسے ام الصبیان وغیرہ جیسے سانپ بچھو وغیرہ جانور،بعض جڑی بوٹیاں انسان کو بیمار کردیتی ہیں ایسے ہی شیطان بھی انسان کو بیمار کردیتا ہے،رب فرماتا ہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"۔

۲؎ ایسے مقام پر متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ولادت پاک کے وقت شیطان نہ چھو سکا۔(اشعۃ اللمعات)اسی لیے حضور ولادت پاک کے وقت روئے نہیں۔

۳؎ یہ حدیث باب الوسوسہ میں گزر چکی ہے،اس وقت اللہ تعالٰی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیطان کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا شیطان کی انگلی اس پردے میں لگی،حضرت حنہ (والدہ مریم)کی دعا سے یہ واقعہ ہوا آپ نے دعا کی تھی "اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا مردوں میں تو بہت کامل ہوئے عورتوں میں سواء مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے کوئی کاملہ نہ ہوئیں ۱؎ اور جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی بزرگی ساری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی بزرگی تمام کھانوں پر ۲؎	

	(مسلم،بخاری)اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ یاخیر البریة اور ابوہریرہ کی حدیث ای الناس اکرم اور حضرت ابن عمر کی حدیث کریم ابن کریم،مفاخرہ اور عصبیہ کے باب میں ذکر کردی گئیں۳؎

۱؎ خیال رہے کہ یہاں کمال سے مراد نبوت و رسالت نہیں کیونکہ یہ کمال تو صرف انسان مردوں کو ہی ملا ہے کوئی عورت اور کوئی غیر انسان نبی نہیں ہوئے بلکہ مراد ولایت کاملہ قطبیت غوثیت وغیرہ ہےاور رب تعالٰی سے قرب خاص کہ یہ صفات مردوں کو زیادہ عورتوں کو کم ملے،نبوت کے متعلق رب فرماتاہے:"وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ"۔نبوت کے فرائض عورت انجام نہیں دے سکتی،پردہ میں رہ کر عام تبلیغ نہیں ہوسکتی۔یہ بھی خیال رہے کہ یہاں نساء سے مراد اس زمانہ کی عورتیں ہیں لہذا اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضرت آسیہ و مریم جناب فاطمہ زہرا خدیجہ اور عائشہ صدیقہ سے افضل ہوں،یہ بیبیاں حضرت آسیہ و مریم سے افضل ہیں۔شعر

مریم ازیک نسبت عیسٰی عزیز	از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃللعالمین	آں امام الاولین و آخرین
بانوے آن تاجدار ھل اتی	مرتضٰی مشکل کشا شیر خدا
مادرآں مرکز پر کار عشق	مادر آں قافلہ سالار عشق!

۲؎ یعنی جناب عائشہ صدیقہ از آدم علیہ السلام تا روز قیامت تمام عورتوں سے ایسی افضل ہیں جیسے ثرید کھانا باقی تمام کھانوں سے افضل،ثرید شوربے میں روٹی بھگو کر پکا ہوا کھانا۔اس میں گفتگو ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ زہرا خدیجۃ الکبریٰ ان تینوں میں افضل کون ہے۔محققین علماء کا قول ہے کہ یہ تینوں مختلف جہات سے افضل ہیں،اس میں بحث نہ کی جاوے تو بہتر ہے،حضرت عائشہ جیسی عالمہ حسن خلقت حسنِ خلق شیریں گفتار ذہینہ ذکیہ بی بی نہ پیدا ہوئی نہ پیداہو،آپ بڑی عالمہ محدثہ فقیہہ ہیں،آپ کی براءت میں سورۂ نور کی اٹھارہ آیتیں نازل ہوئیں۔شعر

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ	ان کی پرنور صورت پہ لاکھوں سلام
بنت صدیق آرام جان نبی	اس حریم براءت پہ لاکھوں سلام

نبوت کے بعد صدیقیت ہے اور عائشہ صدیقہ ہیں،ابوبکر صدیق ہیں۔

۳؎ یعنی وہ حدیثیں مصابیح میں یہاں مذکور تھیں،ہم نے مشکوۃ شریف میں وہاں یعنی باب المفاخرۃ میں بیان کردیں ان کی شرح وہاں ہی دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن رزین سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے

	عرض کیا یارسول اللہ اپنی مخلوق پیدا فرمانے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا فرمایا ہلکے بادل میں تھا۲ نہ اس کے نیچے ہوائیں نہ اس کے اوپر ہوا اور اپنا عرش پانی پر پیدا فرمایا۳ (ترمذی) اور فرمایا کہ یزید ابن ہارون نے کہا ہلکے بادل سے مراد ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۴

۱؎ آپ کا نام یقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے، طائف کے رہنے والے ہیں، مشہور صحابی۔

۲؎ **عماء** کے لفظی معنی ہیں ہلکا بادل جس سے سورج نظر نہ آئے مگر اس روشنی میں کمی نہ ہو۔یہاں اس سے مراد غیب ہے یعنی رب تعالٰی غیب الغیوب تھا جس کے صفات ظاہر تھے، حدیث قدسی ہے **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف**۔(مرقات) حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں عماء ذات واحدہ ہے جسے کوئی نہ جانے سوائے اس کے۔

۳؎ دونوں جگہ **ما** نافیہ ہے یعنی رب تعالٰی تھا اور کچھ نہ تھا حتی کہ ہوا بھی نہ تھی نہ فوقیت تھی نہ تحتیت کیونکہ اوپر نیچے ہونا جہت اور سمت سے ہوتا ہے اس وقت سمت بھی نہ تھی۔

۴؎ یعنی پھر اللہ تعالٰی نے عرش اعظم پیدا فرمایا جو پانی کے اوپر اس طرح تھا جیسے زمین کے اوپر آسمان یعنی اسے گھیرے ہوئے۔اس کی شرح ہم ابھی کرچکے ہیں یہ فرمان ہماری اس شرح کی تائید کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عباس ابن عبدالمطلب سے فرماتے ہیں کہ وہ بطحاء میں ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۱ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں بیٹھے تھے کہ ایک بادل گزرا لوگوں نے اس کی طرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کا نام کیا رکھتے ہو۲ لوگوں نے عرض کیا سحاب، فرمایا اور مزن بھی عرض کیا مزن بھی فرمایا اور عنان بھی، عرض کیا اور عنان بھی۳ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم نہیں جانتے، فرمایا ان کے درمیان فاصلہ اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا۴ اور جو آسمان اس کے اوپر ہے وہ بھی ایسا ہی ہے حتی کہ آپ نے سات آسمان گنائے۵ پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے جسکے اوپر اور نیچے حصے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۶ پھر اس کے اوپر آٹھ بکرے ہیں۷ جن کے کھروں اور سیرین کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۸ پھر ان کی پیٹھوں پر عرش ہے جس کے نیچے اور اوپر کے درمیان اتنا فاصلہ ہے

	جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۹پھر اللہ اس کے اوپر ہے۱۰(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ بطحا کے لفظی معنی ہیں پتھریلی یا کنکریلی نشیبی زمین جہاں سیلاب کی گزر گاہ ہو،اب مکہ معظّمہ کے قریب جنت معلیٰ کے پاس ایک جنگل کا نام ہے،مکہ معظّمہ کو بھی بطحایا ابطح کہتے ہیں،اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے رسول البطحیٰ۔غالبًا یہ جماعت مسلمانوں کی نہ تھی،اس وقت حضرت عباس بھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔(اشعہ)مگر ایک قول یہ ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہےاور یہ جماعت مؤمنین کی تھی،حضرت عباس بھی مسلمان ہوچکے تھے۔(مرقات) واللہ ورسولہ اعلم!

۲؎ حضور انور کا ان سے یہ پوچھنا اگلے کلام کی تمہید ہے جیسے رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہ پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے پھر اگلا کلام فرمایا۔

۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لغات کے بادشاہ ہیں۔مطلب یہ ہے کہ عربی میں بادل کے تین نام ہیں:سحاب،مزن،عنان یا تو بادل کے یہ تین نام ہیں،یا مزن وہ سفید بادل جو پانی کو روک نہ سکے ضرور برسے،عنان بھورا بادل اور سحاب ہر بادل۔(مرقات)اس کلام مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بادل کے یہ تین نام ہیں کیونکہ حضور انور نے اس دیکھے ہوئے بادل کے یہ تین نام ارشاد فرمائے۔

۴؎ یہ شک راوی کا ہے۔خیال رہے کہ ایسے موقعہ پر ستر وغیرہ کے معنی ہوتے ہیں بے شمار یا بہت زیادہ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے کہ یہاں کا یہ فرمان بمعنی تکثیر ہے نہ کہ حدبندی کے لیے۔

۵؎ یعنی اتنے اتنے فاصلہ پر سات آسمان واقع ہیں فلاسفہ نو آسمان مانتے ہیں وہ کرسی اور عرش کو آسمان ہی کہتے ہیں مگر جھوٹے ہیں،قرآن کریم نے بھی آسمان سات ہی ارشاد فرمائے ہیں۔موجودہ سائنس آسمان کے وجود ہی کا انکار کرتی ہے مگر جھوٹی ہے آسمان ہیں اور سات ہیں انہیں نظر آئیں یا نہ آئیں انہیں ملیں یا نہ ملیں۔

۶؎ یعنی ساتوں آسمانوں کے اوپر صاف اور جاری پانی کا ذخائر دریا ہےجس کی گہرائی اتنی ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان کا فاصلہ،رب جانے کہ وہ پانی کہاں سے آرہا ہےاور کہاں جارہا ہے۔اس حدیث کی تائید وہ حدیث کرتی ہے کہ اللہ تعالٰی نے عرش کے نیچے ایک نہایت گہرا دریا پیدا فرمایا۔

۷؎ اوعال جمع ہے وعل کی،وعل کہتے ہیں پہاڑی بکرے کو یہ فرشتے حاملین عرش ہیں جو بکرے کی شکل میں ہیں،یہ ہی فرشتے مؤمنین انسانوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

۸؎ یعنی وہ فرشتے جن کی پشت پر عرش اعظم ہے جو بکروں کی شکل میں ہیں،ان کی عظمت اور جسامت کا یہ حال ہے کہ ان کے کھر سے لے کر چوتڑوں تک اتنا عظیم الشان فاصلہ ہے جب ان کی ٹانگیں اتنی بڑی ہیں تو سمجھ لو کہ بقیہ جسم کتنا ہوگا وہ تو ہماری عقل سے وراء ہے۔

۹؎ یعنی عرش اعظم کا دل اس کی موٹائی اتنی ہے کہ اس کی اوپر اور نیچے کی سطحوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا فاصلہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

۱۰؎ یہاں فوقیت سے مراد جسمانی فوقیت نہیں نہ مکانی بلندی ہے بلکہ عظمت و قدرت کی بلندی مراد ہے یعنی اللہ تعالٰی کی عظمت و قدرت عرش اعظم سے بھی اوپر ہے۔مقصود یہ ہے کہ یہ بت جو زمین پر مارے مارے پھر رہے ہیں عبادت کے لائق نہیں،عبادت کے لائق وہ رب ہے جس کی عظمت کا یہ حال ہے۔

روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بدوی آیا عرض کیا کہ جانیں مشقت میں پڑ گئیں اور بال بچے بھوکے ہوگئے اور مال برباد جانور ہلاک ہوگئے۲؎ تو آپ ہمارے لیے اللہ سے بارش مانگیں ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع لاتے ہیں۳؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسبیح فرماتے رہے حتی کہ یہ آپ کے صحابہ کے چہروں میں پہنچانا گیا۴؎ پھر فرمایا تجھ پر افسوس ہے اللہ تعالٰی کو کسی پر شفیع بنایا جانا اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۵؎ تجھ پر افسوس کیا تجھے خبر ہے کہ اللہ کی شان کیا ہے اس کا عرش اس کے آسمانوں پر ایسا ہے اور اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اس پر قبہ کی طرح۶؎ اور وہ چرچرارہا ہے جیسے کجاوے کا چرچرانا سوار کی وجہ سے۷؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،عبدمناف کی اولاد سے ہیں،فتح خیبر کے بعد فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے،نسب اور تواریخ کے بڑے عالم تھے،حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد ہیں رضی اللہ عنہ۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا جانی مالی نقصان بہت زیادہ ہوچکا۔معلوم ہوا کہ اپنے دکھ درد کی کہانی حضور کو سنانا بالکل درست اور صحابہ کرام کا عمل ہے،یہاں کی فریاد کی ہوئی رب تعالٰی بہت کرم سے سنتا ہے۔

۳؎ یعنی ہم لوگ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو اپنا شفیع بناتے ہیں کہ آپ کی دعا سے وہ ہم پر بارش بھیجے اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالٰی کو شفیع اور سفارشی بناتے ہیں کہ آپ سے ہماری سفارش و شفاعت کرے کہ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں گویا آپ کی دعا کا شفیع اللہ تعالٰی اور بارش کے شفیع آپ ہوں۔

۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نووارد کی سخت غلطی پر تعجب فرمانے کے لیے بار بار سبحان اللہ کہتے رہے حتی کہ حاضرین بارگاہ کے چہرے اتر گئے اور ان پر خوف الٰہی ہیبت کبریائی کے آثار نمودار ہوگئے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ نے بھی پہلے اس شخص کی غلطی محسوس نہ کی تھی۔

۵؎ شفاعت بنا ہے شفیع سے بمعنی جوڑا،رب فرماتاہے:" وَالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ"۔سفارش کو شفاعت اس لیے کہتے ہیں کہ سائل حاکم کے سامنے اکیلا پیش ہونے کی ہمت نہیں کرتا تو اس حاکم کے کسی منظور مقبول کے ساتھ مل کر جڑ کر حاکم کے

سامنے پیش ہوتا ہے۔بہرحال شفیع سے حاکم افضل واعلیٰ ہونا ضروری ہے اگر خدا تعالیٰ کو شفیع کہا جاوے تو لازم آوے گا کہ کوئی اور اس سے اعلیٰ ہے جس کے دربار میں خدا تعالیٰ سے سفارش کرائی گئی،چونکہ یہ بہت باریک بات تھی اس لیے اس شخص کو نہ تو کافر کہا گیا نہ اس سے توبہ کرائی گئی،اس نے رب تعالیٰ کی توہین نہیں کی بلکہ وہ شفاعت کے معنی نہیں سمجھا۔خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اس کے صفات کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا درست ہے بلکہ اللہ کے نام کے وسیلہ سے بندوں سے مدد مانگنا درست ہے۔ہم کہا کرتے ہیں اللہ کے واسطے یہ دیدو اللہ کے نام کا صدقہ دے دو،کہا جاتا ہے شیئًاللّٰہ بشفاعت ذات اور وسیلہ نام،وسیلہ صفات میں فرق ضرور کرنا چاہیے۔

۶؎حضور انور نے اپنے بائیں ہاتھ شریف کی ہتھیلی پر اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو خیمہ یا قبہ گنبد کی طرح کھڑا کیا معقول کو محسوس کی طرح دکھایا۔

۷؎یہ کلام عالی محض سمجھانے کے لیے ہے یعنی باوجودیکہ عرش الٰہی اتنا بڑا ہے کہ وہ تمام آسمانوں کو ایسے گھیرے ہے جیسے قبہ خیمہ اپنے نیچے کی زمین پر چھایا ہوتا ہے گھیرتا ہے مگر رب تعالیٰ کی ہیبت سے گویا چرچرا رہا ہے،سوار کے بوجھ سے کمزور زین یا کمزور پالان چرچراتا ہے ورنہ وہاں نہ تو حقیقتًا بوجھ ہے نہ عرش اعظم میں چرچراہٹ کی آواز۔دیکھو طور پہاڑ تجلی الٰہی سے پھٹ گیا،یہ پھٹنا ہتھوڑے کی زد سے نہ تھا رب کی ہیبت و جلالت سے تھا،یہ حدیث متشابہات سے ہے جیسے"یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ"لہٰذا اس حدیث پر چکڑالویوں کا اعتراض محض حماقت ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں چرچرانے سے مراد ہے رب کی تسبیح و تہلیل کی آواز،عرش اعظم اٹھانے والے فرشتے اور خود عرش رب کی ہیبت سے تسبیح و تہلیل کررہے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں،فرمایا مجھے اجازت دی گئی ہے۱؎ کہ تم کو اللہ کے فرشتوں میں ایک فرشتے کے متعلق خبر دوں عرش اٹھانے والوں سے کہ اس کے کانوں کی گدیوں سے اس کے کندھوں تک سات سو سال کا فاصلہ ہے۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی ہم کو عالم غیب کی ہر چیز کی پوری خبر ہے مگر اس کے اظہار کی اجازت نہیں،ہاں اس میں جو فرشتے حاملین عرش ہیں ان میں سے ایک فرشتے کی جسامت و عظمت بتانے کی اجازت دی گئی ہے وہ تم کو بتائے دیتا ہوں حضور انور نے سارا عالم غیب اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا ہے۔اس حدیث سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کا پتہ لگا،ساتھ ہی معلوم ہوا کہ کسی چیز کا نہ بتانا نہ جاننے کی دلیل نہیں،بتانا تو اجازت ربانی سے ہوتا ہے۔

۲؎کان کی گدیا اور کندھے کے درمیان بہت ہی تھوڑا فاصلہ ہے،جب اس فرشتے کی کان کی گدیا کندھے سے اتنی دور ہے تو باقی جسم کا اندازہ کون لگاسکتا ہے۔خیال رہے کہ فرشتے انسانی شکل پر نہیں انسان کی شکل تمام خلق سے اچھی ہے"لَقَدۡ

خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ"ان کی اپنی شکلیں مختلف عرش اٹھانے والے فرشتے بکروں سے ملتے جلتے ہیں جیساکہ پہلے گزر چکا۔

روایت ہے حضرت زرارہ ابن اوفی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جبریل سے فرمایا کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو جبریل کانپ گئے ۱؎ اور عرض کیا اے حضور محمد! میرے اور رب کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں اگر میں ان کے بعض سے قریب ہوجاؤں تو جل جاؤں ۲؎ اسی طرح مصابیح میں ہے اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر انہوں نے اس کا ذکر نہ کیا کہ جبریل کانپ گئے۔	

۱؎ حضرت جبریل علیہ السلام کا کانپ جانا یا اس سوال کی ہیبت سے ہے یا اس تصور سے ہے جو انہیں اس سوال پر بندھا کہ دیدار الٰہی پر بندہ کا کیا حال ہوگا۔

۲؎ ستر سے مراد زیادتی بیان فرمانا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ میرے اور رب کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں۔خیال رہے کہ نور بھی حجاب بن جاتا ہے جیسے سورج کا نور اس کے لیے حجاب ہے۔اس سوال فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیدار الٰہی ممکن ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوال کبھی نہ فرماتے،نیز اس سے معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی صرف انسانوں کو ہوگا،جنتی مسلمان دیدار کریں گے، حضور انور نے معراج کی رات دیدار ذات اپنی آنکھوں سے کیا"ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی"۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ہے فرشتوں کو دیدار کبھی نہیں۔**احترقت** فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ نور میں گرمی ہوتی ہے مگر اور قسم کی،نور کی گرمی نار کی گرمی کو ختم کردیتی ہے،جب مؤمن پلصراط سے گزریں گے تو دوزخ پکارے گی جاگزر جا تیری نورانیت سے میری آگ بجھی جارہی ہے،حضرت خلیل پر نار نمرود ٹھنڈی ہوگئی یہ کرشمہ ہے نور کی گرمی کا۔بعض صوفیاء پر ان کے چلوں میں نورانیت غالب ہوتی ہے تو وہ ٹھنڈا پانی بہت پیتے ہیں،ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہیں،ٹھنڈے پانی کے ٹپ میں بیٹھ جاویں تو وہ گرم ہوجاتا ہے۔خیال رہے کہ یہ حجابات حضرت جبریل کے لیے ہیں نہ کہ رب تعالٰی کے لیے رب تو حجاب میں ہونے سے پاک ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے جناب اسرافیل کو پیدا فرمایا جس دن سے انہیں پیدا کیا ہے اپنے قدموں پر کھڑے ہیں ۱؎ وہ اپنی نگاہ نہیں اٹھاتے ۲؎ ان کے اور رب تعالٰی کے درمیان ستر نور ہیں،ان میں سے کوئی نور نہیں مگر جس سے وہ قریب ہوں تو جل جاویں ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ معلوم ہوا کہ اسرافیل علیہ السلام ان فرشتوں میں سے ہیں جن کی عبادت کھڑا رہنا ہے اور حکم الٰہی کا انتظار کرنا ہے کہ کب حکم ہو اور میں صور پھونکوں۔

۲؎ یعنی ان کی نگاہیں ادب سے نیچے ہیں،عرش اعظم یا لوح محفوظ کی طرف نظر نہیں اٹھاتے جیسے نمازی اپنی سجدہ گاہ پر قیام میں نظر رکھتا ہے ایسی ہی ان کی نظر ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور اس عالم کی ہر چیز کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔حضرت اسرافیل علیہ السلام کی ہر ادا حضور کی نگاہ میں ہے،اسی طرح سب غلاموں کی ہر ادا حضور کی نگاہ میں ہر وقت ہے۔جو عرش کو دیکھ سکتا ہے وہ فرش پر بھی نظر رکھ سکتا ہے،اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

سر عرش پر ہے تری گزر　　　　دل فرش پر ہے تیری نظر

۳؎ وہ حجاب نورانی ہیں ناری نہیں وہاں جلنا نور سے ہوسکتا ہے نہ کہ نار سے جیسے آج سورج کی شعاعوں سے گرمی حاصل کی جاسکتی ہے بلکہ یہ شعاعیں جلا بھی دیتی ہیں۔اس جلنے کی تحقیق ہم ابھی پچھلی حدیث میں عرض کرچکے ہیں۔ جنت میں جنتیوں کو پرندوں کے بھنے گوشت بھی دیئے جائیں گے،رب فرماتا ہے:"وَلَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَہُوۡنَ" وہاں گوشت آگ سے نہ بھونے جائیں گے کہ جنت میں آگ نہیں بلکہ نور سے اور نورانی گرمی سے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت آدم اور ان کی اولاد کو پیدا کیا تو فرشتے بولے یارب تو نے انہیں پیدا فرمایا کہ وہ کھائیں گے پئیں گے،نکاح کریں گے،سوار ہوں گے۱؎ تو ان کے لیے دنیا کردے اور ہمارے لیے آخرت۲؎ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جسے میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جس میں میں نے اپنی روح پھونکی اسے اس مخلوق کی طرح نہ کروں گا جس سے میں نے کہا ہو جاوہ ہوگئی۳؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی اولاد آدم گھر میں رہ کر بھی دنیا میں مشغول رہیں گے اور خشکی دریا کی سواریوں میں سفر کرکے بھی دنیا میں مشغول رہیں گے دنیا انہیں چمٹی رہے گی اور واقعی ٹھیک کہا۔معلوم ہوا کہ فرشتوں کو بھی رب تعالٰی نے علوم غیبیہ بخشے کہ وہ لوگوں کے آئندہ حالات کی خبر رکھتے ہیں،دیکھ لو جو فرشتوں نے ہمارے متعلق کہا تھا ہم ویسے ہی ہیں۔

۲؎ یعنی ہم دنیاوی یہ مذکورہ کام نہیں کرتے صرف تیری یاد ہماری زندگی ہے"وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"لہذا تو انسانوں کو دنیا میں ہمیشہ رکھ اور انہیں وہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے ہم کو یہاں ہمیشہ رکھ یہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے،ایسا نہ ہو کہ ان کو تو دونوں جہاں کی نعمتیں دے اور ہم ان سب سے محروم رہیں لہذا یہ آدمیوں کے لیے بددعا یا بدخواہی نہیں بلکہ ان کی بھی خیر خواہی ہے اور اپنے لیے دعا بھی ہے۔

۳؎ یعنی اے فرشتو میرے ظاہری و باطنی کمالات کا مظہر انسان ہے جیسے تم کو میں نے صرف کن فرماکر پیدا کیا ایک آن میں اور انسان یعنی حضرت آدم کا خمیر عرصہ تک تیار کیا گیا،پھر عرصہ تک اسے سکھایا گیا،میں نے اپنے دستِ قدرت سے اس

کی شکل بنائی اور اسے ظاہری خوبیوں سے آراستہ کیا،پھر اس میں اپنی خاص روح پھونکی جس سے وہ باطنی خوبی کا حامل ہوگیا۔انسان مادہ اور مجرد دونوں کا معجون مرکب ہے،تم بذات خود معصوم ہولہٰذا دوزخ سے محفوظ اور جنت سے محروم ہو،انسان طاقت اور غصے سے مخلوط ہے،عطایا اور بلایا مشحون ہے لہٰذا وہ ثواب و عذاب کا مستحق ہے۔یہ حدیث پاک ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بشر فرشتہ سے افضل ہے،یہ ہی اہلسنت کا مذہب ہے۔ فرشتوں کے کمالات انسان پر موقوف ہیں فرشتے انسان ہی کے ذریعہ حامل وحی،مجاہد غازی سب کچھ ہے،جنس بشریت جنس ملکیت سے افضل ہےاگرچہ بعض افراد ملک انسان کے بعض افراد سے افضل ہیں جیساکہ آگےآرہا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن اللہ کے نزدیک بعض فرشتوں سے زیادہ عزت والا ہے[1](ابن ماجہ)

[1] اس حدیث میں افراد مؤمنین کا ذکر ہے۔ان کی تفصیل یہ ہے کہ عام مؤمنین افضل ہیں عام فرشتوں سے اور خاص مؤمنین افضل ہیں خاص فرشتوں سے۔یہ بھی خیال رہے کہ خاص مؤمنین سے مراد حضرات انبیاء و رسل و مرسلین ہیں اور خواص ملائکہ سے مراد ہیں حضرت جبرئیل و میکائیل وغیرہ اشراف ملائکہ اور عوام مؤمنین سے مراد ہیں صالحین متقین جن میں خلفاء راشدین،خاص خاص تابعین اولیاءاللہ مراد ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ"لہٰذا حضرات خلفاء راشدین،حضور غوث پاک،امام اعظم ابوحنیفہ عام فرشتوں سے بھی افضل دیکھومرقات،یہ تفصیل خیال میں رہے،ہاں انسانیت افضل ہے ملکیت سےمگر صدیق اکبر بعد انبیاء سب سے افضل ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا[1]پھر فرمایا کہ اللہ نے مٹی پیدا کی ہفتہ کے دن اور اس میں پہاڑ پیدا کیے اتوار کے دن اور درخت پیدا کیے پیر کے دن اور ناپسندیدہ چیزیں پیدا کیں منگل کے دن،نور پیدا فرمایا بدھ کے دن اور اس میں جانور پھیلائے جمعرات کے دن[2] اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایاآخری مخلوق ہیں[3] اور دن کی آخر ساعت میں عصر سے لے کر رات تک کے درمیان[4](مسلم)

[1] ہاتھ پکڑنا یا تو اہتمام کے لیے ہے یا یہ تفصیل گنانے کے لیے یا قرب بتانے کے لیے۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ ان مذکورہ چیزوں کی پیدائش کی ابتدا ہفتہ (سنیچر) کے دن ہوئی اور انتہا جمعہ کو جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔خیال رہے کہ ہفتہ کے دن سے مراد ہے اس دن کا آخری حصہ جب کہ قریبًا اتوار شروع ہوجاتا ہے لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ" یہ کہا جاوے کہ آیت کریمہ میں آسمان اور زمین کی پیدائش کا ذکر ہے اور یہاں زمینی چیزوں کی پیدائش کا۔

۳؎ یہاں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے مراد یا تو ان کے جسم شریف کی تکمیل ہے یا جسم شریف میں روح پھونکنا مراد ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کے جسم کی ساخت تو بہت عرصہ تک ہوتی رہی،ہر قسم کی مٹی پانی کا جمع فرمانا پھر اس کا خمیر کرنا،پھر اعضاء ظاہری باطنی کا بنانا،پھر بہت روز تک سکھانا اس میں بہت دن لگے،یہ ایک دن اور ایک ساعت میں نہیں ہوا۔جمعہ کو جمعہ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں حضرت آدم کے جسم شریف کی تکمیل ہوئی،جمعہ کے معنی ہیں مجتمع ہونا مکمل ہونا،چونکہ آپ تمام مخلوق کے مقصود ہیں اس لیے آپ کو آخر میں پیدافرمایاگیا،دیکھو مرقات یہ مقام۔اس لیے صبح صادق کا وقت قبولیت دعا کا وقت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا وقت ہے اور بارھویں ربیع الاول شریف مبارک رات ہے مگر روزانہ صبح صادق وقت قبولیت ہے اور جمعہ کی آخری ساعتیں وقت قبولیت ہیں یعنی آدم علیہ السلام کا فیض ہفتہ میں ایک بار حضور کا فیض روزانہ۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے کہ اچانک ان پر بادل آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانتے ہیں ۱؎ فرمایا یہ بادل ہے یہ زمین کے ساقی ہیں ۲؎ اللہ اسے اس قوم کی طرف لے جاتا ہے جو نہ اس کا شکر کریں نہ اس سے دعا مانگیں ۳؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے،صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانتے ہیں،فرمایا آسمان ہے ۴؎ محفوظ چھت ہے اور روکی ہوئی موج ۵؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں،فرمایا تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے ۶؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے،انہوں نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں،فرمایا دو آسمان ان کے درمیان فاصلہ پانچ سو سال ہے،پھر فرمایا اسی طرح حتی کہ سات آسمان گنائے ۷؎ ہر دو آسمانوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے ۸؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ان سب کے اوپر کیا ہے،عرض کیا کہ اللہ

رسول ہی خوب جانیں،فرمایا ان کے اوپر عرش ہے۹؎اس کے اور آسمان کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو دو آسمانوں کے درمیان ہے۱۰؎پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے جو تمہارے نیچے ہے۱۱؎صحابہ نے عرض کی اللہ رسول ہی خوب جانیں،فرمایا وہ زمین ہے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں،فرمایا کہ اس کے نیچے دوسری زمین ہے جن دونوں کے درمیان پانچ سو سال ہیں۱۲؎حتی کہ سات زمینیں شمار فرمائیں۱۳؎ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے،پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ایک رسی نیچی زمین کی طرف لٹکاؤ تو اللہ پر ہی گرے گی۱۴؎پھر قرأت فرمائی وہ اول ہے اور آخر ظاہر ہے اور باطن اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۱۵؎(احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے علم پر اس کی قدرت پر اس کی حکومت پر گرے اللہ تعالٰی کا علم اس کی قدرت اس کی بادشاہت ہر جگہ ہے۱۶؎اور وہ عرش پر ہے جیسے اس نے خود اپنی کتاب میں اپنی تعریف فرمائی۱۷؎	

۱؎یہ صحابہ کرام کا انتہائی ادب ہے کہ حضور انور کے سوال پر جانی پہچانی چیز کا نام بھی نہیں بتاتے کہ نہ معلوم اس سوال میں کیا راز اور اتنی ظاہر چیز کے پوچھنے میں کیا حکمت ہے ہمارے عرض کردینے سے وہ فوت نہ ہوجائے۔

۲؎ روایا جمع ہے راویہ کی،راویہ وہ اونٹنی بھی کہلاتی ہے جو زمین کو سیراب کرے اور وہ بڑی مشک بھی جس میں پانی بھرکر اونٹنی پر لاد کرلایا جاوے اور خشک زمین میں بکھیرا جاوے یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔بادل سمندر سے پانی لاتے ہیں اور ہم پر برساتے ہیں۔

۳؎یعنی بارش اللہ تعالٰی کی نعمت عامہ ہےجو ہر شاکر و کافر کو ملتی ہے جیسے ہوا اور دھوپ۔

۴؎یا تو آسمان دنیا کا نام رقیع ہے یا ہر آسمان کو رقیع کہتے ہیں،جمع ہے ارقعہ۔

۵؎اس سے معلوم ہوتا ہے آسمان کا قوام پتلا ہے پانی کیطرح پھر بھی گرنے بگڑنے بہہ جانے سے محفوظ ہے بغیر ظاہری سہارے کے قائم ہےصرف اللہ تعالٰی کی قدرت سے،پھر اس کے دروازے بھی ہیں وہ بھی اس کی طرح رقیق و پتلے ہیں جیسے خیمے کا دروازہ کپڑے کا ہوتا ہے۔

۶؎ یعنی چڑھتے ہوئے اتنا فاصلہ ہے جو کوئی چل کر چڑھ کر وہاں جائے تو پانچ سو سال میں پہنچے، گرنے کے متعلق وہ حدیث ہے کہ صبح کا پھینکا ہوا پتھر شام سے پہلے زمین پر آجاوے۔آج جو راکٹ وغیرہ اگر آسمان پر دو تین دن میں پہنچ جاتے ہوں تو یہ رفتار اور ہی ہے جیسے مدینہ منورہ کراچی سے پیدل سال بھر کا راستہ ہے مگر ہوائی جہاز سے صرف چار گھنٹے کا لہذا حدیث واضح ہے۔

۷؎ اسی طرح بیان فرمانا کہ ان دو آسمانوں کو علیحدہ بیان کیا باقی چار آسمانوں کو علیحدہ،اعلیٰ درجہ کی فصاحت ہے اس طرح بات یاد بھی خوب رہتی ہے۔آسمانوں کا دل ان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہےاور دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ بھی اتنا ہی ہے جتنا بیچ خلا ہے۔فلاسفہ کہتے ہیں کہ تمام آسمان چمٹے ہوئے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے،یہ غلط ہے کیونکہ جو آسمان دیکھ کر آئے وہ ہر دو کے درمیان فاصلہ بتارہے ہیں اور فلاسفر صرف اپنے اندازے سے،دیکھنے والے کا قول زیادہ قابل قبول ہے۔

۸؎ یہ خبر نہیں کہ وہاں اس خلا میں کیا چیز ہے،زمین و آسمان کے درمیان جو خلا ہےاس میں تو ہوا،آگ پھر نہایت ٹھنڈا طبقہ یعنی زمہریر ہے۔

۹؎ فلاسفر کہتے ہیں کہ عرش و کرسی بھی دو آسمان ہیں اور آسمانوں کی تعداد نو ہے مگر غلط ہے آسمان سات ہیں عرش و کرسی ان کے علاوہ ہیں،ان دونوں کی حقیقت آسمانوں کی حقیقت سے وراء ہے۔

۱۰؎ یعنی جتنا فاصلہ پانچ سو سال کا آسمان وزمین کے درمیان ہےاتنا ہی فاصلہ ساتویں آسمان اور عرش عظیم کے درمیان ہےوہ فاصلہ دو آسمانوں کے درمیان ہے۔

۱۱؎ یہاں نیچے سے مراد قدم کے نیچے ہے جس سے ہمارے قدم لگے ہوئے ہیں اگرچہ حضرات صحابہ جانتے تھے کہ یہ زمین ہے مگر پھر عرض یہ ہی کیا کہ اللہ رسول جانیں،یہ ہے اس بارگاہ کا ادب۔

۱۲؎ فلاسفہ کہتے ہیں کہ زمین صرف ایک ہے یا اگر سات ہیں تو ایک دوسری سے چمٹی ہوئی ہیں جیسے پیاز کے چھلکے کہ دیکھنے میں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں مگر دو یا تین غلط ہیں،زمینیں سات ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے جیساکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ"۔

۱۳؎ خیال رہے کہ تمام زمینوں کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی مٹی مگر ساتوں آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں اس لیے قرآن مجید میں سمٰوٰت جمع ارشاد ہوتاہےاور زمین کو الارض واحد کہا جاتا ہے لہذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں۔

۱۴؎ یعنی اللہ تعالیٰ کے ملک اس کے علم اس کی قدرت پر گرے گی،جہاں پہنچے گی وہاں اللہ تعالیٰ ہی کا ملک و علم ہوگا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ"۔مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا ملک صرف آسمانوں میں محدود نہیں ہے ہر جگہ ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج آسمانی کرائی گئی وہاں بھی رب تعالیٰ ہی کا کرم و نوازش تھی۔حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچاکر معراج کرائی گئی وہاں بھی رب تعالیٰ ہی کا کرم ونوازش تھی۔(مرقات)اسی لیے حضور انور نے اگلی آیت تلاوت فرمائی۔

۱۵؎ ان چاروں نام شریف کی تفسیر اسماء حسنیٰ کی شرح میں گزر چکی۔اول بمعنی قدیم ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا،یہ حادث کا مقابل ہے،آخر کے معنی ہیں باقی غیر فانی،جب کچھ نہ رہے تو وہ رہے گا اس کے صفات ایسے ظاہر کہ بچہ بچہ جانے،اس کی

ذات ایسی خفی کہ کوئی اسے نہ پاسکے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ماعرفناك حق معرفتك پھر اور کا تو ذکر ہی کیا۔مولانا فرماتے ہیں شعر

یا خفی الذات محسوس العطاء انت کالماء ونحن کالرحی

انت کالریح ونحن کالغبار یختفی الریح وغیرہ جھار

ایک صوفی فرماتے ہیں۔

بے حجابی یہ ہے کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار اس پہ یہ گھونگھٹ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے ایک تو دیدہ ہے اور تیرے سواء نادیدہ ہے

یا اول وہ جو سب کو پیدا فرمائے،آخر وہ جو سب کو فنا کرے،ظاہر وہ جو سب پر غالب ہو جو چاہے کرے،باطن وہ جو ہرآفت زدہ مصیبت کے مارے کی پناہ ہو اس کے ساتھ ہی وہ ہر چیز کا عالم بھی ہے۔(از مرقات)

۶؎ یہ وہ ہی شرح ہے جو ابھی ہم نے عرض کی۔اللہ تعالٰی کسی جگہ میں نہیں وہ جگہ سے پاک ہے جب جگہ نہیں بنی تھی وہ جب بھی تھا کہاں تھا۔معلوم ہوا کہ وہ کہاں جہاں،یہاں وہاں سے پاک ہے،ہاں اس کی سلطنت حکومت،علم قدرت ہر جگہ ہے کوئی جگہ اس کی سلطنت سے خالی نہیں۔

۷؎ اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے"ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ"یعنی اس کا خاص تجلی گاہ عرش ہے اس کا پایہ تخت جہاں سے اس کے احکام جاری ہوتے ہیں وہ عرش ہے ورنہ عرش بھی اس کی جگہ نہیں،مگر خیال رکھنا کہ وہ جگہ سے تو پاک ہے مگر ملتا ہے دو جگہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس"لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا"یا مؤمن کے دل میں مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است من نہ گنجم ہیچ دربالاؤ پست

در دل مؤمن بہ گلنجم اے عجب گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

ہونے اور ملنے میں بڑا فرق ہے،بلا تشبیہ بجلی کا پاور سارے تار میں ہے مگر ملتا ہے وہاں جہاں بلب ہو یہ بات بہت ہی لحاظ رکھی جاوے۔

روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم کی لمبائی ساٹھ گز تھی سات گز چوڑائی۱؎	

۱؎ یہاں دونوں جگہ گز سے مراد شرعی گز ہے ایک ہاتھ یعنی مروجہ گز کا آدھاگز ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ،یہ بھی خیال رہے کہ ہاتھ سے مراد آج کل کا ہمارا ہاتھ ہے یعنی ہمارے ہاتھ سے آپ ساٹھ ہاتھ لمبے تھےاور سات ہاتھ چوڑے اور اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ تھے ہر شخص چھوٹا بڑا بچہ جوان اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ لمبا ہوتاہے،آپ کا اپنا ہاتھ شریف ہمارے سترہ ہاتھ کا تھا۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا	

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے نبی پہلے ہیں فرمایا آدم علیہ السلام۱ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا وہ نبی تھے فرمایا ہاں کلام والے نبی۲ میں نے عرض کیا یارسول اللہ رسول کتنے ہیں تو فرمایا تین سو اور کچھ اوپر دس بڑی جماعت۳ اور ایک روایت ہے میں حضرت ابو امامہ سے ہے ۴ کہ جناب ابوذر نے فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ نبیوں کی پوری تعداد کتنی ہے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار جن میں سے رسول تین سو پندرہ ہیں بڑی جماعت۵	

۱ آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں اور پہلے نبی تاکہ کوئی وقت نبوت سے خالی نہ رہے،زمانہ نبی سے خالی ہوسکتا ہے نبوت سے خالی نہیں ہوسکتا،آج بھی ہمارے حضور کی نبوت موجود ہے۔

۲ یعنی آپ نبی بھی تھے اور آپ پر صحیفے الٰہیہ بھی نازل ہوئے تھے یعنی صاحب صحیفہ نبی تھے۔

۳ مرسلین سے مراد رسول ہیں۔نبی،رسول اور مرسل میں چند طرح فرق کیا گیا ہے:ایک یہ کہ نبی وہ انسان ہیں جن پر وحی الٰہی آئے کتاب یا صحیفہ آئے یا نہ آئے۔رسول وہ جن پر وحی بھی آئے اور انہیں کتاب یا صحیفہ بھی ملے۔مرسل وہ جن کو نئی کتاب اور نئی شریعت عطا ہو۔نبی رسول تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ ہیں،بعض نے فرمایا کہ نبی وہ جن پر وحی بھی آئے،رسول وہ جن پر وحی بھی آئے اور انہیں کوئی معجزہ بھی عطا ہو۔(مرقات)

۴ یہاں ابو امامہ سے مراد ابو امامہ باہلی نہیں کہ وہ تو صحابی ہیں بلکہ ابو امامہ سہلی ابن حنیف انصاری اوسی مراد ہیں،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،عظیم الشان تابعی ہیں،آپ کی عمر بانوے[۹۲] سال ہوئی ۱۰۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ (مرقات)

۵ یہ حدیث گزشتہ حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے وہاں ارشاد ہوا تھا تین اور کچھ اور دس،اس کچھ کی یہ تفصیل کی ہے یعنی کل رسول تین سو پندرہ ہیں۔خیال رہے کہ تین سو تیرہ کی بھی روایت ہے اور چودہ کی بھی یہاں پندرہ ہے اس لیے ایمان اس طرح لائے کہ سارے نبیوں رسولوں پر ہمارا ایمان ہے،یہ بھی یاد رکھو کہ نبی رسول اور مرسل میں عام خاص کی نسبت ہے جیسے انسان اور حیوان میں۔ہر مرسل رسول بھی ہے نبی بھی ہے مگر ہر نبی رسول یا مرسل نہیں۔

نکتہ: نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار،رسول تین سو تیرہ،مرسل چار ہیں،اسی طرح صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں،اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں اور خلفاء راشدین چار،پھر چار مرسلین ہیں،ایک ہیں خاتم المرسلین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم،اسی طرح چار خلفاء راشدین ہیں: ایک ہیں افضل الخلق بعد النبیین یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں۱ اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ سب کچھ بتایا جو ان کی قوم نے بچھڑے کے متعلق کیا اس وقت آپ نے تختیاں نہیں گرائیں	

	پھر جب ان کی حرکت دیکھی تو تختیاں گرادیں وہ ٹوٹ گئیں۲؎ ان تینوں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی خبر چاہے کتنی ہی یقینی ہو مگر اس کا اثر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتا،مشاہدہ اور نظارہ کی دل پر تاثیر ہی عجیب ہوتی ہے۔اس سے پتہ لگا کہ حضور سید المرسلین ہیں کیونکہ سارے نبیوں کو رب تعالٰی کی ذات و صفات کی عالم غیب میں خبر دی گئی مگر حضور انور کو معراج کی رات ان سب کا مشاہدہ معائنہ کرایا گیا،خبر معائنہ کی طرح نہیں ہوسکتی تو خبیر بھی بصیر کی طرح نہیں ہوسکتے"اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شٰهِدًا"اس لیے حضرت خلیل نے عرض کیا تھا کہ مولٰی مردے جلا کر دکھادے تاکہ میں اس پر صرف خبیر نہ رہوں بصیر بھی ہوجاؤں،خلیل کو مردے اور ان کا جی اٹھنا دکھایا گیا،حضور کو جِلانے والا خود حی قیوم دکھایا گیا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲؎ یہ واقعہ اس دعوٰی کی تائید کے طور پر بیان فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی کی خبر موسیٰ علیہ السلام کو رب نے ہی دی تھی جو بالکل یقینی سچی تھی مگر آپ کو جوش غضب جب آیا اور توریت کی تختیاں آپ نے جب ڈالیں جب کہ اس کو آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا،اس کی تفصیل و تشریح ہماری تفسیر میں دیکھو۔

یہ مرآت جلد ہفتم آج ۵ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ ۵ فروری ۱۹۶۸ء بروز دوشنبہ ختم ہوئی،رب تعالٰی آٹھویں جلد بھی مکمل کرائے !